آؤ لوگو کہ یہیں نور خدا پاؤ گے ٭ لو تمھیں طور تسلّی کا بتایا ہم نے

ریویو آف ریلیجنز

یعنے

دنیا کے مذاہب پر نظر

جلد ۷ | بابت ماہ جنوری سنہ ۱۹۰۸ء | نمبر ۱

فہرست مضامین

قادیان ضلع گورداسپور سے - ۲۰ - جنوری ۱۹۰۸ء کو مینیجر میگزین کے اہتمام سے شایع ہوا - چندہ سالانہ عہ

صدر انجمن احمدیہ قادیان

یہ انجمن اس وقت حسب ذیل کام کر رہی ہے

(۱) **اشاعت اسلام**۔ اس غرض کیلیے رسالہ ریویو آف ریلیجنز انگریزی میں جاری کیا گیا ہے جس کی ایک کثیر تعداد یورپ اور امریکہ اور جاپان میں مفت بھیجی جاتی ہے۔ اس خرچ کے پورا کرنیکیلیے یہ لازمی قرار دیا گیا ہے کہ سب احباب جو اس سلسلہ میں داخل ہوتے ہیں اعانت کا کچھ نہ کچھ چندہ دیں یا اپنے خرچ پر ایک ایک دو دو چار چار دس دس رسالے باہر بھجوا دیں فی رسالہ جو باہر بھیجا جائے چندہ للعہ سالانہ ہے۔ مگر انگریزی رسالہ کی قیمت ہندوستان کیلیے للعہ سالانہ ہے۔ بعض کتب انگریزی میں طبع کرکے اسی غرض کے لیے مفت تقسیم کیجاتی ہیں۔ رسالہ ریویو آف ریلیجنز اردو میں بھی شایع ہوتا ہے جسکا چندہ عہ سالانہ ہے۔ ان احمدی احباب کو جو استطاعت رکھتے ہیں چاہیئے کہ اس رسالہ کو خریدیں اور پڑھیں کیونکہ اس میں نہایت قیمتی اور اہم مضامین درج ہوتے ہیں اور ہر قسم کے اعتراضات اور وساوس دور کیے جاتے ہیں۔ ان مضامین سے واقفیت حاصل کرنا ہر ایک مسلمان کیلیے ضروری ہے سب احباب کا فرض ہے کہ علاوہ خود خریدار بننے کے اس رسالہ کی خریداری کی تحریک اپنے احباب میں بھی کریں۔ رسالوں کے علاوہ اس مد کے ساتھ ایک کتب خانہ بھی ہے جس میں حضرت اقدس اور بعض احباب کی تصانیف اور بعض مفید اسلامی کتب فروخت کیجاتی ہیں۔

(۲) **تعلیم دینی و دنیوی**۔ اس غرض کے لیے ایک مدرسہ انگریزی انٹرنس تک تعلیم دینے کیلیے ہے جس میں علاوہ مروجہ مضامین کے دینیات اور عربی کی تعلیم بھی دیجاتی ہے اور ایک مدرسہ عربی مولوی فاضل تک تعلیم دینے کیلیے ہے جس میں علاوہ مولوی فاضل کی تعلیم کے دینیات کی اعلیٰ درجہ کی تعلیم اور اس کے ساتھ تھوڑی انگریزی اور کسیقدر دیگر مضامین مروجہ اور طب کی تعلیم بھی دیجاتی ہے۔ ایک گرلز سکول لڑکیوں کی تعلیم کیلیے بھی ہے اور تین برانچ سکول دیہات

بسم اللہ الرحمن الرحیم

نحمدہ و نصلی علیٰ رسولہ الکریم

حضرت مسیح کے بارہ میں قرآنی فیصلہ

حضرت مسیح کے متعلق افراط تفریط اور قرآنی فیصلہ

شاید ہی کوئی نبی گذرا ہو گا جس کے متعلق اس قدر افراط و تفریط ہوئی ہو جیسا کہ حضرت مسیح کے متعلق۔ ایک قوم تو وہ ہے جس نے اُسے خدا بنایا۔ اس سے دعائیں مانگیں اسے ہی خالق الارض والسموات سمجھا بلکہ اس کی ماں کو بھی خدا بنایا اور اسکی پرستش کی۔ انکے مقابل ایک اور قوم ہے جس نے اسے نعوذ باللہ مفتری اور کذاب کہنے پر ہی اکتفا نہیں کیا بلکہ اسے ملعون ٹھہرایا انکی پاک ولادت پر ناجائز حملے کیے اور طرح طرح کے بہتان انپر اور انکی والدہ صدیقہ پر لگائے۔ ان فسادوں کی اصلاح کے لیے خدائے تعالیٰ نے اپنا کلام اپنے پاک اور پیارے بندے محمد مصطفیٰ احمد مجتبیٰ صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل کیا۔ جس میں ایک طرف تو یہ فرمایا کہ ہم اس کلام میں حضرت مسیح کی ان تمام الزامات سے تطہیر کرتے ہیں جو ایک کور باطن قوم نے انپر یا انکی والدہ پر لگائے۔ اور دوسری طرف یہ فرمایا کہ ہم ان باطل اور فاسد عقیدوں کی اصلاح کرتے ہیں جو ایک حق اور حقیقت سے بے خبر قوم نے حضرت مسیح کے متعلق بنا لیے ہیں چنانچہ قرآن کریم نے حضرت مسیح کے بارہ میں خدائی فیصلہ کو دنیا میں ظاہر فرمایا۔ اور خدا کی اس پاک کلام پر ہمارا ایمان اور بھی بڑھتا ہے جبکہ ہم دیکھتے ہیں کہ اس کے نزول کے تیرہ سو سال بعد آج دنیا میں تمام طالبان حق اسی نتیجہ پر پہنچ رہے ہیں جس کا اعلان تیرہ صدیاں ہوئیں ملک عرب میں خدا کے ایک برگزیدہ نبی فداہ ابی وامی نے کیا

تھا۔ اور جہاں یہود میں ایسے لوگ دن بدن بڑھتے جاتے ہیں جو حضرت مسیح کے حق میں ناشایستہ الفاظ کے استعمال کو چھوڑ کر آنجناب کی عزت کرتے ہیں عیسائیوں میں ایک بہت بڑا گروہ اس باطل عقیدہ سے بیزار ہو گیا ہے کہ نعوذ باللہ حضرت مسیح خدا تھے یا خدائی کے حصہ دار تھے۔ اور دونوں قومیں اسی سچے عقیدہ کو اختیار کر رہی ہیں جو قرآن کریم نے سکھایا تھا۔

باوجود اس عظیم الشان انقلاب کے جو مسیح کے متعلق عقیدہ میں واقع ہو رہا ہے۔ اب بھی ایسے لوگ موجود ہیں جو حق سے منہ پھیر لینے میں اپنا فخر سمجھتے ہیں۔ ایک صاحب جن کا نام ڈاکٹر چیتو پدھیا ہے انہوں نے رسالہ "ہندوستان ریویو" کی اگست کی اشاعت میں عنوان "قرآن میں مسیح" کے نیچے ایک مضمون لکھا ہے۔ اور اس میں یہ ثابت کرنیکی کوشش کی ہے کہ قرآن شریف میں جو جو الفاظ مسیح کے بارہ میں وارد ہیں انسے یہ ثابت ہوتا ہے کہ مسیح انسان نہ تھا بلکہ خدا تھا۔ یہ ڈاکٹر صاحب اس بات کا دعویٰ کرتے ہیں کہ مختلف مذہبوں کے حالات اور تصنیفات کو مَیں نے خوب پڑھا ہے اور تجربہ کیا ہے۔ اور آخر تحقیقات اور غور و فکر کے بعد اس نتیجہ پر پہنچا ہوں کہ عیسائی مذہب کا فرقہ رومن کیتھلک برحق مذہب ہے اور اسی لیے مَیں نے اسکو اختیار کیا ہے۔ ڈاکٹر مذکور نے اپنے مضمون کا خلاصہ نتیجہ کیطور پر یوں بیان کیا ہے "یسوع مسیح کے حق میں باربار "کلمۃ اللہ" اور "روح اللہ" اور اسی قسم کے اور الفاظ کا اقرار اور اس کے سارے معجزات پر ایمان لانیکے بعد جنسے ثابت ہوتا ہے کہ اسے مُردوں اور زندوں پر قدرت حاصل تھی۔ اندھوں۔ بہروں۔ کوڑھیوں اور مفلوجوں کو چنگا کرتا تھا۔ مٹی سے پرند پیدا کرتا تھا۔ اور ایک دفعہ ایک دسترخوان کو آسمانی کھانوں سے پُر کر دیا تھا۔ بالفاظ دیگر اس کے متعلق تمام ایسے اوصاف پر ایمان لانیکے بعد جو محض خدا کے لیے مخصوص ہیں اور سوائے خدا کے کسی غیر کے لیے مانے نہیں جاتے یہ ایک

ڈاکٹر چیتو پدھیا

بالکل غیر معقول بات ہے کہ اسکی الوہیت کو تسلیم نہ کیا جاوے۔ اس کی مثال تو یہی ہے کہ ایک انسان کی طاقت اور حقوق شاہانہ تو سب تسلیم کیے جائیں لیکن باوجود اسکی اقتدار شاہانہ پر کامل ایمان رکھنے کے اسکو بادشاہ کہنے سے پرہیز کیجائے۔ قرآن شریف کی اُن تمام عبارات سے جو مسیح کے متعلق آئی ہیں جائز اور معقول طور پر جو نتیجہ مفہوم ہو سکتا ہے مسیح کی الوہیت ہے۔ اس کے سوائے کوئی اور بات نہیں "۔ ڈاکٹر صاحب کے اس دعوے کے خیال سے کہ گویا میں نے تمام مذاہب پر غور کیا ہے اور ہر ایک مذہب کی تصانیف کو پڑھا ہے اور کامل تحقیقات کے بعد رومن کیتھلک مذہب اختیار کیا ہے ہم نے سمجھا تھا کہ اتنی تحقیقات کے مدعی کی تحریر میں کوئی معقولیت اور حقیقت ضرور ہوگی۔ لیکن مضمون کو ختم کرنے سے پہلے ہی ہم کو معلوم ہو گیا کہ ڈاکٹر صاحب معمولی انسان پرستی کے گڑھے سے باہر نہیں ہوئے۔ وہ بھی معمولی طرز کے عیسائی ہیں اور انکا دوسرے مذاہب سے واقفیت کا دعویٰ سچائی سے بہت دُور ہے۔ چنانچہ اسی مضمون میں جسپر انہوں نے اتنا بڑا زور دکھایا ہے۔ ہم دیکھتے ہیں کہ جن قرآنی عبارتوں کو انہوں نے اپنے دعوے کے ثبوت میں پیش کیا ہے اور انکے اپنے مطلب کے موافق معانی اور مطالب بیان کیے ہیں اور ان معانی پر اپنے دعوے کی بنیاد قائم کر کے ایک خیالی عمارت کی بنا ڈالی ہے وہ عیسائیوں کی اُس طرز سے بالکل جدا نہیں ہوئی جو انکا مذہبی خاصہ ہو گیا ہے کہ الفاظ کو توڑ مروڑ کر اور سیاق و سباق پر غور کرنیکے بغیر جو معنے کسی عبارت سے چاہیں نکال لیتے ہیں۔ جو کچھ آیات و الفاظ قرآنی اقتباس کر کے انہوں نے اپنی تائید کرنیکی کوشش کی ہے وہ سراسر خلاف حق اور خلاف موضوع ہیں۔ ہم ڈاکٹر صاحب کو جاہل اور ناقابل تو نہیں کہتے۔ ہم مانتے ہیں کہ وہ اور علوم میں ید طولیٰ رکھتے ہوں گے لیکن اس امر حق کو ظاہر کرنیکی مودبانہ اجازت چاہتے ہیں کہ علم قرآن سے انکو مس حاصل نہیں اور علوم عربیہ میں دستگاہ کا دعویٰ انکا بہتے پانی پر گھر کی بنا ڈالنے کی مانند ہے۔ اس میں شک

نہیں کہ انہوں نے بہت سی قرآنی آیتیں اپنی تائید میں نقل کی ہیں۔ لیکن صرف اس بات سے کہ کوئی شخص قرآن شریف کی بہت سی آیتوں کو کسی جگہ نقل کر دے اسکی عظمت اور علم عربی سے واقفیت اور قرآن شریف کے علوم میں مہارت کامل ثابت نہیں ہوسکتی۔ ہم کو فی الحال دوسری علمی شاخوں سے تعلق نہیں کیونکہ وہ ہمارے مدعائی مضمون سے دور ہیں اس لیے ہم ڈاکٹر صاحب کی لیاقت کے متعلق کوئی بحث نہیں کرنا چاہتے۔ بلکہ ہم انکے دعویٰ کو اس حد تک بقول سعدی سے تا مرد سخن نگفتہ باشد۔ عیب و ہنرش نہفتہ باشد۔ بنظر عزت دیکھتے ہیں جس حد تک اسلام کے ساتھ اس کا تعلق نہیں۔ البتہ قرآن شریف کے علوم میں انکی عدم واقفیت بیان کرنیکے لیے ہم کو انکی اپنی تحریر نے مجبور کر دیا ہے۔ کیونکہ جو کچھ انہوں نے اس بارہ میں لکھا ہی وہ ایسا لچر اور بے معنی ہے کہ معمولی سمجھ کا انسان جس کا دماغ کسی خبط اور تعصب کے پنجہ میں گرفتار نہ ہو ڈاکٹر صاحب کی اس تحریر پر ہنسی اُڑائیگا۔ ڈاکٹر صاحب جیسا نامی مدعی اور انکی ایسی تحریر جس سے انکی قرآن سے پرلے درجہ کی ناواقفیت ظاہر ہوتی ہے تعجب اور افسوس دلانیوالی بات ہے۔ سب سے پہلی غلطی تو ڈاکٹر صاحب نے یہ کی۔ ہے کہ انہوں نے جن اوصاف کو اوصاف الٰہی سمجھا ہے اور انکا مسیح میں موجود ہونا بروئے قرآن قرار دیا ہے انپر ضروری تھا کہ پہلے اُسی کتاب (قرآن) سے یہ ثابت کر دکھاتے کہ اس میں یہی صفتیں خدائے واحد لاشریک لہٗ کی ہیں۔ مگر وہ اس طرف ہرگز نہیں آئے۔ ایک طرف قرآن شریف مسیح یا کسی غیر اللہ کی الوہیت کے عقائد اور دعاوی کو نہایت مضبوط اور تیز اوزاروں کے ساتھ جڑھ سے اُکھاڑتا ہے۔ اور دوسری طرف بقول ڈاکٹر صاحب مسیح کو تمام خدائی اوصاف سے متصف کرتا ہے یہ دو تضاد باہم کیونکر جمع ہو سکتے ہیں؟ ہم اس بات کے قائل ہیں کہ یہ نہایت ہی نامعقول بات ہے کہ کسی آدمی کو تمام شاہی اختیارات اور حقوق اور وقار اور شان و شوکت کے وصف سے متصف مانا جائے۔ لیکن اسکو بادشاہ کا خطاب دینے سے انکار کیا جائے۔ یہ بیشک پرلے درجہ کی ہٹ دھرمی ہوگی۔ لیکن سوال یہ ہے کہ آیا قرآن کریم نے

فی الواقع ایسا کیا ہے کہ وہ تمام اوصاف جو خدا کے لیے بیان کیے ہیں اور وہ تمام قوتیں اور قدرتیں جن کا خدا کی ذات میں ہونا مانا ہے انہی تمام اوصاف اور انہی تمام قدرتوں کا مسیح میں پایا جانا دوسری جگہ بیان کیا ہے ؟ اور پھر جس طرح خدا تعالیٰ کو تمام عجزوں اور کمزوریوں اور احتیاجوں سے بری اور برتر مانا ہے اسی طرح مسیح کو بھی تمام قسم کے عجزوں اور کمزوریوں اور احتیاجوں سے بری مانا ہے ؟ جس شخص نے سرسری نظر سے بھی قرآن کریم کو پڑھا ہے وہ ایسے دعوے کو سراسر حماقت خیال کریگا۔ ڈاکٹر صاحب کی تحریر ہمارے سامنے موجود ہے ہم نے اسکو غور سے پڑھا ہے اور شروع سے لیکر اخیر تک پڑھا ہے ہمیں کسی جگہ یہ بات نظر نہیں آئی کہ ڈاکٹر صاحب نے ان اوصاف میں سے جو انہوں نے قرآن شریف کی طرف منسوب کر کے مسیح کے لیے پیش کی ہیں کسی ایک کو بھی قرآنی عقاید کے رو سے الٰہی صفت ثابت کیا ہو۔ ڈاکٹر صاحب کی ناواقفیت کا ثبوت تو اسی جگہ ملجاتا ہے جب وہ لکھتے ہیں کہ ”کلمۃ اللہ“ اور ”روح من اللہ“ مسیح کو قرآن میں کہا گیا ہے۔ اور یہ اوصاف الٰہی ہیں گویا کلمۃ اللہ اور روح من اللہ خالق کے لیے بولے گئے ہیں نہ مخلوق کے لیے پس اس لیے مسیح بھی خدا ہے۔ یا یہ کہ اس نے چند معجزے دکھلائے جو انسانی طاقت سے بڑھکر تھے پس مسیح خدا ہے۔ اب ہم ان ڈاکٹر صاحب کی ہر ایک دلیل کو بہ تفصیل و ترتیب لیکر ذیل میں اس کا جواب دیتے ہیں۔

معترض کا اپنی تردید آپ

لیکن اس ترتیب کو ہاتھ میں لینے سے پہلے ہم اس جگہ اتنا ثابت کرنا مناسب سمجھتے ہیں کہ ڈاکٹر صاحب نے پہلے اپنے کہنے کے برخلاف اس مضمون میں نہایت چشم بستہ تعصب سے کام لیا ہے۔ انہوں نے حق پسندی اور بے تعصبی سے قلم نہیں اٹھایا بلکہ پہلے الوہیت مسیح کی عمارت کا ایک خیالی محل دماغ میں تیار کر کے اور اپنے عیسائیانہ اعتقاد کو دل میں مضبوط کر کے پھر چاروں طرف سے گھیر کر رطب و یابس استدلال کو اس کے گرد لاڈالنے کی کوشش کی ہے جن کا نہ کوئی سر ہے اور نہ کوئی پیر۔ محض ایک تودہ متضادات ہے۔ اپنے مضمون کی ابتدا میں انہوں نے لکھا ہے کہ ”مسیح کی متعلق جو کچھ قرآن شریف میں مذکور ہے وہ معمولی سے زیادہ وقعت کے قابل ہے اور اس کی دو وجوہ ہیں

(۱) یہ کہ یہ نبی اسلام (صلعم) کی اپنے مُنہ کی باتیں نہیں بلکہ یہ وہ باتیں ہیں جو انکو خدا تعالیٰ نے وحی کیں"۔ یہاں اپنے مطلب کے لیے صاف طور پہ مانا ہے کہ قرآن شریف خدا کا کلام ہے اور آنحضرت سرور کائنات صلعم کا اس میں کوئی دخل نہ تھا۔ اور زور سے اس دلیل کو اپنے حق میں پیش کیا ہے۔ لیکن تھوڑی دُور آگے چلکر اس اپنے قول کی خود ہی تردید کردی اور یہ کہنا شروع کردیا کہ تمام قرآن اور خصوصاً وہ حصہ جس میں مسیح کا ذکر ہے الہامی کلام نہیں بلکہ مختلف ذرایعہ سے اخذ کیا گیا ہے۔ مثلاً ایک جگہ جہاں چند امور لکھ کر یہ نتیجہ لکھا ہے کہ "ان سے یسوع مسیح کی معجزانہ ولادت ثابت ہوتی ہے"۔ وہ لکھتے ہیں کہ "یہ بات معقول معلوم ہوتی ہے کہ پیغمبر اسلام (صلی اللہ علیہ وسلم) نے مسیح کی پیدایش کا حال اُن ملحد فرقوں کی تحریرات سے لیا تھا جن کو نیرو۔ ڈامیشن۔ ڈایو کلیشن اور دوسرے رومی بادشاہوں کے مظالم نے ملک بدر کرکے عرب میں پناہ گزین ہونے پر مجبور کردیا تھا۔ اور جن کی بدعت خیز اور کفر آمیز تحریرات کو بعہد قسطنطین اعظم ۳۲۵ء کی کونسل نسیا میں غیر مستند قرار دیکر مردود اور متروک کردیا گیا تھا"۔ پھر آگے چلکر بعض معجزات کا ذکر کرکے لکھا ہے "یہ صاف ظاہر بات ہے کہ یہ معجزہ عشاء ربانی کی کسی یادگار سے لیا گیا تھا جو پیغمبر اسلام (صلعم) کو کسی ذریعہ سے ہاتھ آگئی تھی"۔ پھر آگے چلکر جہاں یہ ذکر کیا ہے کہ قرآن شریف مسیح کے ابن اللہ ہونے اور صلیب پر مرنے سے انکار کرتا ہے۔ یہی ڈاکٹر جس نے اپنے مضمون کی ابتدا میں یہ تسلیم کیا تھا کہ قرآن شریف میں جس قدر بیان مسیح کی متعلق ہے وہ سب الہامی ہے وہی ڈاکٹر صاحب اسی مضمون کے اخیر میں آکر لکھتے ہیں کہ "تو پھر کیا یہ ممکن نہیں کہ جب حضرت محمد (مصطفٰے صلعم) نے ملک عرب کے لیے ایک قومی مذہب کی بنا ڈالنے پر عزم بالجزم کرلیا تو انہوں نے عمداً بڑی احتیاط سے اس خیال کو بصیلدیوں سے لیکر اسکو اپنے سانچے میں ڈھال لیا اور اس طرح اپنے اور عیسوی دین کے درمیان ایک ایسی پُر امتیاز سد تیار کرلی جس کا دُور ہونا محال ہوگیا"۔

اس طرح پر یہ مضمون نویس شروع میں تو لکھتا ہے کہ مسیح کے متعلق قرآن میں جو کچھ لکھا ہے

وہ معمولی سی بڑھکر قابل وقعت ہے۔ اور اس وقعت کی اہمیت کی وجہ صرف وہ یہ لکھتا ہے کہ یہ کلام انسانی نہیں بلکہ خدا کا کلام ہے جو آنحضرت صلعم پر وحی ہوا تھا۔ اب آگے آکر وہی شخص لکھتا ہے کہ فلاں واقعہ آنحضرت صلعم نے فلاں قوم سے لیا۔ اور فلاں مذکور فلاں جگہ سے اخذ کیا وغیرہ وغیرہ۔ اب اس عقلمند عیسائی فاضل ڈاکٹر سے کوئی پوچھے کہ آپ کی دونوں باتوں میں کونسی بات سچی اور قابل وثوق سمجھی جائے۔ اس بات سے یہی سمجھا جاتا ہے کہ اس بزرگ پادری کو بھی معمولی عیسائی ہتکنڈوں سے چھٹکارا نہیں ہوا۔ حق پتر وہی اس کے نزدیک نہیں آئی جہاں کہیں اپنے مطلب کی بات دیکھی اسی کو اس موقع پر چسپان کر دیا۔ خواہ آگے جاکر اسی کی آپ مخالفت کردی۔ لیکن اس وقت لوگوں کو دھوکہ دیکر اپنا مطلب بیان کر لیا۔ ہمیں عیسائیوں کیحالت دیکھ کر افسوس آتا ہے کہ یہ لوگ باوجود علم وفضل کے اتنے بڑے دعووں کے ابھی تک اس پُرانی عیسائی جہالت اور تعصب کے گڑھوں سے باہر نہیں نکلے۔ اور تحقیق حق میں بے تعصبی سے کام لینے کے شرف سے ابھی تک محروم پڑے ہیں۔

قرآن میں مسیح کی ۱۲ صفات جن پر پادری کی بنا

اب ہم اصل مطلب کی طرف رجوع کرتے ہیں اور یہاں ان اوصاف کی فہرست درج کرتے ہیں جو ڈاکٹر صاحب مذکور نے قرآن شریف کی طرف منسوب کر کے مسیح کے معاملہ میں لکھی ہیں اور جن پر اس نے اپنی تحریر کی بنیاد رکھی ہے۔ اور وہ یہ ہیں (۱) مسیح کو قرآن میں "کلمۃ اللہ" کہا گیا ہے۔ (۲) اسے "روح اللہ" کہا گیا ہے۔ (۳) اسے "شفیع روز قیامت" کہا گیا ہے۔ (۴) اس کا تعلق خدا تعالیٰ کے ساتھ ایک مخصوص اور غیر معمولی تعلق سمجھا گیا ہے۔ (۵) اسکی نسبت لکھا گیا ہے کہ وہ کنواری مریم کے پیٹ میں روح القدس کے ذریعہ سے گیا (۶) اسکی نسبت بیان کیا گیا ہے کہ وہ معصوم پیدا ہوا۔ (۷) اس کی نسبت بیان کیا گیا ہے کہ وہ زمین پر تمام دنیا کے لوگوں کے لیے خدا کا نشان اور اس کی طرف سے رحمت بنکر نازل ہوا (۸) قرآن شریف میں مسیح کی موت اور اس کا جی اُٹھنا بھی مانے گئے ہیں (۹) اس کی نسبت تسلیم کیا گیا ہے کہ اس میں خلق کرنے اور مردوں کو زندہ کرنیکی قدرت تھی (۱۰) قرآن شریف کے

رو سے ہر ایک یہودی۔ عیسائی اور مسلمان کو اپنے مرنے سے پہلے ایمان لانا پڑتا ہے کہ یسوع مسیح
اس کا خداوند اور نجات دہندہ ہے۔ (۱۱) یہ بھی مانا گیا ہے کہ یسوع مسیح ہی قیامت کے دن
تمام لوگوں کا آخری فیصلہ کرنیوالا ہوگا (یعنی اسی کے حکم سے لوگ بہشت یا دوزخ میں جائیں گے)
(۱۲) یہ تسلیم کیا گیا ہے کہ وہ صلیب پر فوت ہوا۔ اور پھر اُٹھا کر خدا کی گود میں بٹھایا گیا۔

یہ ہیں بارہ صفتیں جو ڈاکٹر صاحب نے مسیح کی الوہیت کے ثبوت میں پیش کی ہیں۔ اور جنکی
نسبت لکھا ہے کہ گویا قرآن شریف میں ان باتوں کو تسلیم کیا ہے۔ لیکن ان میں بعض باتیں تو
ایسی ہیں جن کا کہیں نام ونشان تک قرآن شریف میں نہیں اور باقی جو ہیں۔ وہ سب سراسر
غلط مفہوم اور غلط معنی کیے گئے ہیں۔ ہم ان تمام باتوں پر ایک ایک کرکے بحث کرکے
ناظرین کو دکھاتے ہیں کہ ڈاکٹر صاحب نے کہانتک حق پسندی اور دیانتداری سے کام لیا ہے:

کلمۃ اللہ کا استعمال قرآن میں

۱۔ "**کلمۃ اللہ**" یہ جملہ قرآن شریف میں صرف مسیح کے بارہ میں ہی نہیں آیا بلکہ کئی اور
مقامات پر بھی وارد ہوا ہے چنانچہ سورہ لقمان میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ ولوان ما فی الارض
من شجرۃ اقلام والبحر یمدہ من بعدہ سبعۃ ابحر ما نفدت کلمات اللّٰہ
ان اللّٰہ عزیز حکیم (آیت ۲۶) ترجمہ:۔ اگر تمام روئے زمین کے درخت قلمیں
بنجائیں اور اگر سمندر پھیلکر سات سمندر سیاہی کے ہوجائیں تو کلمات اللہ ختم نہیں ہوسکیں گے
کیونکہ اللہ بڑا غالب اور حکمت والا ہے۔ ایسا ہی سورۃ الکھف کی آیت ۱۰۹ میں ہے قل
لو کان البحر مدادا لکلمات ربی لنفد البحر قبل ان تنفد کلمات ربی
ولو جئنا بمثلہ مددا۔ ترجمہ "کہو اگر سمندر میرے رب کے کلمات کے لیے سیاہی
بنجائیں اور ہم اسی قسم کے کئی سمندر بھی اگر لے آئیں تو وہ سب قبل اس کے کہ میرے رب کے
کلمات ختم ہوں ختم ہوجائیں گے" ان آیات میں کلمات اللہ کا استعمال صاف بتاتا ہے کہ
کہ اگر حضرت مسیح کو کلمۃ اللہ کہا گیا ہے تو اس سے کوئی انکی خصوصیت یا خدائی ثابت
نہیں ہوتی۔ بلکہ جیسے دوسرے کلمات اللہ مخلوق ہیں اور انکی تعداد اسقدر ہے کہ اگر سارے

سمندر بھی سیاہی بنجائیں تو بھی سب کلمات اللہ لکھنے میں نہیں آ سکتے۔ اسی طرح مسیح بھی اگر کلمۃ اللہ ہیں تو اسی مخلوق میں سے ایک مخلوق ہیں۔ گویا قرآن شریف کی اصطلاح میں کلمۃ اللہ کوئی ایسی خصوصیت نہیں جو مسیح کا خاصہ قرار دی گئی ہو۔ کیونکہ اگر ایسا ہوتا تو ضرور تھا کہ مسیح کی ذات تک ہی اس کو محدود رکھا جاتا اور کسی دوسری آیت میں جو مسیح کے متعلق نہیں اس کو استعمال نہ کیا جاتا۔

وہ آیات جن میں مسیح کو کلمۃ اللہ کہا گیا ہے

اب ان آیات کو لو جن میں حضرت مسیح کو کلمۃ اللہ کہا گیا ہے اول سورہ آل عمران کی آیت ۴۴ ہے۔ اذ قالت الملئکۃ یٰمریم ان اللہ یبشرك بکلمۃ منہ اسمہ المسیح عیسی ابن مریم۔ ترجمہ "جب ملائکہ نے کہا اے مریم! اللہ نے تمھیں اپنے پاس سے ایک کلمہ کی بشارت دی ہے اس کا نام مسیح عیسیٰ ابن مریم ہو گا" پھر سورۃ النساء کی آیت ۱۶۹-۱۷۰ مسیح کے متعلق اللہ تعالےٰ فرماتا ہے۔ یا اھل الکتٰب لا تغلوا فی دینکم ولا تقولوا علی اللہ الا الحق انما المسیح عیسی ابن مریم رسول اللہ و کلمتہ القٰھا الی مریم وروح منہ۔ فاٰمنوا باللہ ورسلہ۔ ولا تقولوا ثلٰثۃ۔ انتھوا خیرًا لکم انما اللہ الہ واحد سبحانہ ان یکون لہ ولد۔ لہ ما فی السمٰوات وما فی الارض وکفیٰ باللہ وکیلا۔ لن یستنکف المسیح ان یکون عبدًا للہ ولا الملئکۃ المقربون۔ ترجمہ۔ اے اہل کتاب! اپنے دین میں غلو مت کرو۔ اور اللہ تعالیٰ پر سوائے امر حق کے اور کچھ نہ کہو۔ تحقیق مسیح عیسیٰ ابن مریم اللہ کا رسول تھا اور اس کا کلمہ تھا جو اس نے مریم کی طرف القا کیا۔ اور اس سے ایک روح تھی۔ پس تم اللہ اور اس کے رسولوں پر ایمان لاؤ! اور تثلیث کے قائل مت بنو۔ اس سے بچے رہو۔ اسی میں تمھاری بہتری ہے کیونکہ اللہ تو اکیلا معبود ہے۔ وہ اس عیب سے پاک ہے کہ کوئی اس کا بیٹا ہو۔ وہ تو جو کچھ زمین اور آسمان میں ہے سب کا مالک ہے۔ اور وہی اکیلا اللہ کافی کارساز ہے۔ مسیح کو خدا کا بندہ ہونے سے کسی قسم کی عار نہیں اور نہ ہی ان فرشتوں کو جو خدا

کے مقرب ہیں"۔ قبل اس کے کہ ہم ان آیات کا صحیح مفہوم پیش کریں ہم اس بات کو ضروری سمجھتے ہیں کہ اس جگہ اس غلطی یا دھوکہ دہی کا اظہار کریں جو عیسائی مصنف ان آیات کو اپنے مطلب کے موافق بنانیکے لیے انکا ترجمہ کرنے میں کرتے ہیں۔ پہلی آیت جو مسیح کے بارہ میں ہے اور جس میں اسے کلمہ کہا گیا ہے جو ڈاکٹر صاحب نے پیش کی ہے اور جس کو عموماً عیسائی لوگ پیش کرنیکے عادی ہیں اس میں صرف "کلمۃ" بغیر ال کے آیا ہے اور اس لیے اس کے معنے میں عموم اور تنکیر پائی جاتی ہیں۔ لیکن پادری صاحب نے ان آیات کا ترجمہ کرنے میں لفظ "دی ورڈ" استعمال کیا ہے جو معرفہ ہے۔ قرآن شریف سے تو اتنا ثابت ہوتا ہے کہ حضرت مریمؑ کو صرف اتنی اطلاع دیگئی تھی کہ "خدا سے ایک کلمہ" کی بشارت تجھے دیجاتی ہے۔ اس سے یہ نہیں پایا جاتا کہ صرف حضرت مسیح علیہ السلام ہی ایک ایسے شخص تھے جو تمام مخلوقات میں "کلمۃ اللہ" کو لقب کے لیے مخصوص تھے۔ بلکہ صاف معنے اس کے یہی ہیں کہ منجملہ کلمات اللہ مسیح بھی ایک کلمہ تھے۔

اسی طرح دوسری آیت میں اصل جملہ قرآنی "وکلمتہ القٰھا الیٰ مریم" ہے جس کا ترجمہ ہے "اور خدا کا ایک کلمہ ہے جو اس نے مریم کی طرف القا کیا"۔ لیکن ڈاکٹر صاحب مذکور اس کا ترجمہ یوں کرتے ہیں "خدا کا کلمہ جو خدا نے مریم کے اندر ڈالدیا"۔ آیت قرآنی میں تو لفظ الیٰ لکھا ہوا ہے اور اس کے معنے کبھی اندر نہیں ہوئے۔ بلکہ اس کے معنے طرف کے ہیں۔ آیت کے یہ معنے کرنیسے کہ خدا نے اپنا کلمہ مریم کے اندر ڈالدیا ڈاکٹر صاحب کی غرض یہ ہے کہ آیت کا مفہوم یہ معلوم ہو کہ گویا خدا کا کلمہ کوئی مجسم چیز تھی جو مریم کے اندر داخل ہو گئی اور وہاں گوشت پوست بن کر انسان کی صورت بن گئی۔ اصل میں اس غلطی کا ارتکاب عمداً یا سہواً سب عیسائی صاحبان کرتے ہیں اور اس کی اصل وجہ یہ ہے کہ یوحنا کی انجیل کے بعض بتے تکے الفاظ کے ساتھ وہ قرآن کریم کی تفسیر کرنا چاہتے ہیں مثلاً یوحنا کی انجیل میں ابتدا میں ہی لکھا ہے کہ "ابتدا میں کلام تھا ..... اور کلام خدا تھا" اور پھر آگے چلکر لکھا ہے کہ "کلام مجسم ہوا اور وہ فضل اور راستی سے بھرپور ہو کر ہمارے درمیان رہا"۔ اب جس وقت عیسائی صاحبان قرآن شریف

قرآنی آیات کے معنوں میں پادری صاحبان کی غلطی یا دھوکہ دہی

یوحنا کی اصطلاحوں کو قرآن میں داخل کرنیکی کوشش

میں ان الفاظ کو پڑھتے ہیں کہ اے مریم! خدا تجھے ایک کلمہ کی بشارت دیتا ہے تو اس سے مراد وہی کلمہ یا کلام سمجھتے ہیں جس کا ذکر یوحنا کی انجیل کے ابتدا میں ہے کہ ابتدا میں کلام تھا اور کلام خدا تھا۔ گویا انکے نزدیک حضرت مریم کو جو بشارت دی گئی اس کا مفہوم یہی تھا کہ اس کلام کے پیدا ہونیکی بشارت دیجاتی ہے جو بقول یوحنا خدا تھا۔ یا جب قرآن شریف میں یہ لکھا ہوا پاتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے مریم کی طرف ایک کلمہ القا کیا تو اس سے یہ معنے نکالنے کی کوشش کرتے ہیں کہ جسطرح یوحنا کی انجیل میں لکھا ہے کہ کلام مجسم ہوا یہی معنے قرآن شریف کے ان الفاظ کے بھی ہیں گویا کلمہ مجسم ہوکر مریم کے اندر داخل ہوگیا۔ اسی واسطے ڈاکٹر چیتو پادھیائے صحیح معنے کرنیکی بجائے کلمۃ القٰھا الی مریم کے یہ معنے کیے ہیں کہ ایک کلمہ تھا جو مریم کے اندر داخل کیا۔ پس ناظرین کو یہ بات یاد رکھنی چاہیئے کہ قرآن شریف کے معنے کرنے میں یوحنا کی اصطلاحوں کو داخل کرنا سراسر نادانی ہے کیونکہ یہ تفسیر نہیں بلکہ معنوں کو عمداً بگاڑنا ہے۔ قرآن شریف کے الفاظ کے معنوں کو سمجھنے کے لیے ہمیں یا تو قرآنی اصطلاحات کو دیکھنا چاہیئے اور یا زبان عربی کی اصطلاحات اور لغات کو اور ان خیالات یا عقاید کو اس میں دخل نہیں دینا چاہیئے جو پہلے سے ذہن میں جما رکھے ہیں۔ اسی اصول کے لحاظ سے ہم اب لفظ کلمہ کی تحقیق کرتے ہیں تاکہ یہ معلوم ہو کہ مسیح کے متعلق اس لفظ کے استعمال سے کیا مراد ہے۔ پہلے ہم اس بات پر بحث کریں گے کہ قرآن شریف کی رو سے وہ کونسے امور ہیں جو لفظ کلمہ کے مفہوم میں داخل نہیں ہیں۔ کیونکہ اس سے ڈاکٹر صاحب کے بیان کی اصل حقیقت معلوم ہو جائیگی۔ سب سے پہلے ہم اس آیت کو لیتے ہیں جو ڈاکٹر مذکور نے دوسرے نمبر پر لکھی ہے۔ اور وہ یہ ہے۔ یا اھل الکتٰب لا تغلوا فی دینکم ولا تقولوا علی اللہ الا الحق پھر اس کے بعد متصل ہی مسیح ابن مریم کا ذکر شروع ہو جاتا ہے۔ اس آیت کے ربط و سیاق مضمون سے صاف عیاں ہو رہا ہے کہ اس کے مخاطب عیسائی لوگ ہیں اور انکو ہی یہ کہا گیا ہے کہ تم لوگ اپنے دین میں غلو مت کرو۔ اور خدا پر سچی بات کے سوا اور کچھ نہ کہو اور وہ اعتقاد جس کی طرف اس آیت میں اشارہ ہے مخفی نہیں رکھا گیا بلکہ ساتھ ہی اس کو

کلمہ اس کے مفہوم میں کونسی
امور داخل نہیں

بھی کھول دیا ہے کہ لا تقولوا ثلثة "تم تثلیث کے قائل مت بنو" پس نتیجہ اس آیت کا یہ ہے کہ اس میں مسیح کے الوہیت کا جزو ثانی ہونیکی تردید کیگئی ہے اور اس کی خدائی سے انکار کیا گیا ہے۔ اس لیے اسی آیت کے جملہ کلمتہ القٰھا الیٰ مریم کے خواہ کچھ ہی معنے لیے جاویں۔ لیکن ایسے معنے نہیں لیے جاسکتے جن سے مسیح خدائی کا حصہ دار بنتا ہو کیونکہ اسی کی تو تردید اس آیت میں کی گئی ہے۔ اور یہ آیت اسی تثلیث کی تردید اور تغلیط کے مضمون ہی پر ہے۔ اور اس میں تثلیث کو غلو فی الدین اور افترا علی اللہ کہا گیا ہے۔ اب چونکہ مسیح کی خدائی کا انکار اسی آیت میں صراحت کے ساتھ موجود ہے اس لیے اس کے کسی لفظ کے ایسے معنے نہیں لیے جاسکتے جن سے مسیح کی طرف خدائی منسوب ہو سکے کیونکہ یہ ممکن نہیں کہ ایک ہی آیت میں اس کی خدائی کا انکار بھی کیا گیا ہو اور اسی آیت میں اس کو خدا بھی مان لیا گیا ہو۔ یعنی کلمہ کا مفہوم یہ رکھا گیا ہو کہ وہ خدا تھا یا خدائی کا شریک۔ اس آیت کے توصاف طور پر یہی معنے ہیں اے اہل کتاب (نصاریٰ) مسیح کو خدا مت کہو۔ وہ تو صرف ایک رسول خدا ہے اور اس کا ایک کلمہ ہے جو اس نے مریم کی طرف القا کیا۔ اور خدا کی طرف سے ایک روح تھی۔ تثلیث پر ہرگز ہرگز ایمان مت رکھو۔ کیونکہ خدا تو واحد لاشریک ہے۔ مسیح اس کا ایک عاجز بندہ ہے۔ اور وہ خود اقبال کرتا ہے کہ میں خدا کا ایک بندہ ہوں۔ اور اس بات میں وہ اپنا فخر اور اپنی عزت جانتا ہے کہ میں بندۂ خدا ہوں۔ اس کو اس کے اظہار میں شرم اور ندامت نہیں۔ وہ کیا بلکہ بڑے بڑے مقرب فرشتے بھی خدا کی بندے ہونیسے شرمندہ نہیں۔ بلکہ وہ اپنی عزت اسی حقیقت میں جانتے ہیں۔ اب یہ آیت اپنے الفاظ اور مفہوم میں ایسی صاف ہے، کہ اس کی کوئی اور تعبیر ممکن ہی نہیں۔ اس کے تمام اجزا مسیح کی الوہیت کی تردید پر زور دیتے ہیں اور اس اعتقاد کی مذمت کرکے اس سے عیسائیوں کو ہٹاتے ہیں۔ کاش ڈاکٹر صاحب اس ساری آیت پر غور کرتے اور اپنے ہی دل میں اس کو سوچتے اور خدا کا خوف کر کے حق کے پرکھنے کیطرف مائل ہوتے تو انہیں معلوم ہو جاتا کہ جو کچھ انہوں نے لکھا ہے وہ سراسر دروغ بیفروغ اور قرآن شریف کی شان میں نہایت پرلے درجہ کا ہتک آمیز کفر ہے۔ ایسی تشریحات سے انہوں نے یہ

ثابت کر دکھایا ہے کہ انہیں مسلمانوں کو جن کی رگ و ریشہ میں قرآن شریف نے توحید پھونک دی ہوئی ہے رنج دینا اور ستانا منظور ہے۔ کیونکہ قرآن شریف کی نسبت سب سے بڑی ہتک یہی ہے کہ اس کی نسبت کہا جائے کہ اس میں کوئی لفظ ایسا ہے جو مسیح کی الوہیت ثابت کرتا ہے۔

کلمہ کا مفہوم

اب اس بحث کے دوسرے پہلو کو لیتے ہیں یعنی یہ تو ہم دیکھ چکے ہیں کہ کلمہ کے مفہوم میں کونسا امر داخل نہیں ہے۔ اب دوسرا سوال یہ ہے کہ اس کے مفہوم میں کونسا امر داخل ہے۔ اور مسیح کے متعلق لفظ کلمہ کے استعمال سے کیا مراد ہے۔ واضح رہے کہ "کلمہ" ایک لفظ عربی زبان کا ہے جس کے معنی معروف ہیں خواہ وہ ایک لفظ ہو۔ یا ایک فقرہ ہو۔ یا ایک تقریر ہو۔ اب قرآن شریف میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے انما امرہ اذا اراد شیئاً ان یقول لہ کن فیکون۔ یعنی اس کا حکم ایسا ہے کہ جب کسی شے کیلیے ارادہ کرتا ہے تو اس کے لیے کہتا ہے ہو جا پس وہ ہو جاتی ہے۔ گویا یہ کن ایک کلمہ ہے جس کے کہنے سے اللہ تعالیٰ ہر ایک شے کو پیدا فرماتا ہے۔ اور اسی کیفیت کی وجہ سے تمام مخلوق کو کلمۃ اللہ کہا جاتا ہے۔ کیونکہ ہر ایک شے کی پیدائش خدا کے کلمہ کن سے ہوتی ہے۔ اور مخلوقات کی انتہا اور حد نہیں اسی وجہ سے قرآن شریف میں لکھا ہے قل لو کان البحر مدادا لکلمٰت ربی لنفد البحر قبل ان تنفد کلمات ربی ولو جئنا بمثلہ مددا۔ یعنی اگر میرے رب کے کلمات کیلیے سمندر سیاہی ہو جائیں تو وہ کلمات اتنی کثرت سے ہیں کہ یہ سارے سمندر بلکہ ان جیسے کئی اور سمندر بھی ختم ہو جائیں پر کلمات ختم نہ ہونے پائیں۔

مسیح کو کلمہ کیوں کہا گیا

البتہ اس جگہ کوئی شخص یہ سوال کر سکتا ہے کہ اس کی کیا وجہ ہے کہ حضرت مسیح کو خصوصیت سے کلمہ کہا گیا ہے۔ سو اس بات کو سمجھنا چاہیے کہ کلمہ اس کو اس لیے نہیں کہا گیا کہ اس کی الوہیت ثابت کیجائے۔ کیونکہ خود لفظ کلمہ سے کسی کی الوہیت کا ثبوت ہرگز نہیں ہو سکتا۔ مسیح کے بارہ میں تو صرف اس لفظ کو اس کی پیدائش کی طرف اشارہ کر کے اس پر استعمال کیا گیا ہے۔ اس موقع پر اگر ناظرین ذرا ان آیات پر نگاہ ڈالیں گے جو اس کی پیدائش کے متعلق ہیں تو انپر عیاں ہو جائیگا کہ یہ لفظ مسیح کے حق میں کیوں استعمال کیا گیا ہے۔ چنانچہ جس آیت میں مسیح کو کلمہ کہا گیا ہے اس کے

ساتھ ہی یہ آیت آتی ہے۔ قالت رب انی یکون لی ولد ولم یمسسنی بشر۔ قال کذلک اللہ یخلق مایشاء۔ اذا قضیٰ امراً فانما یقول لہ کن فیکون۔ یعنی جب فرشتوں نے مریم کو خبر دی کہ خدا نے تجھے بیٹے کی بشارت دی ہے تو وہ متعجب ہوئی اور کہنے لگی اے میرے رب میرے ہاں کیسے بیٹا ہو سکتا ہے مجھے تو ابھی تک کسی بشر نے چھوا بھی نہیں۔ خدا نے کہا کہ میں جسے چاہتا ہوں پیدا کر دیتا ہوں۔ کیونکہ خدا جب کسی امر کا فیصلہ کر دیتا تو یہی بات کہتا ہے کہ (کن) ہو جا پس وہ ہو جاتی ہے" اس سے صاف ظاہر ہے کہ مسیح کی پیدائش ایک ایسے اعجازی رنگ میں ہوئی تھی کہ جس میں باپ کا دخل نہ ہوا۔ اور اس لیے اس کو کلمہ کہا گیا۔ کیونکہ وہ معمولی طرز پر باپ کے نطفہ سے ماں کے شکم میں نہ آیا اور وہ اس معمولی طریق سے حاملہ نہ ہوئی بلکہ خدا کے کلمہ کن سے حاملہ ہوئی اس لیے اسے کلمہ کہا گیا۔

مسیح کی مماثلت آدم سے

اسی کی تائید قرآن شریف کی دوسری آیات بھی کرتی ہیں چنانچہ جو آیات اوپر لکھی گئی ہیں انہیں کے سلسلہ میں آگے چلکر جو آیت آتی ہے اس میں مسیح کی پیدائش کو آدم کی پیدائش کے مشابہ کہا گیا ہے۔ وہ آیت یہ ہے۔ ان مثل عیسیٰ عند اللہ کمثل اٰدم۔ خلقہٗ من تراب ثم قال لہ کن فیکون۔ یعنی اللہ کے نزدیک عیسیٰ کی مثل آدم کی مثل سے ہے اسے اس نے مٹی سے پیدا کیا اور پھر کہا کہ ہو جا پس وہ ہو گیا" یہاں دونوں کی پیدائش کا ذکر ہے اور دونوں پیدائشوں کو ہم رنگ اور ایک دوسرے کے مشابہ بیان کیا گیا ہے۔ دونوں کی نسبت کہا گیا ہے کہ خدا نے انکو کن کہکر پیدا فرمایا۔ گویا بالفاظ دیگر صرف کلمہ الٰہی سے یہ دونوں پیدا ہوئے۔ لیکن مسیح کی الوہیت کا اس میں کوئی ثبوت نہیں مل سکتا کیونکہ اگر کلمہ کے خطاب سے الوہیت قائم ہو سکتی ہے تو پھر مسیح سے بڑا خدا آدم کو ماننا چاہیئے لیکن آدم کی نسبت کبھی عیسائیوں یا موسائیوں نے یہ اعتقاد ظاہر نہیں کیا کہ وہ خدا تھا یا خدائی کی کسی جزو میں شریک تھا۔ پس اگر آدم خدا نہیں تو مسیح بھی خدا نہیں۔ اور اگر مسیح خدا ہے تو آدم اس سے بڑا خدا ہے کیونکہ یہ تو صرف بغیر باپ پیدا ہوا۔

پر آدم کی پیدائش باپ اور ماں کے بغیر ہوئی۔ قرآن شریف کی آیت بالا کا یہی مقصود ہے کہ کوئی مخلوق خدا خدا نہیں ہوسکتی۔ پس مسیح بھی خدا نہیں ہوسکتا۔ اس کی نرالی پیدائش اس کی خدائی کیلیے کوئی دلیل نہیں ہوسکتی۔ جیسے کہ آدم کی اس سے بھی نرالی پیدائش اس کی خدائی کیلیے کوئی دلیل نہیں مانی گئی۔ دراصل کلمہ کہنے سے تو مراد یہ ہے کہ وہ خدا کی ایک مخلوق ہے اور مخلوق کہنے میں اس چیز یا فرد کی خالقیت یا خدائی کا خود انکار ہے۔ پس مسیح کو کلمہ کہنا بالفاظ دیگر اسکی خدائی کا انکار ہے نہ کہ اقرار جیسا کہ ڈاکٹر چیتو پادھیا نے خیال کیا ہے۔

مفسرین کے اقوال

اس مضمون پر ناظرین کی وسعت معلومات کیلیے ہم بعض مفسرین کی رائے بھی اس بارے میں کہ کلمہ کا لفظ مسیح پر کس وجہ سے بولا گیا ہے لکھتے ہیں۔ سب سے پہلی وجہ جس پر تمام مفسرین کا اتفاق ہے یہ ہے کہ چونکہ وہ بن باپ صرف خدا کے کلمہ کن کہنے سے پیدا ہوا اس لیے اس کو کلمہ کہا گیا ہے۔ بعض مفسروں کی یہ رائے ہے کہ چونکہ مسیح احکام الٰہی کی تبلیغ اور مخلوق کو وعظ کرنے میں تھکتے نہ تھے اور ہمیشہ لوگوں میں تبلیغ کرتے رہتے تھے اس لیے انکو کلمہ کہا گیا۔ اور چونکہ عربی زبان میں قاعدہ ہے کہ جب کوئی شخص کسی صفت میں بہت سبقت حاصل کر لیتا ہے تو اس وقت اس کو وہ صفت مجسم ہی کہتے ہیں جیسے ایک بڑے سخی اور فیاض کو جود کہتے ہیں۔ اسی طرح کلام الٰہی کی کثرت سے تبلیغ کی وجہ سے مسیح کو بھی کلمہ کہا گیا۔ بعض نے یہ لکھا ہے کہ چونکہ مسیح کی آمد کے متعلق بہت عرصہ پہلے سے پیشگوئیاں چلی آتی تھیں اور اکثر انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام انکی آمد کی پیشگوئیاں کرتے چلے آئے تھے اس مناسبت کی وجہ سے کہ انکی نسبت بہت عرصہ پہلے سے خدا کے انبیاء کہتے چلے آئے تھے انکو کلمۃ اللہ کہا گیا ہے۔ گویا مسیح کو اس لیے کلمہ کہا گیا ہے کہ آپ سے بہت عرصہ پہلے خدا کے نبی آپکی نسبت خدا سے پیشگوئی پاکر کلام کرتے چلے آئے تھے۔ یہ ہے لب لباب تمام اقوال مفسرین کا۔

ایک اور معنی

اس جگہ ہم ایک اور معنے بھی لکھتے ہیں جو قرآن کریم کے الفاظ پر چسپاں ہیں اور وہ یہ ہیں کہ سورۂ آل عمران کی چالیسویں آیت میں حضرت مریم کو مخاطب کر کے کہا گیا ان اللہ

یبشرك بكلمة منه جس کے معنے یہ بھی ہو سکتے ہیں کہ خدائے تعالیٰ اپنے ایک کلمہ یعنی پیشگوئی کے ذریعہ تجھے بشارت دیتا ہے۔ وہ بشارت ایک بیٹے کے متعلق تھی جس کا نام بھی پیشگوئی میں بتا دیا گیا ہے اور اگرچہ اس جگہ بیٹے کا لفظ موجود نہیں مگر دوسری آیت میں موجود ہے اور قرائن سے یہاں بھی صاف معلوم ہو رہا ہے۔ چنانچہ اس کے آگے اس کا نام بھی لکھ دیا گیا ہے۔ اسی مضمون کی تائید سورۃ مریم کی آیت ۱۳ سے ہوتی ہے۔ اور پھر سورۃ النساء کی آیت ۱۶۹ میں لکھا ہے۔ كلمة القها الى مريم۔ اس سے بھی یہی معنے ثابت ہوتے ہیں۔ اس میں کلمہ کے ساتھ فعل القی ہے۔ القا میں جسمانی فعل کو دخل نہیں ہوتا۔ قرآن شریف میں کئی جگہ یہ لفظ آیا ہے اور اس میں ہر جگہ اس لفظ کے معنے الہام کرنیکے ہیں۔ پس اس کا صاف طور پر یہی مطلب ہے کہ مسیح اس پیشگوئی کے ایفا میں پیدا ہوا تھا جو خدا نے مریم پر منکشف فرمائی تھی۔

روح منہ خدا نہیں ہو سکتا

۲۔ روح اللہ :- اسلام کے مخالف پادری مصنفوں کی نقش قدم پر ڈاکٹر مذکور نے بھی الوہیت مسیح کے ثبوت میں اس امر کو پیش کیا ہے کہ قرآن شریف میں مسیح کو روح منہ کہا گیا ہے اور کہ یہ خاصہ مسیح ہے اور اس کی الوہیت کی دلیل ہے۔ اس نے انگریزی میں اس کا ترجمہ "خدا کی روح" کیا ہے۔ اگرچہ اس بیان سے بھی مسیح کی خدائی ثابت نہیں ہوتی۔ کیونکہ کلمہ "کا" جس کے مترادف انگریزی میں "آف" لکھا ہے اضافت تملیکی کا مظہر ہے نہ کہ عینیت کا ثبوت۔ اور ہر ایک شے خدا کی ہے۔ لیکن ڈاکٹر مذکور نے اپنی طرف سے التباس کرنے میں فرق نہیں کیا۔ اور اصل متن قرآن کو محرف کرنیکی کوشش میں یہاں بھی کوئی دقیقہ اٹھا نہیں رکھا۔ اس میں شک نہیں کہ مسیح کی نسبت قرآن شریف میں صرف ایک جگہ پر سورۃ النساء کی آیت ۱۶۹ میں روح کا لفظ بولا گیا ہے۔ لیکن وہاں اس کی خدائی ثابت کرنیکے لیے نہیں۔ بلکہ اس کی ولادت پر سے مخالفین کے اعتراضوں کو دور کرتے اور اس کی ولادت کو جائز ثابت کرنیکے لیے ہے۔ وہ ٹکڑہ آیت کا یہ ہے۔ عیسیٰ ابن مریم رسول اللہ و کلمتہ القها الی مريم وروح منه۔ یہاں صاف طور پر "روح منہ" لکھا ہے یعنی عیسیٰ مریم کا بیٹا اللہ کا ایک رسول تھا

.... اور اس کی طرف سے ایک روح تھی - اب اصل الفاظ قرآنی یعنی "خدا کی طرف سے ایک روح" کوئی خصوصیت حضرت مسیح کی ظاہر نہیں کرتے - اسی قسم کے الفاظ قرآن کریم میں اوروں کے لیے بھی استعمال ہوئے ہیں۔ چنانچہ قرآن شریف میں آیت فاذا سویته ونفخت فیه من روحی فقعوا له سٰجدین۔ دو موقعوں پر حضرت آدم کے لیے آئی ہے ایک سورہ حجر آیت ۲۹ اور دوسرے سورہ ص آیت ۷۲ میں ہے جس کا ترجمہ یہ ہے "جب میں نے اس کی شکل برابر کر لی اور اس میں اپنی روح پھونک دی تو تم نے اس کے آگے سجدہ میں گر پڑنا" اب اس آیت میں کھلے طور پر لکھا ہے کہ خدا فرماتا ہے میں نے اس میں "اپنی روح پھونک دی" اور پھر فرشتوں کو حکم دیا کہ "تم اس کے آگے سربسجود ہو جاؤ" اب ناظرین اس عبارت میں جو آدم کی نسبت ہے اور اس میں جو مسیح کی نسبت ہے فرق بین دیکھ لیں وہاں تو "روح منه" ہے اور یہاں "روحی" ہے یعنی خدا کہتا ہے کہ میری روح اور وہاں کسی کو سجدہ کرنے کا حکم نہیں یہاں فرشتوں کو حکم دیا جاتا ہے کہ تم اس کے آگے سربسجود ہو جاؤ۔ پس اگر "روح منه" مسیح کی خدائی کی دلیل ہو سکتی ہے تو پھر روحی اور فقعوا له سٰجدین تو آدم علیہ السلام کی خدائی کے لیے اس سے بہت بڑھ کر مضبوط دلیل ہے اور اگر اس دلیل کی بنا پر مسیح خدا ہے تو آدم تو اس سے بھی بڑا خدا ثابت ہوتا ہے - لیکن باوجود اس کے آدم علیہ السلام کو عیسائی لوگ خدا نہیں مانتے اور ان دلائل کو اس کی خدائی کا ثبوت نہیں ٹھہراتے اور سمجھتے۔ پس یہ کیسی نامعقول بات ہو گی کہ بحالات مذکورہ بالا مسیح کو خدائی میں حصہ دار ٹھہرایا جائے - افسوس کہ عیسائی صاحبان ہر بات سے مسیح کی خدائی نکالنے کی عجلت کرتے ہیں - اور اس زبردست خدائے برحق کا کچھ خوف نہیں کرتے جس کے قبضہ میں مسیح اور اس سے بھی بڑے بڑے انسان ہیں۔

روح کا لفظ صرف مسیح اور آدم پر ہی نہیں آیا۔ بلکہ تمام نوع انسان کے متعلق اس کا استعمال قرآن شریف میں موجود ہے چنانچہ آیت ذیل نمونہ کے لیے پیش کیجاتی ہے

وبدا خلق الانسان من طین ثم جعل نسله من سلالة من ماء مهین

ثم سوٰہ و نفخ فیہ من روحہ۔ ترجمہ (خدانے) انسان کو مٹی سے پیدا کرنا شروع کیا پھر حقیر پانی کے نچوڑسے اس کی نسل بنائی۔ پھر اسے شکل دی اور اس میں اپنی روح پھونکی۔ دیکھو سورہ سجدہ آیت ۷-۸- اب ظاہر ہے کہ تمام نوع انسان میں خدانے اپنی روح پھونکی۔ اگر یہی خدا کی روح دلیل خدائی ہے تو پس ہر انسان ایک خدا ہے اور مسیح کا رقیب ہے۔ پھر اس کے ماسوا سورہ مریم میں جو فرشتہ مریم کی طرف بشارت لیکر آیا اس کو بھی وہاں خدا کی روح لکھا ہے۔ فارسلنا الیہا روحنا فتمثل لہا بشرا سویا۔ پس ان تمام دلائل سے یہ بات قطعی طور پر ثابت ہے کہ "روح منہ" مسیح کی خدائی کی دلیل نہیں ہو سکتی نہ وہ خدائی کے ثلث کا حصہ دار ٹھہرایا جا سکتا ہے۔ اور نہ وہ معمولی طبقہ بشریت سے اوپر ایک قدم رکھ سکتا ہے۔ وہ ایک معمولی ذی روح تھا۔ جس کے ساتھ تمام حوائج و لوازم بشریت لگے ہوئے تھے۔

مسئلہ شفاعت

۳- **شفیع**:- دین اسلام میں شفاعت کا مسئلہ ایک نہایت صاف اور معقول مسئلہ ہے جیسے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمت اور افضلیت میدان نبوت میں ہر ایک پہلو سے مسلم ہے۔ اور تمام انبیاء علیہم السلام کی جماعت میں سے کوئی بھی آپکے فضائل سے برابری نہیں کر سکتا۔ تمام انبیاءؑ علی قدر مراتب ستارے ہیں اور وہ قمر منیر ہے۔ اگر دوسرے قمر ہیں تو وہ آفتاب عالمتاب ہے۔ وہ فارقلیط اور کونے کا پتھر ہے۔ وہ ہدایت اور معرفت کی تعلیم دینے میں سب سے اکمل و اتم ہے۔ ؎ محمدؐ است امام و چراغ ہر دو جہاں محمدؐ است فروزندہ زمین و زماں۔ خدا نگویمش از ترس حق مگر بخدا۔ خدا نماست وجودش برائے عالمیاں۔ پس شفاعت کے لیے سب سے بڑا حق اور مدار اسی سردار عالمین پر ہے (صلی اللہ علیہ وسلم) یعنی سب سے بڑھکر اور سب سے بڑی شفیع روز محشر آنحضرت صلعم ہیں۔ اور پھر دوسرے انبیاءؑ اور مقدس بندگان خدا بھی علی قدر مراتب شفیع ہوں گے۔ ڈاکٹر چیتو پادھیا نے سورہ آل عمران کی آیت ۴۵ وجیھا فی الدنیا والاخرۃ پیش کرکے اس کی تفسیر میں بیضاوی کا ایک قول کہ

"اس دنیا میں نبی اور آئندہ دنیا میں شفیع" اقتباس کیا ہے۔ اور اس کا نتیجہ یہ نکالا ہے کہ قرآن شریف میں لکھا ہے کہ مسیح ہی ہمارا شفیع ہوگا۔ ہمیں تو افسوس کرتے ہوئے بھی افسوس آتا ہے کہ یہ لوگ کس عقلمندی کے مدعی ہیں کہ معمولی معمولی سیدھی باتوں کا بھی اُلٹا ہی نتیجہ نکالتے ہیں۔ کیا وجیہًا فی الدنیا والاخرۃ سے معقولیت اور دیانت کے ساتھ یہی نتیجہ نکل سکتا ہے؟ ہرگز نہیں! پھر ڈاکٹر صاحب نے بیضاوی کے سب الفاظ نہیں لیے بلکہ جو لفظ اپنے مطلب کے خلاف تھے انکو چھوڑ دیا۔ کیونکہ وہاں یہ بھی ساتھ ہی لکھا ہے کہ حضرت مسیح دوسرے انبیاء علیہم السلام کی طرح اپنی اُمت کے مستحق لوگوں کی شفاعت کریں گے۔ نہ تو قرآن شریف میں ہی کہیں یہ لکھا ہے کہ مسیح تمام دنیا کا شفیع ہوگا اور نہ کسی تفسیر و حدیث میں ایسا وارد ہے جس عبارت کو ڈاکٹر مذکور نے پیش کیا ہے اس کو ہم نے ناظرین کے پیش کر دیا ہے۔ جس لفظ عربی سے یہ نتیجہ نکالا جاتا ہے وہ وجیہ ہے۔ لیکن یہ لفظ نہ تو ان معنوں کی تائید کرتا ہے اور نہ ہی مسیح کا خاصہ ہے۔ بلکہ قرآن شریف میں اور برگزیدوں کے لیے بھی یہی لفظ استعمال ہوا ہے چنانچہ سورۃ الاحزاب کی آیت ۶۹ وکان عند اللہ وجیھا۔ میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کے متعلق بھی لفظ وجیہ آیا ہے کہ وہ خدا کے نزدیک وجیہ تھا۔ پس اگر شفاعت عالم کا مدار وجیہ کے خطاب میں ہی محصور ہے تو پھر موسیٰ علیہ السلام بھی شفیع العالمین سمجھے جانے چاہییں۔ ہمیں اس امر کے بیان کرنے میں کوئی بخل نہیں کہ ہم مسلمان تمام انبیاء علیہم السلام کو شفیع مانتے ہیں جیسا کہ ہم نے اوپر ذکر کیا ہے اور مسیح بھی چونکہ ایک نبی ہی تھے اس لیے وہ بھی اسی طرح شفیع اُمت ہوں گے۔ اور انکی نسبت یہ کہنا کہ وہ شفیع ہے یہ معنے نہیں رکھ سکتا کہ گویا وہی شفیع ہے اور دوسرا کوئی نہیں۔ یہ محض غلط اور بے بنیاد بات ہے۔

۴۔ **خدا کا قرب**:۔ مسیح کی چوتھی خصوصیت جو ڈاکٹر مذکور نے لکھی ہے یہ ہے کہ قرآن شریف سے ثابت ہوتا ہے کہ مسیح کو تمام دوسرے انبیاء اور مقربین سے بڑھکر خارق عادت قرب الٰہی حاصل ہے اور اس بیان کی بنا ومن المقربین پر رکھی ہے۔ یہاں آیت قرآنی میں

خدا کا مقرب ہونے

کلمہ من پڑا ہوا ہے جو بعضیہ کہلاتا ہے۔ اور جس کا مطلب یہ ہے کہ وہ بھی مقربوں کی جماعت میں سے ایک فرد ہے۔ اس کا یہ مطلب نہیں ہو سکتا کہ وہی مقرب ہے اور دوسرا کوئی نہیں۔ اگر ڈاکٹر صاحب مذکور نے اس بیان کو اس غرض کے لیے لکھا ہے کہ وہ مسیح علیہ السلام کے اس قرب الٰہی کا ثبوت دیں جو دوسرے انبیاء وصالحین کو حاصل ہوتا ہے تو ہمیں اس سے انکار نہیں لیکن انکو اس سے کچھ حاصل نہیں ہو سکتا کیونکہ ایسا قرب مسیح ہی کو نہیں بلکہ تمام راستبازوں کو حاصل ہے اور اگر ایسا قرب دلیل الوہیت ہو سکتی ہے تو پھر ایک مسیح کیا لاانتہا تعداد مقربین کی خدائی کی مسند پر بٹھائے جانے چاہییں۔ اور ملک السموات والارض ان میں تقسیم کر دینا چاہیئے۔ کم سے کم اتنا تو انکو سوچنا چاہیئے تھا کہ من المقربین میں تو ایک کثیر جماعت مسیح کی ہم پلہ اور ہم رتبہ ثابت ہوتی ہے۔ اس سے اسکی خدائی کے لیے خصوصیت تو کوئی نکل نہیں سکتی۔ پھر اس بات کو بھی سوچتے کہ مقربین کا لفظ ایک اسی جگہ قرآن شریف میں نہیں آیا۔ بلکہ بہت جگہوں میں آیا ہے۔ دیکھو سورۃ الواقعہ والسّٰبقون السّٰبقون اولٰئک المقربون۔ اور فاما ان کان من المقربین اور سورۃ التطفیف کتٰب مرقوم یشھدہ المقربون اور عینا یشرب بھا المقربون۔ یہ تمام آیات صاف بتاتی ہیں کہ مقرب ہونے میں حضرت مسیح کو کوئی ایسی خصوصیت حاصل نہیں جو دوسرے برگزیدوں کو حاصل نہ ہو۔

۵۔ روح القدس سے حاملہ ہونا:۔ روح القدس سے حاملہ ہونیکا اعتقاد عیسائیوں کا ہے قرآن شریف میں اس کا کہیں ذکر نہیں۔ مگر ڈاکٹر چتو پادھیا کا یہ خیال ہے کہ گویا قرآن شریف میں یہ لکھا ہے کہ مسیح کنواری مریم کے رحم میں روح القدس سے حمل کے ذریعہ سے پیدا ہوا تھا۔ جن آیات سے ڈاکٹر صاحب نے یہ نتیجہ نکالا ہے ہم اس جگہ انکو لکھکر ڈاکٹر صاحب کی غلطی ظاہر کرتے ہیں۔ اور وہ یہ ہیں قال انما انا رسول ربک لاھب لک غلاما زکیا۔ قالت انی یکون لی غلام ولم یمسسنی بشر ولم اک بغیا۔ قال کذٰلک قال

حضرت مسیح کا روح القدس سے حاملہ ہونا نہیں بلکہ محض خدا کی قدرت تھی

ربك هو علیّ هین (سورہ مریم آیت ۱۷-۲۰) یعنی ہم نے اس (مریم) کی طرف اپنی روح بھیجی۔ پس وہ اس پر پوری بشر کی صورت میں ظاہر ہوئی۔ مریم نے کہا میں رحمٰن خدا سے تیری سے بچنے کیلئے پناہ مانگتی ہوں اگر تو اس سے ڈرنیوالا ہے۔ اس نے کہا کہ میں تو تیرے رب کا ایک رسول اس لیے آیا ہوں کہ تجھے ایک زکی لڑکا دوں۔ مریم نے کہا کہ مجھے کیسے لڑکا ہو سکتا ہے کیونکہ مجھے تو کسی بشر نے چھوا بھی نہیں اور میں بدکار بھی نہیں اس نے کہا کہ ایسا ہی ہوگا (یعنی تیرے ہاں ضرور ایک لڑکا ہوگا) تیرے رب نے کہا ہے کہ یہ مجھ پر آسان ہے" اسی طرح ایک اور جگہ پر آیا ہے۔ اذ قالت الملٰئکة یا مریم ان اللہ یبشرك بکلمة منه اسمه المسیح عیسی ابن مریم ××× قالت رب انی یکون لی ولد ولم یمسسنی بشر. قال کذلك اللہ یخلق ما یشاء اذا قضی امرًا فانما یقول له کن فیکون (سورۃ آل عمران آیات ۴۰ تا ۴۴) ترجمہ جب فرشتہ نے کہا اے مریم اللہ نے تجھے اپنے ہاں سے ایک کلمہ کی بشارت دی ہے اس کا نام مسیح عیسیٰ ابن مریم ہوگا۔ ××× اس پر مریم نے عرض کیا اے میرے رب مجھے کیسے بیٹا پیدا ہو سکتا ہے کیونکہ مجھے تو کسی بشر نے چھوا نہیں۔ پھر اس نے کہا کہ خدا اسی طرح جو چاہتا ہے خلق کرتا ہے۔ اور جب کسی امر کا فیصلہ کر دیتا ہے تو وہ صرف کُن (یعنی ہوجا) کہتا ہے۔ اور وہ چیز ہو جاتی ہے" پادری صاحب کا زور انہی دونوں آیتوں پر تھا۔ لیکن ان میں کہیں یہ نہیں لکھا کہ حضرت مریم روح القدس سے حاملہ ہوگئی تھیں اور نہ ہی کنایہ اور تاویل بعیدہ سے ہی الفاظ قرآنی کے معنوں سے یہ بات سمجھی جا سکتی ہے۔ اس میں شک نہیں کہ پہلی آیت میں لکھا ہے کہ خدا کی روح آدمی کی شکل میں مریم پر ظاہر ہوئی۔ لیکن اس آیت میں روح سے مراد وہی فرشتہ ہے جو دوسری آیت سے واضح ہوتا ہے۔ اس کے ماسوا یہ ظاہر ہوتا ہے کہ مریم کو فرشتہ یا روح نے یہ بشارت رؤیا میں سنائی اور رؤیا ہی میں اس نے اس کو بشکل آدم دیکھا۔

ان الفاظ سے بھی کہ "میں تجھے ایک بیٹا دونگا" یہ نتیجہ نہیں نکل سکتا کہ مریم روح القدس سے حاملہ ہوئی۔ کیونکہ روح یا فرشتہ تو صرف خبر لانیوالا تھا اور اس کی گفتگو سے سوائے بشارت دینے کے اور کچھ ظاہر نہیں ہوتا۔ ممکن ہے کہ ڈاکٹر صاحب کے ذہن میں ایک اور آیت ہو جو انہوں نے

کسی وجہ سے اپنے مضمون میں نہیں لکھی اور وہ ہے والتی احصنت فرجھا فنفخنا فیہ من روحنا یعنی وہ عورت جس نے اپنے شرمگاہ کو بچایا پھر ہم نے اس میں اپنی روح پھونکی لیکن ان الفاظ سے بھی مریمؑ کا روح القدس سے حاملہ ہونا نہیں سمجھا جا سکتا کیونکہ یہی لفظ قرآن شریف میں کئی مقامات پر حضرت آدم کے لیے بولے گئے ہیں چنانچہ سورہ ص کی آیت ۷۲۔ کہ فاذا سویتہ ونفخت فیہ من روحی فقعوا لہ سٰجدین اور سورۃ الحجر میں بھی یہی آیت نمبر ۲۹ پر آئی ہے جس کا ترجمہ ہے "جب میں اس کی پوری شکل بنا لوں اور اس میں اپنی روح ...... نفخ کر لوں تو تم سب سجدہ میں اسکے آگے گر پڑنا"

یہی کچھ ہیں قرآنی آیات جن سے زیادہ سے زیادہ پادری لوگ اپنا مطلب نکال سکتے ہیں لیکن ایک بھی حرف قرآن مجید میں ایسا نہیں کہ جس سے اس بات کا کسی طرح ثبوت مل سکے کہ مریم روح القدس سے حاملہ ہو گئی تھی یہ اعتقاد تو قرآنی تعلیم کے سراسر مخالف ہے۔ ہاں عیسائی صاحبان کا یہ اعتقاد ہے سو وہ اپنی کتابوں سے جو مطلب چاہیں نکالیں قرآن شریف کے الفاظ کو توڑ مروڑ کر بھی وہ اپنا مطلب نہیں نکال سکتے۔

۶۔ عصمت: ڈاکٹر جیتو پادھیا نے یہ بھی لکھا ہے کہ قرآن شریف میں لکھا ہے کہ حضرت مسیح معصوم اور گناہوں سے پاک پیدا ہوئے تھے۔ اور اس مفروضہ اعتقاد کو قرآنی اعتقاد بنا کر اس کو اسکی الوہیت کی ایک محکم دلیل ٹھہرایا ہے۔ اس کی تائید میں آیت انا رسول ربك لاهب لك غلاما زكيا (سورۃ مریم - ۱۹) ترجمہ (فرشتہ نے مریم سے کہا) میں تیرے رب کا رسول ہوں اور اس لیے آیا ہوں کہ تجھے ایک پاکیزہ لڑکا دوں" پیش کرتے ہیں۔ یہاں جس عربی لفظ پر ڈاکٹر صاحب اپنے استدلال کی بنا قائم کرتے ہیں وہ زکی ہے۔ لیکن یہ ایسا لفظ نہیں کہ جو صرف مخصوص طور پر مسیح پر ہی بولا گیا ہو بلکہ قرآن شریف میں اور مقامات پر بھی آیا ہے۔ چنانچہ جہاں یہ آیت واقع ہے اس سے چند آیات ہی پہلے اسی قسم کا لفظ حضرت یحییٰ (جس کو عیسائی یوحنا بپتسمہ دینے والا کہتے ہیں اور جس کے ہاتھ سے مسیح نے بپتسمہ پا کر اس کی مریدی اختیار کی تھی) کے حق میں آیا ہے چنانچہ وہ آیت یہ ہے

زکی کے لفظ کا استعمال مسیح سے مخصوص نہیں عام ہے

یا یحییٰ خذ الکتٰب بقوۃٍ و اٰتیناہ الحکم صبیا۔ وحنانا من لدنا و زکوٰۃ و کان تقیا۔ ترجمہ۔ اے یحییٰ کتاب کو مضبوط طور پر قبول کرو۔ اور ہم نے اُسے بچپن ہی میں حکمت اور رحم آمیز طبع اور پاکیزگی اپنے ہاں سے دی"۔ واضح رہے کہ اس موقع پر جس لفظ کا ترجمہ پاکیزگی کیا گیا ہے وہ زکوٰۃ ہے۔ اور یہ حضرت یحییٰ کی صفت میں بیان کیا گیا ہے۔ زکی اور زکوٰۃ دونوں ایک مادہ سے ہیں اور ایک ہی معنے رکھتے ہیں۔ مسیح بھی مزکی لڑکا تھا اور یحییٰ بھی مزکی لڑکا تھا دونوں اس مرتبہ میں برابر تھے پس اگر زکی ہونا دلیل الوہیت ہو سکتی ہے تو دونوں مساوی الم‍رتبہ بزرگ الوہیت کے شریک اور حقدار ہیں۔ مگر ہم حضرت یحییٰ کے حال کو اسی جگہ چھوڑ دیتے ہیں اور یہ دکھانا چاہتے ہیں کہ زکی لفظ ایسا عظیم الشان نہیں کہ جو عام انسانی سوسائٹی کے طبقات سے ورا مفہوم رکھتا ہو۔ قرآن شریف میں تو ایسے بچوں پر بھی یہ لفظ بولا گیا ہے جو غیر نبی تھے چنانچہ سورۃ الکہف کی آیت ۷۳ میں ہے۔ اقتلت نفسا زکیۃ بغیر نفس۔ یعنی ایک عظیم الشان انسان جس کا نام موسیٰ تھا وہ اپنے مخاطب کو کہتا ہے کہ کیا تُو نے ایسے نفس کو بغیر کسی جرم کے قتل کر دیا ہے جو زکی ہے؟ پھر وہ مخاطب اپنے اس فعل کی تشریح کرتا ہے و اما الغلام فکان ابواہ مومنین فخشینا ان یرھقھما طغیانا و کفرا۔ فاردنا ان یبدلھما ربھما خیرا منہ زکوٰۃ و اقرب رحما یعنی اور وہ لڑکا جو تھا اس کے ماں باپ صالح تھے۔ ہم کو اس بات کا خوف ہوا کہ وہ کفر اور بغاوت میں مبتلا ہو کر انکی عزت کو برباد نہ کرے۔ پس ہم نے ارادہ کیا کہ انکا رب اس کی بجائے انکو اور لڑکا بدلے میں دے جو زکی ہونے میں اس سے بہتر اور رحم میں اقرب ہو"۔ اب حضرت موسیٰ علیہ السلام کی زبان سے ایک ایسے لڑکے کو زکی کہا گیا ہے جسکے حالات سے وہ واقف نہیں۔ اور انکا مخاطب اس کے بڑا ہو کر طاغی اور کافر ہونے پر اطلاع رکھتا ہے اور وہ موسیٰ علیہ السلام کی بات کی تردید کرتا ہے لیکن اس امر کی تردید نہیں کی کہ ایسے لڑکے کو زکی مت کہو۔ بلکہ وہ کہتا ہے کہ خدا اسکے والدین کو ایسا بیٹا دیگا جو اس کی نسبت زکی ہونے کی صفت میں بہتر ہوگا۔ پس زکی کا استعمال کسی بچے کے حق میں اس کی خدائی کی دلیل نہیں ہو سکتی

زکی ہونا جس کو پادری صاحبان نے عصمت سے تعبیر کیا ہی ایک ایسی صفت ہے جس کی موجودگی اور معدومیت اور ترقی و تنزل ممکن ہیں۔ ترقی و تنزل کا ثبوت تو قرآن شریف نے ہی دیدیا ہے کیونکہ جب کہا ہی کہ اسکی والدین کو خدا ایسا بیٹا دیگا جو زکی ہو نہیں اس سے بہتر ہو گا۔ تو بس یہ مقابلہ ظاہر کر رہا ہی کہ اس میں ترقی و تنزل کا دخل ضرور ہی۔ یہ کوئی مسیح کا ہی خاصہ نہیں کہ وہی زکی پیدا ہوا بلکہ ہر ایک بچہ جو پیدا ہوتا ہی تو اس وقت زکی ہی ہوتا ہی۔ اور عام طور پر اسکو معصوم کہتے ہیں۔ کوئی قوم و مذہب اس اعتقاد کے برخلاف اور اعتقاد نہیں رکھتی۔ اسی لیے بچوں کے افعال کیلیے کوئی قیود اور تعزیرات بھی مقرر نہیں ہوتیں۔ البتہ بعد میں ایک ایسا زمانہ آجاتا ہی کہ وہ زکی نہیں رہتے۔ یا اس رتبہ میں کم ہو جاتے ہیں۔

اصل غرض مسیح کو زکی کہنے کی حضرت مریم کی بریت ہی

ایک اور بات بھی قابل غور ہی کہ حضرت یحییٰ کی نسبت جو صفت زکی ہونیکی بیان کیگئی ہی اس کے الفاظ سے ثابت ہوتا ہی کہ وہ عطیہ انکی ذات کے لیے تھا۔ اور اس میں انکی آیندہ زندگی کی پاکیزگی کی بنیاد رکھی گئی تھی۔ لیکن جو خطاب حضرت مریمؑ کو لاھب لك غلامًا زکیا۔ کا ہوا ہے اس کا اثر فعلیہ طور پر حضرت مریم پر ہے۔ اور وصفی طور پر حضرت مسیح پر۔ یعنی فعلیہ طور پر اسطرح سے کہ حضرت مسیح کی اعجازی پیدائش کو دیکھکر یہودیوں سے اور تو کچھ نہ بن پڑا انہوں نے حضرت مریم کے چال چلن پر ناگفتہ بہ الزام لگانے شروع کر دیئے۔ چنانچہ اس کا ذکر قرآن شریف میں چند موقعوں پر آیا ہی۔ یعنی (نعوذ باللہ) یہ الزام لگاتے تھے کہ گویا یہ بچہ ولادت جائز سے پیدا نہیں ہوا۔ چونکہ انکی پیدائش کسی مکروہ اور خبیث طریق سے نہ ہوئی تھی۔ اور مریمؑ کے چال چلن پر کوئی داغ نہ تھا۔ اس لیے اللہ تعالیٰ نے انکو اس الزام کی تردید پہلے سے ہی کر چھوڑی کہ مخالفین کا اعتراض انکی ولادت کی نسبت غلط ہو گا۔ مریمؑ تو اپنے چال چلن میں بے عیب ہے۔ اور مسیح پر اسکا یہ اثر تھا کہ یہودیوں کے ہاں حرامزادہ بچوں کو ناپاک سمجھا جاتا تھا۔ یہانتک کہ انکی ہیکل میں قدم رکھنے سے ہیکل ناپاک ہو جاتی تھی۔ بلکہ ان کی دس پشتیں ناپاک ہوتی تھیں اور انکی دس پشتوں تک کوئی ہیکل میں قدم نہیں رکھ سکتا تھا۔ (دیکھو کتاب استثنا ۲۳ باب ۲)

چونکہ ناپاکی ایک الزام تھا اس لیے اللہ تعالیٰ نے اس کو اس الزام سے بری ہونیکی خبر دی- اس احسان الٰہی کا ناجائز فائدہ اُٹھانا اور اس کو مسیح کی خدائی کے لیے دلیل ٹھہرانا پرلے درجہ کا ظلم ہے-

رحمۃ للعالمین کون ہے

۷- اٰیۃ للناس- ورحمۃ منا- (لوگوں کیلیے نشان- اور خدا سے رحمت)

ڈاکٹر چیتو پادھیا نے مسیح کی خدائی کی دلائل میں قرآن شریف سورہ مریم کی آیت ۲۱ بھی نقل کی ہے جو اس طرح پر ہے ولنجعلہ اٰیۃ للناس ورحمۃ منا- (اور ہم اسے ان لوگوں کے لیے نشان اور اپنی طرف سے رحمت بنائیں گے-) یہاں ناس کے ماقبل آل ہے اور اس کے معنے تخصیص کے ہیں جس سے مراد یہ ہے کہ وہ ان لوگوں کے لیے آیت اور رحمت بنیگا جو اس وقت مخاطب تھے- اس سے یہ نہیں سمجھا جا سکتا کہ وہ تمام دنیا کے لیے ایسا ہوگا- اس قسم کے مطالب کو ظاہر کرنیکے لیے قرآن شریف میں لفظ عالمین آیا ہے- اور ایک ہی ہے جو اولین اور آخرین کیلیے رحمت بنایا گیا جس کا نام (صد ہزار بشویم دہن بمشک گلاب، ہنوز نام تو گفتن کمال بے ادبیست) سب سے پیارا نام- مقدس اور معزز نام محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم ہے اور جس کو رحمۃ للعالمین کا خاص اور خطاب دیا گیا ہے- کوئی نہیں جو اس کے سامنے دم مار سکے- پس اگر مسیح ایک خاص قوم کے لیے رحمت تھے تو ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کل دنیا کے لیے رحمت قرار دیئے گئے ہیں- پس رحمت ہونا خدائی کی دلیل نہ ہوئی-

لفظ آیت کا عام استعمال

ڈاکٹر صاحب نے مسیح کو خدا بنانیکے لیے لفظ آیت پر بہت زور دکھایا ہے- مگر انکی تنگ نظری نے انکو اتنا دیکھنے نہیں دیا کہ یہ ایک معمولی لفظ ہے جو قرآن شریف میں بکثرت آیا ہے جس کو ایک ایسا آدمی جس نے سطحی طور پر بھی قرآن شریف پر نظر ڈالی ہو سمجھ سکتا ہے- ہم اس جگہ ان چند آیات کو نقل کر دیتے ہیں جنمیں یہ لفظ آیت اوروں کیلیے آیا ہے وہ یہ ہیں- (۱) وجعلنا الیل والنھار اٰیتین فمحونا اٰیۃ الیل وجعلنا اٰیۃ النھار مبصرۃ- ترجمہ اور ہم نے رات اور دن دو آیتیں بنائی ہیں رات کی آیت کو ہم محو کرتے ہیں اور دن کی آیت کو روشن کرتے

ہیں (سورہ اسرار-آیت ۱۳) (۲) ام حسبت ان اصحٰب الکھف والرقیم کانوا من اٰیاتنا عجبا-ترجمہ. کیا تُونے گمان کیا کہ اصحاب کہف اور رقیم ہماری عجیب آیات میں سے تھے-(سورۃ الکھف آیت ۸) (۳) ان فی خلق السمٰوات والارض و اختلاف الیل والنہار والفلک التی تجری فی البحر بما ینفع الناس وما انزل اللہ من السماء من ماء فاحیا بہ الارض بعد موتھا وبث فیھا من کل دابۃ-وتصریف الریاح والسحاب المسخر بین السماء والارض لاٰیات لقوم یعقلون-ترجمہ تحقیق آسمانوں اور زمین کی پیدائش میں اور دن اور رات کے اختلاف میں اور جہازوں میں جو سمندر میں چلتے ہیں اور لوگوں کو نفع پہنچاتے ہیں-اور بارش میں جو خدا آسمان سے نازل کرتا ہے اسکے ساتھ مردہ زمین جی اُٹھتی ہے-اور چارپاؤں کو زمین پر پھیلانے میں-اور ہواؤں کو چلانے میں اور بادلوں میں جو آسمانوں اور زمین کے درمیان خدمتگذاری کیلیے پابند ہیں سمجھنے والوں کے لیے آیات ہیں-(سورۃ البقرہ-۱۵۹)-ان قرآنی حوالوں میں صاف طور پر آیت کا لفظ جا بجا لکھا ہے اور جنکی نسبت لکھا ہے انکی خدائی کی کوئی دلیل نہیں سمجھی گئی-اگر یہ سارے حوالے ڈاکٹر صاحب کو تسلی دینے کے لیے کافی نہ ہوں تو ایک اور حوالہ قرآن شریف کی سورۃ البقرہ آیت ۲۶۱ کا دیتے ہیں اور وہ یہ ہے-اوکالذی مر علی قریۃ وھی خاویۃ علی عروشھا-قال انی یحی ھٰذہ اللہ بعد موتھا فاماتہ اللہ مائۃ عام ثم بعثہ-قال کم لبثت-قال لبثت یوما او بعض یوم-قال بل لبثت مائۃ عام-فانظر الی طعامک و شرابک لم یتسنہ-وانظر الی حمارک ولنجعلک اٰیۃ للناس-ترجمہ-یا اس آدمی کی طرف (غور کرو) جو ایک ایسے قصبہ کے پاس سے گذرا جو اُجڑا ہوا تھا-اس نے کہا کہ اس اُجڑے ہوئے شہر کو اسکی موت کے بعد خدا کیسے زندہ کریگا-پس خدا نے اسے ایک سو برس مار دیا اور پھر اسکو اُٹھایا اور پوچھا کہ تم کتنا عرصہ رہے ہو-اس نے جواب دیا کہ میں تو ایک دن یا دن کا کوئی حصہ ہی رہا ہوں-خدا نے کہا نہیں! بلکہ تُو تو ایک سو برس رہا ہے-تو اپنی غذا اور شراب کی طرف دیکھ کہ ابھی تک باسی نہیں ہوئی

اور گدھے کی طرف نظر کر اور ہم تجھ کو لوگوں کے لیے آیت بنائیں گے" اب اس بیان میں ایک نبی کو ایة للناس بنایا گیا ہے جس کا نام بھی یہاں قرآن نے ذکر نہیں کیا۔ اور ایة للناس وہی جملہ بلا کم و کاست ہے جو مسیح کے بارہ میں ہے اور جسکو دیکھکر ڈاکٹر صاحب مسیح کی خدائی کے ثبوت ہاتھ آجانیکی خوشی میں بغلیں بجاتے ہیں۔ بلکہ خدا نے تو حیوانوں کو بھی اپنی آیت کہا ہے چنانچہ ایک اونٹنی کو آیت کہا ہے۔ اب ناظرین خود سوچ اور سمجھ سکتے ہیں کہ کیا یہ جملہ جو ڈاکٹر صاحب نے مسیح کی خدائی کے ثبوت میں پیش کیا ہے کسی طرح بھی اس کی خدائی پر کوئی دلیل کہلا سکتا ہے؟ کوئی معقول دماغ ایک لمحہ کیلیے بھی ڈاکٹر صاحب کی دلیلوں کو مان نہیں سکتا۔ جیسا کہ ایة للناس سے مسیح کی خدائی ثابت نہیں ہوتی اسی طرح رحمة منا سے بھی اسکی خدائی کا کوئی ثبوت نہیں ہو سکتا۔ ہم اسکو مختصر کرتے ہیں اور صرف ایک ہی مثال اس لفظ کے استعمال کی پیش کرنے پر اکتفا کرتے ہیں۔ اور وہ سورۃ انبیاء کی آیت ۲۱ ہے جو آنحضرت صلعم کے بارہ میں ہے یعنی رحمة للعلمین۔ جسکا کچھ ذکر ہم نے اوپر بھی کر دیا ہے۔ اگرچہ اس لفظ کی اور بھی بہت ساری مثالیں قرآن شریف سے پیش کیجا سکتی ہیں۔ لیکن یہاں ہم زیادہ گنجایش نہیں دیکھتے۔

مسیح کی موت و بعثت اور دوسرے لوگوں کی موت و بعثت میں کوئی فرق نہیں

۸- **مسیح کی موت اور اس کا جی اُٹھنا۔** ڈاکٹر صاحب مذکور نے سورۃ مریم کی آیت ۳۴ والسلام علی یوم ولدت ویوم اموت ویوم ابعث حیا ترجمہ۔ اور مجھ پر اس دن سلام ہے جس دن میں پیدا ہوا تھا۔ اور جس دن میں مرونگا اور جس دن میں زندہ اُٹھونگا) پیش کر کے اس سے یہ نتیجہ نکالا ہے کہ مسیح کا صلیب پر مرنا اور اس کا قبر میں سے زندہ جی اُٹھنا قرآن شریف نے بھی عیسائی اعتقاد کے موافق مانا ہے۔ لیکن ڈاکٹر صاحب نے اس بات پر غور نہیں کیا کہ یہ ایسی بات ہے جس میں مسیح کو کوئی خصوصیت نہیں دیگئی۔ اسی قسم کی آیات۔ اکثر لوگوں کے حق میں قرآن شریف میں آئی ہوئی ہیں۔ چنانچہ سورتہائے $\frac{۲۶}{۲۳}$ و $\frac{۳۳}{۲۸}$ و $\frac{۳۸}{۳۰}$ وغیرہ کا ملاحظہ کرنیسے معلوم ہوتا ہے کہ تمام نوع انسان کیلیے یہی طریق مقرر ہے کہ پیدا ہوتا ہے۔ پھر مرتا ہے اور پھر زندہ کیا جاتا ہے سورہ $\frac{۲۳}{۱}$ کے پڑھنے سے عیاں ہوتا ہے کہ سب لوگ پہلے پیدا ہوتے ہیں پھر موت دیئے جاتے ہیں اور پھر

زندہ کیے جاتے ہیں۔ ڈاکٹر صاحب نے جس طرح آیت محولہ بالا کی تشریح میں لکھا ہے کہ وہ تیسرے دن جی اُٹھا۔ اسطرح ہر ایک آدمی دوسرے لوگوں کی نسبت بھی اپنے پاس سے تیسرا دن یا چوتھا ہے لکھ سکتا ہے۔ آیت محولہ میں تو صرف اسیقدر ذکر ہے جو تمام نوع انسان کیلیے ہے یعنی پیدا ہونا مرنا اور دوبارہ اُٹھائے جانا۔ علاوہ ازیں جہاں جہاں مسیح کی پیدائش وغیرہ کا ذکر قرآن شریف میں آیا ہے وہاں ساتھ ہی اس کے بلکہ اس سے پہلے حضرت یحییٰ کی پیدائش کا ذکر آیا ہے اور جس جس رنگ میں اس ایکشان کو بیان کیا گیا ہے وہی رنگ دوسرے کا ظاہر کیا گیا ہے۔ دونوں کے متعلق جتنے الفاظ ہیں وہ قریباً قریباً برابر اور یکساں ہیں۔ چنانچہ جو الفاظ مسیح کے بارہ میں ڈاکٹر صاحب نے اسکی خدائی کی دلیل ٹھہرانیکے لیے پیش کیے ہیں وہی الفاظ یحییٰ کے متعلق بھی اسی سورۃ مریم کی آیت ۱۵ میں ہیں۔ اس میں لکھا ہے وسلام علیہ یوم ولد ویوم یموت ویوم یبعث حیا۔ تو پھر اگر وہ آیت مسیح کی صلیبی موت اور اس کے تین دن کے بعد قبر میں سے جی اُٹھنے کا ثبوت ہے تو یہ آیت بھی حضرت یحییٰ کی صلیبی موت اور انکی قبر میں سے تین دن بعد جی اُٹھنے کا ثبوت ٹھہرانا چاہیئے۔ یہ کونسا انصاف ہے کہ انہی الفاظ کے یسوع کے حق میں اور معنے بیان کیے جائیں اور یحییٰ کے حق میں اور۔ انہی سے یسوع کو خدا بنایا جائے اور یحییٰ کو انسان۔ یہ سلسلہ تو ہر ایک انسان کے ساتھ لگا ہوا ہے کہ وہ پہلے پیدا ہوتا ہے۔ پھر مرتا ہے اور پھر زندہ کیا جاتا ہے۔ یہ کوئی خاصہ مسیحی نہیں۔ اس میں ہر ایک بشر اسکے ساتھ شریک اور ہم رتبہ ہے۔

مسیح صلیب پر نہیں مرے

یہانتک ہی انہوں نے بس نہیں کی بلکہ اس اپنے دعوے کی تائید میں سورہ آل عمران کی آیت ۴۸ بھی پیش کی ہے اور وہ یہ ہے۔ اذ قال اللہ یا عیسیٰ انی متوفیک ورافعک الیّ۔ اور اس سے یہ مطلب نکالا ہے کہ مسیح صلیب پر مر گیا اور پھر زندہ ہو کر آسمان پر چڑھ گیا۔ یہ ڈاکٹر صاحب کی سراسر بے سمجھی ہے قرآن شریف تو مسیح کے صلیب پر مرنیکا انکار کرتا ہے۔ چنانچہ سورۃ النساء کی آیت ۱۵۶ میں اس کا ذکر بھی کیا ہے کہ وما صلبوہ یعنی مسیح کو یہودیوں نے صلیب پر نہیں مارا۔ یہ دونوں آیات ملا کر پڑھنے سے صاف روشن ہوتا ہے کہ مسیح

صلیب پر نہیں مرا۔ بلکہ وہ طبعی موت سے اس جہان فانی سے عالم بقا کی طرف رحلت فرما ہو گیا۔
دوسرا امر رفع ہے۔ رفع کے معنے انہوں نے آسمان پر اُٹھائے جانیکے کیے ہیں۔ لیکن یہ انکی غلطی ہے
دراصل رفع کے معنے قرآنی اصطلاح میں مراتب اور مدارج کا بلند کرنا ہے۔ ہم اسکو معنوں کی بحث
میں نہیں پڑتے۔ اس بات کو چھوڑ دیتے ہیں کہ اس کے کیا معنے ہیں۔ اس کے کوئی بھی معنے لیے
جائیں لیکن یہ کسی طرح ثابت نہیں ہو سکتا کہ مسیح بجسدہ العنصری زندہ یا مردہ آسمان پر
اُٹھایا گیا۔ کیونکہ قرآن شریف نے یہ قانون بلا استثنا پیش کیا ہے کہ جو پیدا ہوا ہے وہ اسی زمین
رہیگا اور یہیں مریگا۔ (دیکھو ۲۰/۲۲ منہا خلقناکم وفیہا نعیدکم ومنہا نخرجکم
تارۃ اخریٰ)۔ اس کے ماسوا رفع کا لفظ صرف مسیح کے لیے ہی نہیں آیا۔ بلکہ یہ لفظ اوروں کے
لیے بھی آیا ہے۔ چنانچہ ۱۹/۵۸ میں ورفعناہ مکانا علیا۔ ۹/۱۷۵ میں ولو شئنا لرفعناہ
بہا ولکنہ اخلد الی الارض واتبع ہواہ اور ۳۵/۱۰ میں والعمل الصالح یرفعہ
قرآن شریف میں درج ہیں۔ ان تمام آیات میں لفظ رفع موجود ہے اور اسکو ساری مفعول مسیح کے
ساتھ رفع کے پہلو سے ہم پلہ ہیں۔ پس رفع کے یہ معنے جو ڈاکٹر صاحب نے لیے ہیں غلط ہیں اور نہ ہی
یہ خاصہ مسیح میں ثابت ہے اسکے معنے رفع روحانی ہے رفع جسمانی نہیں۔ (باقی آیندہ)

برنباس کی انجیل

ایک مدت تک بعض بعض عیسائی مناظرین برنباس کی انجیل کے وجود سے ہی انکار کرتے رہے مگر آخر
اس کتاب کا انگریزی ترجمہ شایع ہو گیا جو کہ اطالین زبان کے نسخہ سے کیا گیا ہے یہ ایک ضخیم کتاب ہے جو ہمارے
پاس پہنچ گئی ہے۔ لیکن اس وقت ہم خود اس کے متعلق کوئی مفصل مضمون لکھنا نہیں چاہتے اور
نہ ہی اس رسالہ میں اسقدر گنجایش ہے بلکہ ایک عیسائی سہ ماہی پرچہ دی ایسٹ اینڈ دی ویسٹ
کی گذشتہ اشاعت میں جو ایک مضمون اسی مضمون پہ پادری ہیگ نے شایع کیا ہے اسپر مختصر سی بحث کرینگے

اس مضمون کا عنوان پادری صاحب نے "برنباس کی محمدی انجیل" رکھا ہے اور محمدی کہنے کی یہ وجہ ظاہر کی ہے کہ دوسری فرضی اناجیل کے خلاف جو عیسائی صاحبان کی تصانیف ہیں یہ ایک فرضی انجیل ہے جو کسی ایسے مسلمان کی تصنیف ہے جو عیسائی مذہب کو چھوڑ کر اسلام میں داخل ہو گیا۔ اور اپنے نئے عقیدہ کی حمایت میں ایک فرضی انجیل لکھ دی۔ اس کو کسی مسلمان کی تصنیف قرار دینے کی وجہ سوائے اسکے کچھ نہیں کہ اس میں پیغمبر اسلام علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ظہور کی پیشگوئیاں صراحت کے ساتھ پائی جاتی ہیں اور یہ بات عیسائی صاحبان کو پسند نہیں کیونکہ اس سے اسلام کی صداقت کا ایک اور ثبوت ملتا ہے اگرچہ انکے لیے کچھ مشکل نہ تھا۔ کہ جس طرح اور ہزار ہا ثبوتوں کو رد کیا ہے اسی طرح اس انجیل کو بھی پرانی سمجھ کر جو ثبوت اس سے ملتا تھا اسے رد کر دیتے۔ کیونکہ انجیل کو کسی مسلمان کی تصنیف قرار دینے کے لیے یہ کافی وجہ نہیں کہ اس میں پیغمبر اسلام کے ظہور کی پیشگوئیاں پائی جاتی ہیں۔ ہم پادری صاحبان کو اس بات کا یقین دلاتے ہیں کہ اسلام اپنے ثبوت کیلیے برنباس کی انجیل یا کسی دوسری انجیل کا محتاج نہیں ہے بلکہ ہزار ہا چمکتے ہوئے ثبوت اور روشن نشان اپنے ساتھ رکھتا ہے اور جس صورت میں عیسائی صاحبان ان سب ثبوتوں سے آنکھیں بند کیے ہوئے ہیں تو یہ امید رکھنی عبث ہے کہ وہ برنباس کی انجیل یا کسی دوسری انجیل یا کسی اور کتاب کی پیشگوئی کی بنا پر صداقت کو قبول کرنے کیلیے تیار ہو جاوینگے لیکن خود پادری صاحبان کیلیے یہ طریق درست نہیں ہے کہ جس کتاب میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی کوئی پیشگوئی ملے اسے فرضی قرار دیدیں۔ یوحنا کی انجیل میں کسقدر وضاحت کے ساتھ آنحضرتؐ کے ظہور کی پیشگوئیاں موجود ہیں پھر اسکو بھی فرضی قرار دینا چاہیئے۔ اور ایسا ہی دوسری کتابوں میں جن کا مجموعہ بائبل کہلاتا ہے بہت سی ایسی پیشگوئیاں موجود ہیں جن کی تفصیل کیلیے اس جگہ گنجائش نہیں ہے۔

صرف ایک یوحنا کی انجیل کو لے لو۔ کسقدر صفائی کے ساتھ اس میں حضرت عیسیٰ کے بعد ایک اور شارع کے آنیکی پیشگوئی کی گئی ہے جیسا کہ یوحنا ۱۶ / ۱۲-۱۳ میں مذکور ہے کہ "میری اور بہت سی باتیں ہیں کہ میں تمھیں کہوں پر اب تم انکی برداشت نہیں کر سکتے۔ لیکن جب وہ روح حق آوے تو وہ

تمھیں ساری سچائی کی راہ بتادیگی کیونکہ وہ اپنی نہ کہیگی لیکن جو کچھ وہ سنیگی سو کہیگی اور تمھیں آیندہ کی خبریں دیگی"۔ اب دیکھو کسقدر صفائی سے یہ پیشگوئی ایک اور نبی کے آنیکو بتا رہی ہے جو اس بات کا مصداق ہو کہ ما ینطق عن الھویٰ ان ھو الا وحی یوحیٰ۔ یعنی اپنی کوئی بات نہ کہے بلکہ جو بات خدا کی طرف سے وحی ہو وہی کہے بالفاظ دیگر جو کچھ سُنے وہی کہے۔ کیا عیسائی صاحبان اس پیشگوئی کا مصداق سوائے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اور کسی کو ٹھہرا سکتے ہیں؟ مگر کیا باوجود اس پیشگوئی کی موجودگی اور ایک مدعی کے جس نے وہی باتیں کہیں جو پیشگوئی میں تھیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو عیسائی صاحبان نے سچا نبی مان لیا؟ ایسا ہی دس ہزار قدوسیوں کے ساتھ آنیکی پیشگوئی جس کا پورا ہونا سوائے فتح مکہ کے اور کہیں نہیں دکھایا جاسکتا۔ یا فاران کی چوٹیوں سے خداوند کے جلال کا ظاہر ہونا جو وہ بھی نبی عربی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی تصدیق کیلئے سوا اور کسی طرح پوری ہوئی ہوئی پیشگوئی نہیں کہلا سکتی۔ یہ سب واضح اور صریح پیشگوئیاں بائبل میں موجود ہیں پس جب عیسائیوں کی قبول کردہ مجموعہ کتب الہامی میں ایسی کھلی کھلی پیشگوئیاں موجود ہیں جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے وجود میں پوری ہوئیں تو کسی مسلمان کو وضعی پیشگوئیاں بنانیکی کیا ضرورت تھی۔

مگر اس موقع پر ہم برنباس کی اس انجیل کی جو شایع کی گئی ہے اصلیت یا غیر اصلیت پر بحث نہیں کرنا چاہتے بلکہ اس کی تحقیق کسی اور موقع کیلئے چھوڑتے ہیں تعجب یہ ہے کہ خود پادری رینگ صاحب نے اس بات کو تسلیم کیا ہے کہ ایک انجیل برنباس حواری کی تھی اور چھٹی صدی عیسوی تک اس کا نام فہرستوں میں بھی پایا جاتا ہے مگر بعد میں وہ گم ہوگئی اور یہ بھی مانا ہے کہ ممکن ہے کہ اس موجودہ انجیل برنباس میں وہ پہلی انجیل برنباس کل کی کل موجود ہو یا اس کا کوئی حصہ یا خلاصہ مضمون موجود ہو چنانچہ اس مضمون میں پادری صاحب نے لکھا ہے کہ "اس میں شک نہیں کہ گاسپل آف برنباس (انجیل برنباس جو اب شایع ہوئی ہے) اسقدر بعد کے زمانہ کی معلوم ہوتی ہے اور اسکی طرز اسقدر نئے زمانہ سے ملتی جلتی ہے کہ ایک محقق کیلیے ابتدائی زمانہ کی غیر اصلی اناجیل والی دلچسپی اسمیں کوئی نہیں۔

لیکن یہ بات قرین قیاس ہے کہ اس کے اوراق میں وہ مشہور قدیم زمانہ کی انجیل برنباس کل کی کل یا اس کا جزو یا خلاصہ مضمون موجود ہو جس کا نام چھٹی صدی کی ایک متعصبانہ فہرست میں اس حیثیت سے پایا جاتا ہے کہ اس کو قبول نہ کرنا چاہیئے۔"

پادری صاحب کے مضمون کا خلاصہ انکے مندرجہ ذیل فقرہ سے معلوم ہو سکتا ہے "چونکہ اس انجیل سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ لکھنے والے کو بہ نسبت قرآن کے بائبل کی واقفیت بہت زیادہ ہے اس لیے غالباً یہ کسی ایسے شخص کی تصنیف ہے جس نے عیسائی مذہب کو ترک کر دیا تھا۔ اور جہانتک قیاس سے کام لیا جا سکتا ہے اس تصنیف میں اس نے یہ کوشش کی ہے کہ اپنے آپ کو نہیں تو اپنے نئے ہم مذہبوں کو یہ یقین دلا سکے کہ اسکی تبدیلی مذہب راستی پر مبنی ہے۔ یہ بھی ممکن ہے کہ اس کی کسی قدر غرض یہ ہو کہ مسلمانوں کو اس مذہب کی زیادہ واقفیت دلائی جاوے جس میں خود اس کتاب کے مصنف نے پرورش پائی تھی۔ اور قرآن میں جو تاکید عیسیٰ بن مریم کے ادب اور عزت کے لیے پائی جاتی ہے یہانتک کہ اسکو بجز حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے اور سب نبیوں سے افضل مانا گیا ہے اس ادب اور عزت کو مسلمانوں کے دلوں میں اور بھی بڑھایا جاوے۔ اس کتاب کی بنیاد اس اصلی قصہ کا بیان کرنا ہے جو چار تسلیم کردہ اناجیل میں یسوع مسیح کے مشن کے متعلق بیان کیا گیا ہے۔ اور یہ محمدی انجیل نہ صرف ان تمام بڑے بڑے معجزات کو ہی بیان کرتی ہے جو مذکورہ چار اناجیل میں بیان کیے گئے ہیں بلکہ اپنے پاس سے دو اور معجزے بھی اسکے لیے تجویز کرتی ہے۔ یعنی معجزانہ طور پر فصل کا بمقام نائین بڑھا دینا اور یشوع والا معجزہ کا (جو سورج کو ٹھہرانے کے متعلق ہے) دوبارہ کر دکھانا۔ ××××× ساری کتاب میں یسوع کا چال چلن ایسا بیان کیا گیا ہے جو نہایت درجہ کے ادب و عزت اور تعریف کے قابل ہے۔ اور اسکے مشن اور اسکی وحی کو منجانب اللہ مانا گیا ہے اس کی پیدائش کو معجزانہ تسلیم کیا گیا ہے۔ اسکے ہر قدم میں فرشتوں کی تائید اور نصرت بتائی گئی ہے۔ اور اس کے اس زمین سے الگ ہونیکے وقت خارق عادت واقعات کا ہونا قبول کیا گیا ہے۔ مگر وہ بار بار الوہیت بلکہ مسیحیت کے دعوے کا بھی انکار کرتا ہے۔ اور اپنے نفس

کیلیے کسی قسم کی پرستش کی اجازت نہیں دیتا- اور (حضرت) محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی آیندہ ظہور کی پیشگوئیاں اس کے منہ میں ڈالی گئی ہیں اور انہی کو سچا مسیح اور خدا کا رسول قرار دیا گیا ہے"

پادری ریگ اس بات کو بھی تسلیم کرتا ہے کہ انجیل برنباس میں ایسے ایسے فقرات پائے جاتے ہیں جو اپنے اندر اعلیٰ درجہ کی شوکت اور بلند خیالی رکھتے ہیں اور جن کو سُنکر ہر ایک نیک آدمی خواہ وہ مسلمان ہو یا عیسائی فایدہ اُٹھا سکتا ہے- ایسے دو فقرے پادری صاحب نے نقل بھی کیے ہیں جن میں سے ایک فقرہ کا ترجمہ ذیل میں درج ہے-

"خدا اس بندہ سے جو صدق دل سے اس کی فرمانبرداری کرے یوں فرماتا ہے کہ مَیں تیرے اعمال کو جانتا ہوں اور اس بات کو بھی جانتا ہوں کہ تُو میرے لیے نیک عمل کرتا ہے- چونکہ میں ابدالآباد تک ہوں تیری محبت میرے فضل سے سبقت نہ لیجائیگی- چونکہ تُو مجھے خدا اپنا خالق سمجھ کر اور اپنے آپ کو میرے ہاتھ سے بنا ہوا سمجھکر میری عبادت کرتا ہے اور مجھ سے سوائے اس کے کچھ طلب نہیں کرتا کہ میرا فضل اور رحم تجھے صدق دل سے میری فرمانبرداری کی توفیق دے اور چونکہ تُو اپنی طرف سے میری فرمانبرداری کیلیے کوئی حد نہیں ٹھہراتا بلکہ ہمیشہ ہمیشہ کیلیے میری فرمانبرداری کرنیکی خواہش رکھتا ہے ایسا ہی مَیں بھی کرونگا کیونکہ مَیں تجھے ایسا اسکا اجر دونگا گویا کہ تُو میرے برابر ہے کیونکہ مَیں نہ صرف تجھے بہشت کی تمام نعماء ہی دونگا بلکہ مَیں اپنا آپ بھی تجھکو دونگا تاکہ جسطرح تو ہمیشہ کیلیے میری فرمانبرداری کرنیسے خوش ہوتا ہے تیرا اجر بھی مَیں ابدی کرونگا"

یہ پادری ریگ صاحب کے مضمون کا خلاصہ ہے- ہم بھی انشاء اللہ تعالیٰ عنقریب اس کتاب پر ایک مبسوط مضمون لکھینگے- اور ناظرین کو اس کی اصل حقیقت سے آگاہ کرینگے-

---

مختصر نوٹ اور ریویو

رضا بالقضا } رسالہ تجلی اکتوبر و نومبر کے نمبر میں الف میم نے چراغدین کی یادگار میں

ایک مضمون بعنوان "مرزا غلام احمد کے فرزند کی وفات" لکھا ہے جس کی تمہید یوں شروع کی ہے کہ "جب کوئی خدا کا بندہ اپنی آرزو کو الٰہی مشیت کے موافق کرنا سیکھ لیتا ہے بلکہ اپنے لیے کسی آرزو کا رکھنا بھی گناہ سمجھتا ہے جو الٰہی مرضی کے تابع نہ ہو تو اس کو ہر حالت میں خوشی ہوتی ہے۔" یہ بالکل سچ ہے اور اس سے بھی سچی بات یہ ہے کہ یہ تعلیم اسلام کی ہے بلکہ اسلام کے لفظ کا مفہوم ہی یہ ہے کہ انسان اپنے آپ کو کامل طور پر اپنے مولیٰ کی مرضی کے تابع کر دے۔ ایسے لوگوں کی نسبت اللہ تعالےٰ اپنی پاک کلام میں فرماتا ہے۔ بلیٰ من اسلم وجھہ للّٰہ وھو محسن فلہ اجرہ عند ربہ ولا خوف علیھم ولا ھم یحزنون۔ یہی سچے مسلمان ہیں۔ اور انکی نسبت فرمایا کہ انکے لیے نہ کوئی خوف ہے اور نہ ہی وہ کسی طرح کا غم کرتے ہیں۔ اور اسلام اس تعلیم کو اپنے ہر ایک پیرو کے رگ و ریشہ میں داخل کرنا چاہتا ہے کیونکہ پانچ وقت کی نماز میں جس سورۃ کا ہر رکعت میں پڑھنا لازمی قرار دیا ہے وہ شروع ہی ان الفاظ سے ہوتی ہے کہ الحمد للّٰہ رب العٰلمین یعنی انسان خواہ کسی حالت میں ہو۔ خواہ اسکو کیسا ہی غم پہنچا ہو۔ خواہ اس کا کیسا ہی مالی نقصان ہوا ہو۔ خواہ اس کا کیسا ہی عزیز سے عزیز اس سے جدا ہو گیا ہو۔ اس کو ہر حال میں حمد الٰہی ہی کرنی چاہیئے پس جو شخص اس سچی تعلیم کے مطابق ہر حال میں حمد الٰہی کرتا ہے وہ خدا کا شکوہ کب کر سکتا ہے اور کب کہہ سکتا ہے کہ اے خدا تو نے ایسا کیوں کیا یا ایسا کیوں نہ کیا۔ اس تعلیم کا کامل نمونہ اس زمانہ میں ہم نے حضرت مسیح موعودؑ میں دیکھا ہے۔ اور اسی مضمون کے متعلق جو تجلّی میں آپ کے صاحبزادہ کی وفات کے متعلق لکھا ہے ہم اپنی عینی شہادت دیتے ہیں کہ آپنے صبر کا کامل نمونہ دکھلایا یہانتک کہ اپنے پیارے بچہ کی وفات پر جس کی تیمارداری میں آپ پے در پے کئی راتوں تک جاگتے رہے سوائے ان الفاظ کے کہ انا للّٰہ وانا الیہ راجعون آپکے منہ سے کوئی لفظ نہیں نکلا اور ایک لحہ کیلیے بھی کوئی گھبراہٹ نہیں ہوئی بلکہ اسی دن عین جنازہ پر جماعت کو تسلی دیتے اور رضا بالقضا کی تاکید فرماتے رہے۔ اگر مضمون نویس کو طلب حق ہو تو اس کے لیے یہی نمونہ کافی ہے کہ کم از کم آیندہ کیلیے اس دل آزار اور گندہ طریق کو چھوڑ دے جو

اس نے سلسلہ احمدیہ کے مقدس بانی کا ذکر کرنا نہیں اختیار کر رکھا ہے۔

قبولیت دعا کا راز اسی مضمون میں یہ اعتراض بھی کیا گیا ہے کہ حضرت مرزا صاحب ایک طرف تو اس امر کے مدعی ہیں کہ خدائے تعالیٰ میری دعاؤں کو سنتا اور قبول کرتا ہے اور دوسری طرف وہ اپنے ایک پیارے بچہ کو دعا کر کے زندہ نہیں رکھ سکتے۔ یہ اعتراض نہایت درجہ کی نافہمی اور روحانیت سے بے بہرہ ہونیکو ظاہر کرتا ہے۔ یہ پرلے درجہ کی گستاخی ہے جو بندہ ہو کر کوئی یہ کہے کہ جو کچھ میں کہوں وہی خدا کرتا ہے خواہ ایسے کلمات کو مسیح کی طرف منسوب کیا جاوے یا کسی اور کی طرف۔ قبولیت دعا کی بارہ میں یہ بالکل سچ ہے کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ادعونی استجب لکم تم دعا کرو میں قبول کرونگا۔ مگر وہی خدا یہ بھی فرماتا ہے کہ ولنبلونکم بشیء من الخوف والجوع ونقص من الاموال والانفس والثمرات وبشر الصابرین الذین اذا اصابتھم مصیبۃ قالوا انا للّٰہ وانا الیہ راجعون اولٰئک علیھم صلوات من ربھم ورحمۃ واولٰئک ھم المھتدون۔ یعنی ضرور ضرور ہم تمکو آزمائیں گے کسیقدر خوف اور بھوک سے اور مالوں اور جانوں اور پھلونکے گھاٹے سے پس خوشخبری دے صبر کرنیوالوں کو وہ جن کو جب کوئی مصیبت پہنچتی ہے تو وہ کہتے ہیں ہم اللہ کے ہی ہیں اور اسی کی طرف لوٹ کر جانیوالے ہیں۔ ان لوگوں پر اپنے رب کی طرف سے برکتیں اور رحمت نازل ہوتی ہے اور یہی وہ ہیں جو ہدایت یافتہ ہیں۔ اس کلام میں دوہری تاکید سے یہ ظاہر فرمایا ہے کہ ایسا ضرور ہوگا کہ خدا کے برگزیدوں پر بھی طرح طرح کی مصائب آئیں گی۔ اور انہی لوگوں کو صبر دکھانے پر سچے ہدایت یافتہ کہا گیا ہے۔ اب ظاہر ہے کہ دعا تو انسان کرتا ہی ہے اور مصیبت کے وقت بھی کریگا۔ مگر اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ بعض اوقات ہم اپنی مشیت سے ضرور مصائب مومنین پر وارد کریں گے۔ اور یہ امور انکی ترقی کیلیے ہونگے اور انپر رحمتوں اور برکتوں کا موجب ہونگے۔ اسلام نے جو اصول دعا کی بارہ میں سکھلایا ہے وہ تو یہی ہے کہ بعض اوقات خدائے تعالیٰ اپنے بندے کی دعا سنکر اپنی تقدیر کو ٹال دیتا ہے اور بعض وقت اپنی بات اپنے بندے

سے منواتا ہے۔ اور یہی سچی محبت کا اقتضا ہے۔ جیسا دو دوست ہوں تو بعض وقت ایک کی بات دوسرا مان لیتا ہے اور بعض وقت دوسرا پہلے کی بات مان لیتا ہے۔ پس اگر حضرت مرزا صاحب کا دعویٰ مستجاب الدعوات ہونیکا ہے تو انہی معنوں کی رو سے جن کی رو سے قرآن شریف اللہ تعالیٰ کے برگزیدہ بندوں کو مستجاب الدعوات ٹھہراتا ہے۔ قرآن شریف میں ایسی تعلیم ہرگز نہیں اور نہ ہی حضرت مرزا صاحب نے کبھی یہ دعویٰ کیا ہے کہ ہر ایک دعا میں اللہ تعالیٰ ضرور ضرور بندہ کی آرزو کے مطابق ہی کریگا۔ اگر انجیل میں یہ تعلیم ہو تو ہو۔ اور یہ جو ڈوئی کے ساتھ الف میم نے مقابلہ کیا ہے کہ جسطرح ڈوئی کی لڑکی کے جلکر مرجانے پر اور ڈوئی کی دعا سے شفایاب نہ ہونے پر حضرت مرزا صاحب نے اسے ملزم کیا تھا اسی طرح اب وہ خود ملزم ہوتے ہیں یہ مقابلہ بھی صحیح نہیں۔ کیونکہ جسطرح الف میم آج مسیح کیلیے یہ دعویٰ کرتا ہے کہ کون بیمار اسکے پاس آیا جو شفایاب ہو کر نہ گیا۔ اور کس مُردے کو اس نے قُم کہا جو زندہ نہ ہو گیا اسی طرح ڈوئی کا دعویٰ قرآن کی تعلیم کے خلاف یہ تھا کہ ہر ایک بیمار میری دعا سے شفایاب ہو جاتا ہے پس اسپر تو اعتراض ہو سکتا تھا کہ جب تمھاری اپنی لڑکی تمھاری دعا سے شفایاب نہ ہوئی تو اور کوئی کیا ہوگا۔ لیکن جو شخص قرآنی تعلیم کے مطابق مستجاب الدعوات ہونیکا دعویٰ کرتا ہے اسپر ایسا اعتراض نہیں ہو سکتا کہ تیرا اپنا لڑکا کیوں دعا سے زندہ نہ رہا۔ ہاں اگر خدا کی اس مشیت پر وہ راضی نہ ہوتے اور قرآنی تعلیم کے خلاف بے صبری سے کام لیتے تو البتہ محل اعتراض تھا۔

مسیح کے حق میں اطرا: اسی مضمون میں مسیح کے حق میں ایسے بیجا مبالغہ سے کام لیا ہے جو ایک خدائے واحد کے پرستار کے نزدیک بڑے سے بڑا کفر ہے۔ یہ چند سطریں راقم مضمون کی جہالت کا کافی ثبوت ہیں۔ "ذرا سوچو تو کیا مسیح کبھی بیمار ہوئے تھے؟ کیا کبھی کوئی مریض اپنا یا پرایا انکے قدموں پر سے بے شفا لوٹا تھا؟ کس بیمار کے بستر پر وہ بلائے گئے اور اس کو شفائے کلی حاصل نہیں ہوئی؟ کب انہوں نے قُم کہا کہ تن بیجان اُٹھ نہ کھڑا ہوا؟ کون مردہ انکے پاس لایا گیا جو جلایا نہیں گیا؟ کیا کبھی انکے لوگوں میں کوئی بیمار کا بیمار رہا؟ کیا انکے دوستوں میں سے

کسی کو انکے موجود ہوتے ہوئے قبر نگل گئی"؟ ایک طرف بے ایمانی ہو تو ایسی اور اس کے مقابل تو ہم پرستی تو ایسی۔ بھلا اگر مسیح کے عزیزوں میں انکے جیتے جی کوئی نہیں مرا تو ہم انسے صبر کا نمونہ خاک سیکھیں گے۔ ہمیں تو فخر ہے کہ ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بہت سے عزیز صحابہؓ بھی آپکی آنکھوں کے سامنے فوت ہوئے اور شہید ہوئے اور آپکے عزیز بچے بھی فوت ہوئے اور آپنے اپنی اُمت کو صبر کا نمونہ دکھایا۔ پر تمہارے اعتقاد کے مطابق ایسی مصائب کے اوقات میں جو اس زندگی میں ہر انسان پر آنی ضروری ہیں مسیح نے کیا نمونہ دکھایا۔ اس قسم کے لغو اور بیہودہ دعووں کا انجام تو وہی ہوتا ہے جو ڈوئی کا ہوا پر حضرت مسیحؑ نے ایسا دعویٰ کبھی نہیں کیا تم جھوٹ انکی طرف منسوب کرتے ہو۔ بیماروں کے شفا دینے اور مردوں کے زندہ کرنے پر ہم پہلے بھی بہت دفعہ لکھ چکے ہیں اور اگلے رسالہ میں بھی ڈاکٹر چیتو پادھیا کے جواب میں اس کا کچھ تذکرہ آئیگا۔ مگر کیا انجیل خود ایسی مثالوں سے خالی ہے جن میں مسیح کو کسی طرح پر ناکامی ہوئی ہو۔ ایک شخص انجیر کے درخت کی طرف بھاگتا ہے اور اس پر پھل نہیں پاتا۔ اور نہ ہی اس کو پھلدار بنا سکتا ہے کیا وہ شخص جس کو ایک سر سبز درخت پر اتنی قدرت حاصل نہیں کہ اس میں پھل پیدا کر دے گلی اور سڑی ہوئی ہڈیوں میں جان ڈال سکتا ہے؟ ایک شخص کے چیدہ حواریوں میں سے بعض کھلے طور پر مرتد ہو کر دشمن کے ساتھ ملجاتے ہیں اور بعض مصیبت کے وقت لعنت بھیجنے اور بھاگنے کیلئے تیار ہو جاتے ہیں تو جس شخص کے روحانی بیماریوں سے شفا دینے کا یہ حال ہے کیا اس کے متعلق جسمانی بیماریوں کے شفا دینے کا ایسا دعویٰ صحیح ہے؟۔ اگر ایسے کھلے کھلے معجزے مُردوں کو زندہ کرنیکے مسیح دکھاتے تھے تو کیوں الیاس کو زندہ کر کے یہود کے اعتراض کا جواب نہ دیدیا؟ کیوں خود مرنیکے بعد یہودیوں کو نہ دکھایا کہ دیکھو میں زندہ ہو کر اب آسمان کی طرف جاتا ہوں؟۔ ایسے بیہودہ عقیدے تاریکی اور جہالت کے زمانہ میں تو رائج تھے ہی مگر افسوس ہے کہ پادری صاحبان اب بھی اسی رام کہانی کو دوہراتے ہیں جس کو انکے اپنے خواندہ لوگ ایک جھوٹا قصہ سمجھتے ہیں۔

اشاعت اسلام کا سوال } اشاعت اسلام کا سوال بہت قابل توجہ ہے ہم نے یہ کام رسالہ انگریزی کے ذریعہ سے شروع کیا تھا اور بعض چھوٹی چھوٹی کتابوں کی اشاعت کا بھی خیال تھا مگر احمدی جماعت کی توجہ اس کی طرف ویسی نہیں رہی۔ اشاعت اسلام کیلئے جو رقم ۱۹۰۶ء میں وصول ہوئی تھی۔ سال گذشتہ میں اس سے کم رقم وصول ہوئی ہے میں تو یہ خیال نہیں کر سکتا کہ ہمارے احباب اس کو غیر ضروری خیال کرتے ہیں کیونکہ خود حضرت امامؑ نے بڑے پُر زور الفاظ میں اس کی تحریک فرمائی تھی۔ اور اس کو سلسلہ کا ایک اہم مقصد بیان فرمایا تھا چنانچہ اسی بنا پر جو قواعد احمدیہ انجمنوں کیلئے تجویز ہوئے تھے ان میں حضرت امامؑ کی اجازت اور آپ کے حکم سے اشاعت اسلام کے چندہ کو لنگر اور مدرسہ کے چندہ کی طرح ضروری قرار دیا گیا تھا۔ مگر اس کی طرف بھی اکثر احمدی احباب اور احمدی انجمنوں نے توجہ نہیں فرمائی۔ اُردو میگزین کی اشاعت میں جو مقصد مدنظر تھا وہ بھی صرف اشاعت رسالہ انگریزی کو ہی مدد پہنچانا تھا۔ مگر اسکی خریداری میں بھی سال حال میں بہت سی کمی ہو گئی ہے۔ میگزین اُردو کی خریداری اور انگریزی کی اعانت دونوں کا کم ہو جانا بحالِ جملہ احمدی احباب اور احمدی انجمنوں کیلئے قابل توجہ امر ہے۔ کیونکہ اسکا اثر بلا دِ غیر میں جو اشاعت بذریعہ زبان انگریزی کیجاتی ہے اس پر پڑتا ہے۔ خصوصاً میں ان احباب کو بغیر نام لینے کے ہی توجہ دلاتا ہوں جنہوں نے ۱۹۰۶ء کے ابتدا میں ہمیں بڑی بڑی امیدیں دلائی تھیں۔ اگر اس وقت ابتدائی سال میں بڑی بڑی انجمنوں اور ذی مقدرت احباب کی طرف سے زور کی تحریکات اور توجہ کا اطمینان ہو تو ہم ابھی سے اس کارروائی کو وسیع پیمانہ پر شروع کر سکتے ہیں ورنہ سال گذشتہ کی کمی کو مدنظر رکھکر کام کرنا پڑیگا۔ میں امید رکھتا ہوں کہ اس تحریک پر کسی عملی کارروائی کی اطلاع ان احباب۔ اور انجمنوں کی طرف سے جلدی مجھے ملیگی۔ جو اشاعت اسلام کے سوال میں دلچسپی رکھتے ہیں۔ اور اپنی اپنی جگہ انجمنیں اردو میگزین کی خریداری کی توسیع کے سوال پر بھی غور کریں گی۔ اسی اثنا میں میں اس امر کا ذکر کرنا بھی ضروری سمجھتا ہوں کہ انگریزی مطبع کیلئے جو سال گذشتہ میں تحریک کی گئی تھی اس تجویز کو بھی ابھی ملتوی کرنا پڑا ہے۔ کیونکہ

جس قدر رقم بکار تھی اس کی چوتھائی کے قریب بمشکل جمع ہوئی ہے اور جس صورت میں اعانت کی رقم میں کمی واقع ہو رہی ہے تو مطبع کے خیال کو بالفعل چھوڑ کر اور اس کے لیے کسی آئندہ وقت کے منتظر رہ کر اس امر کی طرف توجہ کرنا ضروری ہے جو بہر حال مقدم ہے۔

مجموعہ فتاوی احمدیہ } متفرق اوقات پر جن جن مسائل کا استفسار حضرت اقدس مسیح موعودؑ علیہ السلام یا حضرت مولوی نورالدین صاحب سے کیا گیا ہے اور جن استفساروں کے جواب ابتک متفرق طور پر کتابوں یا اخباروں میں ہی درج تھے ان سب کو مولوی محمد فضل خاں احمدی ساکن چنگا تحصیل گوجرخان ضلع راولپنڈی نے مجموعہ فتاوی احمدیہ کے نام سے ایک جگہ جمع کر دیا ہے تین حصے ہیں۔ حصہ اول ۱۸۴ صفحے قیمت ۱۲ عہ، حصہ دوئم ۹۰ صفحے قیمت ۸ ر، حصہ سوئم ۲۸ صفحے قیمت ۲ ر محصولڈاک علاوہ۔ کتاب مصنف سے مل سکتی ہے۔

ردّ چکڑالوی } اس کے مصنف منشی محمد ظہیر الدین ساکن اروپ ضلع گوجرانوالہ ہیں جو آجکل سب ایڈیٹر الحکم ہیں۔ کتاب کا مضمون اس کے نام سے ظاہر ہے۔ تعجب ہے کہ باوجود مصنف کی موجودگی کے سہو کاتب کا ہی غلبہ رہا خصوصاً قرآن شریف کی آیات میں بہت غلطیاں رہ گئی ہیں۔ مگر یاد رہے کہ یہ کتاب انوار احمدیہ مشین پریس میں چھپی ہے اور چھپائی صاف ہے اور مضمون کے لحاظ سے کتاب قابل قدر ہے۔ ۱۰۰ صفحے قیمت صرف ۵ ر

مبادی الصرف والنحو } از تصنیف حضرت مولوی نورالدین صاحب۔ محمد عبدالحی صاحب عرب سے ۲ ر کو ملتی ہے۔

شری نہ کلنک درشن } تصنیف شیخ عبدالصمد صاحب احمدی (باداشاہ منہج) سنور۔ ریاست پٹیالہ۔ جس میں بحوالہ کلکی پوران۔ یہ بحث کی گئی ہے کہ حضرت مرزا غلام احمد صاحب کا ظہور اس زمانہ میں کرشن کا ظہور ہے ۱۷۲ صفحے قیمت صرف ۸ ر۔

رؤیا و الہامات حضرت مسیح موعود علیہ السلام

۲۔ دسمبر ۱۹۰۸ء۔ وقت صبح ساڑھے پانچ بجے۔ (۱) انت منی بمنزلۃ النجم الثاقب۔

(۲) انهم ما صنعوا هو كيد ساحرٍ ولا يفلح الساحر حيث اتی۔ (۳) انت منی بمنزلة روحی۔ (۴) انت منی بمنزلة النجم الثاقب۔ (۵) جاء الحق و زهق الباطل۔

(۱) انی معك و مع اهلك۔ احمل او زارك۔ (۲) مَیں تیری ساتھ اور تیری تمام پیاروں کے ساتھ ہوں۔ (۳) انی معك یا مسرور۔ (۴) وقع واقعٌ وهلك هالكٌ۔ (۵) وضعنا الناس تحت اقدامك۔ (۶) وضعنا عنك وزرك الذی انقض ظهرك ورفعنا لك ذكرك۔ (۷) اجيبت دعوتك (۸) سنريهم اٰياتنا فی الاٰفاق وفی انفسهم۔ (۹) اجيبت دعوتكما۔ ان الله علیٰ كل شیءٍ قدیر۔ (۱۰) انی معك یا ابراهيم۔ (۱۱) انی انا ربك الاعلیٰ۔ (۱۲) اخترت لك ما اخترت۔ (۱۳) بخرام کہ وقتِ تو نزدیک رسید۔ (۱۴) شائیں کو ایک واقعہ۔ (ہماری متعلق) الله خیر و ابقیٰ۔ (۱۵) خوشیاں منائیں گے۔ (۱۶) بعد سنةٍ واحدةٍ۔ (۱۷) صلوٰتك خير و ابقیٰ۔ ان صلوٰتك سكن لهم۔ (۱۸) دخلتم الجنة وما علمتم ما الجنة ذٰلك اليوم الاٰخر۔ ۲۰۔ دسمبر ۱۹۰۷ء۔ (۱) آج ہماری بخت بیداری۔ (۲) ان شانئك هو الابتر۔ (۳) خدا نے اسے لیا (۴) واللہ واللہ سدّھا ہو یا آوَلّا (یہ پنجابی فقرہ ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ کج طبع آدمی درست ہوگیا ہی) (۵) وقت رسید۔

ایام جلسہ میں حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام پر یہ وحی نازل ہوئی۔

يا ايها النبی اطعموا الجائع والمعتر۔ (یعنے اے نبی بھوکوں اور سوالیوں کو کھانا کھلاؤ۔)

ہیں ہیں۔ ان اخراجات کو پورا کرنیکے لیے حضرت اقدسؑ نے یہ لازمی قرار دیا ہے کہ سب احباب مدرسہ کے لیے حسب استطاعت چندہ دیں نیز جن احباب کے بچے تعلیم کے قابل ہیں وہ انکو تعلیم کے لیے اسجگہ بھیجیں۔

(۳) **مساکین اور یتامیٰ کی مدد**۔ اسکے لیے تین الگ الگ فنڈ ہیں۔ ایک مساکین کے لیے ایک یتامیٰ کیلیے۔ اور تیسری مد زکوٰۃ کی ہے قربانی کی کھالوں کا روپیہ مسکین فنڈ میں جمع ہوتا ہے اور مساکین اور یتامیٰ کیلیے ذی مقدرت احباب مستقل طور پر بھی مدد کرتے ہیں۔ زکوٰۃ کا روپیہ بھی احباب کو چاہیئے کہ حتی الوسع یہاں بھیجا کریں۔

(۴) **مقبرہ بہشتی کا انتظام**۔ جس کے لیے رسالہ الوصیت کو دیکھنا چاہیئے۔

ضروری ہدایات

تمام احباب جو مذکورہ بالا کاموں کے لیے خط وکتابت کرنا چاہیں وہ ان ہدایات کو مدنظر رکھیں۔

(۱) ہر ایک قسم کا روپیہ جو مذکورہ بالا اغراض کے لیے بھیجا جاوے وہ صرف بنام **محاسب صدر انجمن احمدیہ قادیان** آنا چاہیئے۔ مگر لنگر خانہ کا روپیہ براہ راست حضرت اقدسؑ کے نام بھیجا جاوے لیکن اگر دوسری مدات کے ساتھ ملا ہوا ہو تو محاسب کے نام بھیجکر اسے اطلاع دیدیں۔

(۲) منی آرڈر کے کوپن میں پوری تفصیل کہ روپیہ کن کن اغراض کیلیے ہے دینی چاہیئے اگر تفصیل لمبی ہو تو علیحدہ خط میں دیں۔

(۳) ہر ایک رقم کی رسید باضابطہ دفتر محاسب سے دیجاویگی پس جس شخص کو ایسی رسید نہ پہنچے اسے اپنی رقم کے متعلق خط وکتابت کرنی چاہیئے۔ نوٹ ۴؍ سے کم رقم کی رسید نہ دیجاوے گی۔

(۴) جو رقم دستی دفتر محاسب میں دیجاوے اسکی ایک کچی رسید محرر کی دستخطی اسیوقت دیجاویگی اور اسکے بعد رسید

(۵) تمام مدات کے کھاتے دفتر محاسب میں رہینگے۔ اور جو حساب کتاب میگزین کے چندہ یا کسی دوسرے چندہ کے متعلق دریافت کرنا ہو وہ سب دفتر محاسب سے دریافت کریں۔

(۶) سوائے حساب کتاب مالی کے باقی خط وکتابت ذیل کے پتوں پر ہونی چاہیئے۔ میگزین اور بک ڈپو

رجسٹرڈ ایل نمبر ۳۰۳

مندرجہ ذیل کتب موجودہ بک ڈپو کی طرف ہم شائقین کو خاص طور پر توجہ دلاتے ہیں

یہ کتابیں بذریعہ وی پی (مفصل فہرست الگ ملتی ہے) منیجر میگزین قادیان سے طلب کرو۔

(۱) **صداقت و فلسفۂ اسلام پر** - **براہین احمدیہ** جس میں نہایت پُرزور دلائل کے ساتھ صداقت اسلام اور آنحضرت صلعم کے منجانب اللہ ہونیکو ثابت کیا گیا ہے مکمل کتاب جس میں حصہ چہارم کا وہ اصل نسخہ ہے جو حضرت اقدس نے ۱۸۸۴ء میں چھپوایا تھا ۱۲ روپے کو ملتی ہے - **اسلام کا فلسفہ** وہ لطیف لیکچر جو پانچ سوالوں کے جواب میں جلسہ اعظم مہوتسو میں حضرت اقدس کی طرف سے پڑھا گیا تھا جیبی تقطیع قیمت صرف ۲ر - **رپورٹ جلسہ مذاہب** جس میں علاوہ مذکورہ بالا لیکچر کے دیگر مذاہب کے جواب بھی ہیں ۲۷۴ صفحے قیمت ۸ر

(۲) **عیسائی مذہب پر** - **سراج الدین عیسائی کے چار سوالوں کا جواب** ۲ر - **جنگ مقدس** - یعنی عیسائیوں سے مباحثہ جس میں علم کلام کے نئے اصول کو ہاتھ میں لیکر بحث کی گئی ہے - قابل دید کتاب ہے - ۶ر **نور القرآن** حصہ اول ۲ر حصہ دوم ۴ر **ابطال الوہیت مسیح** - ۱ر

(۳) **آریہ مذہب پر** - **سرمہ چشم آریہ** جو آریہ مذہب کے اعتراضوں کے جواب ہیں اور انکے اصول کی تردید میں ایک لاثانی کتاب ہے - ۲۵۰ صفحے قیمت ۱۲ر - **نور الدین** - ترک اسلام کے ۱۴۱ سوالوں کا لاجواب جواب ہے جو علامہ حضرت حکیم نور الدین صاحب کی تصنیف ہے ۲۵۶ صفحے ۸ر - **آریہ دھرم** جس میں نیوگ پر بحث ہے ۴ر **نسیم دعوت** ۳ر

(۴) **شیعہ مذہب پر** - **خلافت راشدہ** حصہ اول ۱۸۰ صفحے ۸ر - حصہ دوم ۸۰ صفحے ۴ر مولوی عبد الکریم صاحب مرحوم کی لطیف تصنیف جس میں شیعہ مذہب کی ایسی تردید کی گئی ہے جسکا جواب کسی شیعہ سے بن نہیں سکا بحث کا اسلوب بالکل نیا ہے - **خطوط شیعہ کا جواب** ۲ر

(۵) **سکھ مذہب پر** - **ست بچن** ۲۰۰ صفحے قیمت ۱۰ر اس کتاب میں یہ ثابت کیا گیا ہے کہ باوا نانک صاحب اسلامی طریق کے پیرو تھے - سکھ مذہب پر حجت قاطع ہے -

(۶) **سلسلہ احمدیہ کی حقیقت میں** - **عسل مصفٰے** - ایک قابل دید کتاب ۸۲۸ صفحوں کی ہے جو بسبب ایک جامع کتاب ہونیکے ہر ایک احمدی کے ہاتھ میں ہونی چاہیئے - سلسلہ احمدیہ کے متعلق ہر ایک مسئلہ پر اور احادیث تفاسیر وغیرہ کے تمام اقوال پر سیر کن بحث ہے - باقی کے لیے دیکھو مفصل فہرست -

(۷) **لغات القرآن** ایک نہایت قابل قدر لغات قرآن شریف کی ہے جس میں بالمقابل کالموں میں متن لغات عربی اور اسکا اردو ترجمہ دیئے گئے ہیں - قرآن شریف کا ترجمہ سیکھنے کے لیے از بس ضروری ہے - حصہ اول ۳۸۴ صفحے قیمت عہ/ حصہ دوم ۴۰۸ صفحے قیمت عہ/

(۸) **یسرنا القرآن** یہ اگرچہ بچوں کا قاعدہ ہے مگر ایک نہایت مفید چیز ہے جس سے بچوں کو قرآن شریف کے پڑھنے میں اعلیٰ درجہ کی سہولت ہوگئی ہے - چھ ماہ میں بچہ قرآن شریف پڑھ لیتا ہے - تین حصہ میں ہے - فی حصہ ۱ر کل ۳ر

(۹) **مکتوبات و خطبات محمدیہ** - آنحضرت صلعم کے خطوط اور خطبے بڑی محنت سے جمع کیے گئے ہیں اور ساتھ اردو میں ترجمہ دیا گیا ہے - قیمت ۴ر - **خزینۃ المعارف** - تفسیر فاتحہ اردو از حضرت مرزا صاحب حصہ اول و دوم ۴ر حصہ سوم و چہارم ۸ر

(۱۰) **شرح ترمذی جلد اول و دوم** یہ دو ضخیم مجلد ہیں جن میں حدیث کی مشہور کتاب ترمذی کی جو صحاح ستہ میں سے ہے شرح ہے - قیمت بلحاظ ضخامت کے گویا کچھ بھی نہیں فی جلد عہ/ -

انوار احمدیہ مشین پریس میں شیخ ... علی تراب احمد کے اہتمام سے طبع ہوا

آؤ لوگو کہ یہیں نورِ خدا پاؤ گے ۔ لو تمہیں طورِ تسلی کا بتایا ہم نے

ریویو آف ریلیجنز

یعنی

دنیا کے مذاہب پر نظر

جلد ۷ ۔ بابت ماہ فروری ۱۹۰۸ء ۔ نمبر ۲

فہرست مضامین

قادیان ضلع گورداسپور سے ۔ ۲۰- فروری ۱۹۰۸ء کو مینجر میگزین کے اہتمام سے شایع ہوا ۔ چندہ سالانہ عہ

رؤیا و الہامات حضرت مسیح موعود علیہ السلام

یکم جنوری ۱۹۰۸ء - ۱) بدیہ خسرو یم شد بلند، زلزلہ در گورِ نظامی فگند - (۲) اِنّی معک اینما تذھب تسیر - ۲ - جنوری ۱۹۰۸ء انّی معک و مع اھلک - (۲) انّی معک فی کل حالٍ - و عند کل مقال - (۳) انّی معک فی کل موطنٍ - نصرٌ من اللہ و فتح قریب - (۴) وھم من بعد غلبھم سیغلبون - (۵) و امّا نرینّک بعض الذی نعدھم او نتوفینّک (۶) نصرکم اللہ نصراً مؤزّراً (۷) انّی معک یا ابراھیم

۱۸ - جنوری ۱۹۰۸ء (۱) یہ پیشگوئی کی آخری حد ہے (۲) وہ وعدہ ٹلیگا نہیں جبتک خون کی ندیاں چاروں طرف سے بہ نہ جائیں - ۱۹ - جنوری ۱۹۰۸ء انّی معک و مع اھلک ھٰذہٖ - ۵ - جنوری ۱۹۰۸ء - مرحوم امیرخان کی بیوہ جس دن اس کا خاوند فوت ہوا ہمنے دیکھا کہ اس بیوہ کی پیشانی پر ۵ یا ۶ یا ۷ کا عدد لکھا ہوا ہے ہمنے وہ مٹا دیا اور اُسکی پیشانی پر ۶ کا عدد لکھدیا ہے - ۲۱ - جنوری ۱۹۰۸ء ملعونین اینما ثقفوا اخذوا - (۲) ان الصفا و المروۃ من شعائر اللہ - ۲۶ - جنوری ۱۹۰۸ء حرّقھما اللہ - (۲) قتلھما اللہ - (۳) میری فتح ہوئی (۴) انّا رادّوہ الیک (۵) انت منّی بمنزلۃ سمعی - ۲۸ - جنوری ۱۹۰۸ء - انّی معک یا ابراھیم - (۲) از خدا یا بند مردانِ خدا -

---

ضروری ہدایات

تمام احباب جو خط و کتابت کرنا چاہیں وہ ان ہدایات کو مدنظر رکھیں -

(۱) ہر ایک قسم کا روپیہ جو بھیجا جاوے وہ صرف بنام محاسب صدر انجمن احمدیہ قادیان آنا چاہیئے - مگر لنگرخانہ کا روپیہ براہ راست حضرت اقدس کے نام بھیجا جاوے لیکن اگر دوسری مدات کے ساتھ ملا ہوا ہو تو محاسب کے نام بھیجکر اسے اطلاع دیدیں -

(۲) منی آرڈر کے کوپن میں پوری تفصیل کہ روپیہ کن کن اغراض کیلیے ہے دینی چاہیئے اگر تفصیل لمبی ہو تو علیحدہ خط میں دیں

(۳) ہر ایک رقم کی رسید باضابطہ دفتر محاسب سے دیجاویگی پس جس شخص کو ایسی رسید نہ پہنچے اسے اپنی رقم کے متعلق خط و کتابت کرنی چاہیئے -

نوٹ ۴؍ سے کم رقم کی رسید نہ دیجاوے گی -

(۴) جو رقم دستی دفتر محاسب میں دیجاوے اسکی ایک کچی رسید مہر کی دستخطی دیجاویگی اور اسکے بعد رسید باضابطہ پہنچیگی -

(۵) تمام مدات کے کھاتے دفتر محاسب میں رہینگے - اور جو حساب کتاب میگزین کے چندہ یا کسی دوسرے چندہ کے متعلق دریافت کرنا ہو وہ سب دفتر محاسب سے دریافت کریں -

(۶) سوائے حساب کتاب مالی کے باقی خط و کتابت ذیل کے پتوں پر ہونی چاہیئے - میگزین اور بک ڈپو کے متعلق مینیجر میگزین سے مدرسہ اور بورڈنگ کے متعلق ہیڈ ماسٹر مدرسہ سے - مقبرہ کے متعلق افسر مقبرہ سے - مساکین یتامیٰ کے متعلق افسر صیغہ صدقات سے - دیگر امور عامہ میں سکرٹری صدر انجمن احمدیہ سے - (سکرٹری صدر انجمن احمدیہ قادیان)

بسم اللہ الرحمن الرحیم
نحمدہٗ و نصلی علیٰ رسولہ الکریم

حضرت مسیح کے بارہ میں قرآنی فیصلہ

۹- خلق اور احیائے موتے

احیاء موتیٰ مسیح کی خصوصیت نہیں

گذشتہ اشاعت میں ہم ڈاکٹر چتو پادھیا کی پیشکردہ آٹھ مزعومہ خصوصیتوں میں سے چار پر جن کا ہونا وہ مسیح میں بیان کرتے ہیں بحث کر چکے ہیں۔ اور باقی چار پر اس رسالہ میں بحث کریں گے۔ ان میں سب سے اول یہ بات ہے کہ ڈاکٹر صاحب کہتے ہیں کہ قرآن شریف میں حضرت مسیح کی نسبت یہ تسلیم کیا گیا ہے کہ اس میں خلق کرنے اور مردوں کو زندہ کرنیکی قدرت تھی۔ اور اس بات پر انہوں نے بہت زور دیا ہے بلکہ اسی اثنا میں یہ بھی تسلیم کر لیا ہے کہ مسیح کے بیماروں کو شفا دینے کے معجزات میں ایسی کوئی خصوصیت نہیں جو دوسروں کو حاصل نہ ہو اور ایک شخص اپولونیس (آف ٹیانا) کا نام بھی لیا ہے کہ وہ مسیح کا ہمعصر تھا اور وہ بھی بیماروں کو شفا دیا کرتا تھا۔ اور پھر یہ بھی مانا ہے کہ قدیم زمانہ میں بھی اور موجودہ زمانہ میں بھی مختلف اقوام اور مذاہب اور مختلف ممالک میں ایسے لوگ پائے جاتے ہیں۔ مگر ساتھ اس کے یہ دعویٰ کیا ہے کہ مٹی سے جاندار چیزوں کے پیدا کرنیکی اور مُردوں کو زندہ کرنیکی طاقت کسی دوسرے شخص کی طرف منسوب نہیں کی گئی۔ ڈاکٹر صاحب کا یہ دعویٰ تو سراسر غلط ہے کہ مردوں کو زندہ کرنا سوائے مسیح کے کسی دوسرے کی طرف منسوب نہیں کیا گیا۔ کیونکہ بہت سے فرقے اپنے

اپنے پیشواؤں کی طرف ایسے ہی معجزات منسوب کرتے ہیں بلکہ مسلمانوں میں بعض اولیا کی طرف بھی ایسے معجزات منسوب کیے گئے ہیں۔ اور خود بائبل میں بعض انبیائؑ کے ایسے ہی معجزات کا ذکر ہے جیسا کہ حضرت مسیح کے معجزات انجیل میں ہیں لیکن چونکہ ہماری بحث عام طور پر معجزات مسیح کے متعلق نہیں اور نہ ہی ڈاکٹر چتو پادھیا کے مضمون کا یہ مقصد تھا بلکہ وہ صرف قرآن شریف سے مسیح کی بعض خصوصیتیں ثابت کرنا چاہتے ہیں۔ اس لیے ہم بھی اس مضمون میں صرف الفاظ قرآنی پر بحث کریں گے کہ آیا کہاں تک قرآن شریف نے اس بات کو تسلیم کیا ہے کہ مسیح میں خلق کرنے کی قوت تھی اور مُردوں کو زندہ کرنے کی طاقت تھی اور کہ یہ اسی کی خصوصیات ہیں اور دوسرے کسی نبی میں یہ طاقت نہ تھی۔ علاوہ ازیں چونکہ ڈاکٹر صاحب نے اس بات کو تسلیم کر لیا ہے کہ بیماروں کو شفا دینا کوئی حضرت مسیح کی خصوصیت نہ تھی۔ بلکہ معمولی انسان بھی اس قسم کے کرتب دکھا سکتے ہیں اور دکھاتے ہیں اس لیے ہم بالفعل صرف انہی دو معجزوں یعنی خلق طیور اور احیائے موتی پر ہی بحث کریں گے۔

خلق صرف خدا کا خاصہ ہے

قبل اصل بحث کے انہی دو معجزات پر روشنی ڈالنے کے لیے دو باتیں بطور تمہید بیان کی جاتی ہیں۔ اول یہ کہ قرآن کریم نے صراحت کے ساتھ اس بات کو بیان کیا ہے کہ خلق کی صفت صرف خدا کا خاصہ ہے اور کسی دوسرے کو نبی ہو یا غیر نبی یہ صفت نہیں دی گئی۔ بلکہ صرف اس اکیلے خدا کا یہ خاصہ ہے جس کی ذات واحد ہے اور اس میں دوسرا کوئی شریک نہیں خواہ مسیح ہو یا کوئی اور۔ اس کے متعلق میں قرآن کریم کے چند مقامات پیش کرتا ہوں۔ دیکھو سورۃ النحل آیت ۱۹ و ۲۰۔ والذین یدعون من دون اللہ لا یخلقون شیئاً وھم یخلقون ۝ اموات غیر احیاء ۚ وما یشعرون ایان یبعثون۔ جس کا ترجمہ یہ ہے کہ وہ لوگ جن کو کفار

خدا کے سوا (حاجت روا سمجھ کر) پکارتے ہیں وہ ایسے ہیں کہ کوئی چیز پیدا نہیں کر سکتے بلکہ وہ خود مخلوق ہیں (نہ خالق) یہ مردے ہیں جن میں جان نہیں اور انکو یہ بھی خبر نہیں کہ وہ کب اُٹھا کھڑے کیے جاویں گے"۔ اب یہ ظاہر ہے کہ ان لوگوں میں جن کو سوائے خدا کے معبود سمجھ کر پکارا جاتا ہے حضرت مسیح بھی شامل ہیں جنکو حق میں نصاریٰ نے یہ غلو کیا کہ اُن کو خدا سمجھ کر پکارا اور قرآن شریف میں بصراحت موجود ہے کہ حضرت مسیح کو نصاریٰ نے خدا بنا لیا ہے۔ پس ایسے تمام معبودوں کے متعلق یہ فرمایا کہ ان میں سے کسی میں کچھ خلق کرنیکی طاقت نہ تھی۔ اور نہ کبھی ان معبودوں نے کوئی چیز پیدا کر کے دکھائی اور نہ ہی خدا کے سوا دوسرا کوئی شخص کچھ خلق کر سکتا ہے۔ پس یہاں نہ صرف عام طور پر سوائے خدا کے کسی دوسرے میں خلق کی طاقت کے ہونیکا صاف طور پر انکار ہے بلکہ خصوصیت کے ساتھ ان لوگوں میں ایسی طاقت کے ہونیکا انکار بھی ہے جن کو خدا بنایا گیا اور جن میں اول نمبر پر حضرت مسیح ہی ہیں۔ پھر سورۃ الرعد کی آیت ۱۶ کے آخری حصہ کو دیکھو۔ جہاں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ ام جعلوا للہ شرکاء خلقوا کخلقہ فتشابہ الخلق علیھم قل اللہ خالق کل شئ وھو الواحد القھار

ترجمہ "یا ان لوگوں نے اللہ کے ایسے شریک بنائے ہیں جنہوں نے اسی کی سی مخلوقات پیدا کر رکھی ہے اور انکی نظر میں وہ مخلوقات مشتبہ ہو گئی ہے (یعنی یہ پتہ نہیں لگتا کہ خدا کی مخلوق کونسی ہے اور انکے معبودوں کی مخلوق کونسی) اے پیغمبر! تو انکو کہدے کہ ایک اللہ ہی ہر چیز کا پیدا کرنیوالا ہے (اس کے سوا کسی دوسرے نے کوئی چیز خلق نہیں کی) اور وہ ایک ہے اور سب پر غالب ہے"۔ اس آیت میں صاف طور پر بیان کیا گیا ہے۔ کہ ایسا نہیں ہو سکتا کہ کچھ مخلوق تو خدا کی ہو اور کچھ دوسروں کی اور اسطرح پر مخلوق مل جل گئی ہو۔ بلکہ ساری مخلوق ایک

مُردے اس دنیا میں واپس نہیں آ سکتے

خدا کی ہے اور جن لوگوں کو خدا کے سوا معبود بنایا جاتا ہے جن میں حضرت مسیح بھی شامل ہیں انہوں نے کوئی خلق نہیں کی۔ پھر سورہ فاطر میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ھل من خالق غیر اللّٰہ کیا اللہ کے سوا کوئی اور بھی خالق ہے جس نے کوئی چیز پیدا کی ہو؟ ہرگز نہیں۔

دوسرا اصل جسے ناظرین کو احیائے موتیٰ کا مضمون سمجھنے میں یاد رکھنا چاہیئے یہ ہے کہ جس شخص پر موت قطعی طور پر وارد ہو چکی ہے اسکو پھر اس دنیا میں واپس نہیں بھیجا جاتا۔ اسپر قرآن کریم کی کئی آیات گواہ ہیں جن میں سے اسجگہ صرف تین بیان کیجاتی ہیں۔ اول سورۃ الزمر کی آیت ۴۲ جہاں قرآن کریم فرماتا ہے اللّٰہ یتوفی الانفس حین موتھا والتی لم تمت فی منامھا[2] فیمسک التی قضٰی علیھا الموت ویرسل الاخرٰی الیٰ اجل مسمّی ط ان فی ذٰلک لاٰیٰت لقوم یتفکرون۔ ترجمہ ”اللہ تعالیٰ لوگوں کا قبض روح کرتا ہے موت کے وقت اور جو لوگ مرے نہیں انکے سوتے وقت (انکا قبض روح کیا جاتا ہے) پھر جن کی نسبت خدا موت کا حکم قطعی صادر کر چکا ہے انکو روکے رکھتا ہے (یعنی اس دنیا میں واپس نہیں بھیجتا) اور دوسری روحوں کو (یعنی جنکی نسبت موت کا حکم قطعی صادر نہیں ہوا جیسا سوتے ہوئے وغیرہ) انکو ایک وقت مقرر تک پھر دنیا میں بھیجدیتا ہے۔ تحقیق اس میں نشانیاں ہیں ان لوگوں کے لیے جو غور و فکر کرتے ہیں“ یہ بطور ایک اصل کے بیان کیا گیا ہے جس میں یہ سمجھا دیا گیا ہے کہ جس کے متعلق خدا کے ہاں سے موت کا حکم قطعی صادر ہو چکا ہے۔ اس کی روح پھر اس دنیا میں واپس نہیں بھیجی جاتی۔ بلکہ انکی واپسی کیلیے یوم البعث ہی مقرر ہے اسی کی تائید قرآن کریم کی دوسری آیات ہوتی ہے۔ جیسا کہ سورہ مومنون کی آیت ۹۹ و ۱۰۰ جہاں فرماتا ہے۔ حتّٰی اذا جاء احدھم الموت

قال رب ارجعون ۝ لعلی اعمل صالحا فیما ترکت کلا ؕ انھا کلمۃ ھو قائلھا ؕ
ومن ورائھم برزخ الی یوم یبعثون۔ ترجمہ ان آیات کا یہ ہے کہ "جب
ان میں سے کسی کی موت آجاتی ہے تو وہ کہتا ہے اے میرے پروردگار مجھے پھر
ایک مرتبہ دنیا میں بھیج تا کہ جس کو میں نے ترک کیا ہے اس میں نیک عمل کروں ایسا
ہرگز نہیں ہوسکتا۔ یہ صرف ایک بات ہے جسے وہ کہتا ہے (مگر چونکہ یہ سنت اللہ کے
خلاف ہے اس لیے اس کی یہ درخواست منظور نہیں ہوسکتی) اور لوگوں کے مرے
پیچھے عالم برزخ ہے جہاں انکو اس دن تک رہنا ہوگا جبکہ دوبارہ زندہ کر کے اُٹھائے
جائیں گے یعنی روز قیامت تک"۔ ان آیات سے بھی یہ صاف معلوم ہوتا ہے کہ
یہ امر کہ ایک دفعہ موت قطعی وارد ہو کر پھر ایک شخص کو اسی دنیا میں بھیجا جائے یہ
سنت اللہ کے خلاف ہے اور کسی صورت میں خدائے تعالیٰ اس امر کو جائز نہیں رکھتا
بلکہ مرنیکے بعد تمام روحوں کو عالم برزخ میں رہنا ہوتا ہے اور دوبارہ زندگی بھی ایک
ہی دفعہ ہوگی جو یوم البعث یعنی قیامت کا دن یا سب مردوں کے زندہ کیے
جانے کا دن ہے۔

اب مَیں تیسری آیت کو جو اسی مضمون پر شاہد ہے بیان کرتا ہوں۔ اور وہ یہ ہے
وحرام علی قریۃ اھلکنھا انھم لا یرجعون۔ سورہ انبیاء۔ آیت ۹۵
اور جس بستی کے لوگوں کو ہم نے ہلاک کر دیا ہے انپر یہ امر قطعی طور پر ممنوع ہوچکا ہے
(کہ وہ دوبارہ اس دنیا میں لوٹ کر آئیں) وہ ہرگز لوٹ کر نہیں آئیں گے۔ اس آیت
میں بھی یہ امر قاعدہ کلیہ کے طور پر بیان کیا گیا ہے۔ کہ مُردوں کا اسی دنیا میں لوٹ کر
آنا قطعی طور پر خدا کے ہاں ممنوع ہوچکا ہے اور خدائے تعالیٰ نے اسی کو اپنی سنت
قرار دیا ہے کہ جو مرچکے ہیں وہ ہرگز لوٹ کر اس دنیا میں نہ آئیں گے۔ اسجگہ یہ بھی ضروری
ہے کہ ان اعتراضوں کا جو اس آیت کے معنوں پر وارد ہوسکتے ہیں۔ جواب دیا جاوے۔

سب سے پہلے اس کے بعد کی عبارت کو لینا چاہیے کہ آیا اس سے انہی معنوں کی تائید ہوتی ہے یا نہیں۔ مابعد کی تین آیتوں کے ساتھ ملا کر عبارت اسطرح پر ہے وحرام علی قریۃ اھلکنٰھا انھم لا یرجعون ہ حتّٰی اذا فتحت یاجوج وماجوج وھم من کل حدب ینسلون ؕ واقترب الوعد الحق فاذا ھی شاخصۃ ابصار الذین کفروا ؕ یٰویلنا قد کنا فی غفلۃ من ھٰذا بل کنا ظٰلمین ۰ انکم وما تعبدون من دون اللّٰہ حصب جھنم ؕ انتم لھا واردون ۰ "اور جن بستی (کے لوگوں) کو ہم نے ہلاک کر دیا ہے وہ ہرگز واپس نہیں آئیں گے یہانتک کہ یاجوج اور ماجوج کھول دیئے جائیں اور وہ ہر بلندی سے جلدی نکلتے چلے آویں گے اور (قیامت کا) وعدہ برحق نزدیک آپہنچا تو کافروں کی آنکھیں کھلی کی کھلی رہ گئیں اور وہ بول اُٹھے ہائے ہماری کمبختی ہم اس سے غفلت میں رہے بلکہ ہم قصور وار تھے۔ تم اور وہ سب جن کی تم اللہ کے سوا پرستش کرتے ہو دوزخ کا ایندھن ہو اور تم سب کو اس میں داخل ہونا ہوگا" سب سے پہلے یہ امر قابل ذکر ہے کہ اس آیت کے معنے کرنے میں بعض لوگوں کو الفاظ حتّٰی اذا فتحت الخ سے دھوکہ لگتا ہے۔ حالانکہ جو شخص نظر غور سے ان آیات کو پڑھیگا وہ آسانی سے دیکھ لیگا کہ خلاصہ مضمون ان کا یہ ہے کہ خدائے تعالیٰ نے اپنی سنت یوں رکھی ہے کہ جب وہ کسی بستی پر یعنی بستی کے رہنے والے انسانوں پر موت وارد کر دیتا ہے۔ تو پھر وہ لوٹ کر اس دنیا میں نہیں آتے جبتک کہ ایک وقت مقرر جس کو وعد الحق کہا گیا ہے نہ آپہنچے۔ یعنی قیامت کا دن جس دن کافر حیرت میں رہ جائیں گے کہ ہم تو ان باتوں کا انکار کرتے تھے مگر آخر یہ سب سچی نکلیں اور ہم قصوروار نکلے پھر اس دن انکو مع انکے معبودوں کے جہنم میں ڈالا جائیگا۔ اب یاد رکھنا چاہیئے کہ قرآن شریف جب قیامت کا ذکر فرماتا ہے تو اس کے بعض آثار سے اس کا ذکر شروع کرتا ہے۔

اب قرب قیامت کے علامات میں یاجوج ماجوج کا خروج بھی ہے اس لیے قیامت کا ذکر اس علامت سے شروع کیا گیا ہے یعنی مُردوں کا واپس آنا ایک خاص وقت تک ممنوع ہے اور وہ وقت وہ ہے کہ اس کے قرب کے آثار میں یاجوج و ماجوج کا خروج ہے یعنی یاجوج و ماجوج ہر بلندی پر قابض ہو جائیں گے پھر وہ اصل وعدہ قیامت کا بھی آپہنچیگا جیساکہ الفاظ و اقترب الوعد الحق سے ظاہر ہے جبکہ ان مُردوں کو دوبارہ زندہ کرکے جو کافر اور منکر تھے انکو جہنم میں ڈالا جائیگا مگر نیکوں کو اس جہنم سے بچایا جائیگا جیساکہ الفاظ ان الذین سبقت لھم منا الحسنیٰ اولٰئک عنھا مبعدون سے ظاہر ہے۔ خلاصہ کلام یہ کہ ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے اپنے اسی قانون کا اعادہ فرمایا ہے جسکا مذکور دوسری آیات میں بھی ہے کہ موت قطعی وارد ہونیکے بعد کسی کو اس دنیا میں واپس نہیں بھیجا جاتا بلکہ مُردوں کے لیے دوبارہ اُٹھائے جانیکا وقت ایک ہی مقرر ہے اور وہ قیامت کا دن یا یوم البعث ہے جس کے آثار کو ان آیات میں بیان کیا گیا ہے۔

دوسرا امر غور طلب اس آیت کے معنی میں یہ ہے کہ آیا لوٹ کر دنیا میں آنیکی ممانعت صرف ان مُردوں کے لیے ہے جن کی بستیاں جیساکہ آیت کا ظاہر مفہوم لیا جاتا ہے ہلاک کردی گئیں یا تمام کے لیے۔ اس کے لیے چند باتیں یاد رکھنی چاہییں اول یہ کہ لفظ ہلاک کے مفہوم میں کوئی ایسا امر داخل نہیں جس سے نافرمانی کی وجہ سے مارا جانا مراد لیا جاسکے۔ اھلکہ کے معنی زبان عربی میں یہ ہیں کہ اسپر موت وارد کردی۔ اس کا خاتمہ کردیا۔ اسکی زندگی لے لی۔ اور یہ لفظ اگر مجرمین کے حق میں استعمال ہوا ہے تو نیکوں کے حق میں بھی ہوا ہے۔ جیساکہ ان آیات سے ظاہر ہے۔ قل ارءیتم ان اھلکنی اللہ و من معی او رحمنا

فمن یجیر الکافرین من عذاب الیم۔ اے پیغمبر! کافروں سے کہدے کہ بتاؤ اگر اللہ مجھ کو اور ان کو جو میرے ساتھ ہیں ہلاک کر دے یا ہم پر رحم کرے تاہم کافروں کو دردناک عذاب سے کون بچائیگا۔ اور سورہ مائدہ کے شروع شروع میں ہی فرمایا قل فمن یملک من اللہ شیئًا ان اراد ان یھلک المسیح ابن مریم و امہ ومن فی الارض جمیعًا۔ کہہ کس کا زور خدا کے آگے چلتا ہے جبکہ اس نے ارادہ کیا کہ مسیح ابن مریم اور انکی والدہ اور ان تمام لوگوں کو جو اسوقت روئے زمین پر تھے ہلاک کر دے۔ اور حضرت یوسفؑ کے متعلق ہی حتّٰی اذا ھلک قلتم لن یبعث اللہ من بعدہٖ رسولًا۔ (المؤمن) یہانتک کہ جب حضرت یوسف ہلاک ہوگئے تو انکے مرنیکے پیچھے اسقدر تم لوگوں نے انکے حق میں غلو کیا کہ کہنے لگے اب انکے بعد کوئی اور رسول ہی مبعوث نہ ہوگا۔

دوسرا لفظ حل طلب قریۃ ہے۔ مگر اس کے سمجھنے میں بھی کوئی دقت نہیں کیونکہ یہ تو ظاہر ہے اور خود ضمائر صاف بتا رہی ہیں کہ بستی کے ہلاک کرنے سے مراد واقعی گھروں کا تباہ کرنا نہیں ہے بلکہ اس بستی کے رہنے والوں کا ہلاک کرنا ہے۔ اور قریہ ہر ایک ایسے مقام کو کہتے ہیں جہاں انسان ملکر رہتے ہوں پس بستی سے مراد بستی کے رہنے والے یعنی انسان ہی لیے جائیں گے۔ پس ماحصل آیت کا یہ ہوا کہ جب ہم کسی انسان یا انسانوں کی زندگی کا خاتمہ کر دیتے ہیں تو پھر انکو لوٹاکر اس دنیا میں نہیں بھیجتے۔

اسی معنی کی تائید آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث سے بھی ہوتی ہے۔ اس حدیث کو جو میں نیچے بیان کرتا ہوں بہت سے محدثین نے بیان کیا ہے اور نسائی اور ابن ماجہ نے بھی اسے لیا ہے۔ عن جابر بن عبد اللہ قال لقینی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فقال یا جابر مالی اراک منکسرا

قلت یارسول اللہ استشھد ابی وترک عیالا ودینا فقال الا ابشرك مالقی اللہ بہ اباك قلت بلی۔ قال ما کلم اللہ احدا قط الا من وراء حجاب واحیا اباك فکلمه کفاحا قال یا عبدی تمن علی اعطك قال یارب تحیینی فاقتل فیك ثانیة قال الرب تعالیٰ قد سبق منی انھم لا یرجعون۔ "جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہا مجھے رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم ملے اور فرمایا اے جابر کیا وجہ ہے مَیں تمہیں غمگین پاتا ہوں مَینے جواب دیا اے رسول خدا میرا باپ شہید ہو گیا اور پیچھے بڑا کنبہ اور قرضہ چھوڑ گیا ہے آپنے فرمایا کیا مَیں تجھ کو خوشخبری سناؤں کہ تیرے باپ کو خدا کی ہاں سے کیا ملا ہے۔ مَینے عرض کیا فرمائیے۔ فرمایا نہیں کلام کی خدا نے کبھی کسی سے مگر پردہ کے پیچھے سے اور خدا نے تیرے باپ کو زندہ کیا اور اس سے دو بدو گفتگو کی اور فرمایا اے میرے بندے کوئی خواہش کر مَیں تجھے تیری خواہش کے مطابق عطا کروں گا۔ اس نے عرض کیا اے میرے پروردگار مجھے زندہ کر دے تاکہ مَیں دوسری مرتبہ تیری راہ میں قتل کیا جاؤں۔ فرمایا رب تعالیٰ نے یہ وعدہ میری طرف سے پہلے سے ہو چکا ہے کہ انھم لا یرجعون یعنی جو لوگ ایک دفعہ مر چکے ہیں وہ دوسری دفعہ زندہ کر کے اسی دنیا میں نہ بھیجے جاویں گے"۔ گویا چونکہ یہ خواہش سنت اللہ کے خلاف تھی اس لیے پوری نہ کی گئی۔

اب اس حدیث پر غور کرو کہ کسطرح صاف الفاظ میں اسی معنی کی تائید کرتی ہے جو ہم نے آیت وحرام علی قریة اھلکنھا انھم لا یرجعون کے بیان کیے ہیں۔ اول یہ امر قابل غور ہے کہ اسجگہ اللہ تعالیٰ نے اپنے ایک بندے کو جو اس کی راہ میں شہید ہوا ہے یہ فرمایا کہ تم جو کچھ چاہو مانگو تمہیں دیا جائیگا وہ بندہ یہ خواہش کرتا ہے کہ دوبارہ زندہ کیا جائے تاکہ خدا کی راہ میں دوبارہ اپنی جان دے

مگر یہ خواہش اسکی پوری نہیں کی جاتی کیونکہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ یہ ہماری طرف سے پہلے وعدہ ہو چکا ہے جس کا خلاف کسی صورت میں نہیں ہو سکتا اور وہ وعدہ یہ ہے کہ مُردوں کو لوٹایا نہیں جائیگا یعنی انکو دوبارہ اس دنیا میں نہیں بھیجا جائیگا۔ اس قانون الٰہی کو اسقدر اٹل قرار دیا گیا ہے۔ کہ باوجود اسکے کہ خدائے تعالیٰ نے خود فرمایا تھا کہ جو کچھ تم مانگو گے تمھیں دونگا مگر پھر بھی جب اس قانون کے خلاف خواہش کی گئی تو اسکے پورا کرنے سے انکار کیا گیا۔ پس معلوم ہوا کہ یہ ایسا قانون ہے جس میں کسی قسم کے استثناء کو بھی دخل نہیں۔ کیونکہ اگر اس قانون میں کوئی استثناء ہو سکتا تو ضرور اللہ تعالیٰ اسے اسوقت کر دکھاتا جبکہ خود ہی وعدہ بھی کیا تھا کہ جو کچھ مانگو دیا جائیگا۔ مگر باوجود اس وعدہ کے استثناء نہ کیا گیا۔ پس معلوم ہوا کہ یہ قانون مُردوں کو دوبارہ اس دنیا میں نہ بھیجنے کے متعلق ایسا اٹل ہے کہ اللہ تعالیٰ نے خود بھی کسی استثناء کو اس میں روا نہیں رکھا چہ جائیکہ کسی نبی کے ذریعہ اس قانون کو بدل دیتا۔ یا اس کے خلاف جائز رکھتا۔ دوسری بات قابل غور یہ ہے کہ جس وعدہ کا اس حدیث میں حوالہ دیا گیا ہے اسکے الفاظ انهم لا یرجعون ہیں اور یہی الفاظ بعینہٖ اس آیت کے آخر میں بھی ہیں جسپر ہم بحث کر رہے ہیں یعنی وحرام علیٰ قریۃ اهلکنٰها انهم لا یرجعون جس سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنا یہی وعدہ یاد دلا رہا ہے۔ جو اس آیت میں کیا گیا ہے اس بات کو یاد رکھنا چاہیئے کہ ہم اس امر پر بحث نہیں کرتے کہ خدائے تعالیٰ کو یہ قدرت نہیں ہے۔ وہ ہر امر پر قادر ہے۔ مگر جب وہ اپنا ایک قانون خود بیان فرما دے اور پھر اسکو ایسا اٹل بھی قرار دیدے کہ اس میں کسی قسم کے استثناء کو دخل نہیں۔ تو ہمارا فرض ہے کہ خدا کے کلام کے معنی کرنے میں اس قانون کو زیر نظر رکھیں اور کوئی ایسے معنے کسی لفظ کے نہ کریں جو اس کے خلاف ہوں۔ مُردوں کو

واپس نہ بھیجنا اس کو خدا نے اپنا اٹل وعدہ اور اپنی لاتبدیل سنت قرار دیا ہے پس اس خدا کے وعدہ اور اس سنت اللہ کے خلاف خدا خود بھی نہیں کرتا چہ جائیکہ کوئی نبی یا رسول ایسا کرے۔

اب حضرت مسیح کے معجزات کو لو چونکہ زیادہ زور عموماً مزعومہ احیائے موتیٰ پر دیا جاتا ہے اس لیے پہلے ہم اسی معجزہ کو لیتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ حضرت مسیح کو مخاطب کرکے قرآن شریف میں فرماتا ہے واذ تحی الموتی باذنی جب تو مُردوں کو زندہ کرتا تھا میرے اذن سے۔ اب یہ بات غور طلب ہے کہ کیا اللہ تعالیٰ کا منشاء ان الفاظ سے یہ ہے کہ جو لوگ درحقیقت مرچکے تھے یا قبروں میں پڑ چکے تھے انکو حضرت مسیح زندہ کرکے دوبارہ دنیا میں لے آیا کرتے تھے۔ ہم دیکھ چکے ہیں کہ قرآن کریم نہایت صراحت سے اس بات کا انکار کرتا ہے کہ کوئی مُردہ دنیا میں واپس آئے اور جسپر قطعی حکم موت کا وارد ہوچکا ہے وہ دوبارہ زندہ کیا جائے۔ پس اس سے مراد کسی صورت میں یہ نہیں ہوسکتا کہ حضرت مسیح جسمانی طور پر مُردوں کو زندہ کرتے تھے کیونکہ یہ امر خدائے تعالیٰ کی ایک دوسری سنت کے خلاف ہے۔ اب دوسرا سوال یہ ہے کہ اگر یہ معنے صحیح نہیں تو کیا قرآن کریم میں مُردوں کا کسی اور طرح پر زندہ کیا جانا مذکور ہے؟ اور اس کے بعد یہ سوال ہوگا کہ اگر ایسا ذکر قرآن میں ہے تو حضرت مسیح کا مُردوں کو زندہ کرنا ان معنوں کی رو سے مراد ہوسکتا ہے؟ ہم ان دونوں سوالوں کا جواب نیچے الگ الگ دیتے ہیں۔

اول یہ امر ہے کہ قرآن کریم مردوں کے زندہ ہونے یا زندہ کرنیکو کن معنوں کے رو سے جائز ٹھہراتا ہے کیونکہ جسمانی مُردوں کا زندہ ہونا کلام الٰہی کے رو سے قطعی ممنوع ہے۔ سو واضح ہو کہ قرآن کریم میں اکثر جگہ مردوں کا زندہ کرنا ان معنوں کے رو سے بیان کیا گیا ہے کہ ان میں روحانی زندگی پھونکی جائے۔ یہ آیات اس کثرت سے

قرآن کریم میں پائی جاتی ہیں کہ سب کو بیان کرنا موجب طوالت ہوگا اس لیے صرف دو تین آیات پر اکتفا کیا جائیگا ورنہ دراصل بار بار قرآن شریف میں زمین کے مُردہ ہونے اور لوگوں کے مُردہ ہونیکا اور بذریعہ انبیائؑ اور سب سے بڑھکر بذریعہ خاتم النبیینؐ افضل الرسل علیہ الف الف صلوٰۃ و سلام انکے زندہ کیے جانیکا ذکر ہے۔ غور کرو ذیل کی آیات پر۔ سورۃ الانعام رکوع ۱۵ آیت ۱۲۳ میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔
او من کان میتًا فاحییناہ وجعلنا لہ نورا یمشی بہ فی الناس کمن مثلہ فی الظلمٰت لیس بخارج منھا ؕ یعنی غور کرو کہ "ایک شخص جو پہلے مُردہ تھا پھر ہم نے اسے زندہ کیا اور اس کو ایک نور عطا فرمایا جس کی مدد سے وہ لوگوں میں چلتا ہے۔ وہ اس جیسا ہو سکتا ہے جس کا حال یہ ہے کہ وہ اندھیروں میں گھرا پڑا ہے وہاں سے نکل نہیں سکتا۔" اب صاف ظاہر ہے کہ اسجگہ جس کو مُردہ کہا گیا ہے وہ اصلی یعنی جسمانی طور پر مردہ نہیں بلکہ روحانی مُردہ ہے جو بسبب اپنے کفر اور شرک اور بداعمالی کے مُردہ ہے۔ اور پھر اس مُردہ کے زندہ کرنیسے یہ مراد نہیں کہ کوئی جسمانی مُردہ تھا پھر اس کی لاش کفن کے اندر سے اُٹھ کھڑی ہوئی یا قبر میں سے باہر نکل آئی بلکہ زندہ کرنیسے مراد اسے روحانی زندگی کا عطا کرنا ہے جس کی تفسیر خود ہی اللہ تعالیٰ نے ساتھ ہی یوں بیان فرما دی کہ اسکو زندہ کرنیسے مراد یہ ہے کہ اسے ایک نور عطا کر دیا جس سے وہ لوگوں کے درمیان ممتاز ہو گیا۔ اور پھر اس زندہ کیے ہوئے مُردہ کے مقابل پر ان لوگوں کو بیان فرمایا جو ابھی تک کفر اور شرک کے اندھیروں میں گھرے پڑے ہیں اور انسے نکل نہیں سکتے گویا وہ ابھی تک مُردہ ہی ہیں۔ پھر غور کرو سورۃ الانفال آیت ۲۴ پر جو تیسرے رکوع سورہ مذکور میں ہے۔ جہاں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ یایھا الذین اٰمنوا استجیبوا للہ وللرسول اذا دعاکم لما یحییکم۔ اے وہ لوگو! جو ایمان لائے ہو۔ مانو اللہ اور اس کے رسول کا حکم جب وہ رسول تم کو بلاتا ہے تاکہ تمہیں زندہ

کرے۔ اسجگہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے احیائے موتٰی کا ذکر ہے اور صاف فرمایا
کہ یہ رسول تمکو زندہ کرتا ہے۔ اسجگہ بھی زندہ کرنیسے مراد روحانی زندگی کا عطا کرنا ہے
ان لوگوں کو جو روحانی طور پر مر چکے تھے نہ کہ جسمانی طور پر مُردوں کو زندہ کرنا۔ اسجگہ
ہم ان لوگوں سے جو مسیح کے لیے ناحق کی خصوصیتیں پیدا کرتے ہیں یہ دریافت
کرتے ہیں کہ کیا وجہ ہے کہ مسیح کے مُردوں کو زندہ کرنیکا ذکر ہو تو اس سے جسمانی
مُردے مراد لیے جاویں اور آنحضرتؐ کے مُردوں کو زندہ کرنیکا ذکر ہو تو روحانی؟ کیا
اس فرق کی کوئی وجہ قرآن شریف سے بھی معلوم ہوتی ہے؟ یا انہوں نے مسیح کو ناحق
کا ایک بت بنا رکھا ہے کہ اس کے لیے معمولی الفاظ کے معنے کچھ اور ہو جاتے ہیں۔
کسقدر افسوس کا مقام ہے کہ غور و تدبر سے کام نہیں لیا جاتا بلکہ اندھی تقلید میں خدا
کے کلام کو بدنام کیا جاتا ہے۔ اس کے بعد سورۃ النحل کی آیات ۸۰ و ۸۱ پر غور کرنا
چاہیئے جو چھٹے رکوع سورۃ میں ہیں۔ انك لا تسمع الموتٰی ولا تسمع الصم الدعاء
اذا ولوا مدبرین ٥ وما انت بھدی العمی عن ضلالتھم ان تسمع الا من
یؤمن بایتنا فھم مسلمون ٥۔ ترجمہ "اے پیغمبر! تم مُردوں کو اپنی باتیں نہیں سنا
سکتے ہو* ایسی حالت میں جبکہ وہ (مُردے اور بہرے) پیٹھ پھیر کر بھاگ کھڑے ہوں
اور نہ ہی تم اندھوں کو انکی گمراہی سے روک کر راہ دکھا سکتے ہو۔ تم نہیں سنا سکتے
اپنی باتیں مگر انہی کو جو ہماری آیتوں پر ایمان لاتے ہیں اور یہی مسلم ہیں۔" اب ہم
پوچھتے ہیں کہ یہاں کونسے مُردے اور بہرے اور اندھے مراد ہیں۔ کیا یہ جسمانی مُردے
تھے جو پیٹھ پھیر کر بھاگ جاتے تھے اور کلام الٰہی کو سنتے نہ تھے؟ نہیں بلکہ یہ وہی
مُردے تھے جن کو نبی کریم زندہ کر رہے تھے۔ اور ایسے مُردوں کو اپنے اپنے وقت
میں دوسرے انبیاءؑ نے بھی زندہ کیا اور حضرت مسیحؑ نے بھی ایسے ہی مُردوں کو زندہ
کیا۔ اسی کی تائید میں ایک اور مقام کا حوالہ دیکر بس کرتا ہوں۔ یہ ہیں سورہ فاطر

* اور نہ ہی بہروں کو اپنی آواز سنا سکتے ہو۔

کی آیات ۱۹-۲۰-۲۱- انما تنذر الذین یخشون ربھم بالغیب واقاموا الصلوٰۃ ومن تزکّٰی فانما یتزکّٰی لنفسہٖ والی اللہ المصیرہ ومایستوی الاعمٰی والبصیرہ ولا الظلمٰت ولا النورہ ولا الظل ولا الحرورۃ وما یستوی الاحیاء ولا الاموات ان اللہ یسمع من یشاء وما انت بمسمع من فی القبور- ترجمہ ”اے پیغمبر تم تو انہی لوگوں کو ڈرا سکتے ہو جو بے دیکھے اپنے پروردگار سے ڈرتے ہیں اور نماز کو قایم کرتے ہیں اور جو شخص پاکیزگی کی راہ کو اختیار کرتا ہے وہ اپنے ہی فایدہ کے لیے تزکیہ نفس حاصل کرتا ہے - اور اللہ ہی کی طرف لوٹ کر جانا ہے - اور اندھا اور آنکھوں والا برابر نہیں ہو سکتے اور نہ اندھیرا اور روشنی ایک سے ہو سکتے ہیں اور نہ ہی چھاؤں اور دھوپ برابر ہو سکتے ہیں اور نہ زندے اور مُردے برابر ہو سکتے ہیں اللہ جس کو چاہتا ہے سُناتا ہے اور تم ان لوگوں کو جو قبروں میں مدفون ہیں سُنا نہیں سکتے“ اب ان تمام مثالوں میں مراد صرف مسلمان اور کافر لیے گئے ہیں - نہ کہ واقعی اندھے یا درحقیقت وہ مُردے جو قبروں میں پڑ چکے ہیں بلکہ جیسا کہ سیاق وسباق مضمون سے ظاہر ہے یہ سب نام روحانی صفات کو ظاہر کرنیوالے ہیں یہ بات بھی یاد رکھنے کے قابل ہے کہ یہاں ان روحانی مُردوں کو نہ صرف مُردہ کا خطاب ہی دیا گیا ہے بلکہ انکو قبروں میں مدفون بتایا گیا ہے۔

روحانی اور جسمانی مُردوں کے احیاء میں امتیاز

اس تمام بحث سے یہ صاف ثابت ہوتا ہے کہ موتٰی سے مراد قرآن شریف نے صرف جسمانی مُردے ہی نہیں لیے بلکہ اکثر مقامات میں اور خصوصًا ان مقامات میں جہاں مردوں کو زندہ کرنیکا ذکر ہے موتٰی سے مراد روحانی مُردے لیے ہیں خصوصًا اسلیے کہ ایسے مقامات میں جیسا کہ ثابت کیا جا چکا ہے جسمانی مُردے مراد ہی نہیں ہو سکتے - کیونکہ جسمانی مُردوں کا اس دنیا میں واپس آنا سنت اللہ کی رو سے ممنوع ہے -

جسمانی مُردوں کی واپسی کے لیے خدا نے بار بار قرآن شریف میں ایک ہی دن کا ذکر فرمایا ہے جو یوم البعث یعنی قیامت کا دن ہے جب سب مُردے اُٹھائے جائیں گے۔ اور یہ بات ایسی صاف اور واضح ہے کہ جو شخص ادنیٰ تدبر سے بھی قرآن شریف کو پڑھیگا اس سے پوشیدہ نہیں رہ سکتی۔ ایسا ہی یہ بات بھی قرآن شریف کے متفرق مقامات پر غور کرنیسے معلوم ہو جاتی ہے کہ جہاں انبیاء علیہم السلام کے مُردوں کو زندہ کرنیکا ذکر ہے وہاں مراد روحانی نفخ ہے یعنی روحانی زندگی کا ان لوگوں میں پھونک دینا جو روحانی طور پر نہ کہ جسمانی طور پر مُردوں میں داخل ہو چکے تھے۔ اور بہ سبب کفر اور شرک میں غرق ہونیکے انکی روحانی زندگی قطعاً معدوم ہو گئی تھی۔ پس کوئی شخص جو قرآن شریف کو پڑھتا ہے اس امر سے انکار نہیں کرسکتا کہ کلام الٰہی میں دو قسم کے مُردوں کا ذکر ہے یعنی جسمانی مُردے اور روحانی مُردے۔ اور دونوں کے لیے ایک ہی لفظ موتیٰ یا اموات کا استعمال کیا گیا ہے۔ اور پھر ان دو قسموں کے مُردوں کے احیاء کا بھی ذکر ہے۔ جسمانی مردوں کے احیار کے لیے تو یوم قیامت مقرر کیا گیا ہے اور روحانی مُردوں کے احیار کے لیے کسی نبی کی بعثت۔ جو ان میں روحانی زندگی پھونک دیتا ہے۔ اور یہ ایک صاف اور بیّن فرق ہے جس کو قرآن شریف نے ملحوظ رکھا ہے جیسا کہ اکثر یہ فرماکر کہ زمین مُردہ تھی یہ بڑھایا ہے کہ پھر اللہ تعالیٰ نے از سرِ نو اپنی رحمت کی بارش سے اسے زندہ کیا جس سے مراد روحانی زندگی کا بہ برکت بعثت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم عطا فرمانا ہے۔ قرآن شریف اور اس مسیح کے معجزات کے تذکرہ کو سمجھنے کے لیے اس مضبوط امتیاز کو ہاتھ سے نہیں دینا چاہیئے۔ اور اس امتیاز کو مدنظر نہ رکھنے کی وجہ سے ہی بعض لوگوں نے الفاظ کا صحیح مفہوم سمجھنے میں غلطیاں اور ٹھوکریں کھائی ہیں۔ اس امتیاز کے ساتھ ہم کسی خاص موقع پر جہاں مُردوں کے زندہ کرنیکا ذکر ہے یہ بتا سکتے ہیں

کہ آیا وہاں مراد جسمانی مُردے ہیں یا روحانی مُردے۔

۷ پس اس اصل کو ہاتھ میں لو اور اب دیکھو کہ حضرت مسیح کے مُردے زندہ کرنیکا ذکر جہاں قرآن شریف نے کیا ہے وہاں مراد جسمانی مُردوں کا زندہ کرنا ہے یا روحانی مُردوں کا۔ یہ ظاہر ہے کہ قرآن شریف نے حضرت مسیح ابن مریم کو دوسرے رسولوں کی طرح ایک رسول قرار دیا ہے پس اس سے بھی سمجھ سکتے ہیں کہ انکا احیائے موتی بھی اسی قسم کا ہوگا جیسا دوسرے انبیاءؑ کا کیونکہ خصوصیت کی کوئی وجہ نہیں ہے۔ جب دوسرے انبیاءؑ کے مُردے زندہ کرنیسے مراد قرآن شریف میں روحانی مردوں میں روحانیت کا پُھونکنا ہے تو مسیح کے مُردے زندہ کرنیسے بھی وہی مراد لی جانی چاہیئے۔ دوسری بات جو حضرت مسیح کے اس اعجاز کا فیصلہ کرتی ہے یہ ہے کہ جسمانی مردوں کا اس دنیا میں واپس آنا قرآن شریف نے ممنوع فرمایا ہے اور انکا واپس نہ آنا ایک ایسی سنت اللہ قرار دیا ہے جس میں کسی قسم کا تغیر تبدل نہیں ہوسکتا۔ پس جیسا کہ قرآن شریف کا دعویٰ ہے کہ لو کان من عند غیر اللہ لوجدوا فیہ اختلافا کثیرا۔ ایسا ہی قرآن کریم کے الفاظ کے معنے کرنیوالیکا بھی یہ فرض ہے کہ وہ ایسے معنے کرے جس سے قرآن شریف میں اختلاف پیدا نہ ہو۔ اس لیے ہم کو ماننا پڑتا ہے کہ اس اٹل قانون کو بیان کرکے کہ خدا ہرگز ہرگز مُردوں کو اس دنیا میں واپس بھیجا نہیں کرتا قرآن شریف یہ کلمہ اپنی تردید آپ نہ کرسکتا تھا کہ مسیحؑ نے جسمانی مُردے زندہ کرکے انکو واپس اس دنیا میں بھیجا تھا۔ کیا یہ تعجب کی بات نہیں؟ کہ جس بات کو خدائے تعالیٰ اپنے لیے بھی جائز قرار نہیں دیتا کیونکہ وہ اسکے اپنے وعدہ اور اپنی سنت کے خلاف ہے اسے مسیح کے لیے جائز قرار دے بلکہ اسکا بار بار تذکرہ کرے۔ پس دونوں قرینوں سے جن میں سے ایک مثبت اور دوسرا منفی ہے یہ ثابت ہوتا ہے کہ جب قرآن شریف مسیحؑ کے مُردوں کو زندہ کرنیکا ذکر کرتا ہے تو اس سے مراد روحانی مُردے لیتا ہے اور انہی روحانی مردوں میں زندگی پھونکے جانیکا

مسیح کا احیاء موتٰی کس قسم میں داخل ہے

ذکر کرتا ہے۔

احیائے موتیٰ کے معجزہ پر مزید روشنی ڈالنے کے لیے میں اسی آیت میں سے ایک اور بات بھی پیش کرتا ہوں جس میں مسیح کے احیائے موتیٰ کا ذکر ہے مگر یہ ایک ایسی بات ہے جو مسیح کے دوسرے معجزات مثلاً خلق طیور اور سلب امراض کے معجزات پر بھی روشنی ڈالتی ہے۔ جہاں دو موقعوں پر ان معجزات کا ذکر ہے وہاں ان کو خدا کی طرف سے ایک انعام اور برکت بیان کیا گیا ہے۔ اور اس انعام کے علاوہ خدائے تعالیٰ کے دیگر انعاموں کا بھی ذکر ہے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے اذ قال اللہ یٰعیسی ابن مریم اذکر نعمتی علیك و علی والدتك اذ ایدتك بروح القدس تکلم الناس فی المھد و کھلا و اذ علمتك الکتب و الحکمۃ و التورٰۃ و الانجیل و اذ تخلق من الطین کھیئۃ الطیر باذنی فتنفخ فیھا فتکون طیرا باذنی و تبرئ الاکمہ و الابرص باذنی و اذ تخرج الموتی باذنی۔ "جب فرمائیگا اللہ تعالیٰ اے عیسیٰ بیٹے مریم کے میری نعمت کو جو تجھ پر اور تیری والدہ پر ہوئی یاد کر جب میں نے تجھ کو روح القدس سے مدد دی تو باتیں کرتا تھا لوگوں سے چھوٹی عمر میں اور بڑا ہو کر اور جب سکھائی میں نے تجھ کو کتاب اور حکمت اور توریت اور انجیل اور جب بناتا تھا تو مٹی سے میرے حکم سے پرند کی صورت پھر پھونکتا تھا اس میں پھر ہو جاتا تھا وہ اڑنیوالا میرے اذن سے اور جب تو شفا دیتا تھا اندھے اور مبروص کو میرے اذن سے اور جب زندہ کرتا تھا تو مُردوں کو میرے اذن سے" اب اس عبارت سے ظاہر ہے کہ اس جگہ اللہ تعالیٰ حضرت مسیح پر اپنی چند نعمتوں کا ذکر فرماتا ہے۔ جن میں علاوہ معجزات زیر بحث کے روح القدس سے تائید کرنا اور کتاب اور حکمت اور توریت اور انجیل کا سکھانا ہے۔ اور گویا انہی باتوں کے لیے بطور نتیجہ یہ بیان کیا گیا ہے کہ پھر حضرت مسیح سے مُردوں کا زندہ کرنا

اور ایسے دوسرے کام ظاہر ہونے لگے۔ گویا روح القدس کی تائید کا اور کتاب اور حکمت اور تورات اور انجیل کے سکھانیکا یہ نتیجہ ہوا کہ حضرت مسیح کے ہاتھ سے مُردے زندہ ہونے لگے۔ اب جسمانی مُردوں کو زندہ کرنیکے قائلین خود اس بات کو سوچ لیں کہ آیا یہ جوڑ ملتا ہے۔ یعنی تائید روح القدس اور کتاب اور حکمت سکھانے کا یہی نتیجہ ہے کہ چند بیماروں کو شفا دیدی اور مٹی کے چند پرند بنا کر انکا پرواز دکھا دیا اور چند مرے ہوئے آدمیوں کو زندہ کر دکھایا۔ روح القدس کی تائید اور خدا کی طرف سے کتاب اور حکمت کی تعلیم کا نتیجہ تو یہ ہونا چاہیئے تھا کہ آپ سے وہ روحانی زندگی کا نفخ صادر ہوتا جو دوسرے انبیائؑ سے ہوتا رہا نہ یہ کہ چند مُردے زندہ کر دیئے یا چند بیماروں کو اچھا کر دیا جسکا تعلق روحانیت سے کچھ بھی نہیں۔ قرینہ صاف بتا رہا ہے کہ اس ذکر کے بعد کہ حضرت مسیح پر یہ فضل الٰہی ہوا کہ روح القدس سے اسکو تائید دی گئی اور کتاب اور حکمت خود خدا نے اسے سکھائی یہ ذکر ہونا چاہیئے کہ اس فضل الٰہی سے آپ کے اندر وہ قوت قدسی اور وہ روحانیت کی طاقت پیدا ہوگئی جس سے آپ نے روحانی مُردوں کو زندہ کر دیا اور روحانی بیماروں کو بالکل چنگا کر دیا نہ یہ کہ ایک بالکل بے تعلق ذکر شروع ہو جائے کہ روح القدس کی تائید کے بعد اور کتاب اور حکمت کی منجانب اللہ تعلیم کے بعد حضرت مسیح کے ہاتھ سے ایک دو جسمانی بیماریاں اچھی ہونے لگیں اور چند مُردے پھر زندہ ہو کر اسی فاسقانہ زندگانی میں مبتلا ہوگئے جس پر انکا خاتمہ ہوا تھا۔ یہ ایک مسلم امر ہے جس سے نہ مسلمانوں کو اور نہ ہی عیسائیوں کو انکار ہو سکتا ہے کہ جسمانی بیماریوں سے شفا دینا معجزہ نہیں کہلا سکتا ایسے لوگ ہر زمانہ میں اور ہر قوم میں پیدا ہوتے رہے ہیں جو بذریعہ توجہ سلب امراض کرتے رہے ہیں۔ اور خود حضرت مسیح کے ہمعصر ایسے بہت سے موجود تھے جو بیماریوں سے اسی طرح شفا دیتے تھے یہ اقرار اناجیل میں بھی موجود ہے اور تمام عیسائیوں نے بھی اسے تسلیم کیا ہے

حتی کہ ڈاکٹر چیتو پادھیا کو بھی یہ ماننا پڑا ہے۔ پس ایک ایسے عظیم الشان انعام کا ذکر کر کے کہ ہم نے روح القدس سے حضرت مسیح کو مدد دی اور اسے کتاب اور حکمت سکھائی یہ ذکر موزون نہ تھا کہ ہمارے انعاموں میں سے ایک بڑا بھاری انعام اور حضرت مسیح کا بھاری معجزہ انکے ذریعہ سے بعض بیماروں کا اچھا ہونا تھا۔ علاوہ ازیں بنی اسرائیل جن میں سلب امراض کے مشاق بہت لوگ موجود تھے کیونکر سلب امراض کو نبوت یا مسیحیت کا ثبوت سمجھ سکتے تھے جو حضرت مسیح انکے سامنے اسے فخر سے بیان کرتے حالانکہ فریسیوں کے شاگرد ایسے ہی کمالات رکھتے تھے جیسا کہ انجیل متی ۱۲ باب ۲۷ آیت اور لوقا ۱۱ باب ۱۹ آیت سے ثابت ہوتا ہے اور خود حواری اسی کمال کی ایک ایسے شخص میں موجود ہونیکی شہادت دیتے ہیں جو حضرت مسیح کی مریدی میں بھی کبھی داخل نہ ہوا تھا۔ متی ۹ باب ۳۸۔ ۴۰ آیت۔ لوقا ۹ باب ۴۹ آیت۔ پس یہ بات کسی صورت میں قرین قیاس نہیں کہ ایک معمولی بات پر جو سلب امراض کے متعلق تھی اتنا زور دیا جاتا بلکہ جیسا کہ سیاق و سباق ہمارے صفائی سے ثابت ہوتا ہے۔ بڑا انعام الٰہی جس کا ذکر حضرت مسیح کر رہے ہیں روحانی بیماریوں سے شفا دینا۔ اور روحانی مردوں میں روح کا پھونکنا تھا۔ کیونکہ روح القدس کی تائید اور کتاب اور حکمت کی تعلیم اسی امر کی مقتضی ہیں کہ اس کے بعد آپکے ہاتھ سے لوگوں کو روحانی فایدہ پہنچتا اور کوئی نہیں کہہ سکتا کہ انبیاء علیہم السلام کو روح کی تائید دینے سے یہ منشاء الٰہی ہوتا ہے کہ انکے ہاتھ سے چند بیماروں کو بعض امراض سے شفا ہو جاوے بلکہ ہم اچھی طرح جانتے ہیں اور ان تمام لوگوں کو جو سلسلۂ نبوت پر ایمان رکھتے ہیں یہ ماننا پڑیگا کہ روح القدس کی تائید سے خدا کا منشاء یہی ہوتا ہے کہ لوگ انبیاء کے ذریعہ سے ہدایت پاویں۔ اور روحانی مُردوں میں روحانی زندگی پھونکی جاوے۔

پس قرآن کریم اور اناجیل کی متفقہ شہادت سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ حضرت مسیح کا

قابل ذکر معجزہ چند جسمانی بیماریوں کو اچھا کرنا نہ تھا بلکہ انکے اندر ایمان کی روح کا پھونکنا اور اُن روحانی امراض کا دُور کرنا تھا جو یہود کے اندر موجود چلی آتی تھیں کیونکہ وہ ابتک شریعت کے الفاظ کی تو پیروی کرتے تھے مگر اسکی اصل روح سے بالکل ناواقف تھے۔ اس میں شک نہیں کہ حضرت مسیح کے معجزات سلب امراض جسطرح پر اناجیل میں بیان کیے گئے ہیں ان سے ایک طالب حق کی طبیعت تسلی نہیں پاتی۔ مگر قرآن کریم نے بار بار اس امر کا ذکر کرکے کہ انبیاء علیہم السلام کی بعثت کی اصل غرض یہی ہوتی ہے کہ روحانی لنگڑوں کو قوت گویائی دیں اور روحانی بہروں کو قوت شنوائی۔ روحانی اندھوں کو آنکھیں عنایت کریں اور روحانی مُردوں کے اندر ایک نئی زندگی پھونک دیں گویا اس بات کو صفائی سے بیان کر دیا ہے کہ جب یہ حضرت مسیح کے مردوں میں زندگی پھونکنے یا بیماروں کو شفا دینے کا ذکر کرتا ہے تو اس سے مراد اسی قسم کی زندگی بخشنا اور اسی قسم کی شفا دینا ہے جو ایک نبی کی شان کے شایاں ہے جسے روح القدس کی تائید دیگئی ہو اور کتاب اور حکمت سکھائی گئی ہو۔ قرآن شریف میں کفار کو اتنی دفعہ بار بار مُردے اندھے گونگے بہرے کہا گیا ہے کہ جب کسی نبی کے متعلق ایسے بیماروں کو شفا دینے یا مُردوں میں روح پھونکنے کا ذکر ہو تو اس سے جسمانی بیماریاں یا جسمانی زندگی مراد لینا قرآن کریم سے قطعًا ناواقفیت ظاہر کرتا ہے۔

مٹی کے پرند میں نفخ کرنے سے کیا مراد ہے

اب ہم دوسرے معجزہ کو دیکھتے ہیں کہ آیا قرآن شریف یہ ظاہر کرنا چاہتا ہے کہ حضرت مسیح درحقیقت ایسے ہی پرند بناکر ان میں روح پھونکا کرتے تھے جیسے ہم اُڑتے پھرتے دیکھتے ہیں۔ یا اسکی تہ میں بھی حقیقت کچھ اور ہے۔ یہ تو ہم دیکھ چکے ہیں کہ حقیقی خلق صرف خدا کی صفت ہے اور دوسرا اس میں کوئی شریک نہیں۔ پس لازمًا ان الفاظ انی اخلق من الطین کھیئۃ الطیر فانفخ فیہ فیکون طیرًا باذن اللہ کے کوئی ایسے معنی لینے پڑیں گے جو ان آیات کے مخالف نہ ہوں جنسے ثابت ہوتا ہے

کہ حقیقی خلق سوائے خدا کے کسی دوسرے کا کام نہیں۔ اس لیے اسکے معنے دو طرح سے ہم لے سکتے ہیں یا تو وہ معنی جو سیاق و سباق عبارت کے لحاظ سے درست معلوم ہوتے ہیں اور ایک نبی کی بلند شان کے شایاں ہیں یعنی جسطرح مُردے زندہ کرنیسے اور بیماریوں سے شفا دینے سے مراد روحانی مُردوں کو زندہ کرنا اور روحانی بیماریوں سے شفا دینا ہے اسی طرح اس معجزہ کے پیچھے بھی ایک روحانی حقیقت ہے کیونکہ خلاصہ اس کا یہ ہے کہ مٹی کی شکلو نمیں حضرت مسیح کی نفخ کا یہ اثر ہوتا تھا کہ وہ مٹی کی شکلیں پرواز کرنے لگتی تھیں۔ اب ایک انسان جو روحانیت سے خالی ہے وہ گویا ایک مٹی کی شکل ہے اور ایک نبی کے نفخ سے اس میں روحانیت یا پرواز کی طاقت پیدا ہو جاتی ہے۔ کیونکہ زمین کی طرف جھکے رہنا یا زمین کے ساتھ لگے رہنا دراصل روحانی مُردگی ہے۔ اور جب انسان میں روحانیت آجاتی ہے تو اسکی روح اعلیٰ طبقوں میں پرواز کرنے لگتی ہے۔ طیر سے مشابہت اسلیے دی کہ وہ بھی ہوا میں اُڑتا ہے۔ انسان کو طیر کی شکل میں بنانے سے مراد یہ ہے۔ کہ اس میں پرواز کی طاقت یعنی روحانیت حاصل کرنیکی طاقت تو ہے مگر جب تک خدا اپنے نبی کے ذریعہ سے اس میں نفخ روح نہ کرے تب تک اس طاقت سے وہ کوئی فایدہ حاصل نہیں کر سکتا۔ خلق کے معنے اندازہ کرنیکے بھی ہیں۔

احیائے موتیٰ اور خلق طیر کے ایک اور معنے

اب ہم احیائے موتیٰ اور خلق طیور کے ایک اور معنے بیان کرتے ہیں جنکے رو سے ان معجزات کو جسمانی رنگ میں لیا جا سکتا ہے اور ان آیات سے تعارض بھی نہیں ہوتا جن میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ خلق کی صفت سوائے خدا کے کسی کو نہیں دی گئی اور کہ جنپر موت کا قطعی حکم وارد ہو جاتا ہے وہ پھر اس دنیا میں نہیں بھیجے جاتے پہلے اسجگہ بھی ہم احیائے موتیٰ کے سوال کو ہی لیتے ہیں ہم دیکھ چکے ہیں کہ قرآن شریف میں اللہ تعالیٰ یہ فرماتا ہے کہ قبض روح دو طور پر کیا جاتا ہے۔ ایک تو قضٰی علیہا الموت کے

ماتحت اور ایسی روح اس دنیا میں واپس نہیں بھیجی جاتی۔ اور دوسرے عارضی طور پر قبض روح جسکی مثال نیند بیان فرمائی۔ مگر نیند کے علاوہ بعض صورتیں اور بھی ایسی ہیں جنہیں قبض روح کیا جاتا ہے مگر چونکہ قطعی حکم موت کا وارد نہیں ہوتا اس لیے ایسی روح واپس بھیجدی جاتی ہے۔ جیسے مثلاً بیہوشی وغیرہ میں۔ اور بعض صورتیں بیہوشی یا مرض کی ایسی ہوتی ہیں کہ ظاہر میں وہ موت ہی معلوم ہوتی ہے۔ پس ایسی صورت میں قبض شدہ روح واپس ہو سکتی ہے اور چونکہ ایسے شخص کو ظاہر میں مُردہ ہی کہا جائیگا اگرچہ خدائے تعالیٰ کی طرف سے اسپر ابھی موت کا قطعی حکم وارد نہیں ہوا۔ پس ایسی صورت میں اگر ایک نبی کی دعا سے خدائے تعالیٰ ایسے مریض پر بجائے موت کا قطعی حکم وارد کرنیکے اسکی روح کو واپس بھیجدے تو اسکے قانون کی خلاف ورزی بھی نہیں ہوتی۔ اور احیائے موتیٰ بھی ایک رنگ میں جسمانی طور پر وقوع میں آجاتا ہے۔ پس یہی ایک صورت ہے جس میں حضرت مسیح یا کسی اور نبی کے جسمانی طور پر احیائے موتیٰ کا اعتقاد رکھا جا سکتا ہے۔ اور اناجیل کی بعض عبارتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت مسیح نے جس مُردہ کو زندہ کرنیکا قصہ لکھا ہے وہ کوئی اسی قسم کا مریض تھا۔ یوحنا کی انجیل کو الگ کر کے جس میں دوسری اناجیل سے بہت سا اختلاف پایا جاتا ہے باقی اناجیل میں ایک ہی مردہ کے زندہ کیے جانیکا تذکرہ ہے جو متی ۹ میں ہے۔ یہ ایک سردار کی لڑکی تھی جو بیمار تھی اور لوگوں نے خیال کیا کہ وہ مرگئی ہے۔ حضرت مسیح جب وہاں پہنچے تو انہوں نے فرمایا کہ واویلا مت کرو۔ لڑکی مری نہیں بلکہ سوتی ہے" اب یہ الفاظ اس قانون الٰہی کو بیان کرتے ہیں جو والتی لم تمت فی منامها اور یرسل الاخریٰ میں بیان ہوا ہے۔ اور حضرت مسیح نے بعینہٖ وہی لفظ نوم یا نیند ہی استعمال کیا ہے۔ اب اس واقعہ کو احیائے موتیٰ یعنی مُردہ زندہ کرنیکی ایک مثال سمجھا جاتا ہے حالانکہ حضرت مسیح نے سنت اللہ کو مدّنظر رکھکر اس مریض کو مردہ

نہیں کہا بلکہ سو یا ہوا کہا کیونکہ جبپر قطعی موت کا حکم وارد ہو جائے وہ زندہ نہ ہو سکتا تھا۔ انہی معنوں میں اگر حضرت مسیح کے ہاتھ سے کچھ اور مُردے بھی زندہ ہوئی ہوں تو ہمیں انکے تسلیم کرنیسے انکار نہیں کیونکہ اس صورت میں بھی بظاہر ایک موت کی صورت ہی ہوتی ہے اگرچہ حقیقی موت نہیں ہوتی اور اسطرح پر سنت اللہ کا خلاف بھی نہیں ہوتا۔ مگر ایسا احیائے موتیٰ تمام انبیاء علیہم السلام کی دعا سے ہوتا رہا ہو اور اس میں حضرت مسیح کی کوئی خصوصیت نہیں۔ علاوہ ازیں میں یہ بھی کہنا چاہتا ہوں کہ اس سے بہت بڑھکر قابل ذکر حضرت مسیح کا روحانی احیائے موتیٰ ہے اور جہانتک تدبر کیا جاوے گا اسی احیائے موتیٰ کا تذکرہ قرآن کریم میں معلوم ہوتا ہے۔

اسی طرح اگر بیماریوں سے شفا دینے کے معجزہ کے ظاہری اور موٹے معنے لیے جاویں یعنی امراض جسمانی سے شفا دینے کے تو اس کے سمجھنے میں کچھ دقت نہیں ہاں اسطرح حضرت مسیح کی وہ عظمت ثابت نہیں ہوتی جو اس حالت میں ہوتی ہے جب اس سے مراد روحانی بیماریوں سے شفا دینے کے معنے لیے جاویں۔ بعینہٖ یہی صورت طیور میں نفخ کی ہے۔ اگر اسکے ظاہری معنے بھی لیے جاویں تو بھی اس سے زیادہ کچھ مراد نہیں ہو سکتا کہ جو شکلیں پرندوں کی شکلوں جیسی حضرت مسیح بناتے تھے وہ ایک قلیل عرصہ کے لیے پرواز کرتی ہوئی معلوم ہوتی تھیں۔ کیونکہ اسمیں کوئی شک نہیں کہ وہ واقعی زندہ پرندہ ہو جاتے تھے کیا وجہ کہ اس سے نہ صرف حضرت مسیح میں خلق کی طاقت ماننی پڑتی ہے بلکہ تشابہ فی الخلق ہوتا ہے جسکا قرآن کریم صراحت سے انکار کر رہا ہے۔ قرآن کریم سے یہ معلوم نہیں ہوتا کہ ان شکلوں میں جان پڑ جاتی تھی صرف اسقدر ہے کہ حضرت مسیح ان میں نفخ کرتے تھے۔ بہرحال اس بات کے ماننے کے لیے کوئی دلیل ہمیں قرآن شریف سے نہیں ملتی کہ حضرت مسیح

جانوروں کو پیدا کرتے تھے یا ان میں جان ڈالتے تھے۔ خلق کے معنے صرف بنانیکے بھی ہیں اور اسجگہ تو خلق کے ساتھ کسی زندہ چیز کا نام نہیں بلکہ صاف طور پر لکھا ہے انی اخلق من الطین کھیئۃ الطیر یعنی مٹی لیکر پرند کی صورت کی سی ایک چیز بناتے تھے۔ پس یہانتک تو اس فعل میں کوئی اعجاز نہیں۔ کیونکہ مٹی سے پرند کی صورت بنانا کوئی اعجازی رنگ اپنے اندر نہیں رکھتا اسطرح پر خلق طیور اور احیائے موتیٰ کے معجزات سے حضرت مسیح کی کوئی خصوصیت معلوم نہیں ہوتی۔ کیونکہ اس سے بہت بڑے بڑے معجزات دیگر انبیاء علیہم السلام کی نسبت مذکور ہیں۔

۱۰ حضرت مسیح پر ایمان لانے کی حقیقت

دسویں خصوصیت حضرت مسیح کی یہ بیان کی گئی ہے کہ قرآن شریف کی رو سے ہر ایک فرد بشر اپنی موت سے پہلے حضرت مسیح کے خداوند اور نجات دہندہ ہونے پر ایمان لاتا ہے۔ اس کے ثبوت میں آیت وان من اھل الکتاب الا لیؤمنن بہٖ قبل موتہٖ پیش کی گئی ہے۔ ان الفاظ کے معنوں میں اول تو یہ کہا گیا ہے کہ اہل کتاب سے مراد یہودی عیسائی اور مسلمان ہیں اور پھر ان تینوں قوموں سے مراد کل دنیا لے لی گئی ہے۔ اور ایمان لانے کے معنے یہ کیے گئے ہیں کہ اس کے خدا اور نجات دہندہ ہونے پر ایمان لائیں گے۔ یہ دونوں غلطیاں ایسی موٹی ہیں کہ ایک بچہ بھی ڈاکٹر صاحب کی اس ناواقفیت پر ہنسے گا۔ اہل کتاب سے اسجگہ مراد یہودی اور عیسائی ہیں۔ جیسا کہ آگے اور پیچھے کی آیات کو پڑھنے سے صاف معلوم ہوتا ہے اس موقع پر قرآن شریف یہود کو ملزم کر رہا ہے جیسا کہ کہتا ہے وبکفرھم وقولھم علیٰ مریم بھتانا عظیما۔ وقولھم انا قتلنا المسیح الخ ...... جو آیت زیر بحث سے پہلی آیت ہے، اور ایسا ہی اس کے مابعد ہے فبظلم من الذین ھادوا ۔ پس

اہل کتاب میں نہ مسلمان شامل ہیں نہ اس سے کُل دنیا مراد ہے بلکہ یہودی اور عیسائی شامل ہیں۔ ایسا ہی ایمان لانے سے یہ مراد سمجھنا کہ اسکو خدا مان لیں گے سخت جہالت ہے۔ ایک نبی پر ایمان لانا اسکو نبی مان لینے کے ہم معنی ہے نہ یہ کہ اُسے خدا مان لینا۔ ایسا ہی قرآن پر ایمان لانے یا توریت انجیل پر ایمان لانیسے یہ مراد نہیں ہوسکتی کہ ان کتابوں کو خدا اور نجات دہندہ مان لیا جاوے بلکہ یہ کہ انکی اصل حقیقت کو مان لیا جاوے یعنی اس بات کو کہ وہ خدا کا کلام ہیں۔ پس جب قرآن شریف بار بار زور دے رہا ہے کہ حضرت مسیح صرف ایک رسول ہیں اور خدا ہرگز نہیں ہیں تو اس سے بڑھکر جہالت کیا ہوگی کہ جب ان پر ایمان لانیکا ذکر ہو تو اس سے مراد یہ لی جاوے کہ انکو خدا مان لیا جاوے۔ آیت کے معنے صاف ہیں کہ اہل کتاب یعنی یہودی اور عیسائی دونوں مسیح کے بارہ میں غلطیوں میں پڑے ہوئے ہیں مگر انکی موت سے پہلے عین اسوقت جب اس دنیا سے چلنے کو ہوتے ہیں اصل حقیقت ان پر کھل جاتی ہے اور انکو معلوم ہوجاتا ہے کہ وہ افراط اور تفریط میں پڑے رہے اور کہ حضرت مسیح صرف ایک نبی تھے

۱۱ حضرت مسیح کا قیامت کے دن حکم ہونا

یہ گیارھویں خصوصیت بیان کی گئی ہے اور یہ استدلال الفاظ ویوم القیامۃ یکون علیھم شھیدا سے کیا گیا ہے۔ ان الفاظ کے معنوں میں علیھم میں ضمیر سے مراد کل دنیا لی گئی ہے حالانکہ ضمیر صرف اہل کتاب کی طرف پھرتی ہے جنکا ذکر اوپر ہو رہا ہے اور وہ وہی یہود اور عیسائی ہیں۔ اور شہید کے معنے انصاف کنندہ حکم اور قاضی کیے گئے ہیں۔ حالانکہ اس کے معنے گواہ کے ہیں ہم حیران ہیں کہ ڈاکٹر صاحب کو ابتک گواہ اور جج میں فرق معلوم نہیں۔ اور وہ گواہ کو جج بنا رہے ہیں۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ عیسائی صاحبان کیسے دھوکوں میں مبتلا

ہیں۔ اور مسیح کو خدا بنانے کے لیے ان کو کیسی مضحکہ خیز کوششیں کرنی پڑتی ہیں۔ اگر اسی طرح معنے کرنے ہیں تو پھر اس آیت سے کہ اذا جئنا من کل امۃ بشھید و جئنا بك علیٰ ھؤلاء شھیدا یہ نتیجہ نکالنا پڑیگا کہ قیامت کے دن ہر امت سے ایک الگ فیصلہ کرنیوالا ہو گا پھر بھی مسیح کی کوئی خصوصیت نہ رہی۔ ایک پڑھا ہوا آدمی جب جھوٹ کی حمایت کے لیے اس قسم کی بہکی ہوئی باتیں کرتا ہے تو عام عیسائیوں پر کیا افسوس ہے؟

۱۲۔ مسیح کی موت اور رفع

ڈاکٹر صاحب کا یہ دعویٰ ہے کہ قرآن شریف کے مطابق حضرت مسیح صلیب پر فوت ہو گئے اور پھر مرنے کے بعد خدا کی گود میں اٹھا لیے گئے۔ انکا یہ بھی دعویٰ ہے کہ ابتدائی سورتوں میں حضرت مسیح کے صلیب پر مر جانیکو قرآن شریف نے قبول کیا ہے مگر آخری سورتوں میں جب گویا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا الگ مذہب قائم کر لیا تو پھر مسیح کی صلیب پر موت سے انکار کر دیا۔ یہ ہر دو دعاوی اس قسم کے ہیں جیسے کہ انسے پہلے۔ اور سیدھے سادے الفاظ سے الٹے معنے نکالنے میں ڈاکٹر صاحب نے کمال دکھایا ہے مثلاً وہ کہتے ہیں کہ اس آیت سے کہ والسلام علیّ یوم ولدت و یوم اموت و یوم ابعث حیا یہ ثبوت ملتا ہے کہ حضرت مسیح صلیب پر مر کر تیسرے دن اٹھائے گئے۔ اور پھر یا عیسیٰ انی متوفیك و رافعك الیّ سے بھی یہی نتیجہ نکالتے ہیں کہ اس میں مسیح کے صلیب پر مر جانیکا اقرار ہے ہم حیران ہیں کہ آیا ڈاکٹر صاحب نے کسی نشہ میں یہ مضمون لکھا ہے ایک ادنیٰ سمجھ کا آدمی بھی بیہودہ گوئی سے اپنے کلام کو کم وقعت کرنیسے ڈر جاتا ہے موت کے معنے صلیب پر مرنیکے کس لغت میں ہیں اور متوفی کے معنے صلیب پر مارنے کے کونسی ڈکشنری میں لکھے ہوئے ہیں۔

اور اس لغت دانی پر مسلمان مفسرین پر ڈاکٹر صاحب کو اعتراض کرنیکی سوجھی ہے۔ موت اور توفّی کے الفاظ کے استعمال سے تو صاف معلوم ہوتا ہے کہ قرآن شریف حضرت مسیح کی صلیب پر موت کا انکار کر رہا ہے اور معمولی موت سے انکو مار رہا ہے کیونکہ متوفیك کے معنے ممیتك حتف انفك کے ہیں۔

رفع کے متعلق ہم پہلے بہت کچھ لکھ چکے ہیں۔ اسجگہ صرف اسقدر اور ذکر کر دینا ضروری معلوم ہوتا ہے کہ رافعك الی۔ متوفیك کے بعد ہے۔ پس رفع سے مراد وہی رفع ہو سکتا ہے جو توفّی کے بعد ہوا اور یہ ہم جانتے ہیں کہ قرآن شریف کی رو سے تمام صالحین کا رفع موت کے بعد ہوتا ہے پس اسی قسم کا رفع حضرت مسیح کا بھی ہوا اور یہ رفع بھی حضرت مسیح کی کوئی خصوصیت نہ رہی۔

ہم نے ڈاکٹر چنو پادھیا کے تمام دعاوی کی حقیقت کو کھولکر دکھا دیا ہے۔ قرآن شریف میں جن الفاظ میں حضرت مسیح کا ذکر کیا گیا ہے انسے انکی خدائی ثابت نہیں ہوتی اور نہ ہی کہیں یہ کہا گیا ہے کہ فلاں فلاں خدائی صفت حضرت مسیح میں بھی پائی جاتی ہے بلکہ برخلاف اسکے کھلے الفاظ میں انکا محض ایک رسول دوسرے رسولوں کی طرح ہونا اور بشر ہونا بار بار بیان کیا گیا ہے اور انکی اور انکی ماں کی بشریت کا ان پُر زور الفاظ میں بیان کیا گیا ہے کہ کانا یاکلان الطعام یعنی وہ بشر تھے جن کو بھوک لگتی تھی اور طعام کھایا کرتے تھے پس وہ تمام انسانی کمزوریاں اپنے اندر رکھتے تھے۔

تثلیث اور مسیح کے بیٹا ہونیکا انکار جن پُر زور الفاظ میں قرآن شریف نے کیا ہے ان کے اسجگہ نقل کرنیکی ضرورت نہیں اور اسکا اقرار خود ڈاکٹر صاحب نے بھی کیا ہے۔ البتہ انکو ایک غلطی لگی ہے جسکا اظہار اسجگہ مناسب ہے، اور وہ یہ ہے کہ وہ کہتے ہیں کہ حضرت مسیح کے بیٹا ہونیسے جو قرآن شریف نے انکار کیا ہے اسکی اصل جڑھ یہ ہے کہ آنحضرتؐ

نے یہ سمجھا ہے کہ عیسائی مسیح کو خدا کا جسمانی بیٹا خیال کرتے ہیں۔ اور یہ دعویٰ کیا ہے کہ قرآن شریف نے لفظ ولد کا ہی عیسائیوں کے اس عقیدہ کے متعلق ہمیشہ استعمال کیا ہے اور لفظ ابن کا استعمال نہیں کیا۔ یہ دعویٰ انکا بھی غلط ہے کیونکہ قرآن شریف یہ بھی فرماتا ہے وقالت النصاریٰ المسیح ابن اللہ اور اسکی اسی طرح تردید کرتا ہے جس طرح ولد کے لفظ کو استعمال کرکے اسکی تردید کرتا ہے۔ اصل بات یہ ہے کہ اگر عیسائی صاحبان مسیح کو ابن اللہ انہی معنوں میں کہتے جن معنوں میں یہ لفظ انبیاء کے لیے پرانے عہدنامہ میں استعمال ہوا ہے تو انکو یہ حق پہنچتا تھا کہ کہتے کہ ہم اس لفظ کو مجازی طور پر استعمال کرتے ہیں۔ مگر جب وہ خود مسیح کے لیے اس لفظ کو خصوصیت دیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ باپ اور بیٹا ضرور ہے ایک ہی ذات ہوں تو ظاہر ہے کہ یہ عقیدہ سخت کفر کو پہنچتا ہے اور اسی لیے قرآن شریف نے اس کے متعلق ایسے الفاظ فرمائے کہ تکاد السمٰوات یتفطرن منہ۔ مجازی طور پر تو یہ لفظ دوسرے انبیاء کے حق میں بھی استعمال ہوا ہے اگر عیسائی صاحبان انہی معنوں میں اسکو حضرت مسیح کے لیے استعمال کریں تو مسلمانوں کو کوئی اعتراض نہیں۔

بابی مذہب
بقیہ دعاوی بہاء اللہ

بابی مذہب کے مضامین کا سلسلہ کسی گذشتہ اشاعت میں ہمنے اس موقع پر چھوڑا تھا جہاں بہاء اللہ کے دعاوی کا ذکر تھا۔ اسکے دعاوی کو اس حد تک ہم بیان کرچکے ہیں جہانتک انکا عیسائی مذہب اور اسلام کا موعود ہونیکو تعلق تھا۔ اسی قسم کا دعویٰ اسکا یہود کے متعلق بھی ہے وہ کہتا ہے کہ میرے آنیکی خبر توریت میں یہودیوں کو

بھی دی گئی ہے۔ اور میرا نام توریت میں یہوواہ رکھا گیا ہے چنانچہ بحر العرفان نام کتاب میں اسکے ایک مرید نے بہت سی مبہم عبارتیں یا ایسی عبارتیں جن میں خدائے تعالیٰ کے جلال کا ذکر ہے بہاء اللہ پر بعینہٖ اسی طرح چسپاں کی ہیں جس طرح عیسائی لوگ توریت کی عبارتوں کو حضرت مسیح پر لگایا کرتے ہیں۔

مگر ان تمام دعاوی سے بڑھکر اس کا یہ دعویٰ ہے کہ میرا ظہور خود اللہ تعالیٰ کا ظہور ہے۔ اس میں شک نہیں کہ انبیاء ایک معنی میں اللہ تعالیٰ کے مظہر ہوتے ہیں مگر بہاء اللہ کے کا دعویٰ اس قسم کا مظہر ہونیکا نہیں بلکہ وہ صریح الفاظ میں اپنے آپ کو خدا کہتا اور یہی نام اپنے مریدوں کے منہ سے اپنے لیے پسند کرتا تھا۔ چنانچہ اسکی کتاب کو پڑھ لو یہی دعویٰ نظر آتا ہے۔ اس نے بار بار اپنے آپ کو خدا۔ خالق۔ الرحیم۔ العظیم۔ عالم الغیب۔ مالک یوم الدین۔ قابض الریاح وغیرہ مدعیانہ طور پر لکھا ہے۔ اور ہر ایک الٰہی صفت جو اسکی راہ میں آئی اس نے اسکو اپنے اوپر چسپاں کر لیا ہے۔ اس نے دوسرے مذہبوں کے پابندوں کو ہی مشرک نہیں کہا بلکہ ان لوگوں کو بھی مشرک ہی کہا جو اس کے پیر بھائی تھے اور اس سے کسی وجہ سے اختلاف رکھتے تھے۔ غرض اپنے مسائل کے رو سے اس نے اپنے آپ کو خدائے برحق ظاہر کیا ہے۔ اور اس لیے جو لوگ خدائے حقیقی کے ماننے والے ہیں اور اسکو خدا نہیں مانتے انکو اس نے مشرک کہا ہے۔ گویا بہاء اللہ کی الوہیت کا دعویٰ بابی مذہب کا اصل اصول ہے۔

بہاء اللہ کا دعوائے الوہیت کوئی ایسی بات نہیں جسکو ہم کھینچ تانکر ناحق اسکی طرف منسوب کرتے ہیں بلکہ یہ کھلے طور پر اسکی عبارات سے ثابت ہے۔ اور اس کے علاوہ اس نے یہانتک ہی بس نہیں کی بلکہ پہلی کتابوں کی پیشگوئیوں کو بھی اسی کے ثبوت میں اپنی طرف منسوب کرتا رہا۔ چنانچہ کتاب الاقدس میں لکھا ہے کہ عہدنامہ قدیم لیا

یہو واہ میرا ہی نام ہے۔ اب غور کرنیکا مقام ہے کہ یہ عبرانی لفظ صرف خدا ہی کا نام ہے اور کبھی کسی غیر اللہ پر مستعمل نہیں ہوا۔ جب بہار اللہ نے اس مقدس نام کو اپنے اوپر چسپاں کر لیا ہے تو اب اسکے دعوے خدائی پر کونسا شبہ باقی رہ جاتا ہے۔ بیشک اس شخص نے اپنے آپ کو کھلے طور پر خدا ظاہر کیا اور خدا تعالیٰ کی ہر ایک صفت اپنے پر لگائی۔ اور الوہیت کا دعویٰ کرکے اس نے ایک ایسا بڑا کفر کا کام کیا ہے کہ جس سے بڑھکر انسان کفر کر ہی نہیں سکتا۔ ایسے ہی انجیلوں میں جو یسوع مسیح سے ایک تمثیل انگوروں کے باغ کے مالک کی لکھی ہے۔ وہ انگوروں کا مالک بھی بہار اللہ خود بنا یا اس کے مریدوں نے اسکو بنا دیا۔ اس تمثیل کی تشریح یہ کیگئی ہے کہ خدمتگاروں سے مراد اسرائیلی نبی تھے۔ اور آنحضرت محمد مصطفےٰ صلعم نبیوں کی مہر تھے اور یسوع مسیح جو فرزند تھے وہ درحقیقت خدا کے فرزند تھے اور بہار اللہ صاحب انگوروں کے باغ کے مالک یعنی خود خدا تھے۔ پھر اس جرأت کا اسی جگہ خاتمہ نہیں بلکہ اور بھی بڑھکر زور دیا گیا ہے۔ چنانچہ انکی کتابوں میں لکھا ہے کہ نبوت اور فرزندیت کے دن گذر چکے اب وہ زمانہ آیا ہے کہ خود خدا آوے سو بہار اللہ کے جامہ میں خدا آیا ہے۔ پھر اس نے یہ بھی دعویٰ کیا ہے میرے ظہور کا زمانہ دراصل وہ یوم قیامت ہے کہ جس کا ذکر قرآن شریف میں ہے۔ اور اس بات پر بھی زور دیا جاتا ہے کہ جن جن امور کا قیامت کے دن خدا تعالیٰ کے حضور میں ظاہر ہونا قرآن شریف میں لکھا ہے وہ سب بہار اللہ کے حضور میں ظاہر ہوگئے۔ یہ بھی کھلے طور سے خدائی کا دعویٰ ہے۔ اس قسم کی عبارات اور دعاوی سے خود اسکی اپنی تصانیف لبریز ہیں اور اس کے علاوہ اسکے مریدوں کی تصانیف میں اور بھی کثرت سے ایسی باتیں لکھی ہیں۔ چنانچہ قرآن شریف کی آیت وجوہ یومئذ ناضرۃ الی ربھا ناظرۃ کو جسکے یہ معنے ہیں کہ "اس (قیامت کے) دن کئی چہرے روشنی سے چمکتے اپنے مالک (رب) کی طرف دیکھنے والے ہوں گے"

بہاء اللہ پر چسپاں کر کے یہ لکھا ہے کہ یہاں رب سے مراد بہاء اللہ ہے۔

ہم اس امر سے انکار نہیں کر سکتے کہ بہاء اللہ کی تصانیف میں ایسے الفاظ موجود ہیں جن میں وہ اپنے آپ ایک ایسا انسان بھی بیان کرتا ہے جسکو کسی دوسرے سرچشمہ سے ہدایت اور نور ملا ہے لیکن ایسے الفاظ عموماً ان تصانیف میں جو اس نے ابتدائی دعویٰ میں لکھی تھیں پائے جاتے ہیں۔ اور جہاں کہیں بعض دوسرے موقعوں پر آئے ہیں وہاں کسی خاص مدعا سے آئے ہیں۔ اگر ہم اس کی کتاب الاقدس پڑھیں یا کسی دوسری کتاب کا مطالعہ کریں جس میں وہ الواح درج ہیں جو اس نے اپنے شاگردوں کے لیے لکھی ہیں تو انہیں بار بار لکھا ہے کہ "مَیں خدا ہوں جو تمام جہان کا بادشاہ۔ عالم الغیب۔ اور عالم السر۔ رب العالمین۔ اور سب سے بڑا ہے وغیرہ وغیرہ" گویا جہاں کہیں اس نے ان لوگوں کو مخاطب کیا ہے جو اسپر ایمان لا چکے تھے یا جن سے امید ہو سکتی تھی کہ وہ اسپر ایمان لے آویں گے تو اس نے انکے سامنے انہیں مخاطب کر کے اپنے آپ کو ہمہ صفت موصوف خدا وحدہٗ لاشریک بیان کیا۔ یعنی اپنے دائرے کے اندر وہ خدا تھا۔ البتہ جب کہیں کسی ایسی جگہ مکتوب لکھنے کی ضرورت ہوتی جو اپنے دائرے سے باہر ہو تو وہاں اپنے آپ کو انسان ہی لکھتا۔ اسکی ایک مثال اسکا وہ مکتوب ہے جو شاہ ایران کو اسنے لکھا تھا جہاں سے سیاست کا خوف تھا اس میں لکھا ہے " اے شاہ زمین! اس غلام کی پکار سن۔ مَیں ایک غلام ہوں جو خدا پر اور اسکے نشانات پر ایمان رکھتا ہوں اور مَینے اپنی زندگی اسکی راہ میں وقف کر دی ہے ..... مَیں لوگوں کو صرف اس خدا کی طرف دعوت کرتا ہوں جو تیرا بھی خدا ہے اور تمام عالمین کا بھی خدا ہے" پھر اسی مراسلت میں شاہ کا غصہ فرو کرنیکے لیے لکھتا ہے " اے سلطان! مَیں ایک معمولی انسان تھا اور سویا ہوا تھا۔ اور اس (خدا) نے مجھے علم دیا ..... اور اسنے مجھے حکم دیا کہ مَیں آسمان

اور زمین کے درمیان ندا کروں۔"

اب اسکے ان الفاظ کا اُن الفاظ سے مقابلہ کرو جو اس نے اپنے مریدوں کے نام کی تحریرات میں لکھے جن میں لکھا ہے کہ "میں وہ ہوں جسکے کلام سے ہزاروں ابد پیدا ہو چکے ہیں اور پیدا کرنیکا اختیار ہے۔" جو اسکی کتابوں میں بکثرت اور بار بار پائے جاتے ہیں۔

بہاء اللہ اور انبیائے سابقین کے دعوٰی میں فرق پر بہاء اللہ کے ایک مرید نے ایک رسالہ میں مفصل بحث کی ہے اس میں لکھا ہے کہ "اس مظہر (بہاء اللہ) کو دوسرے مظاہر (انبیاء) پر یہ خصوصیت حاصل ہے کہ وہ لوگ یعنی انبیاء سابقین دو مقامات پر کھڑے ہوتے تھے۔ (یعنی انمیں ایک حصہ الوہیت ہوتی تھی اور ایک حصہ انسانیت) جب کبھی انپر ایسا حال طاری ہوتا کہ وہ اپنے آپ سے محو ہو جاتے اور اپنی ہستی کو فراموش کر دیتے اور اپنے وجود کو مقام فنا میں کامل طور پر پاتے تو بیساختہ بول اُٹھتے "انا اللہ" یعنی میں خدا ہوں۔ لیکن جب اس حالت سے نکل آتے اور اپنے آپ پر مطلع اور واقف ہو جاتے تو پھر کہتے میں انسان ہوں۔ لیکن یہ پُر نور مظہر (بہاء اللہ) درحقیقت وہی خدا ہے جس نے انسان کے لباس میں ظہور کیا ہے ..... اسی لیے تو اس نے کہا ہے کہ دنیا میں میرے سوا کوئی نہیں۔ نقطہ (علی محمد) نے اسی لیے پیشگوئی کی ہوئی تھی کہ وہ (بہاء اللہ) ہر حال میں کہتا رہے گا کہ تحقیق میں خدا ہوں کوئی خدا میرے سوا نہیں اور میں واحد لاشریک خدا عالم الغیوب والاسرار خدا ہوں ..... تمام مظاہر جو آجتک ظاہر ہوئے اور جو یوم قیامت تک ظاہر ہوتے رہیں گے وہ سب ایک آئینہ کی طرح ہیں۔ اور ہر ایک اپنی قابلیت کے مطابق اس آفتاب حقیقت کے متعلق گویا ہوا اور ہوگا۔ لیکن یہ مظہر (بہاء اللہ) خود وہ آفتاب ہے ..... اس لیے اس نے کہا ہے کہ توحید یہ ہے کہ تُو ایک کو ایک سمجھ

اور اسے تعدد سے بری جانے۔ نہ یہ کہ دو کو ایک جانے۔ توحید کی حقیقت یہ ہے کہ اس مظہر حق (بہاء اللہ) اور اس غیب الغیب خدا کو جسے انسان دیکھ نہیں سکتا اس طریق سے ایک خیال کیا جائے کہ ایک کے افعال اور اوامر اور نواہی گویا دوسرے کے افعال اور اوامر اور نواہی سمجھے جائیں۔ اور اس سے جدائی اور بیگانگت کا کوئی خیال باقی نہ رکھا جائے۔ یہی وہ مرتبہ ہے جو آسمانوں اور زمین پر صرف ایک ہی کے لیے مخصوص ہے اور کوئی دوسرا اس میں شریک نہیں ہو سکتا۔"

اسی خدائی کے دعوے کے برابر ہی بہاء اللہ کا دعویٰ عصمت کبریٰ ہے۔ اس دعوے کے متعلق وہ مختلف مقامات میں جنکو رسالہ مذکور کے مصنف نے ایک جگہ بیان کیا ہے یوں لکھتا ہے۔ لیس لمطلع الامر شریك فی العصمة الکبریٰ انه لمظهر یفعل مایشاء فیملکوت الانشاء قد خص الله هذا المقام لنفسه وما قدر لاحد نصیب من هذا الشان العظیم المنیع۔ انها طراز نسجته انامل القدرة لنفسه تعالیٰ انه لاینبغی لاحد الا لمن استویٰ علی عرش یفعل مایشاء من اقر واعترف بما رقم فی هذا الحین من قلم الاعلیٰ انه من اهل التوحید واصحاب التجرید۔ اور پھر لکھا ہے "عصمت کبریٰ مخصوص حق جل جلالہ است احدے دریں مقام با او شریک نہ" اور پھر لکھا ہے اما العصمة الکبریٰ لمن کان مقامه مقدسا عن الاوامر والنواهی و منزها عن الخطاء والنسیان انه نور لا تعقبه الظلمة وصواب لا یعتریه الخطاء لو یحکم علی الماء حکم الخمر وعلی السماء حکم الارض وعلی النور حکم النار حق لاریب فیه ولیس لاحد ان یعترض علیه او یقول لم وبم والذی اعترض انه من المعرضین فی کتاب الله رب العالمین انه لا یسئل عما یفعل وکل عن کل یسئلون۔ خلاصہ ان عبارتوں کا یہ ہے کہ وہ اپنے لیے

عصمت کبریٰ کا دعویٰ کرتا ہے۔ اور کہتا ہے کہ اُس مقام میں بہاء اللہ کا شریک دوسرے انبیاء میں سے کوئی نہیں۔ بلکہ یہ مقام خدا نے اپنے نفس کیلئے مخصوص کیا ہوا ہے۔ اور کسی دوسرے کیلیے اس مقام میں کسی طرح کا حصہ مقدر نہیں کیا گیا تحقیق یہ وہ حاشیہ ہے جو قدرت کے ہاتھوں نے صرف خدا کے لیے بنا ہے اور یہ سوائے اُسکے جو قدرت علی الاطلاق کے تخت پر جلوہ افروز ہوتا ہے اور جو چاہتا ہے کرتا ہے کسی دوسرے کو سزاوار نہیں،۔ پھر آگے چلکر کہتا ہے۔ عصمت کبریٰ خاصہ خدائے ذو الجلال ہے اس میں اس کا کوئی ہمسر نہیں،۔ پھر کہا ہے عصمت کبریٰ اسکے لیے ہے جو تمام اوامر و نواہی سے بالاتر ہے اور غلطی اور نسیان سے پاک ہے کیونکہ وہ ایسا نور ہے جسکے بعد تاریکی نہیں۔ اور وہ حق ہے جسکے پیچھے دروغ نہیں۔ اگر ایسا شخص پانی کو شراب۔ آسمان کو زمین۔ نور کو دوزخ کہے تو بلاشبہ وہ سب سچ ہے۔ اور کسی کو حق نہیں پہنچتا کہ کوئی اعتراض کرے کیونکہ وہ ایسا ہے کہ جو کچھ وہ کرے اس سے پوچھا نہیں جاسکتا کہ کیوں ایسا کیا مگر دوسرے سبھی لوگوں سے تمام امور کی متعلق سوال کیا جاویگا۔

اب ان عبارات کے مطالعہ سے روشن ہے کہ یہاں خدا سے مراد بہاء اللہ ہی رکھا گیا ہے۔ اور عصمت کبریٰ جو خدا تعالیٰ کا خاصہ بیان کیا گیا ہے وہ بہاء اللہ ہی کی طرف منسوب کیگئی ہے۔ عصمت کبریٰ بابی مذہب کی خاص اصطلاح ہے جسکا ذکر ہم آگے چلکر کریں گے۔ اسی کتاب میں جس سے اوپر کی عبارتیں نقل کی گئی ہیں یہ بھی لکھا ہے کہ "تمام انبیاء خدا سے وحی کے محتاج تھے اور اسی کے حکم کی تعمیل کے پابند تھے لیکن بہاء اللہ کو ان سب پر فوقیت تھی اسکو کسی کے حکم کی پابندی کی ضرورت نہ تھی وہ اپنی مرضی اور اپنے ہی ارادہ کا مالک اور متبع تھا۔ یعنی وہ خود خدا صاحب ارادہ تھا ..... چونکہ مقدس (بہاء اللہ) کا وجود درحقیقت غیب کا وجود تھا اسلیے وہ کسی وجود کو

اپنے سے برتر خیال نہیں کرتا تھا۔ اور کسی شخص یا طاقت کو اپنے اوپر حکمران نہیں سمجھتا تھا۔ اور کوئی شئے اس سے پوشیدہ نہ تھی "

بہائی سلسلہ میں عصمت کبریٰ کا مسئلہ بڑی اہمیت کی نگاہ سے دیکھا جاتا ہے۔ اسکی وجہ یہ ہے کہ عام طور پر عصمت کی صفت سے انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام متصف ہیں۔ اور اسلام میں انکی عصمت کا وسیع عقیدہ ہے۔ لیکن چونکہ بہاء اللہ اپنے آپ کو تمام نبیوں سے بڑا (بلکہ خدا) سمجھتا تھا اسلیے اسنے اپنے لیے ایک الگ عصمت تجویز کی۔ چنانچہ اپنی ایک تصنیف میں مسئلہ عصمت کبریٰ کے متعلق ذیل کی عبارت لکھی ہے "جان لو اکہ عصمت کے بہت معنے اور بہت مرتبے ہیں۔ ایک معنے سے عصمت تو اس شخص کی مانی جاتی ہے جسکو خدا غلطیوں میں گرنیسے محفوظ رکھتا ہے۔ دوسرے معنوں میں معصوم وہ شخص کہلاتا ہے جسے خدا گناہوں اور نافرمانیوں اور گمراہیوں اور بدعقیدوں اور شرک وغیرہ اسی قسم کی برائیوں کے ارتکاب سے بچاتا ہے۔ لیکن عصمت کبریٰ ایک ایسے شخص کا خاصہ ہے جو ایسے مرتبہ پر پہنچگیا ہو کہ اسے کسی امر و نہی کے ماننے اور اسپر عمل کرنیکی پابندی نہ رہی ہو۔ اور جو ہر قصور اور نسیان سے پاک کیا گیا ہو۔ کیونکہ وہ ایک نور ہے جسکے پیچھے اندھیرا نہیں آتا۔ اور وہ ایک صواب ہے جسکے ساتھ کوئی نقص نہیں ہوتا۔ اگر ایسا آدمی پانی کو کہے کہ یہ شراب ہے، یا آسمان کو کہے کہ یہ زمین ہے یا نور کو کہے کہ یہ دوزخ ہے تو یہ سب کچھ سچ ہے اور اس میں کوئی شبہ و شک نہیں۔ اور کسی شخص کو حق نہیں کہ یہ سوال کرسکے کہ یہ کیوں ایسا ہے۔ اور خدائے مالک الارض کی کتاب میں لکھا ہے کہ جو کوئی شخص کوئی اعتراض کریگا وہ ان لوگوں میں شمار کیا جائیگا جو صراط مستقیم سے روگردان ہوئے۔ کیونکہ یہ امر حق ہے کہ وہی ایک ہے جو اپنے افعال اور اعمال کے لیے کسی کے آگے جوابدہ نہیں ہو سکتا حالانکہ دوسرے تمام لوگوں سے بلا استثنا انکے افعال و اعمال کے

متعلق باز پرس ہو گی۔ کیونکہ یہ امر حق ہے کہ وہ غیب کے آسمان سے نازل ہوا ہے
اور اس کے ساتھ وہ علم ہے کہ اسکی جو مرضی ہو وہی کرے۔ اور اسکے ساتھ عظمت
اور قدرت کی افواج ہیں۔ دوسرے تمام لوگوں پر یہ ذمہ واری ہے کہ وہ ان شرائع اور
احکام کو جو انہیں دیئے گئے ہیں محکم پکڑیں اور انپر عمل کریں۔ اگر کوئی دوسرا ان
احکام سے سرِمو متجاوز ہو تو اسکے تمام عمل حبط اور ضایع ہو جاتے ہیں "

ہمارے ناظرین اب اس بات کو اچھی طرح سمجھ سکتے ہیں کہ عصمت کبریٰ کا یہ نرالا
مسئلہ سلسلہ بہائیہ میں کیسا ضروری سمجھا گیا ہے۔ اور اسکی تشریح سے جو بہار اللہ نے
کی ہے اسکے اپنے قول و فعل کی ماہیت کا اچھی طرح اندازہ ہو سکتا ہے۔ معمولی مفہوم
عصمت سے تو یہ مراد ہے کہ اس انسان سے گناہ صادر نہ ہو۔ لیکن بہار اللہ کے مذہب
میں عصمت کبریٰ کے یہ معنے ہیں کہ صاحب عصمت کبریٰ عملاً و فعلاً و قولاً جو کچھ چاہے
کرے پر کوئی اسکے کیے کو بنظر اعتراض دیکھے نہ اسے گناہ کے اور نہ اسپر اعتراض ہی
کرے۔ اگر وہ علی الاعلان شراب نوشی کرے اور اپنے مریدوں کو کہے یہ پانی ہے جو
میں نے پیا ہے تو مریدوں کو حق نہیں کہ جو کچھ انہوں نے اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے
اسکو مانیں۔ بلکہ جو کچھ وہ کہتا ہے اسپر ایمان لائیں اور اپنی آنکھوں کی بصارت سے کام نہ لیں
یعنی اندھے بنکر جو کچھ وہ کہتا جائے مانتے چلے جائیں۔ صاحب عصمت کے ذمہ پر ایک فرض
جوابدہی کا باقی رہتا ہے۔ لیکن صاحبِ عصمت کبریٰ ہر ایک قید اور پابندی سے
آزاد خود مختار اپنے ارادوں کا آپ مالک ہے اور اسکے ذمہ کسی کا کوئی قرض نہیں بلکہ اسکا
قرض دوسروں کے ذمہ ہے کہ وہ اسکے ہر ایک قول و فعل پر خواہ کیسا ہی صریح اعتراضوں
کے قابل اور واقعات اور بصیرت کے خلاف کیوں نہو آنکھیں بند کر کے اسے مانتے چلے
جائیں اور ایک حرف بھی چون و چرا کا منہ سے نہ نکالیں۔ عصمت کبریٰ اور معمولی
عصمت یعنی بہار اللہ اور انبیاء علیہم السلام میں یہ فرق ہے جو بہار اللہ نے بتایا ہے

اور جیسا اسکے مرید عامل اور معتقد ہیں۔ ہم یہ نہیں کہتے کہ بہاء اللہ کی عملی اور اخلاقی حالت کیسی تھی۔ مگر اس میں شک نہیں کہ عصمت کبریٰ کے مسئلہ کو جس طور پر اس نے بیان کیا ہے وہ ایک قابل نفرت عقیدہ اور اباحت کے دروازوں کو کھولنے والا ہے۔ ایک شخص کو حق پہنچتا ہے کہ وہ یہ کہے کہ عصمت کبریٰ کا عقیدہ سکھلانیکی وجہ یہ تھی کہ تا وہ اپنے مریدوں پر اپنے عیوب کو بے عیبی اور اپنے قصوروں کو بے قصوری اور اپنے گناہوں کو بے گناہی ظاہر کرے اور نقادی کے مادہ کو انہیں دبا دیا جاوے۔ اس مسئلہ سے بہائی لوگونکو اسکے مخالفین کے اعتراضوں کا جواب دینا بھی انکے نزدیک آسان کر دیا گیا۔ خصوصاً بابی فرقہ کے ان لوگوں کو تو وہ اچھی طرح جواب دے سکتے ہیں جو بہاء اللہ کے دعوٰنکو نہیں مانتے اور اسکے حالات پر اعتراض کرتے ہیں۔ انہیں یہی جواب ابتداہی میں دیدیا ہے کہ بہاء اللہ کی حالت پر کوئی حرف گیری ہو سکتی ہی نہیں۔

اس سلسلہ کے مضامین میں سے آخری مضمون باب اور بہاء اللہ کے دعاوی کے پیشکردہ ثبوت کے متعلق ہوگا جسکے بغیر یہ سلسلہ نامکمل رہتا ہے اور امید ہے کہ انشاء اللہ تعالیٰ آیندہ رسالہ میں یہ مضمون درج ہوگا۔

مختصر نوٹ اور ریویو

قرآن کریم کی تفسیر کے اس تفسیر کے بتیس صفحے ماہوار ریویو آف ریلیجنز کے ساتھ بطور ضمیمہ شایع ہوتے تھے۔ چنانچہ جنوری تک یہ اوراق خریداران ضمیمہ کی خدمت میں پہنچتے رہے ہیں۔ مگر مختلف وجوہات کے باعث جن میں بڑی وجہ یہ تھی کہ یہ اوراق بغیر سرورق کے شایع ہوتے تھے صدر انجمن احمدیہ نے یہ فیصلہ کیا ہے کہ آیندہ تفسیر القرآن بجائے اس کے کہ بطور ضمیمہ ماہوار شایع ہو سہ ماہی شایع ہوا کرے اور بجائے بتیس

صفحوں کے ساتھ صفحے شایع ہوں اور کتاب کے طور پر شایع ہوں تاکہ خریداران تفسیر کے طور پر اسے محفوظ رکھ سکیں۔ یہ بھی انشاء اللہ تعالیٰ التزام کیا جاویگا کہ ہر سہ ماہی میں ایک ربع کی تفسیر پوری ہو جایا کرے اور اسطرح سال تمام میں ایک پارہ کی تفسیر خریداران کو پہنچ جاویگی۔ سہ ماہی تفسیر مارچ۔ جون۔ ستمبر اور دسمبر کی آخری تاریخوں کو شایع ہوا کرے گی۔

اسوقت چونکہ جنوری کا ضمیمہ شایع ہو چکا ہے اور نئے انتظام کے بموجب ۳۱ مارچ کو پہلا نمبر نکلنا چاہیئے تھا۔ لہٰذا یہ تجویز کی گئی ہے کہ مقررہ تاریخ پر دو ماہ کا رسالہ چالیس صفحوں کا ناظرین کو پہنچا دیا جاوے اسطرح جنوری کے نمبر کو ساتھ ملا کر یہ پہلے تین ماہ کا رسالہ ہو جاویگا اور اس کے بعد باقاعدہ سہ ماہی شایع ہوگا۔

اس تفسیر کے متعلق میں صرف اخبار بدر سے مندرجہ ذیل نوٹ نقل کر کے اپنے ناظرین سے التماس کرتا ہوں کہ وہ اس سے ضرور فایدہ اُٹھاویں۔ نوٹ حسب ذیل ہے:۔

"خدائے تعالیٰ کے ان مبارک لوگوں میں سے جنہیں قرآن مجید میں تدبر کرنیکی توفیق دیجاتی ہے اور جنہیں فرقان حمید کے معانی سمجھنے کے لیے فہم سلیم دیا جاتا ہے میرے مخدوم و مکرم مولوی سرور شاہ صاحب بھی ہیں آپ نے ایک تفسیر لکھنی شروع کی ہے جو حقایق و معارف کی پیاسی قوم کے لیے انشاء اللہ آب حیات کا کام دینے والی ہے یہ تفسیر ریویو کے ساتھ ماہوار اور اب سہ ماہی شایع ہوا کریگی اگرچہ مولنا موصوف کی یہ تفسیر سراپا نور علیٰ نور ہے مگر زمانہ حال کی ضرورتوں کے موافق دو باتوں کا خاص خیال رکھا جاتا ہے۔ ایک تو یہ کہ یوں تو سب مسلمان کہا کرتے ہیں کہ قرآن مجید فصیح بلیغ ہے مگر بہت کم مفسرین ہیں جنہوں نے اسے ہر آیت میں ثابت کیا ہے اور یہ بتایا ہے کہ اس آیت میں جو یہ لفظ اختیار کیے گئے ہیں اور اظہار مراد کے لیے یہ اسلوب کلام جو رکھا گیا ہے تو اس میں یہ حکمتیں اور یہ خوبیاں ہیں مولنا مکرم نے اس بات کو بہت

مد نظر رکھا ہے جسے پڑھکر ایک خاص لذت حاصل ہوتی ہے۔ دوئم ... مولویصاحب نے اس اعتراض کو (کہ قرآن کریم میں ربط نہیں) عملی رنگ میں اُٹھایا ہے اور ثابت کر دیا ہے کہ پہلی آیت دوسری آیت سے اور پہلا رکوع دوسرے رکوع سے ضرور ربط رکھتا ہے اسکے علاوہ بعض آیات کے معانی کے بیان میں وہ زور طبیعت دکھلایا ہے کہ پڑھنے والا عش عش کر اُٹھتا ہے اور بے اختیار مُنہ سے نکلتا ہے کہ بس یہی معنے تھے جو اس مرد خدا نے بیان کر دیئے۔"

مسیح کی معجزانہ پیدایش اور موت تجلّی میں ایک عیسائی مضمون نگار لکھتا ہے کہ الفاظ قرآنی ان مثل عیسیٰ عند اللہ کمثل اٰدم حقیقی معنوں کی رو سے صحیح نہیں کیونکہ "پہلی مرغی اور پہلی بکری بھی آدم کے مثل ہے" مگر مسیح اپنی پیدائش کے لحاظ سے "فرد" ہیں۔ مگر یہ نہیں سوچا کہ بہت سے جانور ایسے ہیں جو بن باپ پیدا ہوتے ہیں مسیح "فرد" کیونکر ہوئے۔ قرآن شریف کی غرض مثال دینے سے یہی ہے کہ اس بات سے کہ وہ بن باپ پیدا ہوئے مسیح خدا نہیں ہو سکتے بلکہ بشر ہی رہے کیونکہ جو بغیر ماں اور باپ کے پیدا ہوا وہ بھی بشر تھا۔ بن باپ پیدا ہونیسے کوئی فضیلت نہیں ملجاتی۔ پھر لکھتا ہے کہ قرآن کے رو سے مسیح کی موت بھی معجزانہ تھی کیونکہ اس کے متعلق فرماتا ہے "یا عیسیٰ انی متوفیک اے عیسیٰ مَیں ہی تجھے موت دونگا۔ پس آپکی موت بھی معجزانہ ہوگئی" یہ عجیب منطق ہے۔ کیا دوسروں کو خدا کے سوا کوئی اور موت دیتا ہے۔ ان الفاظ میں تو صرف یہ ظاہر کرنا مقصود ہے کہ تُو قتل یا صلیب کی موت سے نہیں مریگا بلکہ خدا تجھے طبعی موت دیگا۔ اسی مضمون میں یہ بھی لکھا ہے کہ "اسلام کا یہ عقیدہ" جو انی متوفیک میں ظاہر کیا گیا ہے "اسکے دوسرے عقاید کیلیے لازمی تھا کہ آپ ہنوز زندہ ہیں مُردہ نہیں" یہ پہلی بات سے بھی عجیب تر ہے۔ مضمون نگار کا مطلب یہ معلوم ہوتا ہے کہ گویا حضرت عیسیٰ قرآن کی رو سے مر نہیں سکیں گے اور

جو طبعی انحطاط انسان پر آتا ہے وہ انپر نہیں آئیگا اور اس لیے وہ طبعی طور پر نہ مریں گے بلکہ خدا ہی انکو موت دیگا۔ چنانچہ آگے لکھا ہے "وہ آپ دو ہزار برس گذر جانے پر بھی بڈھے نہیں ہوئے اور قیامت تک زندہ رہیں گے" مضمون نویس پر تو یہ افسوس ہے کہ قرآن کریم کی طرف ان عقاید کو منسوب کرتا ہے جو اس میں درج نہیں اور مسلمانوں پر یہ کہ قرآن کریم کے خلاف عقیدہ رکھکر مخالفین اسلام کو حملوں کے کیسے کیسے موقعے دیتے ہیں۔

مادیت و دہریت کی تردید۔ اس نام کا ایک رسالہ پر کاش دیوجی پرچارک براہمو دھرم نے شایع کیا ہے جو دراصل ہمس فریمن کلارک صاحب کی انگریزی کتاب کا ترجمہ ہے۔ اس رسالہ کے چار حصے یا چار باب ہیں "(۱) ہم کیونکر جانتے ہیں کہ ہم روح رکھتے ہیں (۲) ہم خدا میں کیوں یقین کرتے ہیں (۳) منکر خدا کی کائنات کی بابت تھیوری یعنی خیالات (۴) کمل اور ناکمل وحدانیت" ان چاروں باتوں پر عقلی رنگ میں بحث کی ہے۔ اس زمانہ میں جب ہر طرف مادیت اور دہریت کا زور ہے ایسی کتاب کے مفید ہونے میں کلام نہیں ہو سکتا اگرچہ ساتھ ہی ہم یہ بھی کہیں گے کہ خدا کی ہستی کا اصلی ثبوت اور اسپر کامل یقین سوائے سلسلہ انبیاء کے ہرگز نہیں ملتا۔ عقلی دلایل ہمیں دائرہ احتمال سے آگے نہیں لے جاسکتیں۔

کتاب ایک سو صفحے کی ہے کاغذ اور چھپائی عمدہ ہے۔ قیمت ۴؍ دو اور چھوٹے چھوٹے رسالے جن میں ایک کا نام روحانی گلدستہ ہے اور دوسرے کا ایشور ایک غیر فہیم مادی طاقت ہے یا فہیم زندہ پرش۔ قیمت فی رسالہ ۱؍ اسی پتہ پر یعنی براہمو دھرم پرچار آفس لاہور سے مل سکتے ہیں۔

آؤ لوگو کہ یہیں نورِ خدا پاؤ گے :. لو تمھیں طور تسلی کا بتایا ہم نے

ریویو آف ریلیجنز

یعنی

دنیا کے مذاہب پر نظر

جلد ۷ — بابت ماہ مارچ سنہ ۱۹۰۸ء — نمبر ۳

فہرست مضامین

قادیان ضلع گورداسپور سے ۲۰- مارچ سنہ ۱۹۰۸ء کو مینجر میگزین کے اہتمام سے شائع ہوا چندہ سالانہ عا

صدر انجمن احمدیہ قادیان

یہ انجمن اس وقت حسب ذیل کام کر رہی ہے۔

(۱) اشاعت اسلام۔ اس غرض کے لیے رسالہ ریویو آف ریلیجنز انگریزی میں جاری کیا گیا ہے جس کی ایک کثیر تعداد یورپ اور امریکہ اور جاپان میں مفت بھیجی جاتی ہے۔ اس خرچ کے پورا کرنیکے لیے یہ لازمی قرار دیا گیا ہے کہ سب احباب جو اس سلسلہ میں داخل ہوتے ہیں اعانت کا کچھ نہ کچھ چندہ دیں یا اپنے خرچ پر ایک ایک دو دو چار چار دس دس رسالے باہر بھجوا دیں فی رسالہ جو باہر بھیجا جائے چندہ للعہ سالانہ ہے۔ مگر انگریزی رسالہ کی قیمت ہندوستان کے لیے للعہ سالانہ ہے۔ بعض کتب انگریزی میں طبع کر کے اسی غرض کیلیے مفت تقسیم کیجاتی ہیں۔ رسالہ ریویو آف ریلیجنز اردو میں بھی شایع ہوتا ہے جسکا چندہ عہ سالانہ ہے۔ ان احمدی احباب کو جو استطاعت رکھتے ہیں چاہیئے کہ اس رسالہ کو خریدیں اور پڑھیں کیونکہ اس میں نہایت قیمتی اور اہم مضامین درج ہوتے ہیں اور ہر قسم کے اعتراضات اور وساوس دور کیے جاتے ہیں۔ ان مضامین سے واقفیت حاصل کرنا ہر ایک مسلمان کے لیے ضروری ہے۔ سب احباب کا فرض ہے کہ علاوہ خود خریدار بننے کے اس رسالہ کی خریداری کی تحریک اپنے احباب مین بھی کریں۔ رسالوں کے علاوہ اس مد کے ساتھ ایک کتب خانہ بھی ہے جس میں حضرت اقدسؑ اور بعض احباب کی تصانیف اور بعض مفید اسلامی کتب فروخت کی جاتی ہیں۔

(۲) تعلیم دینی و دنیوی۔ اس غرض کے لیے ایک مدرسہ انگریزی انٹرنس تک

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ
نَحْمَدُهٗ وَنُصَلِّيْ عَلٰى رَسُوْلِهِ الْكَرِيْمِ

بابی مذہب - ۵

باب اور بہاء اللہ کے دعاوی کا پیشکردہ ثبوت

ہم اب بڑے اہم اور ضروری سوال پر آپہنچے ہیں جو ہر ایک مذہب پر عائد ہو سکتا ہے۔ یعنی کہ کوئی مذہب اپنے دعویٰ کی صداقت میں کیا ثبوت پیش کرتا ہے۔ ہم اس مضمون میں باب اور بہاء اللہ کے دعاوی کے متعلق اس ثبوت پر بحث کریں گے جو ہمارے سامنے پیش کیا گیا ہے۔ اور ناظرین پر اس بات کا فیصلہ چھوڑتے ہیں کہ وہ ثبوت دعویٰ کو کہانتک مستحکم اور مضبوط کرتے ہیں۔ مگر ہم یہ ابتداءً جتا دینا ضروری سمجھتے ہیں کہ جتنا عظیم دعویٰ ہوگا اتنا ہی اسکا ثبوت مضبوط بکار ہوگا۔ اور پیشکردہ ثبوت کا طرز استدلال دعویٰ کے مطابق ہونا چاہیئے سو اس بارہ میں یاد رکھنا چاہیئے کہ بہاء اللہ نے دعویٰ کیا تھا کہ وہ ایک نئے مذہب کا بانی ہے جس نے صرف پہلے مذاہب ہی کو منسوخ نہیں کیا بلکہ پہلے تمام انبیاء سے وہ ایسا بڑھکر ہے کہ اس کا ظہور خود اللہ تعالیٰ کا ظہور ہے۔ اور جس خدا نے گذشتہ زمانہ میں انبیاء اور رسل بھیجے تھے اب وہ گویا خود ہی انسانی جامہ پہنکر آگیا ہے۔ اس لیے اگر پہلے مذاہب اپنی صداقت دعویٰ کو معجزات اور پیشگوئیوں سے ثابت کرسکتے تھے تو ایسے دلایل بہاء اللہ کے دعویٰ کی صداقت کے لیے کافی و شافی نہیں ہوسکتے۔ بہاء اللہ کے دعویٰ کو یسوع مسیح کے دعویٰ

سے مقابلہ کر سکتے ہیں جس کے معجزات جو اناجیل میں ذکر کیے گئے ہیں اگر ہم مان لیں کہ واقعی وقوع میں آ گئے تھے۔ تو بھی ثابت نہیں کر سکتے کہ وہ یعنی یسوع مسیح خدا تھا۔ ان سے صرف یہی ثابت ہوتا ہے کہ وہ محض انسان تھا۔ اور اس میں ذرا بھر بھی خصوصیت نہ تھی بلکہ وہ اور بنی اسرائیل کے انبیاء کی طرح بشر رسول تھا کیونکہ اس کا بڑے سے بڑا معجزہ مُردوں کو زندہ کرنا تھا اور وہ بھی اسرائیلی انبیاء کی گذشتہ تاریخ میں اپنی نظیر رکھتا تھا۔ نہیں۔ بلکہ مسیح کے معجزات سے بڑھ چڑھ کر گذشتہ انبیائ کے معجزے مذکور ہیں لہٰذا اگر یسوع نے اور انبیاء علیہم السلام سے بڑھ کر کچھ نہیں دکھلایا اور اس کی قدرت کا کوئی نمونہ جو اور بشر رسول سے بڑھ کر ہو کبھی دیکھنے میں نہیں آیا تو اسکو اسکے ثبوت کے مطابق صرف بشر رسول مان سکتے ہیں اس سے بڑھکر نہیں کیونکہ اور انبیاء جو عند الفریقین بشر تسلیم کیے گئے ہیں انہوں نے بھی یہ معجزات بلکہ انسے کئی درجہ بڑھکر دکھلائے ہیں جو عہد عتیق میں بتصریح مذکور ہیں۔ اس مقابلہ سے ہماری یہ غرض نہیں ہے کہ باب اور بہاء اللہ کی طرف سے محکم دلایل پیش کیے گئے ہیں جو انکو رسالت کا تاج تو پہناتے ہوں مگر خدائی تک نہ پہنچا سکتے ہوں۔ ناظرین کو خود معلوم ہو جائیگا کہ بابی مذہب کے دونوں بانیوں کے دعووں کی تائید میں کوئی قابل ذکر ثبوت نہیں بیان کیا گیا اور باب اور بہاء اللہ کے بڑے دعووں کی تمام عمارت صرف محض چند دھکوسلوں پر اور نہایت ہی رکیک تاویلوں پر تعمیر کی گئی ہے جنکو پڑھکر ہنسی آتی ہے۔

پہلے ہم باب کے دعویٰ کو لیتے ہیں۔ ہمارے سامنے اس قسم کی کوئی شہادت نہیں جس سے معلوم ہو سکے کہ علی محمد نے اپنے لیے کوئی دلایل بھی پیش کیے تھے۔ البیان ہمارے ہاتھ میں نہیں ہے اور بابی فرقہ کی پچھلی تصنیفات جن میں بہاء اللہ کی کتابیں بھی شامل ہیں باب کے کسی معجزہ دکھانے یا اس کی کسی پیشگوئی کے پورا ہونیکی طرف کچھ اشارہ نہیں کرتیں۔ ہاں اس میں صرف ایک پیشگوئی بیان کی گئی ہے جو بہاء اللہ کے ظہور کی بابت ہے اور وہ

پیشگوئی بھی اپنی طرز میں اور بہ سبب اسکے کہ وہ شک وشبہ سے پاک نہیں ہے اور اس قابل ہی نہیں کہ اسکو وہ مرتبہ دیا جاوے جو ان پیشگوئیوں کو دیا جاتا ہے جنسے قطعی اور یقینی شہادت پیدا ہوتی ہے۔ اور اس کے مسلوب الیقین ہونے پر بڑی دلیل یہ ہے کہ اس زمانہ کے بہت سے بڑے بڑے بابیوں نے بہاء اللہ کے دعویٰ کو تسلیم نہیں کیا اگر باب کی پیشگوئی صاف ہوتی تو پھر انکو بہاء اللہ کے رد کرنیکی ہرگز گنجایش نہ تھی اسلیے یہ دلیل مفید مطلب نہیں ہوسکتی۔ خود بیان میں بھی کوئی پیشگوئی نہیں ہے سوائے اس پیشگوئی کے جو اوپر بیان کی گئی ہے پس باب اور بابیوں کی تحریریں بابی مذہب کے بانی کے دعویٰ کی دلیلوں اور ثبوت سے ساکت ہیں۔ باب کے ایک پُرجوش اور عالی معتقد نے باب کا صرف ایک ہی معجزہ بیان کیا ہے۔ اور وہ یہ ہے کہ اسکے قتل کے وقت باب پر جو گولیاں چلائی گئی تھیں وہ اسپر اپنا اثر نہیں کرسکیں۔ لیکن ایک واقعہ نے اس معجزہ پر بھی پانی پھیر دیا ہے۔ کہتے ہیں کہ جب اسکے قتل کا حکم صادر ہوا۔ تو اسکو ایک رسّے سے باندھ کر لٹکایا گیا تھا اور ایک دستہ فوج کو حکم دیا گیا کہ اسپر فائر کریں اسکا ساتھی تو مر گیا۔ مگر گولیاں اس تک نہیں پہنچیں۔ اور اس واقعہ کو ایک بڑے معجزہ کی شکل میں دکھایا جاتا ہے۔ مگر گولیوں نے اُن رسّیوں کو توڑ دیا جن کے ساتھ وہ بندھا ہوا تھا۔ اور دھوئیں کی تاریکی میں باب نے چھپنے کی کوشش کی۔ مگر دھواں جلدی دُور ہو گیا اور وہ بھاگتا ہوا دیکھا گیا اور اپنی پہلی جگہ پر واپس لایا گیا اور دوسرے فائر نے اسکا کام تمام کر دیا۔ اس میں کوئی معجزہ نمائی نہیں ہے باب کا ایک امریکن معتقد اسکے ایک اور معجزہ کی مندرجہ ذیل کہانی بیان کرتا ہے" باب نے اپنے مرنے سے چھ ماہ پیشتر اپنا ایک مختوم خط اپنے ایک مرید مسمی حاجی سلیمان خان کے پاس بھیجا اور اسکو یہ تعلیم دی کہ اس مُہر کو اسوقت توڑنا جبکہ تجھ پر سخت خوف اور غم طاری ہو جاوے جب باب کی زندگی کا خاتمہ کر دیا گیا اور اس کے اس مرید نے اسکے بندوقوں سے مارے جانیکی اطلاع پائی تو وہ سمجھ گیا کہ یہ وہی واقعہ ہے جسکی پہلے سے خبر دی گئی تھی اور خط کی

مُہر کو توڑ دیا۔ اور اس خط کا مضمون یہ تھا کہ اس تحریر کی تاریخ سے لیکر چھٹے ماہ بعد باب تبریز میں شہادت کا رتبہ حاصل کریگا۔ یہ تاریخ بعینہٖ اس کے قتل کی تاریخ تھی۔ اور اس خط میں اسکی لاش کے متعلق بھی ہدایات لکھی ہوئی تھیں۔ اس کے مریدرات کے وقت سنتریوں کے پاس گئے جو اس کی لاش پر پہرہ دے رہے تھے۔ جبکہ وہ شہر کی فصیل سے باہر کی خندق میں پڑی ہوئی تھی۔ اور اس کے پاس اس کے رفیق کی لاش بھی تھی۔ انہوں نے سنتریوں کو رشوت دی اور وہ لاشوں کو اُٹھا کرلے گئے۔ وہ سفید ریشم کے کپڑے میں لپیٹ کے ایک صندوق میں رکھی گئیں اور بعد ازاں طہران کو منتقل کی گئیں۔ اور ابھی تھوڑا ہی عرصہ گذرا ہے۔ کہ ایک خانقاہ اور ایک قبر کا کسی اور جگہ انتظام کیا گیا ہے۔"

اس میں اس قصہ یا اس مختوم خط کی صداقت کا ثبوت بالکل نہیں دیا گیا۔ اس مقام پر یہ یاد رکھنا چاہیئے۔ اگر تسلیم بھی کر لیا جاوے کہ یہ خط لکھا گیا تھا تو یاد رہے کہ یہ خط اسوقت لکھا گیا تھا۔ جبکہ علی محمد قتل کے لیے گرفتار کیا جا رہا تھا۔ اور اس صورت میں یہ پیشگوئی اٹکل اور ظن سے بڑھکر مرتبہ نہیں رکھتی۔ بہرحال محض ایک شخص کی گواہی پر حالانکہ اس شہادت کی تائید میں اور کچھ ثبوت پیش نہیں کیا گیا ہے اس واقعہ کی صداقت ثابت نہیں ہوسکتی جس سے ایک طالب حق تشفی پا سکے۔ باب کے اور معجزات جو اس کی طرف منسوب کیے جاتے ہیں معجزہ کے نام کی ہتک ہیں۔ بیان کیا جاتا ہے کہ ایک پورا راسخ الاعتقاد مُلّا ایک دفعہ بغرض بحث اور اس کی صداقت کا نشان طلب کرنیکے لیے اس کے پاس گیا مگر اسکی فصاحت پر ایسا لٹو ہوا کہ فوراً اسکا مرید ہو گیا اور پھر اس نے نشان اور معجزہ طلب نہ کیا۔ ایک کی بابت بتلایا جاتا ہے کہ وہ صرف باب یا باب کے بعض شاگردوں کے برخلاف عام لوگوں کی مخالفت دیکھ کر بابی بن گیا تھا۔ ایسے ایسے واقعات کو باب کے معجزات کے طور پر بیان کیا جاتا ہے۔ اور اس کے مذہب کی سچائی کا ثبوت دیا جاتا ہے۔ علی محمد نے صرف اپنی کتاب بیان کو اپنا معجزہ قرار دیا ہے۔ اُس نے دعویٰ کیا ہے کہ

یہ کتاب معجزہ کے طور پر اس کو ملی ہے اور اس میں خدا کا کلام اور اس کی وحی درج ہے اور تمام دنیا اس کی مانند بلکہ اس کے ایک حرف یا صرف ایک نقطہ کی مانند بھی نہیں بنا سکتی۔ یہ دعویٰ جو کہ قرآن کریم کے دعوے کی نقل ہے حد درجہ کی لغویت تک پہنچا یا گیا ہے۔ کیونکہ بیان کے حروف اور نقطے معمولی حروف اور نقطوں سے الگ نہیں ہیں۔ ادب کے لحاظ سے یہ کتاب کسی اعلیٰ پایہ کی نہیں۔ جب علی محمد کے سامنے بیان کی غلطیاں بیان کی گئیں۔ تو اس نے جواب دیا کہ ہم نے الفاظ اور حروف کو حکم دیا ہے کہ وہ اپنے معمولی استعمال سے الگ ہو کر کام دیں۔ پھر جب بہاء اللہ ظاہر ہوا تو اس نے اسی کتاب کو جسے باب لاثانی کہتا تھا محض نکمی اور بیہودہ اور منسوخ قرار دیا اور یہ اعلان کیا کہ ساری بیان اس کے اپنے کلام اور اپنی تحریر مثل کتاب الاقدس وغیرہ کے ایک جملہ کے برابر بھی وقعت نہیں رکھتی بحر العرفان بابی مذہب کی ایک کتاب ہے اس میں علی محمد کے دعویٰ اور دلایل کو بسط سے ذکر کیا گیا ہے بعض ان میں سے قابل تذکرہ ہیں نہ اس لیے کہ ان سے کچھ واقعی شہادت ملتی ہے بلکہ محض عجوبہ کے طور پر لکھے جاتے ہیں۔ قرآن شریف کی مندرجہ ذیل آیات سے علی محمد کی آمد کا اشارہ نکالا گیا ہے۔ یسئل ایان یوم القیامۃ۔ فاذا برق البصر۔ وخسف القمر۔ وجمع الشمس والقمر۔ یعنی انسان پوچھتا ہے کہ قیامت کا دن کب ہوگا۔ جب آنکھیں چندھیا جائیں گی اور چاند گرہن واقع ہوگا اور سورج اور چاند (روشنی نہ دینے میں) جمع ہو جائیں گے۔ یہ دعویٰ کیا گیا ہے۔ کہ یوم القیامۃ سے مراد علی محمد کا ظہور ہے۔ اگرچہ وہی مصنف اسی کتاب کے دوسرے مقام پر یوم القیامۃ سے مراد بہاء اللہ کا ظہور قرار دیتا ہے۔ لیکن ہم اس تھوڑے سے تضاد کی پروا نہیں کرتے۔ بحر العرفان کا فاضل مصنف دعویٰ سے کہتا ہے کہ علی محمد کا نام کھلے طور سے ان آیات مبارکہ میں ذکر کیا گیا ہے اور تشریح اس کی یوں کی گئی ہے کہ خسف قمر سے مراد اسلامی شریعت کا منسوخ ہونا ہے اور جمع شمس و قمر علی محمد کے نام کے قائم مقام ہے اس طرح پر کہ شمس سے مراد محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں اور قمر سے مراد علی ہے۔ اور ان دونوں

کے جمع ہونیسے مراد ایسا آدمی ہے جس کا نام محمد اور علی الفاظ سے مرکب ہوگا۔ اور وہ اپنے ساتھ ایک نئی شریعت لائیگا اس ترجمہ کے لحاظ سے یہ نہیں سمجھ لینا چاہیئے کہ خسف قمر سے مراد خسف علی ہے کیونکہ اس فقرہ میں جو قمر کا لفظ استعمال کیا گیا ہے اس سے مراد اسلامی شریعت لی گئی ہے۔ گویا بابی تاویلوں کے مطابق ہمیں الفاظ کے معانی کی تتبع نہیں کرنی چاہیئے بلکہ انکے معانی کو اپنے خیال کے ماتحت کر لینا چاہیئے۔ بحر العرفان کے نازک خیال مصنف نے مذکورہ بالا محولا آیات کے بعد مندرجہ ذیل آیات کو لکھ کر علی محمد کی آمد کا ایک اور ثبوت پیش کیا ہے یقول الانسان یومئذ این المفر۔ کلا لا وزر۔ الی ربک یومئذ المستقر۔ یعنی اس دن انسان کہیگا۔ بھاگنے کیلیے کہاں جگہ ہے۔ ہرگز نہیں کوئی جائے پناہ نہیں تیرے رب کے حضور ہی اس دن جائے پناہ ملیگی۔ (سورۃ القیامۃ) محولا بالا آیت کے لفظ رب سے مراد علی محمد سے لی گئی ہے۔ اور یہ اس طرح سے ثابت کیا گیا ہے۔ کہ عربی لفظ رب کی عدد جمل کے لحاظ سے دو سو دو عدد ہوتے ہیں۔ اور عدد جمل کے حساب سے علی محمد کے عدد بھی ۲۰۲ ہوتے ہیں جس سے صاف منطقی نتیجہ نکل آتا ہے کہ رب سے مراد علی محمد ہے ایک بابی کے لیے اس سے بڑھ کر اور کیا پکی دلیل ہو سکتی ہے۔ کیونکہ یہ عدد جمل کے حساب سے ثابت کر دیا گیا ہے۔

مصنف بحر العرفان جمع شمس و قمر اور رب سے مراد علی محمد لینے میں بہت ہی اصرار کرتا ہے۔ اب ایک جگہ تو شمس سے مراد محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہیں اور قمر سے مراد علی۔ پر دوسری آیت میں قمر سے مراد اسلامی شریعت ہے اور یہ دونوں آیات باہم پیوستہ ہیں اور سیاق سباق ہرگز اجازت نہیں دیتا کہ ہر دو کے معنے الگ الگ کیے جاویں۔ ایسے ایسے دلایل اور حجج صرف ان آیات سے ہی اخذ نہیں کیے گئے جن میں کہ قیامت کا ذکر ہے بلکہ بعض اور آیات سے بھی بابی مصنف نے یہی نتیجہ اخذ کیا ہے۔ مثلاً سورہ بنی اسرائیل کی آیات مندرجہ ذیل اقم الصلوٰۃ لدلوک الشمس الی غسق اللیل و قرآن الفجر۔ ان قرآن الفجر کان

مشھودًا ومن الیل فتھجد بہ نافلۃً لک۔ عسیٰ ان یبعثک ربک مقامًا محمودًا
اس کا صاف صاف اور صحیح ترجمہ تو یہ ہے۔ کہ "زوال آفتاب سے لیکر پہلی رات کے اندھیرے
تک یعنی جو اوقات زوال آفتاب سے لیکر غسق اللیل تک آتے ہیں ان اوقات میں نماز
پڑھا کر (یعنی ظہر۔ عصر۔ مغرب اور عشا کے وقتوں کی نمازیں) اور صبح کی نماز میں قرآن
پڑھا کر۔ صبح کے قرآن سننے کیلیے ملائکہ حاضر ہوتے ہیں اور رات کو اُٹھ اُٹھ کر نماز پڑھا کر
یہ تیری زائد ترقی کا موجب ہوگی۔ قریب ہے کہ تیرا رب تجھکو مقام محمود پر پہنچا دیوے" لیکن
بحر العرفان کا بابی مصنف ان آیات سے بھی علی محمد کی آمد نکالتا ہے اور زور سے کہتا ہے
کہ ان آیات میں علی محمد کا بتصریح ذکر موجود ہے۔ اس کے نزدیک پہلی آیت کے یہ معنے
ہیں کہ سنہ ۱۲۶۱ ہجری تک اسلامی شرع کے مطابق نماز پڑھنی چاہیئے۔ اور اس کے بعد اسلامی
شریعت منسوخ ہو جائیگی اور نوع انسان کیلیے ایک نئی شریعت آئیگی اور اس وقت کی
نمازیں اس شریعت کے مطابق ہونگی۔ ولوک الشمس سے مراد حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ سلم
کی وفات مبارک ہے اور غسق اللیل سے مراد اس شریعت کا دنیا سے چلے جانا ہے جو آنحضرت
صلی اللہ علیہ وسلم لائے تھے۔ اور اسلامی شریعت کے منسوخ ہونیکی تاریخ غسق اللیل میں بتائی
گئی ہے۔ مگر یہ تاریخ بابی ترجمہ کی عینک سے ہی معلوم ہو سکتی ہے۔ عدد جمل کے حساب سے
غسق اللیل کے حروف کے عدد ۱۲۳۱ ہوتے ہیں اگر وہ عدد قرآن شریف کے رسم الخط
کے مطابق الیل میں ایک لام لیا جاوے۔ اور اگر بحر العرفان کی تحریر کے مطابق پڑھا جاوے
تو اس کے ۱۲۶۱ عدد ہوتے ہیں۔ لہٰذا غسق اللیل کے معنے ۱۲۶۱ قمری سالوں کا گذرنا ہے
اور اگرچہ ایک طرف اسکی ابتدا رسول اللہ صلعم کی وفات سے قرار دی گئی ہے۔ مگر سنہ کا
شمار کرتے وقت ابتدا ہجرت نبوی سے لی گئی ہے۔ ان تمام بے سروپا تجاویز کی مدد سے
سنہ ۱۲۶۱ ہجری کو وہ سال قرار دیا گیا ہے جس میں اسلامی شریعت کو علی محمد کی شریعت سے
منسوخ مانا گیا ہے۔ مگر علی محمد کا دعویٰ اس سے بھی تین سال بعد ظہور میں آیا۔

درحقیقت قرآن کریم کی کوئی آیت نہیں جس پر بابی کا ہاتھ لگے اور پھر وہ اس آیت سے علی محمد کے ظہور کا نتیجہ نہ نکالے۔ مثلاً ان آیات کو لو جنسے سورۃ الرحمٰن شروع ہوتی ہے۔ الرحمٰن۔ علم القرآن۔ خلق الانسان۔ علمہ البیان۔ اس کا ترجمہ یہ ہے کہ رحمٰن نے قرآن سکھایا۔ اس نے انسان کو پیدا کیا اور اسکو بولنا سکھایا۔ مگر بابی تاویل یہ ہے کہ انسان سے مراد علی محمد اور بیان سے مراد اس کی تصنیف ہے۔ پھر الشمس والقمر بحسبان۔ یعنی سورج اور چاند اپنے وقت پر کام کر رہے ہیں اس کے معنے بابی ترجمہ کے مطابق یہ ہیں کہ علماء اہل اسلام بوجہ علی محمد کے قبول نہ کرنے کے دوزخ میں ڈالے جاویں گے۔ والنجم والشجر یسجدان۔ پودے اور درخت خدا کی فرمانبرداری میں ہیں۔ بابیوں کے نزدیک اس کے یہ معنے ہیں کہ عام لوگ علی محمد کے دعویٰ کو تسلیم کریں گے۔ والسماء رفعھا و وضع المیزان۔ یعنی اس نے آسمان کو بلند کیا اور میزان مقرر کی۔ مگر بابی تاویل کی رو سے اس کے یہ معنے ہیں کہ اسلامی شریعت اٹھ جائے گی اور نئی شریعت اور میزان اس کی جگہ لے لیگی۔

قرآن شریف کی سورتوں کے شروع میں جو مقطعات ہوتے ہیں یہ بھی بابیوں کے نزدیک علی محمد کی طرف ایما کرتے ہیں۔ مثلاً سورۃ الشوریٰ حٰمٓ۔ عٓسٓقٓ سے شروع ہوتی ہے۔ مؤلف بحر العرفان خیال کرتا ہے کہ ان پانچ حروف میں علی محمد کا نام صاف اور صریح طور پر بتلایا گیا ہے۔ حٰمٓ سے مراد محمد اور عین سے مراد علی اور سین سے سید اور قاف سے قایم لی گئی ہے۔ پس ان پانچوں حروف مقدمہ سے مراد یہ ہوئی کہ علی محمد امام منتظر ہے۔ ہم امید کرتے ہیں۔ کہ ناظرین ان مثالوں سے ان دلایل کا اندازہ لگا لیں گے جو علی محمد باب کی صداقتِ دعویٰ میں بطور ثبوت پیش کیے جاتے ہیں۔

شیعوں میں حدیث کا ذخیرہ چونکہ کسی تنقید کے ماتحت نہیں آیا اس لیے اس میں بہت سی روایتیں واہیات اور لغو قصہ کہانیوں سے پُر ہیں ایسے بُرے اور بے تُکے

مجموعہ ہیں۔ بعض الفاظ کو کسی خاص دعویٰ پر چسپاں کر لینا کچھ مشکل امر نہیں۔ چنانچہ علی محمد کے مریدوں نے ایسا کیا ہے۔ مثلاً ان روایات میں سے بعض ایسی بیان کی گئی ہیں جن سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ امام مہدی علیہ السلام فارس میں پیدا ہوگا۔ اور اس کا نام محمد اور علی سے مرکب ہوگا وہ نئی شریعت لائیگا اور دعویٰ مہدویت کرنیکے بعد سات سال تک زندہ رہیگا۔ اب ان چند باتوں کو تو علی محمد کے دعویٰ کے ثبوت میں پیش کیا جاتا ہے مگر اسی ذخیرہ میں ہزارہا اور بھی ایسے نشانات ہیں جو علی محمد کے دعویٰ کے عین متضاد ہیں۔ انکا ذکر تک بھی نہیں کیا جاتا۔ بہرحال ان احادیث سے باب کے دعویٰ کا کوئی ثبوت نہیں ملتا۔

مگر بابی مذہب میں بہاء اللہ کے دعاوی زیادہ تر شہرت رکھتے ہیں اور بابی مذہب کی دلچسپی کا زیادہ تر انحصار انہی دعاوی پر ہے۔ یہاں بھی ثبوت برائے نام ہے اور اسی قسم کا ہے جیسا باب کے دعاوی کے متعلق پیش کیا گیا ہے۔ بالخصوص بائبل کی پیشگوئیوں کے مطابق وقت کے شمار پر زیادہ زور دیا گیا ہے دانیال کے بارھویں باب میں اس قسم کی بعض پیشگوئیاں ہیں۔ مثلاً گیارھویں آیت میں جو ۱۲۹۰ دن کا ذکر کیا گیا ہے اس سے توڑ مروڑ کر یہ مراد بابیوں نے لی ہے کہ اس سے مذہب اسلام کی ابتدا سے لیکر ۱۲۹۰ قمری سال مراد ہیں اور پھر یہ کوشش کی ہے کہ کسی نہ کسی طرح وقت شمار ایسا کیا جاوے جو بہاء اللہ کے دعویٰ کے وقت کے ساتھ منطبق ہو اس میں شک نہیں کہ بائبل کا شمار بحساب قمری سالوں کے ہے جب ۱۲۹۰ قمری سالوں کو شمسی سالوں میں تبدیل کیا جاوے اور پھر اس میں ۶۲۲ سال اور بڑھا دیئے جاویں یعنی ان سالوں کو شامل کیا جاوے جو مسیح سے لیکر ہجرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تک کا زمانہ ہے۔ تو عیسوی سنہ ۱۸۷۳ ہوتا ہے لیکن بہاء اللہ نے ۱۸۶۳ء میں دعویٰ کیا اور یہ دس سال کا فرق ہے اس نقص کو اس طرح پر دور کرنیکی کوشش کی گئی ہے کہ مذہب اسلام کی ابتدا ارسنہ ہجری سے دس سال پیشتر لی گئی ہے اور اس طرح پر پیشگوئی کے سال کو بہاء اللہ کے دعویٰ کے سال کے ساتھ منطبق کیا گیا

ہے مگر واقعی بات یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا مکہ سے مدینہ میں ہجرت فرمانا آپکے دعویٰ رسالت سے تیرہ سال بعد واقع ہوا ہے۔ بموجب اس شمار کے ہم ۱۸۶۰ء تک پہنچتے ہیں اور اس طرح پر اس شمار کا سارا تار و پود بگڑ جاتا ہے۔ اصل بات یہ ہے کہ یہ پیشگوئیاں آخری موعود کے ظہور کے وقت کا صرف اندازہ ظاہر کرتی ہیں اور انکو ٹھیک طور پر سالوں اور مہینوں پر منطبق کرنا عبث کوشش ہے۔

مکاشفات کا بارھواں باب بھی انہی نتائج کی تائید میں پیش کیا گیا ہے جو دانیال کے بارھویں باب سے اخذ کیے گئے ہیں۔ دراصل یہ تمام تشریحات بہاء اللہ نے نہیں کیں بلکہ اس کے مریدوں نے کی ہیں پیران نمی پرند۔ مریدان می پرانند۔ اور مدعی سست گواہ چست کا معاملہ ہے۔ وہ عورت جس کا ذکر بارھویں باب کی پہلی آیت میں ہے۔ اسکو ایسا ظاہر کیا گیا ہے کہ گویا اس کا لباس شمسی ہے اور قمر اس کے پاؤں تلے ہے اور اسکے سر پر بارہ ستاروں کا تاج ہے۔ بابی اس کی تاویل یہ کرتے ہیں کہ اس سے مراد مذہب اسلام ہے اور شمس اور قمر سے مراد دو عظیم الشان اسلامی سلطنتیں ہیں یعنی ایران اور روم کیونکہ سورج فارس کا نشان ہے اور چاند (ہلال) ٹرکی یعنی سلطان روم کا نشان ہے اور بارہ ستاروں سے مراد بارہ امام لیے گئے ہیں جن کو فرقہ شیعہ تسلیم کرتا ہے۔ شاید اسی طرح اژدہا اور اس کے سروں اور سینگوں کی بھی کچھ تاویل کی جاسکتی تھی۔ لیکن ایسی کوئی کوشش نہیں کی گئی۔ پھر چھٹی آیت کے ۱۲۶۰ دنوں کو لیکر شمسی سالوں میں تبدیل کیا گیا ہے اور اس طرح وقت کو ۱۸۴۴ء عیسوی کے مطابق کیا گیا ہے۔ مگر ۱۲۶۰ قمری سالوں کا ابتدا اس جگہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ہجرت کے سال کو قرار دیا گیا ہے۔ حالانکہ اس سے پہلی پیشگوئی میں جب ۱۲۹۰ سالوں کا شمار کیا گیا تھا تو ابتدا آنحضرت صلعم کے دعویٰ سے لیگئی تھی۔ چونکہ غرض صرف پیشگوئیوں کو ان دعاوی پر چسپاں کرنا ہے اس لیے جس طرح جہاں چسپاں ہوسکے اسی طرح کر لی جاتی ہے اور کسی قاعدہ کی پابندی ضروری خیال نہیں کی جاتی۔ اسی طرح چودھویں آیت میں "ایک وقت۔ اوقات اور آدھا وقت"

سے بھی مراد چھٹی آیت کے ۱۲۶۰ سال لیے گئے ہیں وہی عبارت دانیال کے بارھویں باب کی ساتویں آیت میں ہے۔ ان الفاظ کی تشریح یوں کی گئی ہے کہ ہر ایک انیس سال کے بعد چاند اپنا ایک دَور پورا کرتا ہے۔ انیس سال کا مربع ۳۶۱ ہوتا ہے لیکن ہر ایک قرن چونکہ ۱۹ سال سے کچھ کم کا ہوتا ہے اس لیے ایک سال الگ کر دیا گیا ہے اور اس طرح تین سو ساٹھ سال کا قرن بنجاتا ہے۔ بائبل کی زبان میں اسے "ایک وقت" سے تعبیر کیا گیا ہے۔ اور "اوقات" سے مراد دو ایسے وقت یعنی ۷۲۰ سال ہیں۔ اور نصف وقت برابر ہے ایک سو اسّی سال کے۔ اس طرح ہر سہ کو جمع کرنیسے ۱۲۶۰ سال ہوتے ہیں۔ یہ ۱۲۶۰ سال باب کے ظہور کا وقت بتانیکے لیے خیال کیے گئے ہیں۔ جو بہاء اللہ کا ایک پیش خیمہ تھا۔ اور ۱۲۹۰ دن یا سال مطابق دانیال باب ۱۲۔ آیت ۱۱ گویا خود بہاء اللہ کے ظہور کو بتاتے ہیں۔ اس شمار کے مطابق چاہیئے تھا کہ بہاء اللہ باب سے تیس سال بعد اپنا دعویٰ شایع کرتا۔ لیکن درحقیقت ہر دو کے درمیان صرف انیس سال کا فرق تھا۔ پس بابیوں کی یہ ساری محنت جو پیشگوئیوں کے سالوں کو باب اور بہاء اللہ کے دعاوی کے سالوں کے ساتھ منطبق کرنیکے لیے تھی رائگان گئی۔

بائبل کی پیشگوئیوں کی یہ تشریح جو بابی کرتے ہیں عیسائی صاحبان کی تشریح سے بہت ملتی جلتی ہے۔ اور صاف معلوم ہوتا ہے کہ یہ بہاء اللہ کی بتائی ہوئی تشریحات نہیں بلکہ کسی اس کے مرید امریکن عیسائی کا کام ہے۔ یہ ایک واقعی امر ہے۔ کہ تمام عیسائی دنیا سمجھتی ہے کہ یسوع مسیح کی آمد ثانی کے تمام نشانات وقوع میں آچکے ہیں۔ اور اسکی آمد کا ٹھیک وقت شمار کرنیکے لیے بہت سی کوششیں کی گئی ہیں۔ ایک مترجم نے ۱۸۶۸ء کو اس کی آمد کا سال قرار دیا تھا۔ جب وہ تاریخ گذر گئی اور کوئی آنیوالا نہ آیا تو ایک کتاب میں جو کہ بائبل کی پیشگوئیوں کی تاویل کے متعلق تھی یہ ظاہر کیا گیا کہ پیشگوئیوں کے مطابق مسیح کی آمد ثانی ۱۸۷۳ء میں ہوگی پھر جب وہ وقت بھی گذر گیا تو ایک تیسری کتاب میں جو چاند کے دَوروں کی بنا پر لکھی گئی تھی یہ اعلان کیا گیا کہ مسیح کی آمد ۱۸۹۸ء سے پیچھے نہیں پڑیگی۔ ضرور اس سال واقع ہو جاویگی۔

اور یہ ہرگز نہ ہوگا کہ ۱۸۹۵ء گذر جاوے اور آنیوالا مسیح نہ آوے۔ یہ انہی مصنفوں کی محنتوں کا ثمرہ ہے جس کو اب ایک بابی امریکن مصنفہ اپنی محنت کے نتایج ظاہر کرکے بہاء اللہ پر چسپاں کر رہی ہے اور ان دلایل کو بہاء اللہ کے مشن کی صداقت کا ثبوت قرار دیتی ہے۔ انہی تشریحات میں جو عیسائی مصنفین کر چکے تھے تھوڑے تھوڑے تغیر جو انکو بہاء اللہ کے دعاوی پر چسپاں کرنے کے لیے ضروری سمجھے کرکے اب یہ کہا جاتا ہے کہ یہ بہاء اللہ کے دعاوی کا ثبوت ہیں مگر سوال ابھی تک ویسے کا ویسا ہے آیا بہاء اللہ نے خود بھی اپنی صداقت کا کوئی ثبوت دیا ہے یا نہیں؟ افسوس سے ہمیں کہنا پڑتا ہے کہ ایسا کوئی ثبوت نہیں دیا گیا۔ اس میں شک نہیں کہ وہ بعض موقعوں پر دعویٰ کرتا ہے کہ مَیں نشانوں کے ساتھ بھیجا گیا ہوں اور ایک جگہ پر کہتا ہے۔ کہ وہ خدا جو حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کوہ سینا پر ہمکلام ہوا تھا مجھ پر بڑے بڑے نشانوں کے ساتھ ظاہر ہوا ہے جن کے مقابلہ میں وہ تمام جو آسمانوں اور زمین میں ہیں بالکل کمزور اور ہیچ ہیں۔ (کتاب الاقدس صفحہ ۱۰۱) لیکن وہ نشانات اسی قسم کے ہونگے جیسا کہ مذکورہ بالا دلایل اور ثبوت ہیں۔ کیونکہ ہمیں اس کی کتابوں سے اسکے کسی نشان کا پتہ نہیں ملتا۔ اس میں شک نہیں کہ وہ بار بار گذشتہ انبیاء علیہم السلام کی طرح اپنے اعداء کیلیے انذار اور اپنے احباب کے لیے تبشیر کرتا ہے اور کہتا ہے کہ میرے اعداء ذلیل اور خوار ہونگے اور دربدر ہونگے اور میرے احباب خوش و خرم اور کامیاب ہونگے مگر یہ تمام کہنے کی باتیں تھیں جو کبھی پوری نہیں ہوئیں اور انکا پورا نہ ہونا ہی مذہب بابی کے بطلان کیلیے کافی ہے۔ یہ سچ ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی اپنے اعداء کیلیے کہا اور اپنے دوستوں کے لیے بشارتیں دی ہیں مگر ایسی اخبار آپ کی حیات میں ہی کامل طور سے وقوع میں آچکی ہیں ایسی کہ دنیا کو گنجایش نہیں کہ انکا انکار کر سکے۔ آپ کی آنکھوں کے سامنے آپکے تمام دشمن جو جزیرۂ عرب میں تھے ہلاک کر دیے گئے بلکہ تمام جزیرہ توحید کے ڈنکے سے گونج اُٹھا یہانتک کہ آپنے خود ارشاد فرمایا کہ ایس الشیطان ان یعبد فی العرب۔ مگر باب اور بہاء اللہ

کی تمام امیدیں خاک میں مل گئیں اور پوری نہیں ہوئیں۔ اس سوال پر کہ نبی کا کیا مشن ہوتا ہے غور کرنے سے یہ بات بالکل صاف ہو جاتی ہے۔ ہر ایک نبی کی رسالت کی غرض مختصر طور سے اس طرح پر بیان کیجا سکتی ہے۔ کہ اس کا یہ دعویٰ ہوتا ہے۔ کہ وہ ایک ایسے راہ کی طرف رہنمائی کرتا ہے جس پر چلنے والے ابدی خوشی حاصل کر سکیں گے۔ اور جس سے مُنہ موڑنیوالے ہمیشہ کیلیے نجات سے محروم رہ جائیں گے اور اپنے لیے دُکھ کی زندگی کو خرید لیں گے۔ اب یہ دعاوی ایسے ہیں جن میں کاذب بھی صادقوں کے ساتھ شریک ہو سکتے ہیں۔ لہٰذا طالب حق کو پہلے بڑی ضرورت یہ محسوس ہوتی ہے کہ کوئی صاف معیار ہونا چاہیئے جس سے صادق مدعی کاذب سے بالکل ممتاز ہو جاویں۔ قرآن شریف اس امتیاز کیلیے یہ معیار قرار دیتا ہے۔ کہ خدا کے صادق بندے جو اس کے فرستادہ پر ایمان لاکر اس کی اتباع کامل طور پر بجا لاتے ہیں وہ انکو وعدہ دیتا ہے کہ وہ اسی دنیا کی زندگی میں اپنے اعدا پر کامیاب ہو جائیں گے اور انکو رد کرنیوالے اور مخالف انکے سامنے ذلیل وخوار ہو جائیں گے اور یہ تبشیر اور انذار کے وعدے قبل از وقت کیے جاتے ہیں۔ ایسی حالت میں کسی عاقل کی عقل فتویٰ نہیں لگا سکتی کہ یہ کبھی پورے بھی ہو جائیں گے کیونکہ اسوقت وہ بے بس اور بیکس ہوتے ہیں۔ نہ انکے پاس لشکر ہوتا ہے نہ دولت۔ وہ خود نہیں بولتے۔ بلکہ وہ بولتا ہے جسکے قبضۂ قدرت میں تمام اشیا ہیں۔ اور چونکہ خدا اپنے وعدوں میں بڑا سچا ہے اس لیے اسکی کہی ہوئی باتیں پوری ہو کر ہی رہتی ہیں کوئی نہیں کہ انکو ٹلا سکے۔ اور اس طرح پر وہ دونوں جماعتوں کے لیے یعنی احباب اور اعدا کیلیے ایک عظیم الشان معجزہ بنجاتی ہیں ایسا معجزہ کہ اسکا ثانی بمشکل دنیا میں نظر آسکتا ہے۔ اور یہ خدا کی باتیں جو وہ اپنے بندوں پر نازل کرتا ہے انکی زندگی میں ضرور پوری ہو جاتی ہیں اور اپنا ثمرہ اس جہان میں ہی دکھا دیتی ہیں دشمن ہلاک کر دیئے جاتے ہیں اور دوست کامیاب ہوتے ہیں۔ یہ ہے معیار جس سے صادق نبی کاذب مدعی سے ممتاز کیا جاتا ہے دونوں اپنے دوستوں کو تبشیر کرتے اور اعدا کو

ہلاکت کے وعید سناتے ہیں مگر باتیں پوری اسی کی ہوتی ہیں جس سے خدا ہمکلام ہوتا ہے۔ اور اسطرح پر خدا اپنے فعل سے اسکو سچا قرار دیتا ہے۔ وکفیٰ باللہ شھیدًا۔ اور وہ جو اپنی ہی طرف سے کہتا ہے اور اپنے منہ کی باتیں خدا کی طرف منسوب کرتا ہے ناکام اور خائب وخاسر رہتا ہے اور اسکی باتیں بالکل پوری نہیں ہوتیں۔ اور اسطرح پر خدا کی فعلی شہادت اسکے کاذب ہونے پر مُہر لگا دیتی ہے۔

اگر بہار اللہ کو اس معیار اور کسوٹی پر پرکھا جاوے تو عین معلوم ہو جاتا ہے کہ وہ اپنے دعویٰ میں صادق نہ تھا۔ وہ اپنے مذہب کو صادقوں کے لیے برکت اور بدی کرنیوالوں کے لیے ہلاکت اور بربادی۔ اور ماننے والوں کے لیے رحم اور مخالفین کے لیے لعنت اور عذاب قرار دیتا ہے۔ بار بار اسنے اپنے مخالفین کے لیے بد دعائیں کی ہیں اور اپنے دوستوں کے لیے برکات مانگی ہیں مگر اس کی تمام دعائیں وما دعاء الکافرین الا فی ضلال کا مصداق ہوئیں۔ اور کوئی نتیجہ انسے پیدا نہیں ہوا۔ اس نے اپنے مخالفین پر بیشمار لعنتیں کی ہیں مگر اسکی لعنتوں نے اسکے مخالفین پر ذرا بھر بھی اثر نہیں دکھایا اور اسطرح سے دنیا پر ظاہر کر دیا ہے کہ جو وہ بولا تھا وہ خدا کی طرف سے نہ تھا بلکہ خود ہی اسکا اپنا کلام تھا۔ جو اس نے اپنے ہی منہ سے نکالا تھا وہ کتاب الاقدس اور اپنی دوسری کتابوں میں دوستونکو بار بار یقین دلاتا ہے کہ اس کے اعدار جلدی ذلیل وخوار ہو جائیں گے۔ وہ کہتا ہے کہ "خوب یاد رکھو کہ میرے دشمن ذلیل کیے جاویں گے مبارک ہیں وہ جو مجھے قبول کرتے ہیں۔ اور وے ہے ہر ایک منکر کے لیے۔ ہلاکت ہے انکے لیے جنہوں نے مجھے ترک کیا ہے۔ ہلاکت ہے انکے لیے جو مُنہ پھیرتے ہیں۔ خدا انپر لعنت کرے خدا انسے جنگ کرے۔ ہلاکت ہے انکے لیے جو ان ایام اور انکے ثمرات سے غافل ہیں۔ وہ بہت جلدی چلائیں گے اور اپنے کیے پر افسوس کرینگے۔ اور انہیں کوئی ایسی روح نہ ملے گی جو انہیں تسلّی دے سکے خوشی صادقونکا حصّہ ہے جو صداقت کے ساتھ فاتح بنے ہیں۔ خوشی انکا حصہ ہے جو عالم ہیں کیونکہ انہوں نے

سچائی کا راہ معلوم کر لیا ہے۔ خوشی انکا حصہ ہے جنہوں نے خورسندگی کو حاصل کر لیا ہے۔ مبارک ہیں وہ عورتیں جو عقیم اور بانجھ ہیں (کیونکہ وہ ایسی اولاد نہیں جنیں گی جو بہار اللہ سے منکر ہو)۔ اور ویل ہے ان عورتوں کے لیے جو بچوں کو دودھ پلاتی ہیں۔ (کیونکہ انکے بچے بوجہ نہ ماننے بہار اللہ کے ہلاکت اور بُرے دنوں کو دیکھیں گے "۔

قرآنی الفاظ کی عجیب تاویلیں جو اس کے مریدوں کے نزدیک بہار اللہ کی صداقت کو ثابت کرتی ہیں اسکے دعاوی پر غور کرتے ہوئے ہم پہلے بیان کر آئے ہیں۔ صرف انہی رکیک تاویلوں پر بابی مذہب کا انحصار ہے۔ البتہ ایک امر قابل ذکر ہے۔ بابی مذہب کی سچائی کی بڑی حجت یہ خیال کی گئی ہے کہ اس کے پیرووں نے اپنے سخت معاند دشمنوں کے مقابلہ میں بڑا استقلال اور استقامت دکھلائی ہے۔ لیکن کسی عقیدہ کی پیروی میں خالی دُکھ اُٹھانا اس عقیدہ کی صداقت پر قطعی شہادت نہیں ہو سکتی۔ قوم یہود کو دیکھو۔ کہ انہوں نے عیسائیوں کے ظلموں کے مقابلہ میں اپنے مذہب پر قایم رہنے میں کیسے صبر اور استقامت سے کام لیا ہے لیکن اس سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ قوم یہود کے مذہبی معتقدات سچے ہیں اور تمام دنیا کو وہ قبول کر لینے چاہیئے۔ رومن کیتھولک نے پروٹسٹنٹ فرقہ کو ایسے ایسے عذاب میں ڈالا تھا اور انکو جلا دیا تھا اور ایسا ہی رومن کیتھولک اپنی باری میں پروٹسٹنٹوں کے ہاتھ سے سخت ستائے گئے تھے پس یہ واقعات صاف طور سے ثابت کر رہے ہیں کہ کسی مذہب پر کسی کا جمے رہنا اس مذہب کی کلیہ صداقت کی دلیل نہیں ہو سکتی اور نہ ہی ہونی چاہیئے۔ استقامت بیشک اصول کی سچائی کی دلیل بن سکتی ہے۔ لیکن یہ صرف خاص حالات کے ماتحت ہو سکتا ہے بابیوں کا معاملہ اس کے برعکس ہے کیونکہ وہ صرف مُعَاقَب ہی نہ تھے بلکہ معاقب بھی تھے ان ہی پر صرف ظلم نہیں کیا جاتا تھا بلکہ وہ خود اپنے مخالفوں پر ظلم کیا کرتے تھے۔ بابی اس خیال سے لوگوں سے لڑائی کیا کرتے تھے۔ کہ باب چونکہ مہدی معہود ہے اور امام منتظر ہے اس لیے وہ جلد ہی اپنے

دشمنوں کو مغلوب کر لیں گے اور ممالک کے فاتح بن جائیں گے لیکن وہ خود مغلوب ہو گئے اور انکو اپنی کرتوتوں کے بد نتایج بھگتنے پڑے۔ اسلیے بابی خود ان ظلموں کے جو اُن پر کیے گئے جواب دہ ہیں اور قابل ملامت ہیں۔ جب ایکدفعہ انکے باغیانہ ارادے فاش ہو گئے تو بغاوت کا شک جو انکی نسبت گورنمنٹ کو پڑ گیا تھا بمشکل دُور ہو سکتا تھا اور انکی طرف سے بہت کچھ سعیوں اور کوششوں کی ضرورت تھی جن کے ذریعہ سے وہ اپنے حاکموں کو یقین دلاویں کہ وہ سلطنت کے مخالف کوئی بدارادے نہیں رکھتے تھے۔ انکی عقوبات اور تکلیفات کا باعث اسقدر مذہبی مخالفت نہ تھی جسقدر ملکی مصلحت تھی۔ اور اسی وجہ سے یہ تکالیف اور ایذائیں بابی مذہب کے اصول کی صداقت کا ثبوت نہیں بن سکتیں۔

بہاء اللہ کے مشن کے دلایل پر بحث کرتے ہوئے ہمیں بحر العرفان کو نظر انداز نہیں کر دینا چاہیئے۔ کیونکہ وہ ایک بہت ہی ضروری بابی مذہب کی کتاب ہے۔ جس میں باب اور بہاء اللہ کے دعاوی کے دلایل بیان کیے گئے ہیں۔ باب کے دعاوی کے ثبوت میں جو کچھ بحر العرفان میں لکھا گیا ہے ہم اسپر پہلے ہی غور کر آئے ہیں اس لیے ہم اب بہاء اللہ کے دعاوی پر جو دلایل پیش کیے گئے ہیں انپر غور کریں گے۔ سب سے پہلے یہ عجیب بات ہے کہ بائبل کا بکثرت حوالہ دیا گیا ہے اور اس سے بہاء اللہ کی آمد کی پیشگوئیاں نکالی گئی ہیں۔ ان میں سے چند ایک ہم ناظرین کے لیے نقل کرتے ہیں اور ہم امید کرتے ہیں کہ پڑھنے والا انکو پڑھ کر اس بات کا خواہشمند نہ ہو گا کہ وہ باقی حوالوں کو ملاحظہ کرے کیونکہ وہ محولہ حوالوں سے بیہودگی میں بڑھے ہوئے ہیں۔ پہلا حوالہ حبقوق نبی کی کتاب کا دیا گیا ہے۔ "خدا تیمان سے اور وہ جو قدوس ہے کوہ فاران سے آیا سلاہ اسکی شوکت سے آسمان چھپ گیا اور زمین اس کی حمد سے معمور ہوئی" دانیال باب دوم آیت دوم میں بھی بہاء اللہ کی آمد کی پیشگوئی قرار دی گئی ہے۔ "اگر آخری ایام میں ایسا واقع ہوگا کہ خداوند کے گھر کا پہاڑ پہاڑوں کی چوٹی پر مستحکم ہو جاویگا اور تمام پہاڑیوں پر فخر کریگا اور تمام

اقوام اس کی طرف رُخ کریں گی"۔

ایسا ہی اور بہت سے حوالے اسی قسم کے دیئے گئے ہیں ہمارے خیال میں ہے کہ ان پیشگوئیوں کو بہاء اللہ پر چسپاں کرنا کسی عیسائی ہی کا کام ہے کیونکہ وہ بائبل کی عبارات کو مسیح پر لگانے میں اسی طریق سے کام لیا کرتے ہیں عہد نامہ جدید میں صرف ایک ہی ایسی پیشگوئی ہے جو بہاء اللہ پر لگائی گئی ہے اور وہ مکاشفات باب ۲۲۔ آیت ۱۲ و ۱۳ میں ہے اور اس کے یہ الفاظ ہیں "اور دیکھ میں جلد آتا ہوں اور میرا اجر میرے ساتھ ہے تاکہ ہر ایک کو اسکے کام کے موافق بدلا دوں۔ میں الف اور ایمیگا۔ ابتدا اور انتہا اول و آخر ہوں"

اسلامی مذہبی کتب کی بھی بہت سی عبارتیں بہاء اللہ پر چسپاں کی گئی ہیں۔ اور بہاء اللہ اور اس کے مریدوں نے ایسے طرز سے انکا ترجمہ کیا ہے کہ وہ طرز اختیار کرنے سے ہر ایک چیز بہاء اللہ کی آمد کی پیشگوئی بنجاتی ہے۔ ہم پہلے بیان کر آئے ہیں کہ قرآن شریف کی تمام آیات جو قیامت سے متعلق ہیں وہ بابیوں کے نزدیک تمام کی تمام یا تو بہاء اللہ کی آمد کے متعلق ہیں یا باب کے آنیکو ظاہر کرتی ہیں۔ خود رب کے لفظ سے مراد بعض وقت بہاء اللہ لیا گیا ہے اور بعض وقت باب۔ ان تمام حوالوں کے علاوہ سورۃ بنی اسرائیل کی پہلی آیت کو بہاء اللہ کی آمد کی صاف پیشگوئی قرار دیا گیا ہے اور وہ یہ ہے سبحان الذی اسری بعبدہ لیلاً من المسجد الحرام الی المسجد الاقصی الذی بارکنا حولہ لنریہ من ایاتنا۔ جس کا ترجمہ یہ ہے کہ پاک ذات ہے وہ اللہ جو اپنے بندہ کو بوقت شب مسجد الحرام سے مسجد الاقصیٰ کی طرف لے گیا جس کے آس پاس کو ہم نے برکت سے معمور کیا ہے تاکہ ہم اسکو اپنے بڑے بڑے نشان دکھلا دیں۔ ناظرین تعجب سے سوال کریں گے کہ اس آیت کو بہاء اللہ کی آمد کی پیشگوئی سے کیا تعلق۔ بابی مصنف اس کا ترجمہ یوں کرتا ہے۔ آیت میں مسجد الاقصیٰ کا ذکر ہے جس سے مراد ہم کا بیت المقدس ہے۔ اور اس آیت میں یہ بھی ذکر ہے کہ بیت المقدس کے قرب و جوار بھی مبارک ہیں۔ مؤلف بحر العرفان کے

نزدیک مسجد الاقصیٰ کی گرد و نواح مراد نہیں ہیں بلکہ اس سے مراد یروشلم کے شہر کا قرب وجوار ہے جس میں بیت المقدس ہے اور تب ایک عجیب طور سے عکّا کو جہاں بہاء اللہ قید کیا گیا تھا۔ ما حولہ کا مصداق ٹھہرایا گیا ہے اور اس طرح سے بہاء اللہ کی آمد کی پیشگوئی بنائی گئی ہے۔ اس عجیب تاویل کی تائید میں بعض احادیث بیان کی گئی ہیں جن میں عکّا کی فضیلت کا ذکر ہے۔ ان احادیث کی کوئی سند بیان نہیں کی گئی۔ اور اس لیے ہم انکی صحت پر بحث کرنیکے قابل نہیں ہیں۔ لیکن اتفاقاً کسی حدیث میں عکّا کی تعریف کا پایا جانا بابی مصنف کے واہیات دعاوی کی تصدیق نہیں سمجھی جا سکتی۔ عکّا ایک بڑا قدیمی اور مشہور شہر ہے اور اس کا ذکر بائبل میں بھی آیا ہے۔ جنگہائے صلیبی میں عکّا جنگ کا بڑا مرکز تھا۔ جس کے فتح ہونے پر مسلمانوں نے عیسائیوں کو فلسطین سے نکال دیا تھا۔ اگر کسی صحیح حدیث میں عکّا کا ذکر بھی ہے تو وہ ان واقعات کی خاطر ہے جنہوں نے اسلامی تاریخ میں ایک بڑا بھاری اور ضروری کام کیا ہے۔

قرب قیامت کے علامات جو قرآن شریف میں مذکور ہوئے ہیں وہ تمام پورے ہو چکے ہیں مگر ان تمام علامتوں کی تشریحات ایک ہی طرز پر نہیں کی گئی ہیں۔ قرب ساعۃ کی پہلی علامت دابۃ الارض کا خروج ہے۔ اور مصنف بحر العرفان کہتا ہے کہ علی خلیفہ چہارم کی بابت یہ کہا گیا ہے کہ انہوں نے اپنے تئیں دابۃ الارض کہا ہے۔ خروج یاجوج وماجوج کی کوئی تشریح نہیں کی گئی۔ لیکن یہ کہا گیا ہے کہ اس کے کوئی مخفی معنے ہیں! ایک ستاروں کے ٹوٹنے کا نشان ہے جو کہا جاتا ہے کہ وہ ۱۲۸۳ھ ہجری میں واقع ہو چکا ہے۔ کیونکہ اس سال کے ماہ رجب میں ایک لاکھ سے زیادہ شہاب قریباً ایک گھنٹہ کے عرصہ میں گرتے دیکھے گئے تھے۔ یہ بھی بیان کیا جاتا ہے کہ ژند کے معتقد اس واقعہ کو بہرام کی پیدائش کی علامت قرار دیتے ہیں۔ بعد ازاں یوم القیامۃ سے پہلے زمین کو ایک سخت زلزلہ آنیکی پیشگوئی کو لیا گیا ہے۔ اس کی تاویل یوں کی گئی ہے کہ ارض یعنی

زمین سے مراد قلوب یعنی انسانوں کے دلوں کی زمین ہے جو بہاء اللہ کے آنے سے ہل گئی۔ اور اسطرح پیشگوئی پوری ہوگئی۔ طی السجل سے مراد اسوقت کی آسمانی شریعت یعنی اسلامی شریعت کا منسوخ ہونا بیان کیا گیا ہے۔ نفخ صور سے مراد روحانی مُردوں میں روحانی زندگی کا پھونکنا لیا گیا ہے۔ تسییر الجبال سے یہ مراد ہے کہ بہاء اللہ مذہبی علماء اور ملاؤں کو شکست دیکر منتشر اور تتر بتر کر دیگا۔

اگر ان تمام تاویلوں کو صحیح ہی تسلیم کر لیا جاوے تو انسے اس سے زیادہ ثابت کچھ نہیں ہوتا کہ ایک موعود فرستادہ کی آمد کے تمام نشانات جو آخری زمانہ میں آنیوالا ہے پورے ہو چکے ہیں اور اس لیے یہ زمانہ اُس موعود کے ظہور کا وقت ہے۔ مگر وہ نشانات باب یا بہاء اللہ کو وہ موعود قرار نہیں دیتے۔ باب یا بہاء اللہ کے دعاوی ثابت کرنیکے لیے یہ چاہیئے تھا کہ انکے اپنے نشان دکھلائے جاتے۔ مگر ایسا ثبوت بابی مذہب میں بالکل مفقود ہے اس لیے ایک سچائی کے طالب کو مجبورًا انکے دعاوی رد کرنے پڑتے ہیں۔ بہاء اللہ کا صرف ایک نشان جس کا بعض انگریزی بابی کتابوں میں ذکر کیا گیا ہے یہ ہے کہ اس کی بد دعا سے بعض بادشاہ ہلاک اور برباد ہو گئے تھے۔ جنکو بہاء اللہ نے مکتوب یا الواح بھیجے تھے جن میں انکو اپنی آمد کی خبر دی تھی اس اعلان کے ساتھ کہ "اپنی ابدی محبت کی خاطر جو اسکو اپنی مخلوق کے ساتھ ہے اس نے اپنے قدموں کو عالم غیب سے عالم شہادہ کی طرف موڑا ہے۔ اور اپنے جلال کو اس نے اپنے خاکی جسم میں پوشیدہ کیا ہے۔" بہاء اللہ کی اس شاہی مخلوق میں سے (یہ خطاب ان بادشاہوں کو دیا گیا ہے جن کے نام خطوط بھیجے گئے تھے) بعض نے کہتے ہیں کہ اسکے پیغام کو عزت سے قبول کیا اور وے بچائے گئے۔ لیکن اوروں نے اسکو تحقیر کی نظر سے دیکھا اور ہلاکت کے گڑھے میں ڈالے گئے۔

اب ہمیں کچھ زیادہ لکھنے کی ضرورت نہیں یہ دعاوی بہاء اللہ کے مشن کی صداقت کا ثبوت بننے سے اتنے ہی دُور ہیں جتنی کہ قرآن شریف اور بائبل کے الفاظ کی عجیب تاویلیں جو اوپر بیان

آریہ سماج اور مذہبی کانفرنس

ایک مختصر سا نوٹ کسی گذشتہ اشاعت میں آریہ سماج کی اس بدزبانی کی نسبت لکھا تھا جو مذہبی کانفرنس کے موقع پر آریہ سماج کے لیکچرار کی طرف سے وقوع میں آئی تھی۔ اسپر آریہ پرتی مذہبی سبھا کا معتمد علیہ اخبار آریہ پتر کا اعتراض کرتا ہے کہ ہم نے جو لکھا ہے کہ مذہبی کانفرنس پر آریہ لیکچرار نے انبیاء اللہ علیہم الصلوٰۃ والسلام کی نسبت گندہ دہانی کی ہے اور خدا کے مقدس لوگوں کے متعلق بہت بدزبانی سے کام لیا ہے۔ ان ریمارکس میں ہم نے انصاف سے کام نہیں لیا ہے۔ وہ یکم فروری کی اشاعت میں لکھتا ہے "ہمارے ہمعصر کی طرف سے اپنے قول کو استحکام دینے کیلیے کوئی دلیل پیش نہیں کی گئی ہے اگر وہ مضمون جو ڈاکٹر چرنجیو ابھرڈواجہ۔ ایف۔ آر۔ سی۔ ایس نے مذہبی جلسہ میں پڑھا تھا۔ گندی ریمارکس سے پُر تھا یا اس میں گندے ریمارکس سے کام لیا گیا تھا تو کیوں وہ حوالۃً پیش نہیں کیے گئے تاکہ گورنمنٹ اسکی سقم وصحت کو دیکھ لیتی۔ وہ مضمون خود ایک کتاب کی شکل میں شایع کیا جاویگا۔ تب پبلک کو مضمون کے جانچنے کا کافی موقعہ ملجاویگا۔ کہ کہانتک آریہ سماج کے برخلاف لوگوں کی شکایتیں صحیح ٹھہر سکتی ہیں"۔ اگر وہ مضمون ایک بڑے بھاری مجمع میں پڑھا نہ جاتا جو کہ مختلف مذاہب اور جماعتوں پر مشتمل تھا تو یہ عذر پیش کیا جا سکتا تھا کہ مضمون تو ابھی تک شایع نہیں ہوا اور اس کے متعلق رائے زنی کرنا کہ وہ بہت سخت تھا قبل از وقت ہے۔ لیکن اس ایسے مضمون کے متعلق جو عام پبلک میں سنایا گیا ہے یہ عذر قابل سماعت نہیں ہے اور یہ بالکل بیہودہ بات ہے کہ انکو جنکے مقدس ائمہ کو انکے سامنے گالیاں دیجاویں یہ کہا جاوے کہ وہ اپنے دُکھ اور رنج کا اظہار نہ کریں جب تک کہ وہ مضمون کتاب کی شکل میں شایع نہ ہو جاوے۔ پبلک کو اس بات کا کونسا اطمینان دلایا گیا ہے کہ آریہ پرتی مذہبی سبھا

اسی اصلی مضمون کو شایع کریگی جیسا کہ وہ گذشتہ دسمبر کی چار کی شام کو پڑھا گیا تھا اور وہ اس میں قطع وبرید سے کام نہیں لیگی اور اس تجربہ سے فایدہ نہیں اُٹھائے گی جو انہی چند دنوں میں اس مضمون کے متعلق اسکو حاصل ہو چکا ہے۔ علاوہ ازیں یہ ایک موٹی اور بہت قرین قیاس بات ہے۔ کہ اصل مضمون کے الزامات کو نرم الفاظ میں بیان کیا جاوے کیونکہ اب وہ کتاب کی شکل میں شایع ہونیوالا ہے۔ لیکن اگر اسکا دیانتداری سے اعتراف کر لیا جاوے تو ہمارے نزدیک یہ بات قابل الزام نہیں کہ کیوں پہلی سختی کو چھوڑ کر ایک نرم پیرایہ اختیار کیا گیا۔ ہاں اگر اصلیت پر پردہ ڈالنے اور اسطرح پر پبلک کو دھوکہ دینے کی غرض سے یہ کارروائی آریہ سماج نے کی تو اسطرح سماج دوہرا دُکھ دینے کے الزام کی مرتکب ہوگی۔ خود آریہ سماج کا پریزیڈنٹ بھی اس سے انکار نہیں کر سکتا کہ یہ جوش جو عام طور پر آریہ سماج کے مضمون کے خلاف پیدا ہوا ہے بناوٹی طور پر نہیں پھیلا تھا بلکہ مضمون کا فوری اور قدرتی اثر تھا کیونکہ لیکچر ہال چھوڑنے کے بعد فوراً اس نے اس جوش کے آثار نمایاں دیکھے اور بطور دفع وقتی کے یہ کہکر کہ مجھے اس مضمون کی اصلیت سے اطلاع نہیں تھی اس بات کو ٹالنا چاہا تھا۔ علاوہ ازیں یہ جوش صرف احمدیوں تک ہی محدود نہیں تھا بلکہ دوسرے مسلمانوں اور عیسائیوں نے بھی اس مضمون کے خلاف اخباروں میں تحریریں شایع کیں جس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ آریوں کی اس روش سے صرف ایک فرقہ کو نہیں بلکہ ساری پبلک کو رنج پُہنچا ہے۔

چونکہ آریہ پتر کا اس بات کا انکار کرتا ہے کہ آریہ لیکچرار نے کوئی بیج وہ الفاظ اپنے مضمون میں استعمال کیے ہوں اس لیے میں دو خاص مثالیں بطور حوالہ یہاں پر پیش کرتا ہوں ان میں سے ایک یہ ہے کہ اس نے حضرت مسیحؑ کی پیدائش پر ایک سخت ناگوار حملہ کیا جس کو خواہ کسی طرح پیچ پچک پیش کیا گیا ہو۔ مگر صاف طور پر یہ بتایا گیا تھا کہ نعوذ باللہ گویا ان کی ولادت ناجائز طور سے ہوئی تھی۔ اس اعتراض کرنے میں اس نے آریہ سماج کے بانی کی

اتباع کی ہے۔ اگرچہ وہ الفاظ جو اس نے استعمال کیے تھے لفظ بلفظ ستیارتھ پرکاش سے نقل نہ کیے گئے ہوں مگر تاہم اس کا بیان اس عبارت سے بہت ملتا جلتا تھا اور مضمون دونوں کا واحد تھا۔ ستیارتھ پرکاش میں متی باب اول آیت ۱۸ سے ۲۰ پر سوامی دیانند بانی آریہ سماج نے یوں حاشیہ چڑھایا ہے (اور یہ وہ الفاظ ہیں جن سے آریہ لیکچرار ناواقف نہیں ہو سکتا تھا کیونکہ خود اس نے اس کتاب ستیارتھ پرکاش کا انگریزی میں ترجمہ بھی کیا ہے) ''کوئی تعلیم یافتہ آدمی کبھی بھی ایسی باتوں پر یقین نہیں کر سکتا جو کہ شہادت کی تمام اقسام اور قوانین قدرت کے برخلاف ہوں۔ صرف وحشیانہ حالت کے لوگ ایسی باتوں پر اعتقاد کر سکتے ہیں کیا دنیا میں کوئی ایسا متنفس ہے جو خدا کے قوانین کو توڑ سکے .... اگر یسوع کی پیدائش کی کہانی سچی تصوّر کیجاوے۔ تو ہر ایک غیر منکوحہ لڑکی جو حاملہ ہو جاوے کہہ سکتی ہے کہ وہ روح القدس سے حاملہ ہوئی ہے وہ یہ بھی جھوٹ بول سکتی ہے کہ خداوند کے فرشتہ نے اس کو خواب میں بتلایا ہے۔ کہ جو اس کے رحم میں ہے سو روح القدس سے ہے ..... صرف ایسے لوگ جو عقل نہیں رکھتے اور صرف روپیہ رکھتے ہیں ان باتوں پر اعتقاد کر سکتے ہیں اور آسانی سے توہم پرست بن سکتے ہیں۔ یہ اس طرح سے وقوع میں آیا ہوگا۔ کہ (نعوذ باللہ) مریم کسی سے ہمبستر ہوئی ہوگی اور اس طرح سے حاملہ ہوئی ہوگی''

اب جائے غور ہے کہ ایک صدیقہ کو آریہ سماج نے کیسی تہمت لگائی ہے حالانکہ قریباً نصف دنیا اسکو صدیقہ اور راستباز یقین کرتی ہے۔ یہ سچ ہے کہ اوروں نے بھی اس بات سے انکار کیا ہے کہ مریم روح القدس سے حاملہ ہوئی۔ لیکن آریہ سماج کے حامی طرز بیان ایسا ناپاک اختیار کرتے ہیں جس سے ناحق کا دُکھ دینا مقصود ہوتا ہے۔ اگر صرف ولادت مسیح پر اعتراض کرنا ضروری تھا تو یہ اعتراض ایسے پیرایہ میں کیا جا سکتا تھا کہ بغیر کسی فرد بشر کا دل دُکھانے کے عیسائیوں اور اسلام کے کسی خاص عقیدہ پر

بڑے زور سے حملہ کیا جا سکتا تھا۔ لیکن یہ کہنا کہ ”مریم کسی سے ہمبستر ہوئی ہوگی“ یا یہ ”کہ کوئی غیر منکوحہ لڑکی جو اتفاق سے حاملہ ہو جاوے کہہ سکتی ہے کہ وہ روح القدس سے حاملہ ہے“! گویا یہ مریم پر بالفاظ دیگر زنا کی تہمت لگانا ہے۔ یہ سچ ہے کہ دہریہ لوگ ایسے الفاظ حضرت مریم اور عیسیٰ علیہما السلام کے متعلق استعمال کرتے ہیں لیکن کیا یہ وطیرہ اختیار کرنا ایک مذہبی پیشوا کو مناسب ہے؟

آریہ لیکچرار کی درشت کلامی کی دوسری مثال وہ الفاظ ہیں جو اس نے سید ولد آدم اور تمام راستبازوں کے سردار (فداہ ابی و امی) محمد مصطفےٰ احمد مجتبیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق استعمال کرنے چاہے تھے۔ جب وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بابت بیان کرنے لگا اور آپ کے اخلاق حمیدہ کو بُرے پیرایہ میں لوگوں کے سامنے ظاہر کرنے لگا تو اس نے حاضرین کو یہ بتلایا کہ اس کا ارادہ تھا کہ وہ اس حصہ مضمون کو ایک چھپے ہوئے اخبار سے پڑھے مگر وہ غفلت سے اسے گھر بھول آیا ہے اور اس نے حاضرین کو یہ پتہ دیا کہ وہ ایک مضمون بعنوان ”اسلام اور پالیٹکس“ جو اکتوبر ۱۹۰۷ء کے آریہ مسافر میں شایع ہوا ہے پڑھ لیں۔ اور اس نے یہ کہا کہ اس کا یہ ارادہ تھا کہ وہ اس مضمون میں سے خاص عبارتیں انتخاب کرکے جو بانی اسلام کے اخلاق کا خاکہ کھینچیں پڑھیگا مگر وہ اتفاق سے اسے گھر بھول آیا ہے یہ اس کی بہت خوش قسمتی تھی کہ وہ اس مضمون کو گھر پر چھوڑ آیا تھا۔ ورنہ خوف تھا کہ وہاں فساد ہو جاتا۔ اب آریہ مسافر کا یہ نمبر ہمارے ہاتھوں میں اُس بدزبانی کی بابت جو ۲ دسمبر ۱۹۰۷ء کی شام کو آریہ لیکچرار نے استعمال کی تھی ایک ایسا پکا ثبوت ہے جس کا بدلنا آریہ سماج کی طاقت سے باہر ہے۔ اب جس طرح آریہ چاہیں بھاروواج کے مضمون میں تغیر و تبدل کرلیں لیکن ”آریہ مسافر“ اُس بدزبانی کی قطعی اور محکم شہادت قایم رکھے گا۔ جو آریہ سماج نے تمام انبیاء علیہم السلام کے متعلق کی۔ محولہ بالا مضمون صرف یہی نہیں ظاہر کرتا کہ لیکچرار نے صرف آنحضرت

صلی اللہ علیہ وسلم کی نسبت کیسے ناپاک الفاظ استعمال کیے۔ بلکہ یہ مضمون اس کے اس وطیرہ پر بھی روشنی ڈالتا ہے جو اس نے اور انبیاء اللہ علیہم السلام کے برخلاف اختیار کیا تھا اور ہم بآسانی سمجھ سکتے ہیں کہ اس نے اور انبیاء علیہم السلام کی بابت کیا کہا ہوگا جبکہ ہم دیکھتے ہیں کہ اس نے مسلمانوں کے مُنہ پر بانیٔ اسلام کو گندی سے گندی گالی دینے میں ذرہ بھی تامل نہیں کیا۔

اب ہم "اسلام اور پولیٹکس" کے حوالہ سے ثابت کرتے ہیں کہ مسٹر بھاردواج نے آریہ سماج کے عام واعظین اور مصنفوں سے بڑھکر کوئی اچھا نمونہ لاہور کی کانفرنس میں نہیں دکھایا۔ مضمون لکھنے والا سب سے پہلے یہ بیان کرتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا مقصد محض ملکی اقتدار حاصل کرنا تھا۔ اور کہ مذہبی اصلاحات محض اس مقصد کے حصول کا بہانہ تھیں۔ چنانچہ اس کے اپنے الفاظ یہ ہیں:۔ "الغرض حضرت محمد صاحب نے اس اصول کو ذہن میں رکھ کر سب سے پہلے مذہبی اور مجلسی اصلاح کا کام کرنا چاہا مگر عرب کے اکھڑ وحشی اسوقت تک ان باتوں کو سُننے والے نہیں تھے۔ جب تک کہ کسی طرح انکے دل میں یہ یقین نہ کرا دیا جاتا کہ یہ جو کچھ ان سے کہا جاتا ہے وہ آسمان سے اُترا ہے اور منجانب اللہ ہے لہٰذا اس مطلب کے لیے ایک پہاڑ کے درہ (غار حرا) میں خاص الخاص دوستوں کے ساتھ مشورہ کرتے کرتے بالآخر یہ رائے قائم ہوئی۔ کہ نبوت کا اعلان کیا جاوے۔ سب سے پہلے انکی بیوی خدیجہ ایمان لائی پھر اور کچھ خاص لوگ مگر جیساکہ قاعدہ ہے عرصہ تک کامیابی نہ ہوئی۔ اور تین سال تک آپ بڑے تذبذب اور کشمکش و پیچ کی حالت میں رہے۔ جب رفتہ رفتہ کچھ لوگ مرید ہوگئے تب علانیہ وعظ شروع کیا اور اسوقت بھی مکہ میں ایک سالانہ میلہ حج کا ہوا کرتا تھا۔ اس میں آپ کو اپنے اظہار خیالات کا اچھا موقع ہاتھ آیا۔ باوجود انواع و اقسام کے مصائب و تکالیف اور مخالف اسباب ہونیکے چودہ برس تک آپ نہایت استقلال سے مکہ میں خالص دینی اور مجلسی اصلاح کا

وعظ کرتے رہے جس سے بہت سے ہم خیال پیدا ہو گئے۔ منجملہ انکے مکہ میں تو سب سے زیادہ کارآمد اور قابل اطمینان مددگار آپکے چاروں اصحاب تھے۔ جن سے آگے پیچھے ازدواجی تعلقات بھی قایم کرکے رشتہ اخوت کو محکم کر لیا گیا تھا۔ اور بیرونجات میں مدینہ کے کچھ مرید تھے۔ جو ہر طرح سے دامے درمے مدد کے لیے مستعد تھے۔ مگر یہ خوب یاد رہے کہ چونکہ آپکے وعظ کا دستور از قسم شاستر ارتھ وغیرہ کے علمی طریقہ پر نہ تھا بلکہ بھیانک در د چک یعنی تخویف و تحریص والی خیالی امید و بیم پر مبنی تھا اس لیے اسوقت کوئی عالم فاضل آپ پر ایمان نہ لایا۔ بلکہ زیادہ تر عوام اور ان میں کچھ جنگجو لوگ معتقد ہوئے مثلاً علی۔ عمر اور حمزہ وغیرہ اور یہی لوگ بعد کو آپکے پولیٹیکل کاز میں بہت کارآمد اور مفید ثابت ہوئے"

راقم مضمون نے اپنے اس مضمون میں بہت افترا پردازی سے کام لیا ہے۔ اس نے آنحضرت امام الصادقین کی طرف یہ منسوب کیا ہے کہ گویا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے (نعوذ باللہ) پہلے خود ملکی اقتدار حاصل کرنے کے لیے یہ منصوبہ گھڑا کہ آپ نبی ہیں اور جعلسازی سے نبوت کا دعوے کر دیا اور اپنی سب کارروائی کو آسمانی قرار دیا تاکہ جاہلوں اور عرب اکھڑوں پر بہت اثر پڑ سکے۔ اور یہ تمام کارروائی آپ اور آپکے صحابہ کرامؓ میں مشورہ سے گھڑی گئی تھی اور پہلے ہی سے سوچکر ایسا افترا بنا لیا گیا تھا۔ راقم مضمون نے یہ سب کچھ محض مسلمانوں کے دلوں کو دکھانے کیلیے لکھا ہے۔ یہ مسلمانوں کی بڑی ہتک ہے اگر انکے سردار کو منصوبہ باز اور جعلساز اور مفتری قرار دیا جاوے۔ بھلا یہ تو تھا ہی کہ مسلمانوں کے پیشواؤں کو آریہ سماج اپنی اخباروں میں بہت گالیاں دیتی تھی اور دیتی ہے اور ہمیشہ انکے حق میں گندہ دہانی اور درشت زبانی سے کام لیتی رہتی ہے مگر یہ کتنی بے انصافی اور ظلم کی بات ہے کہ مذہبی جلسہ میں مسلمانوں کو خود درخواست دیگر بلوایا جاوے کہ کل ضرور آنا اور آریوں کا مضمون بھی سننا اور پھر

بلا کسی وجہ کے انکے روبرو انکے مقدس لوگوں اور سرداروں کو گندی گالیاں دیجاویں اور انکے حق میں ایسے کلمات استعمال کیے جاویں جو ایک بھلا مانس آدمی کسی کے حق میں بھی سننا گوارا نہیں کر سکتا۔ اخباریں پڑھ کر تو بھلا مسلمان صبر کر ہی لیتے ہیں مگر ایک مجمع میں جہاں بکثرت آدمی موجود ہوں ایسے کلمات انکے صبر کو بھی توڑ سکتے تھے اور اسطرح ممکن تھا کہ فساد ہو جاتا۔ اور خوش قسمتی سے بھارد واج اس گندہ مضمون کو گھر ہی بھول آیا تھا۔ بھول کیا آیا ہوگا عمداً اس کو نہیں پڑھ سکا کیونکہ اس نے حاضرین کو دیکھ لیا تھا کہ ان میں اب صبر کرنیکی سکت باقی نہیں ہے۔ پڑھنے والیکو اب معلوم ہو جائیگا کہ اسکا مضمون ایسے ہی گندے کلمات سے پُر تھا۔ ہندو صاحبان بھی بخوبی سمجھ سکتے ہیں کہ مسلمانوں کے ساتھ کیسی بے انصافی کا سلوک برتا گیا۔ گویا انکو آریوں نے اپنے گھر پر بُلا کر انکے بزرگوں کو گالیاں دیں۔ اور انکے سامنے انبیاء اللہ علیہم الصلوٰۃ والسلام کی بےعزتی کی اور ناسزا باتیں انکے متعلق کہیں۔ اگرچہ یہ یاد رکھنا چاہیئے کہ وہاں یہ مضمون نہیں پڑھا گیا تھا مگر اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ مضمون کسقدر افترا پردازیوں سے پُر تھا اور کیسی گندہ زبانی سے اس میں کام لیا گیا تھا۔ لیکن "اسلام اور پولیٹکس" میں صرف اسی پر بس نہیں کی گئی ہے بلکہ جوں جوں راقم مضمون نویسی میں ترقی کرتا گیا ہے ایسا ہی وہ اسلام کے مقدسوں کو بُرا کہنے میں کمال کرتا گیا ہے۔ اس نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کرامؓ کو ڈاکوؤں کا ایک گروہ قرار دیا ہے۔ پھر اسی پر اکتفا نہیں کیا گیا بلکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو سیواجی لیٹرے کے ساتھ تشبیہ دی ہے۔ اور اسطرح سے اسلامی مشن کو صرف لوٹنے تک محدود کیا ہے۔ اور یہ کہا ہے کہ اسلام کا مشن صرف لوگوں کو لوٹنا تھا وبس۔ محولہ بالا عبارت کے بعد وہ یہ لکھتا ہے۔ "خیر جب اسقدر سامان ہو گیا۔ اور ادھر مکہ والوں کی مخالفت نے بھی خطرناک صورت اختیار کر لی تو آپ نے مع متعلقین اور مریدوں کے مکہ سے نکلکر مدینہ میں نقل سکونت کر لیا۔ کچھ دن تو یہ لوگ انصار یعنی

مدینہ کے نومسلموں کے یہاں مہمان رہے۔ لیکن ان سب کے بار کے کب تک وہ بچارے متحمل ہو سکتے تھے بالآخر بڑی تنگی ہوئی اور اس کے دفع کرنیکے لیے لوٹ اور غارتگری کو آسمانی حکم قرار دیا گیا۔ بس پھر کیا تھا ہر طرف سے جوق جوق مفلس اور آوارہ گرد جنگی عرب میں کمی نہیں تھی۔ آپ کے جھنڈے کے تلے آنے شروع ہوئے۔ کیونکہ علاوہ اس دنیاوی فایدہ کے یہ بھی یقین دلایا جاتا تھا کہ مسلمان ہوتے ہی سارے پچھلے گناہ معاف ہو جاتے ہیں اور مرنے پر خواہشات نفسانی کے بھوگنے کے لیے مکمل سامان ملتا ہے۔ رفتہ رفتہ اس جتھے کی جمعیت تاخت وتاراج وغیرہ سے مرغوب ہو کر محض دنیاوی اور پولیٹیکل فوایدکے لالچ سے یا جان کے خوف سے کسی طرح سے اکثر جنگجو لوگ اس میں شامل ہوتے گئے۔ اس کے سمجھنے کے لیے ہم اسوقت کے چند مشہور لوگوں کے مسلمان ہونیکی کیفیت بیان کرتے ہیں"

اس کے آگے راقم مضمون لکھتا ہے "المختصر ہم کہانتک طول دیں اس طرح سے رفتہ رفتہ ایک ایسی جمعیت کثیر فراہم ہوگئی جو ہر وقت مرنے مارنے کو تیار رہتی تھی اور حضرت کی ہمراہی میں یا کبھی انکے حکم سے علیحدہ بھی مدینہ کے قریب سے گذرنیوالی تجارتی قافلوں کا لوٹ مار سے وہ ناک میں دم کر رکھا تھا کہ بڑے بڑے قبایل انسے کانپنے لگ گئے تھے کیونکہ ہم اوپر بتا چکے ہیں کہ چھوٹے چھوٹے ٹکڑوں میں تقسیم ہونیکے سبب انہیں یہ قوت نہ تھی کہ انکی متفقہ طاقتوں کا مقابلہ کر سکتے۔ ہم علی الاعلان کہتے ہیں کہ مدینہ پہنچکر حضرت نے کھلم کھلا پولیٹیکل کام شروع کیا کہ جو سیواجی کے کارناموں سے بہت کچھ ملتا جلتا ہے۔ کیونکہ مدینہ میں جس وجہ سے لوگ انکے گروہ میں شامل ہوتے گئے یا شامل کیے گئے وہ خالص آپکے دینیات و الٰہیات پر فریفتہ ہو کر نہیں آئے تھے بلکہ زیادہ تر پولیٹیکل فوائد کو مدنظر رکھ کر جھکے تھے۔ اب ہم آپکے پولیٹکس کی نوعیت کو دکھلانیکے لیے آپ کی جنگی طرز عمل کے چند نمونے پیش کرتے ہیں جس سے ظاہر ہوگا کہ

کامیابی کے لیے آپ نے مکر چھل۔ بل سب کچھ روا رکھا تھا جو کہ ایک خالص مذہبی اور مجلسی ریفارمر کریکٹر سے کہیں زیادہ بعید ہے ہمارے مسلمان دوست سیواجی کے طرز عمل پر بڑی بیباکی سے کٹاکش کرتے ہیں وہ ذرا ان واقعات کو جن کو ہم انہی کی تواریخ سے منتخب کر کے درج کرتے ہیں سینہ پر ہاتھ رکھکر پڑھیں گے۔"

یہ خوب یاد رکھنا چاہیئے کہ راقم مضمون اپنے مضمون کے شروع میں کہتا ہے کہ لفظ پولیٹکس جہاں جہاں اسلام کے متعلق استعمال کیا ہے اس سے مراد صرف غداری ملکی انقلاب پسندی اور لغویانہ شور شر وغیرہ وغیرہ جیسے مجرمانہ افعال ہیں لیکن وہی مضمون نگار آگے جا کر اپنے ناظرین کو بتلاتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نعوذ باللہ ہر قسم کے مکر و فریب سے کام لیا کرتے تھے اور ایسے ایسے کام کے مرتکب ہوا کرتے تھے جو ایک ریفارمر کے کریکٹر سے بہت بعید ہیں وہ آپ کے صحابہ کرام رضوان اللہ عنہم کو "خونخوار غازی" کا لقب دیتا ہے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر یہ بھی الزام لگاتا ہے کہ آپ نے اپنے ذاتی اور پرائیویٹ فایدہ کے لیے بیت المال بنایا ہوا تھا۔ چنانچہ اس کے یہ الفاظ ہیں "ورنہ کافروں سے فدیہ اور جذیہ لے کر انکو کافر رہنے دینا اور خدا پرستوں سے ایک خاص محصول وصول کر کے اپنے خانگی تصرف میں لانا بھلا کونسا دھرم پرچار کا طریقہ ہے...... آنحضرت کے مشن کی بنیاد میں اگر مذہب کا گارا چونہ تھا تو پولیٹکس کا پتھر ضرور تھا۔ جو بعد کو آپ کے مت کا ایک جزو بن گیا" پھر آگے جا کر لکھتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو چاروں اصحاب سے رشتہ داری کے تعلق کر لیے تھے یہ صرف اس لیے تھا کہ "حضرت کی کوئی نرینہ اولاد نہ تھی اس کے بجز چار اصحاب کے جو آپ کے جسم کی کامرانی کے چار بنیادی عنصر تھے اور کون جانشینی کا مستحق ہو سکتا تھا......

یہ خوب یاد رہے کہ یہ رشتہ داریاں بھی زیادہ تر پولیٹیکل اغراض ہی کو مدنظر رکھ کر ادھر تو اس غرض سے کی گئی تھیں کہ یہ لوگ جو ابتدا کے رازدار تھے اور سچے جان نثار۔

انکی وفاداری میں فرق نہ آوے اور ادھر چار اصحاب کو فرداً فرداً یہ توقع تھی کہ بعد حضرت کے میں ہی جانشینی کا مستحق ہونگا۔۔۔۔۔۔ اور حضرت نے اپنی زندگی میں اس کی بابت کوئی وصیت نہیں کی تھی کچھ تو بوجہ اس کے کہ آخری عمر میں جنگ وجدل سے انکو فرصت ہی نہیں ملی تھی اور کچھ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اس نازک معاملہ کو انہوں نے اپنی زندگی میں چھیڑنا اس لیے قرین مصلحت نہیں سمجھا ہوگا کہ جس کے خلاف ہوگا وہی مخالف ہو جائیگا اور اس سے احتمال تھا کہ شاید نبوت اور الہام وغیرہ کے طلسم کا بھید بھی نہ افشا ہو جائے جس کے وہ سب ابتدا ہی سے رازدار تھے" یہ تمام عبارت " اسلام اور پولیٹکس " سے نقل کی گئی ہے۔ اب ہم اس کے سخت ہجویہ عبارات کے سلسلہ کو مندرجہ ذیل فقرہ نقل کر کے ختم کرتے ہیں۔ " حضرت اور انکے ساتھیوں کے طریق عمل پر سخت حیرت ہوتی ہے کہ یا الہی یہ کس طرح سے مذہبی مشن کہلانیکا مستحق ہو سکتا ہے جس کے ارکین کو رات دن جنگ وجدل خون خرابہ لوٹ مار اور نماز و زکوٰۃ وغیرہ کے وصول تحصیل سے فرصت ہی نہیں ملتی تھی"

باوجود اس تمام گندہ دہانی کے جو آریہ اخبارات کے کالموں میں رات دن شایع ہوتی رہتی ہے اور باوجود اس کے کہ آریہ لیکچرار پلیٹ فارموں پر گندے لیکچر دیتے ہیں آریہ پتر کا یقین کرتا ہے کہ اس کے ہم مذہب معصوم اور بے گناہ ہیں اور بڑی گستاخی اور شوخی سے مسلمانوں پر الزام لگاتا ہے۔ اسی قسم کے الفاظ تھے جیسا کہ اوپر لکھے گئے تھے جو بھاردواج نے اپنے لیکچر میں حاضرین کو مخاطب کر کے کہے تھے اور وہ حاضرین اکثر کے مسلمانوں میں سے تھے مگر پتر کا بیان ہے کہ مضمون بڑی شائستگی اور شستہ عبارت میں ادا کیا گیا ہے۔ ہمارے آریہ ہموطنوں کی شائستگی اور شستہ زبانی بھی نرالی ہے۔ اور اگر اسی کا نام شائستگی ہے تو پھر چوہڑے چمار بھی قابل ملامت نہیں۔

ہم اپنے آریہ دوستوں کو یقین دلاتے ہیں کہ دیانند کے افعال اور کرتوت بھی اس طرز سے بیان کیے جا سکتے ہیں مگر انکو یاد رکھنا چاہیئے کہ غلط بیانیاں جھوٹے الزامات اور پاک لوگوں کی طرف بدارادے منسوب کرنا مذہب نہیں ہے۔ اور ایسی تحریریں جیسی کہ پتر کا میں پائی جاتی ہیں صرف آریہ سماج کے کچھ مضمون نگاروں اور لیکچراروں کو اور جرأت دلاتی ہیں۔ اور ہندوؤں اور مسلمانوں کے درمیان دشمنی اور تفرقہ کو بڑھاتی ہیں۔ ایک طرف تو تفرقہ کو دور کرنیکا واویلا مچایا جاتا ہے اور دوسری طرف تفرقہ کا سامان خود آریہ سماج بن رہا ہے۔

ہم نے بار بار اس قابل افسوس حالت کی طرف آریہ سماج کے لیڈروں کو توجہ دلائی ہے مگر اسکا اثر الٹا ہی ہوا ہے۔ اس لیے اب ہم اپنا فرض سمجھتے ہیں کہ اس معاملہ کی طرف گورنمنٹ کو توجہ دلائی جاوے۔ ہم عام طور سے مذہبی بحث کو برا نہیں کہتے۔ نہیں بلکہ ہم جانتے ہیں کہ سخت سے سخت عبارتیں بھی قابل معافی ہو جایا کرتی ہیں جب وہ مباحثہ کے جوش میں استعمال کیجاتی ہیں۔ لیکن اس سختی کی بھی آخر کوئی حد ہونی چاہیئے۔ آریہ سماج کی تحریروں میں صرف سخت کلامی ہی نہیں بلکہ عمداً مسلمانوں کو دُکھ دینا انکا مقصود ہوتا ہے اور غلط بیانی کر کے گندے الزامات جو سراسر بہتان ہیں انکے مقدس بزرگوں پر لگائے جاتے ہیں اور طرز بیان ایسا پُر از تحقیر اور گندہ اختیار کیا جاتا ہے جس سے زیادہ بغض کے لیے ممکن نہیں۔ کیا کوئی دنیا میں مسلمان ہے کہ وہ محولہ بالا عبارتیں اور الفاظ پڑھے اور اس کا دل ٹکڑے ٹکڑے نہ ہو جاوے اور کیا ایسی تحریریں اور مضامین مختلف جماعتوں اور مذاہب میں بے امنی بے چینی اور حقارت کے بڑھانے میں منسوب نہ ہونگی؟ یہ ایک انگریزی مضمون کا ترجمہ ہے۔ جو کہ ۲۰ فروری کو فروری کے پرچہ مین نکل چکا ہے۔ جلسہ کی رپورٹ شایع ہوئی ہے۔ ہم آیندہ انشاء اللہ اس پر کچھ لکھین گے۔

اسلام

ہر ایک اپنے مذہب کو خواہ وہ کسی مذہب کا پابند ہو سچا مذہب قرار دیتا ہے اور یہ دعویٰ کرتا ہے کہ نجات اسی کے مذہب میں محدود ہے اور ہر اہل مذہب آیندہ پر رکھتا ہے کہ جو کوئی اس کے مذہب کی تکذیب کریگا وہ آخرت میں سخت عذاب میں گرفتار ہوگا۔ اور وہ کسی طرح سے بھی نجات نہیں پاسکے گا۔ یہ ایک ایسا دعویٰ ہے کہ اپنے ساتھ کوئی دلیل نہیں رکھتا۔ اور اس اصل کو مانکر تمام اہل مذہب اپنے مذہب کو سچا قرار دے سکتے ہیں اور کوئی نہیں جو اس کو جھٹلا سکے۔ مگر در اصل یہ بات نہیں کوئی ایسا اصول ہونا چاہیئے جو کسی مذہب کی سچائی کو اسی دنیا میں چمکتے ہوئے سورج کی طرح سچا ثابت کر دے۔ اب وہ روشنی کا زمانہ ہے کہ ڈاگمہ اور تحکّم اور سکھا شاہی کی سلطنت قریباً دنیا سے اُٹھتی چلی جا رہی ہے۔ آجکل کے زمانہ کا نقشہ قرآن شریف میں اسطرح پر کھینچا گیا ہے وترکنا بعضھم یومئذ یموج فی بعض۔ اور ہم اس دن ایسا کریں گے کہ بعض بعض میں موجوں کی طرح حملہ کریں گے۔ یعنی اس دن ایک مذہب دوسرے مذہب پر حملہ کریگا۔ یہ نقشہ بالکل آجکل کے زمانہ پر صادق آتا ہے۔ سچ ہے نو نقد نہ تیرہ اُدھار۔ ہر ایک کہہ سکتا ہے کہ اس کا مذہب سچا ہے۔ اگر اس سے دلیل پوچھی جاوے تو فوراً جواب دیتا ہے۔ کہ اگر تم اسکو نہ مانوگے تو جہنّم میں داخل ہوگے۔ بھلا یہ کوئی دلیل ہے۔ بلکہ یہ ویسا ہی دعویٰ ہے جیسا پہلا تھا بلکہ اس سے بھی بڑھکر۔ دلیل وہ ہونی چاہیئے جو نقد ہو نہ کہ اُدھار۔ اسی اصول پر اللہ تعالیٰ یہود اور نصاریٰ کا رد کرتا ہے۔ جہاں وہ فرماتا ہے کہ وقالوا کونوا ھوداً او نصاریٰ تھتدوا۔ وقالوا لن یدخل الجنۃ الا من کان ھوداً او نصاریٰ

تلک امانیھم۔ قل ھاتوا برھانکم۔ ان کنتم صادقین۔ اور یہود کہتے ہیں کہ یہودی بننے سے ہدایت ملتی ہے اور عیسائی کہتے ہیں کہ عیسائی بننے سے ہدایت ملتی ہے اس آیت کریمہ میں تو یہودیوں اور عیسائیوں نے الگ الگ یہ دعویٰ کیا ہے کہ انکا ہی مذہب سچا ہے اور ہر ایک یہی کہتا ہے کہ اسی کے مذہب میں ہدایت محدود ہے۔ اللہ تعالیٰ مسلمانوں کو بحث کا ڈھنگ سکھلاتا ہے کہ ہر ایک مدعی مذہب کو اس کے مسلمات سے جواب دینا چاہیئے۔ اس لیے فرماتا ہے قل بل ملۃ ابراھیم حنیفاً و ما کان من المشرکین۔ یہ آیت مندرجہ بالا آیت کے ساتھ ہی آگے بیان فرمائی گئی ہے چونکہ حضرت ابراہیم علیہ السلام ان دونوں مذہبوں میں مسلم ہیں تو انکو یہ جواب دیا گیا ہے کہ تم حضرت ابراہیم علیہ السلام کو سچا مانتے ہو اور تمہارا اعتقاد ہے کہ وہ راستباز انسان تھا۔ پس بموجب تمہارے امر مسلمہ کے جو شخص اس کی پیروی اختیار کرے گا وہ ہدایت پاجاویگا اور اس سے وہ انکار نہیں کرسکتے۔ کہ ابراہیمؑ کا مذہب سچا مذہب ہے اور ابراہیم علیہ السلام ایسے عظیم الشان انسان ہیں کہ دنیا خصوصاً عیسائی دنیا یہودی اور مسلم دنیا انکو اپنا باپ ماننا خواہ مذہبی خواہ دنیاوی اپنا فخر خیال کرتی ہے۔ حالانکہ یہودی مت اور عیسائی مت ابراہیمؑ کے بعد پیدا ہوئے ہیں۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ یا اھل الکتاب لم تحآجّون فی ابراھیم وما انزلت التوراۃ والانجیل الا من بعدہ افلا تعقلون۔ ھٰانتم ھٰؤلآء حاججتم فیما لکم بہ علم فلم تحاجون فیما لیس لکم بہ علم۔ واللہ یعلم وانتم لا تعلمون۔ ما کان ابراھیم یھودیاً ولا نصرانیاً ولکن کان حنیفاً مسلما وما کان من المشرکین۔ اس کا ترجمہ یہ ہے کہ اے اہل کتاب (اہل کتاب سے مراد ہر دو یہودی اور نصرانی ہیں) تم کیوں ابراہیم کے بارہ میں جھگڑتے ہو۔ حالانکہ تورات اور انجیل جنکی بنا پر یہودی مت اور عیسائی مت قایم ہوئے ہیں ابراہیم سے پیچھے اُتری ہیں۔

تمھیں اتنی عقل بھی نہیں ہے۔ کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام اور حضرت موسیٰ علیہ السلام اور عیسیٰ علیہ السلام کے زمانوں میں کتنا بڑا بعد ہے۔ تمھیں اتنا تو چاہیئے کہ جن باتوں میں تمکو علم ہوا کرے انہیں تو بحث کر لیا کرو اور بھلا ایسی باتوں میں کیوں بحث کیا کرتے ہو جن میں تمکو کچھ بھی علم نہیں۔ دیکھو جو اللہ کہتا ہے وہ ٹھیک ہے کیونکہ وہ جانتا ہے اور تم نہیں جانتے۔ یہ سچی بات ہے کہ ابراہیم نہ تو یہودی تھا اور نہ نصرانی۔ اس کا مذہب یہ تھا کہ خدا کے احکام آگے وہ اپنی گردن ڈال دیا کرتا تھا خواہ وہ حکم الٰہی کسی وقت اُترے اور خواہ کسی پر اُترے۔ حالانکہ تم وہ ہو۔ کہ جب تم کو کہا جاوے اٰمنوا بما انزل اللّٰہ قالوا نؤمن بما انزل علینا و یکفرون بما وراءہ۔ یعنی ایمان لاؤ اللہ تعالیٰ کے نازل کردہ احکام پر تو کہہ دیتے ہیں کہ ہم اُن ہی احکام کو مانتے ہیں جو ہم پر اُتارے گئے ہیں اور انکار کرتے ہیں[۱۲] حالانکہ وھو الحق مصدقا لما معھم۔ یعنی انکے پاس جو سچائیاں ہیں انکی وہ تصدیق کرتا ہے تو پھر کیا وجہ ہے کہ اسکا انکار کرتے ہیں۔ حالانکہ یہ وسی سچائیاں ہیں جیسا کہ انکی کتب میں ہیں۔ افتؤمنون ببعض الکتاب و تکفرون ببعض لیکن جو بعض احکام الٰہیہ کو مانتا ہے اور بعض سے انکار کرتا ہے اسکو دنیا میں ذلت اور خواری کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے فما جزاء من یفعل ذٰلک منکم الا خزی فی الحیٰوۃ الدنیا و یوم القیامۃ یردون الی اشد العذاب یعنی جو ایسا کرے تم میں سے اس کی کیا سزا ہو سکتی ہے سوائے اس کے کہ اسکو دنیا ہی کی زندگی میں ذلت اور خواری ہو گی۔ اور اس سے یہ بھی ثابت ہو جائیگا کہ قیامت کے دن اسکو سخت عذاب میں گرفتار ہونا ہو گا۔ اس بیان سے اتنا تو ثابت ہو گیا ہے کہ کسی کا دعویٰ کرنا کہ اس کا مذہب سچا ہے بلا دلیل قابل سماعت نہیں ہو سکتا۔ اور وہ مذہب قابل سماعت ہو سکتا ہے جس مذہب میں اللہ تعالیٰ کی فرمانبرداری کو سب پر مقدم کیا گیا ہے۔ اور یہی ابراہیم کا مذہب تھا۔ و ابراھیم الذی وفّٰی۔ ابراہیم

۱۲ یعنی احکام جو ہم سے پہلے اور پیغمبروں پر نازل کئے گئے ہیں

وہ تھا جس نے خدا کے تمام احکام کو پورا کر دکھایا۔ اور اپنے جان و مال سے بھی اس کی راہ میں خرچ کرنے سے دریغ نہیں کیا اس لیے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ومن یرغب عن ملۃ ابراھیم الا من سفہ نفسہ ولقد اصطفیناہ فی الدنیا وانہ فی الاٰخرۃ لمن الصالحین۔ اذ قال لہ ربہ اسلم قال اسلمت لرب العلمین۔ اور کون حضرت ابراہیم علیہ السلام کے مذہب سے مُنہ موڑ سکتا ہے مگر وہی شخص جس نے اپنے تئیں بیوقوف بنالیا ہے۔ حالانکہ اس کے مذہب کے سچے ہونیکی بڑی دلیل موجود ہے اور وہ دلیل نقد دلیل ہے نہ اُدھار۔ اور وہ دلیل یہ ہے کہ ہم نے اسکو دنیا میں برگزیدہ کیا۔ کیا دنیا میں کوئی ایسی نظیر ہے کہ وہ جھوٹا ہو اور پھر عزت پاجاوے۔ انہ لا یفلح الظالمون۔ ظالم کبھی مظفر و منصور و بامراد ہوتے ہی نہیں۔ ابراہیم دنیا میں ایسا مظفر و منصور ہوا ہے کہ دنیا کو انکار کی گنجائش ہی نہیں رہتی۔ دنیا میں بڑے مذہب چار ہیں۔ یہودی۔ عیسائی۔ مسلمان۔ بُت پرست۔ پہلے تین مذہب حضرت ابراہیم علیہ السلام کو راستباز۔ مقدس اور اپنا امام اور پیشوا سمجھتے ہیں۔ اور مسلمان تو ہر وقت کما صلیت علیٰ ابراھیم کا ورد رکھتے ہیں۔ چونکہ مانا گیا ہے کہ زمین گول ہے اور اس لیے زمین پر ہر وقت نماز پڑھی جاتی ہے اس لیے لابدی طور سے حضرت ابراہیم پر بھی ہر وقت درود پڑھا جاتا ہے۔ کیا کوئی دنیا میں ایسی نظیر ہے کہ ایک کاذب مدعی کی اتنی عزت کی گئی ہو جیسی کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی عزت کی گئی ہے اور کیجارہی ہے۔ بے شک قرآن شریف کی پیشگوئی سچی ہے جسمیں لکھا ہے۔ وترکنا علیہ فی الاٰخرین۔ سلام علیٰ ابراھیم۔ کذٰلک نجزی المحسنین۔ انہ من عبادنا المؤمنین۔ وجعلنا لھم لسان صدق علیا۔ اور ہم نے حضرت ابراہیم پر ہمیشہ کے لیے سلام کو پچھلے لوگوں میں رکھ چھوڑا ہے۔ ایسی ہی جزا ہم محسنوں کو دیا کرتے ہیں کیونکہ وہ ہمارے مومن بندوں میں سے تھا

اور ہم نے اسکو زبان کا راستباز اور بڑے بلند مرتبہ والا بنایا۔ اب چونکہ وہ یعنی حضرت ابراہیم علیہ السلام دنیا میں ایک مسلم راستباز انسان ہے اور اس کی کامیابی ہر ایک پر واضح اور روشن ہے۔ اتنی کھلی کامیابی حضرت ابراہیم علیہ السلام کو نصیب ہوئی ہے کہ انکے مخالف بادشاہوں کے نام تک لوگ نہیں جانتے اور کوئی بھی فرد بشر نہ ہوگا جو حضرت ابراہیمؑ کے نام سے آشنا نہ ہو۔ کہاں ہیں وہ جنہوں نے حضرت ابراہیمؑ کو آگ میں ڈالا تھا اب آکر دیکھیں کہ کس کی عزت دنیا میں زیادہ ہے۔ تو کیا اب جبکہ حضرت ابراہیمؑ کی کامیابی سے دنیا بھی انکار نہیں کر سکتی تو وہ خدا جس کی فرمانبرداری انہوں نے کی تھی اور اس فرمانبرداری کا نتیجہ انہوں نے اسی دنیا میں دم نقد پالیا تھا۔ تو کیا اس سے صاف طور پر یہ ثابت نہ ہوگا کہ اس کا مذہب سچا ہے اور اس کے مذہب کو دنیا میں بھی بطور نسخہ کے استعمال کر لیا گیا ہے اور اس نے تشفی بخش نتائج انکو عطا کیے ہیں جنہوں نے اسکو برتا ہے۔ اگر اربعہ متناسبہ کا قاعدہ درست ہے اور بے شک وہ قاعدہ دنیا میں مسلم طور پر درست مانا گیا ہے تو بیشک یہ ماننا پڑیگا کہ آخرت میں بھی حضرت ابراہیمؑ صالحین یعنی سنوار کرنیوالے گروہ میں سے ہوگا۔ یہ کامیابیاں۔ یہ برکات یہ شان۔ یہ جاہ و جلال اور یہ حشمت اور عظمت جو حضرت ابراہیمؑ کو اس دنیا میں حاصل ہیں اسکا کیا سبب ہے۔ کیا خدا تعالیٰ کوئی طرفدار ہے نہیں۔ بلکہ جو اسکا ہو جاتا ہے تو خدا بھی اسکا ہو جاتا ہے اور نتیجۃً خدا اس کو ہر بات میں بامراد مظفر و منصور کرتا ہے۔ بلکہ وہ فرماتا ہے کہ خدا کا کسی سے رشتہ نہیں۔ ان اکرمکم عند اللہ اتقاکم۔ جو خدا کی طرف ایک قدم اُٹھاتا ہے خدا اس کی طرف دو قدم چلکر آتا ہے اور جو اسکی طرف چلکر آتا ہے خدا اسکی طرف دوڑ کر آتا ہے والذین اھتدوا زادھم ھدی واتاھم تقواھم جو ہدایت پر قایم ہوئے ہیں اللہ انکی ہدایت کو بڑھا دیتا ہے اور انکو اپنا تقویٰ عطا کرتا ہے۔ یہ سب کچھ انکو کیوں ملا تھا۔ اسکو اگلی آیت واضح طور سے بیان کرتی ہے

اذ قال له ربه اسلم قال اسلمت لرب العلمین ۔ کیونکہ جب اسکو اس کے
ربنے فرمایا کہ تو میرے حکموں کے آگے اپنی گردن ڈال دے اور اپنی مرضی کو
میری مرضی کے ماتحت کرلے ۔ تو اس نے کہا کہ مینے تو پہلے ہی تمام جہانوں کے
ربکے احکام کے آگے سر تسلیم خم کیا ہوا ہے ۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کو اتنی کامیابی ہوئی ہے کہ مذہب اسلام بھی انہی کی دعا
کا نتیجہ ہے ۔ انکی دعا یہ تھی ربنا وابعث فیھم رسولاً منھم یتلوا علیھم ایاتك
ویعلمھم الکتاب والحکمۃ ویزکیھم انك انت العزیز الحکیم جسکا مطلب
یہ ہے کہ اے ہمارے رب اور ان میں یعنی حضرت اسمٰعیلؑ کی اولاد میں سے جو امت مسلمہ
ہوگی ایک رسول بھیجنا جو انہی میں سے ہو اور انپر تیری آیات کو پڑھے اور ان کو
کتاب اور مضبوط اور پکی باتیں سکھاوے اور انکا تزکیہ نفس کرے ۔ بیشک تو
بڑا غالب ہے اور بڑی حکمت والا ہے ۔ کیا دنیا میں کوئی ہے جو اس دعا کی اجابت
سے انکار کر سکے ؟ کیا اس سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ خدا ہے اور اس نے اس
دعا کو سنا ہے اور اسکو منظور کیا ہے ؟ اور کیا اس دعا نے خارج طور پر اپنا
اثر نہیں دکھایا ؟ ۔ پس چونکہ حضرت ابراہیم علیہ السلام خود مُسلم تھا ۔ اسنے دعا بھی
امت مسلمہ کیلیے کی ہے اور اسی دعا کا نتیجہ ہے کہ اسلام دنیا میں آیا ہے ۔ اسلیے
یہودیوں اور عیسائیوں کو یہ جواب دینا بالکل صحیح اور درست ہے کہ یہودی اور عیسائی
بننے سے کیا ہوتا ہے ۔ بلکہ ملت ابراہیمؑ کی پیروی کرنی چاہیئے کیونکہ وہ حنیف مُسلم
تھا ۔ اور اس کا اصول فرمانبرداری کرنا تھا اسی لیے اللہ ایک اور جگہ پر وضاحت سے
بیان کرتا ہے ۔ ومن احسن دیناً ممن اسلم وجھہ للّٰہ وھو محسن و اتبع
ملۃ ابراھیم حنیفاً ۔ واتخذ اللّٰہ ابراھیم خلیلاً ۔ اور کس کا مذہب
اس کے مذہب سے بہتر ہو سکتا ہے جس نے اپنی تمام توجہ کو اللہ کے حضور سونپ دیا ہو

اور اپنی گردن کو اللہ کے احکام کے آگے ڈال دیا ہو اور وہ اسطرح سے اللہ کی فرمانبرداری کرتا ہے کہ گویا وہ اللہ کو دیکھ رہا ہے یا اتنا تو سمجھتا ہے کہ اللہ اسکو دیکھ رہا ہے۔ اور وہ ابراہیمؑ کے طریقہ کی پیروی کرتا ہے یعنی اسلمت لرب العلمین کا اپنے تئیں قولاً و فعلاً مصداق بناتا ہے۔ کیونکہ ابراہیمؑ کی راہ اختیار کرنیسے انسان اللہ تعالیٰ کا دوست بنجاتا ہے۔ کیونکہ ابراہیمؑ کو اللہ تعالیٰ نے اپنا دوست بنایا ہوا تھا پس جو کوئی اس جیسے کام کریگا اور اس کے طریقہ پر عمل کریگا وہ بھی بفحوائے کذلك نجزی المحسنین خلیل اللہ بنجا جائیگا۔

اب تک جو ہم نے لکھا ہے وہ وقالوا کونوا ھودًا او نصاری تھتدوا کے متعلق ہم نے بیان کیا ہے۔ کہ یہودیت اور عیسائیت میں ہدایت نہیں مل سکتی بلکہ ہدایت اللہ تعالیٰ کی فرمانبرداری کرنے میں ہے۔ اور ہم نے مثال دیکر ثابت کر دیا ہے۔ کہ صرف اللہ تعالیٰ کی فرمانبرداری کرنا ہی سچا مذہب ہے۔ اور اس کا ثبوت تمام راستبازوں کی لائفوں کے پڑھنے سے من کل الوجوہ اظہر من الشمس ہو جاتا ہے۔

اب ہم دوسری آیت کو لیتے ہیں جو ہم شروع میں لکھ آئے ہیں وہی ہذہ۔ قالوا لن یدخل الجنۃ الا من کان ھودًا او نصاریٰ۔ تلك امانیھم۔ قل ھاتوا برھانکم ان کنتم صادقین۔ یعنی یہودیوں نے کہا کہ ہرگز کوئی نجات نہیں پا سکیگا اور جنت میں داخل نہیں ہو نیگا مگر ہاں وہی جو یہودی ہوا اور عیسائیوں نے بھی کہا کہ کوئی بھی جنت میں داخل نہیں ہو سکے گا مگر وہی جو عیسائی ہوا۔ خدا تعالیٰ فرماتا ہے یہ انکی جھوٹی خواہشیں ہیں۔ ان سے کہدو کہ اپنے ان دعووں کی دلیل لاؤ اگر تم سچے ہو۔ دعویٰ بلا دلیل کسی کام کا نہیں ہوتا۔ اسطرح بلا دلیل دعویٰ ہر ایک کر سکتا ہے۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ نجات حاصل کرنیکا سچا اور واقعی سبب بیان کرتا ہے کہ کسطرح نجات مل سکتی ہے اور یہ بھی بیان کرتا ہے کہ دنیا کو کسطرح معلوم ہو کہ اس نے نجات

پائی ہے۔ اور دوسروں نے نہیں پائی۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے من اسلم وجہ للّٰہ وھو محسن فلہ اجرہ عند ربہ ولا خوف علیھم ولا ھم یحزنون یعنی ہاں وہی شخص نجات کا مستحق ہو سکتا ہے اور وہی نجات پاکر جنت میں داخل ہوگا جس نے اپنی توجہ کو اللہ کے حضور سپرد کر دیا ہے اور اپنی گردن کو اس کے حکموں کے آگے جھکا دیا ہے اور اس کے طرح سے احکام الٰہیہ کے آگے گردن ڈالنے سے اسکو یہ مدنظر ہے کہ اللہ تعالیٰ اس سے راضی ہو جاوے اور ایسے طریقہ سے اسکی فرمانبرداری میں لگا رہتا ہے کہ گویا اللہ تعالیٰ اسکے سامنے ہے جس کو یہ دیکھ رہا ہے اور وہ اسکو دیکھ رہا ہے پس ایسے آدمی کو اسی دنیا میں اس کے رب کی طرف سے اجر ملتا ہے۔ اور اسکی نشانی یہ ہے کہ انپر سے دنیا کے تمام خوف دور ہو جاتے ہیں اور کبھی انکو ایسا موقع نہیں آتا۔ کہ انپر حزن اور غم کو راہ ہو۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی لائف اس کو خوب صاف اور واضح کرتی ہے۔ کہ انہوں نے اللہ تعالیٰ کی فرمانبرداری میں نہ اپنے نفس کی پرواہ کی ہے یہانتک کہ اولاد کے ذبح کرنیکو محض ایک رؤیا کی بناپر تیار ہوگئے ہیں اپنے مال اپنے نام اور اپنی تمام خواہشوں کی قربانی کردی ہے تو دیکھو اس کے بدلہ میں انکو کیا ملا۔ انکی اتنی اولاد ہے کہ کبھی کسی گنتی اور شمار میں نہیں آتی۔ انکے نام پر کروڑوں مسلمان اور دیگر اقوام صلوٰۃ اور سلام بھیجتی ہیں۔ اور انکو خود یہ مرتبہ ملا کہ تمام جہان میں امام بنائے گئے ہیں انی جاعلک للناس اماماً۔ انہی کی شان میں وارد ہے۔ اولاد میں حضرت موسیٰؑ۔ عیسیٰؑ۔ داؤدؑ۔ سلیمانؑ۔ یوسفؑ اسحاقؑ۔ اسمٰعیلؑ۔ یعقوبؑ اور خاتم الانبیاء حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم جیسے نور پیدا ہوئے۔ اور ملک انکو اتنے ملے کہ تمام بڑا عظموں پر آپ ہی کے نام لیوے حکومت کر رہے ہیں۔ بے نصیب وہ ہیں جو آپکے نام لیوؤں میں شامل نہیں ہیں۔

اس ہمارے تمام مضمون کا خلاصہ کیا ہوا۔ خلاصہ یہ ہوا۔ کہ فرمانبرداری اللہ کو مرغوب ہے اور صرف اللہ کی فرمانبرداری کرنا ہی مذہب قابل پذیرائی ہو سکتا ہے۔ ان الدین عند اللہ الاسلام۔ یعنی اللہ کے نزدیک صرف اسلام ہی سچا مذہب ہے اور جو اس سے منہ پھیریگا اور اس کے سوائے کوئی اور مذہب تلاش کرے گا تو وہ مذہب اس سے قبول نہ کیا جاویگا اور اس لیئے نتیجہ وہ زیان کاروں میں سے ہو جاویگا۔ ومن یتبغ غیر الاسلام دینا فلن یقبل منہ وھو فی الآخرۃ من الخاسرین۔

پس خلاصہ ہمارے مضمون کا یہ ہوا۔ کہ بلا دلیل کوئی مذہب سچا ٹھہر نہیں سکتا اور دعویٰ بلا دلیل قابل سماعت نہیں ہوتا۔ اور کہ دلیل نقد ہونی چاہیئے نہ کہ اُدھار اور نقد دلیل صرف اسلام میں ہی ملتی ہے۔ اور اسلام پر چلکر انسان دنیا میں بھی مظفر و منصور اور کامیاب ہو جاتا ہے اور اس لیے وہ آخرت میں نجات پا جائے گا۔ اس لیے ہر ایک مسلمان پر لازم اور واجب ہے کہ وہ اپنے نام کا پاس کرے۔ اور جیسا کہ وہ مسلمان کہلاتا ہے اپنے اندر حقیقی اسلام کو بھی داخل ہونے دے اسی لیے تو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے یا ایھا الذین اٰمنوا ادخلوا فی السلم کافۃ۔ اے ایمان والو! اسلام میں کامل طور سے داخل ہو جاؤ۔ یعنی تمہارے تمام اعضا اور جوارح اسلام کے احکام کے مطابق فرمانبرداری میں لگ جاویں۔ یہ چند سطور صرف لفظ اسلام پر لکھی گئی ہیں انشاء اللہ بتوفیقہ تعالیٰ ہم آئندہ ایک سلسلہ آرٹیکل کا شروع کریں گے کہ وہ اسلام کیا ہے اور اس کے احکام کیا ہیں۔ جنپر چلنے سے انسان خلیل اللہ بن سکتا ہے۔ واٰخر دعوٰنا ان الحمد للہ رب العلمین۔

رؤیا و الہامات حضرت مسیح موعود علیہ السلام

۹- فروری ۱۹۰۸ء- (۱) انت امامٌ مبارکٌ- ترجمہ- تُو امامِ مبارک ہے۔

(۲) لعنۃ اللہ علیٰ من کفر- ترجمہ- اللہ کی لعنت اُسپر جس نے انکار کیا۔

(۳) انّی معك فی السماء و الارض- ترجمہ- مَیں تیری ساتھ ہوں- آسمان اور زمین میں

(۴) انّی معك فی الدنیا و الاخرۃ- ترجمہ- مَیں دنیا اور آخرت میں تیرے ساتھ ہوں۔

(۵) ان اللہ مع الذین اتقوا و الذین ھم محسنون- ترجمہ- اللہ ساتھ ہے انکے جو تقویٰ اختیار کریں اور جو نیکو کار ہیں۔

(۶) اینما ثقفوا اُخذوا و قتّلوا تقتیلاً- ترجمہ- جہاں کہیں پائے گئے پکڑے جائیں گے اور ہلاک کیے جاویں گے۔

(۷) لا تقتلوا زینب- ترجمہ- زینب کو قتل نہ کرو۔

(۸) "آسمان ایک مٹھی بھر رہ گیا"

۱۱- فروری ۱۹۰۸ء- یا مسیح اللہ عدوانا- ترجمہ- اے اللہ کے مسیح ہماری شفاعت کر۔

ظفرکم اللہ ظفراً مبینًا۔

۷ مارچ ۱۹۰۸ء- "ماتم کدہ"- فرمایا اس کے متعلق کوئی تفہیم نہیں ہے- پھر غنودگی میں دیکھا کہ ایک جنازہ آتا ہے۔

تعلیم دینے کے لیے ہے۔ جس میں علاوہ مروجہ مضامین کے دینیات اور عربی کی تعلیم بھی دیجاتی ہے اور ایک مدرسہ عربی مولوی فاضل تک تعلیم دینے کے لیے ہے جس میں علاوہ مولوی فاضل کی تعلیم کے دینیات کی اعلیٰ درجہ کی تعلیم اور اسکے ساتھ تھوڑی انگریزی اور کسیقدر دیگر مضامین مروجہ اور طب کی تعلیم بھی دیجاتی ہے ایک گرلز سکول لڑکیوں کی تعلیم کے لیے بھی ہے اور تین چار پانچ سکول دیہات میں ہیں۔ ان اخراجات کو پورا کرنیکے لیے حضرت اقدس نے یہ لازمی قرار دیا ہے کہ سب احباب مدرسہ کے لیے حسب استطاعت چندہ دیں۔ نیز جن احباب کے بچے تعلیم کے قابل ہیں وہ انکو تعلیم کے لیے اسجگہ بھیجیں۔

(۳) مساکین اور یتامیٰ کی مدد۔ اس کے لیے تین الگ الگ فنڈ ہیں۔ ایک مساکین کے لیے۔ ایک یتامیٰ کے لیے۔ اور تیسری مد زکوٰۃ کی ہے قربانی کی کھالوں کا روپیہ مسکین فنڈ میں جمع ہوتا ہے۔ اور مساکین اور یتامیٰ کے لیے ذی مقدرت احباب مستقل طور پر بھی مدد کرتے ہیں۔ زکوٰۃ کا روپیہ بھی احباب کو چاہیئے کہ حتی الوسع یہاں بھیجا کریں۔

(۴) مقبرہ بہشتی کا انتظام۔ اس کے لیے رسالہ الوصیت کو دیکھنا چاہیئے۔

اطلاع:۔ خریداران انگریزی پرچہ ریویو آف ریلیجنز کی خدمت میں گذارش ہے کہ مارچ کا پرچہ شایع نہیں ہوسکے گا کیونکہ ایڈیٹر صاحب کو بوجہ چند قومی ضروریات کے کافی فرصت نہیں ملی ہے۔ انشاءاللہ ۲۰-اپریل کو ہر دو پرچہ مارچ اور اپریل کا شایع ہوگا۔

چکی آٹا پیسنے کی یا لوہے کا خراس

جس میں فی گھنٹہ ۴ سیر پختہ آٹا پستا ہے۔ دانہ بھی نہیں اڑتا ہے۔ اسے طاقتور ایک بیل ورنہ دو بیل بخوبی چلا سکتے ہیں۔ وزن تخمیناً سات من ۲۷ سیر پختہ ہوگا۔ قیمت اول درجہ معہ / فی من۔ دوم درجہ ۔ / فی من

اے لوگو کہ ہمیں نور خدا پاؤ گے ۔ لو تمہیں طور تسلی کا بتایا ہم نے

ریویو آف ریلیجنز

یعنے

دنیا کے مذاہب پر نظر

جلد ۷ بابت ماہ اپریل ۱۹۰۸ء نمبر ۴

فہرست مضامین

قادیان ضلع گورداسپور سے ۲۰- اپریل ۱۹۰۸ء کو مینجر میگزین کے اہتمام سے شایع ہوا چندہ سالانہ عا

رؤیا و الہامات حضرت مسیح موعود علیہ السلام

غالباً ۲۵- مارچ ۱۹۰۸ء (۱) امثال الرحمة فی اول الذکر و اخر الذکر- ترجمہ- رحمت کی مثالیں- پہلے ذکر والا اور آخر ذکر والا- (۲) حٰم تلك اٰیات الکتٰب المبین- ترجمہ- کھول کر بیان کرنے والی کتاب کے یہ نشان ہیں- (۳) لاتذروہ جاریہ- (۴) کبھی معدہ کے خلل سے بھی ورم ہو جاتی ہے- شب درمیانی ۲۸ و ۲۹- مارچ ۱۹۰۸ء- (۱) احسن اللہ امرك- ترجمہ- اللہ تعالیٰ نے تیرا کام اچھا کر دیا- (۲) احسن اللہ امری ترجمہ- اللہ تعالیٰ نے میرا کام اچھا کر دیا- (۳) یاتین من کل فج عمیق ترجمہ- میرے پاس تحائف آئیں گے ہر دُور کی راہ سے- (۴) امید سے بڑھ کر- (۵) رعایا میں سے ایک شخص کی موت- (۶) فتح-

۱۱- اپریل ۱۹۰۸ء (۱) کتب اللہ علی نفسه الرحمة- (۲) حق علینا نصر المومنین- (۳) انی احافظ کل من فی الدار- من ھٰذہ المرض الذی ھو ساری- (یعنی من ھٰذہ الاٰفة اور مرض اسکا بدل ہے) ترجمہ- میں تمام گھر والوں کو اس بیماری سے بچاؤنگا اسی بیماری سے جو متعدی ہے (۴) امید سے بڑھکر فایدہ ہوا- (۵) دوبارہ زندگی- (۶) منسوخ شدہ زندگی- ۱۲- اپریل ۱۹۰۸ء انی براءٌ من ذٰلك (یہ کسی کا مقدمہ ہے) ۱۳- اپریل ۱۹۰۸ء- (۱) رحمت اور فضل کا کلام- (۲) شکر کا کلام-

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم
نحمدہٗ و نصلی علیٰ رسولہ الکریم

عباس کی تعلیم

عباس بابی مذہب کے مذہبی آئمہ کی تثلیث کا تیسرا بڑا رکن ہے اور بہاء اللہ کے مرنیکے بعد اس مذہب کو بہت سی کامیابی اس کی بدولت حاصل ہوئی ہے۔ یہ بہاء اللہ کا بیٹا ہے اور اپنے باپ کی وفات کے بعد کثیر حصہ بابیوں کا مسلّم امام ہے۔ اس کا علاتی بھائی محمد علی نام جو بہاء اللہ کی دوسری بیوی سے تھا اس کا مدمقابل تھا۔ اس کی زندگی کا حال لایف اینڈ ٹیچنگز اف عباس افندی (عباس افندی کی سوانح اور تعلیمات) میں مندرج ہے جو کہ نیویارک کے ایک وکیل مسمی مائیرن۔ ایچ فاپس نے ۱۹۰۴ء میں لکھی ہے۔ مسٹر فلپس نے کتب بابیہ کے مطالعہ سے مفتون ہو کر عکا کا سفر بھی کیا تھا اور اس لیے اسکی کتاب ایک سچے بابی کے خیال کی رو سے زمانہ حال کے مطابق بابی مذہب کو ہمارے سامنے پیش کرتی ہے۔ کیونکہ اس کے معلومات یا تو خود عباس سے بلا واسطہ حاصل کیے گئے ہیں۔ یا ایسے اشخاص سے لیے گئے ہیں جو عباس سے بہت قریبی اور گہرے تعلقات رکھتے ہیں اور اس کے حالات زندگی اور تعلیمات سے خوب واقف ہیں۔

اس موجودہ مضمون میں ہمیں عباس کے واقعات زندگی سے کچھ سروکار نہیں ہے

ہاں صرف اسقدر ہم اس کی زندگی کے واقعات پر بحث کریں گے جنکا اثر اسکی
تعلیمات پر پڑتا ہے یا پڑا ہے۔ مختصراً اسکی سوانح یوں بتلائی جا سکتی ہیں۔ کہ یہ
ایک دردناک دُکھوں اور مصایب کی زندگی کا خاکہ ہے۔ جلاوطنی اور قید کی
زندگی میں جسکے ساتھ بڑے بڑے مصایب تھے شاید صرف ایک ہی بات
سکینت دینے والی تھی یعنی بابیوں کا اپنے پیشوا کی اپنے اموال کے ساتھ
مدد کرنا اور جہاں تک ممکن ہو مالی تنگی کی تکلیف اسے نہ پہنچنے دینا۔ مسٹر فلپس
نے بہت سی مؤثرانہ کہانیاں لکھی ہیں۔ جن میں بتلایا گیا ہے کہ عباس افندی نے
ان مصایب کا بڑی بہادری سے مقابلہ کیا ہے اور بڑی برداشت اور تحمل
سے کام لیا ہے۔ خصوصاً جلاوطنی اور قید کے بڑے لمبے زمانہ میں۔ اور اس نے
اپنے ہیرو کے بعض بڑے کاموں کو بڑی بسط اور تفصیل سے بیان کیا ہے لیکن
جبکہ اسنے عام پبلک کے سامنے نیکی کے وہ چھوٹے چھوٹے کام پیش کرنے
میں بہت اچھا کام کیا ہے جو انسان کو ایک عظیم الشان انسان بنا دیا کرتے ہیں
اس نے بڑی محنت اور توجہ اس میں بھی صرف کی ہے کہ ہر ایک ایسی بات کو
جو بابی مذہب کے لیڈروں کے چال چلن پر دھبہ لگا سکے دفع کیا جاوے۔
مسٹر فلپس کی یہ غلطی قابل عفو ہے کیونکہ اس نے بابی لیڈر کی زندگی اور تعلیمات
کا مطالعہ تنقید کی غرض سے نہیں کیا ہے بلکہ ایک مداح کے خیال کی روسے
بلکہ یوں کہنا بجا ہو گا کہ اس نے ایک مومن یا پیرو کے طور پر اسکی زندگی کو پڑھا
اور لکھا ہے۔ مگر تاہم ہمیں اس کی زندگی کے واقعات سے کچھ سروکار نہیں ہمیں صرف
اسکی تعلیمات کو دیکھنا ہے۔

جیسا کہ ہم پہلے بیان کر چکے ہیں عباس بابی مذہب کے لیڈروں میں ثالث
ثلاثہ ہے جنہوں نے اس بابی مت کو بنایا ہے۔ لیکن انہیں سے ہر ایک میں

یہ ایک عجیب بات ہے کہ ہر ایک نے اس مذہب کو اپنے ہی قالب میں ڈھالنا چاہا ہے۔ علی محمد (باب) نے ۱۸۴۴ء میں بابی مذہب کی بنا ڈالی اور البیان پر اپنے دعویٰ کی بنا رکھی۔ حسین علی (بہاء اللہ) نے باب کے قتل کے قریباً اٹھارہ برس بعد بابی مذہب کی امامت کا دعویٰ کیا اور یہ اعلان کیا کہ البیان اسکے اس کلام سے منسوخ ہو گیا ہے جو اس نے کتاب الاقدس میں درج کیا ہے اور اسوقت سے بابی مذہب کی کتاب مقدس یہی کتاب الاقدس سمجھی گئی ہے اور اسی کتاب پر بابی مذہب کے تمام اصول کی بُنیاد ہے۔ اب بہاء اللہ کے بعد اس کا بیٹا گدی پر بیٹھتا ہے۔ اور اگرچہ جسطرح کھلے طور پر بہاء اللہ نے باب کی تعلیم کو منسوخ قرار دیا تھا عباس اسطرح بہاء اللہ کی تعلیم کو منسوخ نہیں کہتا بلکہ یہی ظاہر کرتا ہے کہ اسکا اسی تعلیم اور انہی عقاید پر ایمان ہے۔ مگر ان قوانین میں جو بہاء اللہ نے قایم کیے تھے یہاں تک اس نے تغیر و تبدل کیا ہے کہ اب ان میں بہاء اللہ کا مذہب نظر آتا ہی نہیں یہ بات ہم صرف فلپس کے بیانات کی بنا پر لکھتے ہیں کیونکہ وہ عین یقین دلاتا ہے کہ تعلیمات عباس جو اس نے اپنی کتاب میں درج کی ہیں خود علم سے بلا واسطہ لی گئی ہیں اور شایع کرنے سے پہلے اس کے سامنے پڑھی گئی تھیں اور اسنے انکو صحیح تسلیم کیا تھا پس ہمیں اس کے بیانات پر شک کرنے کی کوئی گنجایش باقی نہیں رہتی۔ عباس کے ہاتھوں میں بابی مذہب نے بہ نسبت مذہب کے زیادہ تر فلسفہ کا رنگ پکڑ لیا ہے۔ وہ بہ نسبت اس کے کہ اپنے مریدوں کو رہنمائی کے لیے تعلیم دے یا اصول بنائے۔ فلسفیانہ مسائل کے حل کرنے میں بہت تشریحات سے کام لیتا ہے۔ اگرچہ یہ کہا گیا ہے کہ عباس تعلیم یافتہ نہیں ہے مگر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ وہ موجودہ زمانہ کی سائنس کے اعلیٰ درجہ کے اصول سے خوب واقف ہے اور اس نے روح اور مادے کی

اصلیت کے مسئلہ کو آج کل کی سائینس کے مطابق مسئلہ ارتقا پر قایم کیا ہے
برخلاف بہاراللہ کے جو بار بار خدا کو خالق قرار دیتا ہے عباس کہتا ہے کہ خدا کچھ
پیدا نہیں کر سکتا (دیکھو صفحہ ۱۶۹) اور مادہ انادی اور ازلی ابدی ہے (دیکھو
صفحہ ۱۷۰) روح اور مادہ کے متعلق عباس کی تعلیم یہ ہے کہ وہ موجودہ حالت تک
چار عالموں میں سے ہو کر پہنچے ہیں یعنی عالم معدنیات - عالم نباتات - عالم حیوانات
اور عالم انسان (دیکھو صفحہ ۱۱۹) اس آخری درجہ پر یعنی عالم انسانی میں پہنچکر ہر دو
روح و مادہ کے متعلق یہ خیال کیا گیا ہے کہ وہ اپنی تکمیل کو پہنچ چکے ہیں - کیونکہ
انسان "قدرت کی آخری پیداوار اور اس کی ترقی کا مقصد اعلیٰ ہے" (صفحہ ۱۲۰)
روح کے غیر فانی ہونیکے مسئلہ پر بھی عباس کے خیالات بہاراللہ سے
مختلف ہیں کیونکہ عباس کے خیالات اُس فلسفیانہ طرز پر واقع ہوتے ہیں جسکو
اس نے اختیار کیا ہے - ہر دو باب اور بہاراللہ روح کے غیر فانی ہونے اور
بعث بعد الموت پر ایمان لاتے تھے - لیکن عباس کے خیالات سے ایسا
ثابت نہیں ہوتا - عباس کے نزدیک انسان کا شعور روح کی جسم سے جدائی کے
بعد نہیں رہتا سوائے چند حالتوں کے - انسان کے خیالات جذبات اور
خو بو خیال کیے گئے ہیں کہ اس کے مرنیکے بعد کسی اور جگہ میں رہتے ہیں - مگر
روح باقی نہیں رہتی اور یہ جذبات اور سیرت بعد میں کسی اور انسان میں حلول
کر جاتے ہیں - اسکے ثبوت میں یہ پیش کیا گیا ہے کہ ایک آدمی کی سیرت اور
خو بو دوسرے میں پائی جاتی ہیں - اس خیال میں "بروز" کے خیال کو بگاڑ کر
بیان کیا گیا ہے مگر عباس کے نزدیک حیوانی روح کے علاوہ انسان میں ایک
اور روح بھی ہوتی ہے جو الٰہی روح کہلا سکتی ہے - یہ روح جو کہ حقیقی طور سے انسانی
روح کہلاتی ہے عام لوگوں میں یا عام طور سے بنی آدم میں نہیں پائی جاتی - بلکہ

صرف چند افراد کاملہ انسانیہ میں ہوتی ہے۔ جن میں یہ کافی طور سے نشوونما پاتی ہے اور ان حالتوں میں یہ روح انسان کی موت کے بعد زندگی کی اعلیٰ حالتوں میں چلی جاتی ہے۔ اسجگہ بہتر ہوگا کہ ہم مسٹر فلپس کے اصل الفاظ میں اس عقیدہ کو بیان کریں۔ کیونکہ یہ بابی مذہب میں ایک ایسا نیا عقیدہ ہے جو کہ ہر دو باب اور بہار اللہ کو معلوم نہ تھا بابی مذہب کے علم روح کے فلسفہ کی باب میں مسٹر فلپس لکھتا ہے۔ "لیکن انسان یا تو امکان کی رو سے یا حقیقی طور سے ایک اور اصل رکھتا ہے جس کے ذریعہ سے وہ تمام دوسری مخلوقات سے پہچانا جاتا ہے۔ یہ الٰہی شعاع ہوتی ہے اور انسان کو بلا واسطہ خدا کی طرف سے پہنچتی ہے۔ عباس افندی نے اسکو محبت الٰہیہ کی ایک شعاع قرار دیا ہے۔ جو ہر ایک انسان کی طرف خدا کی طرف سے اسکی بلوغ کے وقت بھیجی جاتی ہے۔ یہ حقیقتہً روح انسانی ہوتی ہے۔ جب یہ انسانی کانشنس (ضمیر) سے ملتی ہے تو یہ ایک ذات یا شخصیت کا جامہ پہن لیتی ہے۔ جو صرف اپنے تئیں اور خدا کو جانتی ہر یہ روح انسانی عقل اور قوّت متفکرہ کو روشن کرتی ہے اور اسکو اپنی شکل اور حقیقی روح کی شکل دیتی ہے۔ الروح کی زندگی سے بنی نوع آدم کے گروہ کے گروہ بالکل ناواقف ہیں۔ لیکن یہ روح شریف۔ عمدہ اور بلا غرض والے کاموں کی تحریکات کا ذریعہ بنتی ہے جو کام انسانی زندگی کے صفحہ کو روشن کرتے ہیں۔...... دنیا اور تمام اس کی ہزار ہا اشکال صرف اس لیے زندہ موجود رہتی ہیں کہ مسئلہ ارتقا کے مطابق شخصیت تعقل اور جذبہ کے ایسے مرکز پیدا کرے جو انسانی روح اور الٰہی شعاع کے درجہ تک پہنچ سکیں اور اس سے اتحاد کامل پیدا کر سکیں۔ اسی تکمیل کی طرف مسئلہ ارتقا کے مطابق یقیناً تمام انسانی نسل ترقی کر رہی ہے بنی آدم کے ایک بڑے حصّہ نے اس نشوونما کے درجہ کو حاصل نہیں کیا ہے

جہاں یہ اتحاد ممکن ہو سکتا ہے۔ لیکن بہت سے آدمی ایسے بھی ہوتے ہیں
جو اپنے قوی کی مشق سے اس درجہ کو حاصل کر سکتے ہیں کیونکہ انسان جبتک وہ
اس دنیا میں ہے اپنی قسمت اور تقدیر پر بہت بڑا تصرف رکھتا ہے۔ لیکن
لوگ اس وجہ کو تلاش نہیں کرتے۔ اپنے منہ خدا کی طرف نہیں موڑتے
عوام الناس جہالت اور حرص میں مبتلا ہوتے ہیں۔ اور اپنی فانی زندگی کے
چند سال اپنی ذاتی خواہشات اور شہوات میں اور زمینی زندگی کے دھوکوں اور
خودی کی بے حقیقت باتوں میں صرف کر دیتے ہیں۔ انکے لیے کوئی زندگی
بعد الموت نہیں ہے۔ سوائے اس کے کہ انکے خیالات اور افعال بذریعہ
اپنے اثار اور اظلال کے جاری رہتے ہیں۔ اور تمام انسانی زندگی کے
عام طریقہ میں تغیر و تبدل پیدا کر دیتے ہیں۔ وہ اُس درخت کے پتوں کی مانند
ہوتے ہیں جو بکثرت زمین پر گر پڑتے ہیں اور زمین کی کھاد بننے کیلیے
مفید ہو جاتے ہیں اور پھل جو خوب اچھی طرح طیار ہو کر پک جاتے ہیں ان
پتوں کے مقابلہ میں تعداد میں بہت ہی کم ہوتے ہیں۔ ہر قسم کے ہزار ہا
اجرام جو کبھی کامل نمو کو نہیں پہنچتے۔ قدرت (نیچر) نے انکو پیدا کر دیا ہے
اور کثرت سے دنیا میں پھیلا دیا ہے تاکہ چند افراد نشو و نما کے لیے مناسب حالات
پا سکیں۔ یا غیر مکمل اشکال کی ایک بڑی تعداد ارتقا کی خاطر ہر ایک درجہ
پر قربان کیجاویں تاکہ چند اور کامل افراد منتخب کیے جاویں جو اس ارتقاء کے
طریقہ کو جاری رکھیں۔ انسانی شخصیت کا اس الٰہی روح کے ساتھ اتحاد صرف
اسیوقت مکمل ہوتا ہے جب وہ عین جوانی کے زور کے وقت ظہور پذیر
ہو۔ لیکن ایک غیر مکمل اتحاد موت کے معاً بعد بھی واقع ہو سکتا ہے۔ جب کہ
حواس اپنے کاموں سے معطل ہو جاتے ہیں" مصنف کتاب لکھتا ہے

"جب یہ اتحاد غیر مکمل ہوتا ہے تو انسانی حس جو روح کے نیچے دب جاتی ہے اب اپنے غیر مکمل ہونیکی حالت سے خوب واقف ہوکر زندگی کے دیگر حالات کیطرف انتقال کر جاتی ہے۔ جہاں اسکے تکمیل حاصل کرنیکے باقی موقعے اور ذریعے اسکی ذاتی جد و جہد پر موقوف نہیں ہیں۔ اور بطور ایک حق کی کوشش سے حاصل نہیں ہو سکتے یعنی اسطرح حاصل نہیں ہو سکتے جسطرح کہ اس دنیا میں تکمیل روح کیلیے موقعے ملتے ہیں بلکہ مرنیکے بعد اسکی تکمیل صرف خدا کی رحمت اور فضل پر منحصر ہوتی ہے۔ مگر جب اتحاد کامل اور مکمل ہوتا ہے۔ تو اس سے ایک شخصیت یا ذات پیدا ہوتی ہے۔ جس میں عقل الٰہی اور روح کی تمام منتشرہ قوتیں ہوتی ہے اور وہ اپنے تئیں جانتی ہے اور وہ یہ بھی جانتی ہے کہ وہ قادر مطلق لم یزل و لا یزال ازلی ابدی خدا کا ایک جزو ہے زمانہ کی حکومت اسپر سے اٹھ جاتی ہے۔ اگرچہ وہ ابھی تک جگہ اور شکل کی حکومت کے اندر ہی ہے مگر یہ نہیں کہہ سکتے کہ وہ کسی خاص جگہ کے اندر رہتی ہے۔ اس حالت میں روح اس الٰہی سرچشمہ میں محو ہو کر جس کا اپنے تئیں یہ ایک حصہ خیال کرتی ہے زندگی کی اعلیٰ ترقیات کی طرف انتقال کرجاتی ہے اور اپنے نشو و نما کو جاری رکھتی ہے اور اپنی تکمیل کے آخری درجہ پر وہ زمانہ۔ مکان۔ جگہ اور شکل کی قیود سے دور آگے گذر جاتی ہے تب انسان اور خدا ایک ہو جاتا ہے یعنی وہی اصل ہوتا ہے اور وہی نقل۔"

اب یہ شکل اور نظری مابعد الطبیعیات کے مسائل جنکو عباس افندی نے اسقدر قابلیت سے بیان کیا ہے بہاء اللہ کی تعلیم کے مطابق نہیں ہیں۔ اور اسکی تمام تعلیم ایسے مسائل کی جیسے مسٹر فلپس نے عباس افندی کی طرف منسوب کیے زور سے تردید کرتی ہے۔ مثلاً بہاء اللہ کتاب الاقدس میں ایک جگہ لکھتا ہے۔ لا ینکرہ الّا الذین سکرت ابصارھم فی الاولیٰ و فی الاُخریٰ لھم

عذاب مہین (صفحہ ۴۹) ترجمہ۔ بہاء اللہ کا کوئی انکار نہیں کر سکتا مگر وہی شخص جو دنیا کے دھندوں میں مبتلا ہو گیا ہے۔ انکے لیے آخرت میں ذلت کا عذاب ہے۔ یہاں کم از کم اس نے آخرت کا وجود مان لیا ہے یعنی کہ مرنیکے بعد دوبارہ بہشت ہو گی اور اشرار کو انکی شرارت کے بدلہ میں سزا ہو گی۔ ایسی بہت سی عبارتیں بہاء اللہ کی تصنیفات کے بہت سے مقام میں پائی جاتی ہیں۔ جہاں کہ ہر دو ابرار اور اشرار کی حیات بعد الممات صریح اور صاف الفاظ میں تسلیم کی گئی ہے۔ اپنے منکرین کا ذکر کرتے ہوئے اسی کتاب میں ایک موقعہ پر لکھتا ہے۔ من الناس من غرته العلوم و بها منع عن اسمی القیوم واذا سمع صوت النعال عن خلفه یری نفسه اکبر من نمرود قل این هو ایها المردود تالله انه لفی اسفل الجحیم۔ (دیکھو صفحہ ۱۶) ترجمہ۔ لوگوں میں سے بعض ایسے ہیں جنکو انکے علوم نے دھوکہ میں ڈالا ہے اور ان علوم نے انکو میرے نام قیوم (سہارا دینے والا۔ جسکے سہارے سے تمام دنیا قایم ہے) سے روک دیا ہے جب وہ جوتی کی آواز اپنے پیچھے سے سُنتا ہے تو اپنے نفس کو نمرود سے بھی بڑا خیال کرتا ہے تو کہدے اے مردود وہ نمرود کہاں ہے۔ اللہ کی قسم وہ دوزخ کے سب سے نیچے کے طبقہ میں ہے۔ اب یہ مشہور بات ہے کہ نمرود ایک بادشاہ تھا جس نے حضرت ابراہیمؑ کی مخالفت کی تھی اور بہاء اللہ یہاں اقرار کرتا ہے اور بڑے پُر زور الفاظ سے اقرار کرتا ہے کہ وہ یعنی نمرود فی الدرك الاسفل من النار ہے یعنی آگ کے سب سے نیچے کے درجہ میں ہے اور اپنے مخالفین کو ڈراتا ہے کہ ایسی ہی سزا اُن علماء کو بھی دیجاویگی جنہوں نے بہاء اللہ کی مخالفت کی اور اسے رد کر دیا پھر اس قانون کا ذکر کرتے ہوئے جو زانی اور زانیہ کے متعلق کتاب الاقدس میں اس نے بیان کیا ہے وہ لکھتا ہے۔ هٰذا ما حکم به مالك السماء

فی الاولیٰ و فی الاخریٰ قد لہما عذاب مہین۔ صفحہ ۱۹۔ ترجمہ۔ یہ وہ حکم ہے جو آسمانوں کے مالک نے دنیا میں اجرا کے لیے دیا ہے۔ آخرت میں زانی اور زانیہ کے لیے عذاب ذلت کا مقرر کیا گیا ہے۔

بعث بعد الموت بہت سے اور موقعوں پر ابرار اور اشرار کیلیے عوام الناس اور برگزیدہ لوگوں کے لیے کم وبیش صریح الفاظ میں تسلیم کیا گیا ہے۔ ایک جگہ پر بہاء اللہ کے منکرین اصحاب السعیر قرار دیئے گیے ہیں۔ اور بار بار انپر لعنت کیگئی ہے۔ پھر خدا تعالیٰ لوگوں کے لیے گناہ بخشنے والا عفو غفور مانا گیا ہے حالانکہ ایسا اعتقاد بہاء اللہ کبھی بھی نہیں رکھ سکتا تھا اگر وہ بعث بعد الموت پر یقین نہ رکھتا کیونکہ وہی مقام ہے جہاں کہ شریروں کو انکی شرارت اور اخیار کو انکی حسنات کے بدلے عقاب و ثواب ہوگا اور گنہگاروں کے گناہ بخشے جاویں گے۔ لیکن اسکا بیٹا ہر کہ ظاہرًا ابھی تک اسی کے اپنے مذہب کی اشاعت کر رہا ہے۔ لیکن کھلم کھلا اس کے مذہب کے بڑے بڑے اصول کی تردید کر رہا ہے اور بالکل بابی مذہب کے خیالات کے متضاد اور متخالف فرضی دعاوی اور اصول شایع کر رہا ہے۔ تاکہ اسکے فلسفیانہ خیالات کے مطابق ہوجاویں جو وہ انسانی زندگی کی ابتدا اور انتہار کے متعلق خیال کرتا ہے۔ وہ کھلے طور سے ان تمام کے لیے بعث بعد الموت کا انکار کرتا ہے جنہوں نے روحانی تکمیل کا اعلیٰ درجہ حاصل نہیں کیا اور اسطرح اس مذہب کے اصل اصول کی سخت مخالفت کر رہا ہے جسکا وہ اپنے تئیں واعظ خیال کرتا ہے۔

ایک اور اختلاف جو عباس افندی نے اپنے باپ کی تعلیمات سے کیا ہے وہ ہے دوسرے مذاہب سے بابی مذہب کے تعلق کے بارہ میں۔ گذشتہ سال کے پرچوں میں ہم نے جو سلسلہ مضامین بابی مذہب پر لکھا یا تھا اس سے ہمارے

ناظرین کو معلوم ہو گیا ہو گا کہ بہاء اللہ نے اس زمانہ میں تمام مخلوقات کے ہادی بننے کا دعوے کیا تھا اور اس نے تمام دیگر مذاہب اور فرقوں پر لعن طعن کیا تھا۔ اور کہا تھا کہ تمام مذاہب ضلالت کی پیروی کر رہے ہیں۔ وہ اپنے مذہب کو "ابرار کیلیے برکت اور اشرار کے لیے ہلاکت قرار دیتا ہے۔" اور یہ فضل و رحمت انکے لیے ہے جو بہاء اللہ کو قبول کرتے ہیں اور یہ ہلاکت انکے لیے ہے جو اس کی تردید کرتے ہیں اور اسکی مخالفت کرتے ہیں۔ کتاب الاقدس اور بہاء اللہ کی دوسری تصنیفات ایسی عبارتوں سے پُر ہیں جیسی کہ مندرجہ ذیل عبارتیں ہیں۔ "خبردار وہ جو بہاء اللہ کے منکر ہیں ہلاکت کے گڑھے میں ڈالے جائیں گے۔" "مبارک ہیں وے جو مجھے قبول کرتے ہیں اور ہلاکت ہے انکے لیے جو مجھ سے انکار کرتے ہیں۔" "ہلاکت ہے انکے لیے جنہوں نے مجھے ترک کر دیا ہے۔" "وے ہے انکے لیے جو مُنہ موڑتے ہیں۔" "خدا انپر لعنت کرے۔" "خدا انسے لڑے۔" دوسرے مذاہب کا تو کیا ذکر ہے بہاء اللہ نے ان بابیوں سے بھی تحمّل سے سلوک نہیں کیا جو ابھی تک باب کے مذہب کے پیرو تھے لیکن انہوں نے بہاء اللہ کو قبول نہیں کیا تھا۔ اس نے بڑے خطرناک الفاظ میں انپر طعن و تشنیع کی ہے۔ بعض وقت اسنے انکے لیے ایسے الفاظ استعمال کیے ہیں جیسے بیوقوف۔ جاہل ناکتدہ تراش اور غافل لوگ جو شیطان کی طرح لوگوں کے دلوں میں شکوک و شبہات پیدا کرنے میں مشغول و مصروف رہتے ہیں۔" اور بعض دفعہ انہیں "کانھم حمر مستنفرۃ۔ فرت من قسورۃ" یعنی یہ گدھے ہیں جو شیر کے ڈر سے بھاگ گئے ہیں لکھا ہے۔ کتاب الاقدس کا مندرجہ ذیل حوالہ صاف طور سے بتلا رہا ہے۔ کہ بہاء اللہ کا دیگر مذاہب سے کیا تعلق تھا۔ "مبارک ہے وہ آدمی جو بہاء اللہ کا مصدق ہے اور ہلاکت ہے ہر ایک فریبی منکر کے لیے...... اور جان لو کہ البیان

کے متبعین نے اس فضل اور نعمت کے قبول کرنیسے انکار کیا ہے جسکی نظیر دنیا نے نہیں دیکھی...... اسطرح سے انکے نفسوں نے انکی بد اعمالیوں کو انکی نظر میں خوبصورت کرکے دکھلایا ہے اور آجکل وہ ضالین کے گروہ میں شامل ہوگئے ہیں وہ توہمات کی پرستش کرتے ہیں اور جانتے نہیں۔ اور بتوں کے سامنے سجدہ کرتے اور سمجھتے نہیں۔ وہ اپنے سروں کو پگڑیوں سے مزین کرتے ہیں اور خود گمراہ ہوگئے ہیں اور دوسروں کو گمراہ کر رہے ہیں"

درحقیقت بہاء اللہ نے جو بطور خود ایک مذہب کا بانی تھا چند ایک اصول پیش کیے ہیں اور ان اصول کے قبول کرنے پر ہی اسکے نزدیک تمام بنی نوع کی نجات منحصر تھی۔ سب سے پہلا اصل یہ تھا کہ اسکو خدا کا کامل اوتار سمجھا جاوے اور دوسرے ان احکام و قواعد کی اطاعت کیجاوے جو کتاب الاقدس میں درج کیے گئے ہیں۔ اس کتاب کے شروع میں ہی بڑی وضاحت سے لکھا گیا ہے کہ نجات حاصل کرنیکے لیے ضروری ہے کہ اسکو قبول کیا جاوے اور اُن احکام پر عملدرآمد کیا جاوے جو اس نے کتاب الاقدس میں لکھے ہیں۔ اس کتاب کو خدا کی میزان قرار دیا گیا ہے جس کے ساتھ تمام انسانوں کے اعمال وزن کیے جاتے ہیں اسطرح کہ خواہ کیسا ہی کوئی نیکی کا کام ہو وہ کسی کام کا نہیں جبتک کہ وہ قوانین کی کتاب (کتاب الاقدس) کے مطابق نہ ہو۔ چنانچہ خود اس کے پیرووں نے یہی سمجھا اور اسی کے مطابق اپنی کتابوں میں لکھا ہے کہ بہاء اللہ کا قبول کرنا نجات کے لیے شرط ہے۔ مندرجہ ذیل حوالہ سیکرٹ مسٹریز (مقدس اسرار) کا جو بہائیزم کی تشریح کے لیے ایک امریکن تصنیف ہے جسکو مسٹر فلپس نے بھی نقل کیا ہے بہاء اللہ کے مذہب کا سچا خاکہ ہے۔ اُس حوالہ کی عبارت یہ ہے۔ "جو شخص عبد البہا کی محبت میں پکا اور مستحکم ہے اور بہاء اللہ کے

مبارک مذہب کی تائید میں کھڑا ہوجاتا ہے وہ آسمان کی بادشاہت میں داخل ہوجاتا ہے۔ لیکن وہ جو خدا کے عہد میں پکا نہیں ہے وہ دوزخیوں میں سے ہے۔ آسمان کے دروازے اس پر بند ہیں" (صفحہ ۸۷) "جو کوئی آج خدا کی شریعت اور عہد میں پکا ہے اور عبد البہا یعنی عباس افندی کی طرف توجہ کرتا ہے جیسا کہ بہاء اللہ نے کھلے طور پر حکم دیا تھا وہ آسمانی بادشاہت میں داخل ہو جاتا ہے۔ برعکس اس کے جو شخص بہاء اللہ کے عہد کو توڑتا ہے اور عبد البہا سے منہ پھیرتا ہے جو شریعت کا مرکز ہے وہ ہر لحہ تنزل پر ہے ایسا شخص اصحاب الشمال میں سے ہے اور نار جہنم کے حروف میں سے ایک حرف ہے (صفحہ ۱۰۰) بہاء اللہ کی سچی تعلیم یہ تھی اب ہم دیکھتے ہیں کہ عباس افندی اپنے طبعی دین کے اصول بیان کرنے میں اپنے باپ کی تعلیم کا کہاں تک پاس کرتا ہے۔ اگر وہ واقعات جو مسٹر فلپس نے بیان کیے ہیں صحیح اور درست تصور کیے جاویں اور اس کے برخلاف خیال کرنیکے لیے ہمارے پاس کوئی دلیل نہیں ہے۔ اس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ عباس افندی کے نزدیک کسی خاص مذہب کا پیرو بننا ضروری نہیں ہے یا بابی یا بہائی مذہب کو اختیار کرنا روحانی ترقی کے لیے ضروری نہیں ہے۔ مسٹر فلپس اپنی کتاب صفحہ ۹۶ میں ہم کو بتاتا ہے کہ ایک دفعہ ایک آدمی نے عباس کو لکھا کہ "میں آپ کو ایک روحانی آدمی سمجھتا ہوں مگر ساتھ ہی آپ کی بعض تحریروں کو غلط خیال کرتا ہوں اور خود اپنے اندر روحانیت رکھتا ہوں" عباس نے اسکو مندرجہ ذیل جواب لکھا "کہ میں تم کو مبارکباد دیتا ہوں کہ تم میرے اس کام میں شریک ہو۔ اور میں آپسے التماس کرتا ہوں کہ آپ اپنے کسی عقیدہ سے دست بردار نہ ہوں اور میرے نزدیک یہ بات بہت عمدہ ہے اور اسمیں کوئی حرج نہیں کہ جس مذہب پر آپ ہیں اسی پہ آپ قایم رہیں صرف ایک چیز ضروری

ہے کہ آپ سب سے بڑھکر خدا سے محبت کریں اور اسکی تلاش میں لگے رہیں" دوسرا واقعہ جو بیان کیا گیا ہے وہ ایک عیسائی لیڈی کے متعلق ہے جس نے عباس سے یہ خواہش ظاہر کی تھی کہ وہ بہائی اصول کے پھیلانے میں اسکی مدد کرے گی بشرطیکہ اسکو اجازت دیجاوے کہ وہ عیسائی مذہب میں داخل رہے اور عیسائی عقاید پر قایم رہے۔ اور عباس نے اسکو بہت خوشی سے اسکی اجازت دی تھی "اس نے اسکو نصیحت کی تھی کہ عیسائی مذہب میں ہی داخل رہے اور عیسائی کلیسیا میں رہکر اس سچی تعلیم کو جو اس نے سیکھی ہے اسطرح پر پھیلاوے کہ گویا وہ مسیح کی تعلیم ہے"

مسٹر فلپس بابی مذہب کے اس روش کو بابی مت کے نئے ریفارمر اور واعظ کے ہاتھ میں اس مذہب کے متعلق بڑی پُر معنی اور ضروری بات خیال کرتا ہے اور واقعی اور حقیقی طور سے یہ بات بالکل صحیح اور درست معلوم ہوتی ہے۔ ان دو واقعات مذکورہ بالا کے علاوہ وہ ایک تیسرا واقعہ بیان کرتا ہے جو اسکا اپنا چشم دید واقعہ ہے۔ بدھ مذہب کی ایک عورت نے عباس سے کہا کہ وہ بہائی مت کے اصول کی اشاعت میں اسکی مدد کرنا چاہتی ہے۔ لیکن وہ ان باتوں کو لوگوں میں ایک نئے مذہب کے اصول کے طور پر بیان نہیں کر سکے گی۔ عباس نے اسکو نصیحت کی کہ پہلے پہل انکو یہ عقاید ایسے طور پر سکھائے کہ گویا وہ انہی کے مذہب کی سچائیاں ہیں اور جب وہ ان میں پکے اور مستحکم ہو جاویں تب انکو یہ خبر دے کہ یہ اصول مذہب جو تم کو بتلائے گئے ہیں یہ ایک نئے مصلح نے سکھلائے ہیں اور انکو بدھ کا وعدہ یاد دلائے کہ اس نے کہا تھا کہ "ایک اور استاد آئیگا" لیکن جب اس عورت نے یہ ظاہر کیا کہ وہ اسقدر جرأت بھی نہیں کر سکتی اور کہا کہ میں دل سے بدھ مت کی پیرو ہوں اور وہ مذہب میرا جزو حیات ہو گیا ہے اسلیے میں اسکو کبھی ترک

نہیں کرسکتی۔ تو اسپر عباس نے اسکو کہا کہ جس طرح تم چاہتی ہو اسی طرح کرو اور یہ بھی کہا کہ اس میں کوئی حرج کی بات نہیں کہ تم جس مذہب کی چاہو پیرو کہلاؤ۔

ان واقعات سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ عباس کا یہ انداز بالکل بہاء اللہ کے انداز کے برخلاف اور متضاد تھا حالانکہ عباس اپنے تئیں اسی کا متبع کہتا ہے۔ بہاء اللہ کے نزدیک یہ نہایت ضروری تھا کہ نہ صرف اس کے دعاوی ہی کی تصدیق کیجاوے بلکہ اس کے قانون کی ذرا ذرا باتیں میں بھی پیروی کیجاوے جس میں اس نے عبادت کے اور تمدن کے بعض طریق اور قوانین مقرر کردیئے ہیں۔ لیکن اس کے برخلاف عباس کا طریق مسٹر فلپس یوں بیان کرتا ہے۔ " وہ کسی آدمی سے نہیں کہتا کہ وہ اپنے مذہب کو ترک کردے بلکہ یہ کہتا ہے کہ اپنے ہی مذہب کی اصلی تعلیم اور روح کے مطابق زندگی بسر کرے۔ وہ بنی نوع کو یہ نصیحت کرتا ہے۔ کہ بہائی بننے کی کوئی ضرورت نہیں ہے بلکہ ان عقائد اور اصول کو جنپر پہلے سے انکا ایمان ہے اچھی طرح سے عمل میں لانا چاہیئے " اب یہ امر نہایت صاف ہوگیا ہے کہ عباس کی تعلیم دیگر مذاہب کے متعلق بہاء اللہ کی تعلیم سے بالکل مخالف ہے اور اس کے متعلق مسٹر فلپس کی کتاب سے میں صرف ایک اور حوالہ نقل کرنا چاہتا ہوں جو اسپر اور روشنی ڈالتا ہے۔ " جب عباس افندی سے یہ دریافت کیا گیا کہ اُن لاکھوں انسانوں کا کیا حال ہوگا جنھوں نے کبھی بہاء اللہ کو سنا ہی نہیں۔ کیا وہ اس وجہ سے بالکل ناامیدی سے گرے گذرے سمجھے جائیں گے۔ تو اس نے جواب دیا نہیں۔ ہمارے خداوند کا ظہور تمام بنی آدم کیلیے تھا۔ انکے لیے بھی جو اسکو جانیں گے اور انکے لیے بھی جو اس سے بے علم رہیں گے روح ہر جگہ وہی ہے (یعنی ہر مذہب میں بابی مذہب کی ہی روح اثر کرگئی ہے) خواہ کسی نام سے اسکو بنی آدم پکاریں وہ انکی آواز سُنیگا اور جواب دیگا اور جب اس سے بُت پرستوں کی بابت

پوچھا گیا جو بڑے شوق اور سچے دل سے پتھروں کے آگے سرنگوں ہوتے ہیں اسنے جواب دیا انکی بھی سُنی جائے گی اور خدا انکی حفاظت کریگا"

ان دو فقروں میں ہمیں دو ایسے اصول بتائے گئے ہیں جن کو ایک سمجھدار آدمی ایک لمحہ کے لیے بھی تسلیم نہیں کر سکتا۔ ان میں سے پہلا اصل یہ ہے کہ بہاء اللہ کی پیدایش نے تمام بنی آدم کو نجات بخشی ہے انکو بھی جنہوں نے اسکی بابت سُنا ہے اور ان کی بھی جنہوں نے اسکی نسبت نہیں سُنا اور نہ کبھی سُن سکیں گے۔ اور دوسرا اصل یہ ہے کہ ذلیل سے ذلیل قسم کی بُت پرستی اور توہم پرستی۔ اور الٰہیات کے ادنیٰ ترین خیالات ایسے ہی مفید ہو سکتے ہیں جیسا کہ معرفت الٰہی کے بلند سے بلند اور اعلیٰ ترین خیالات۔ ہم یہاں اتنا اور زیادہ کرتے ہیں کہ یہ اصول نہ صرف بہاء اللہ کی تعلیم کے متضاد ہیں بلکہ عباس کی اپنی دوسری تعلیم کے بھی سخت مخالف ہیں۔ یہاں یہ بتلایا گیا ہے کہ تمام بنی آدم کی نجات بہاء اللہ کی آمد سے ہو گئی ہے۔ لیکن جیسا کہ ہم بتا چکے ہیں دوسری جگہ پر اس سے انکار کیا گیا ہے کہ لوگ مرنیکے بعد بھی زندہ ہونگے۔ اور انکی زندگی کو ان درختوں کے پتّوں سے مشابہت دی گئی ہے جو بکثرت گر پڑتے ہیں اور صرف زمین کا کھاد بنکر اسکو زرخیز بناتے ہیں۔ ان دونوں عبارتوں کی باہم توفیق اور تطبیق محال ہے۔

اسی اثنا میں یہ بات بھی بیان کرنیکے قابل ہے کہ بابی مذہب کا موجودہ امام بعض صورتوں میں اسلامی شریعت کی پیروی کرتا ہے اگرچہ انہی باتوں کے متعلق بہاء اللہ کی شریعت اس کے سخت مخالف ہے۔ مثلاً مسٹر فلپس کہتا ہے کہ عباس ماہ رمضان کے روزے رکھتا ہے اور کہ اس نے خود دیکھا کہ اُس اثنا میں جبکہ وہ عکا میں ٹھہرا ہوا تھا ماہ رمضان کے آنے پر عباس نے مسلمانوں کی طرح روزے رکھے۔ اور ایسا ہی اس نے دیکھا کہ وہ اور اسلامی احکام کی پیروی بھی کرتا ہے

جن کی اسنے تفصیل نہیں دی۔ چنانچہ وہ کہتا ہے کہ "وہ مہینہ جو مَیں نے عکا میں گذارا وہ مسلمانوں کے روزوں کا مہینہ رمضان تھا جس میں جیساکہ تمام دیگر مسلمان روزے رکھتے تھے ویسا ہی عباس افندی اور اس کے تبعین نے بھی روزے رکھے۔ مگر یہ کام انہوں نے محض امن کی خاطر کیا اور نیز اس الزام سے بچنے کے لیے کہ انہوں نے شریعت میں کوئی تبدیلی کی ہے یا کسی قسم کا اختراع کیا ہے"۔ ہم یہ نہیں کہہ سکتے کہ یہ وجہ جو اسلامی شریعت پر عمل کرنیکے لیے بیان کی گئی ہے یعنی تا اسلامی گورنمنٹ کسی قسم کی عقوبت میں نہ ڈالے کہاں تک قابل تسلیم ہے کیونکہ بہاء اللہ نے کتاب الاقدس کو اس زمانہ میں لکھا تھا جبکہ وہ عکا کی قیدخانہ میں بند تھا اور اسی کتاب میں اس نے اپنے پیرووں کیلیے ایک نئی شریعت تجویز کی تھی اور صاف طور پر لکھا تھا کہ اسلامی شریعت میری آمد سے منسوخ ہوگئی ہے۔ اس لیے اس بات پر مشکل سے یقین آسکتا ہے کہ جس شریعت کو بہاء اللہ نے اسی گورنمنٹ کے ماتحت شایع کیا اور اپنے پیرووں سے اسپر عمل کرایا اب اسکے بیٹے کو اس شریعت پر عمل کرنیسے جبر کرکے روکا جاتا ہے اور اگر یہ وجہ بھی ہو کہ امن کی خاطر وہ ایسا کر رہا ہے تو کیا ایک مذہبی مصلح کی شان کے شایان بات ہے کہ دل میں عقیدہ کچھ رکھے اور بظاہر کسی شریعت پر عمل کرے۔ بالفاظ دیگر یوں کہنا چاہیئے کہ اگرچہ بہائی مذہب میں لوگ داخل ہو جاویں مگر خدا تعالیٰ کی غیرت نے اس شریعت کو سرسبز ہونے نہیں دیا جسکو بہاء اللہ نے اسلامی شریعت کا ناسخ قرار دیکر پیش کیا تھا کیونکہ جب خود امام ہی اسپر عمل نہیں کرتا یا نہیں کرسکتا تو اور لوگ کیا کریں گے۔

عباس کے اکثر مذہبی نصائح قرآن شریف سے اخذ کیے گئے ہیں اور مسٹر فلپس ہم کو یقین دلاتا ہے کہ عباس افندی ہر روز شام کو قرآن شریف کا درس دیتا ہے

اور اس کلام پاک کی آیات کی تفسیر بیان کرتا ہے۔ اس بارہ میں بھی عباس اپنے باپ بہار اللہ کے فرمودہ کے برخلاف چلتا ہے۔ کیونکہ اگرچہ بہار اللہ نے قرآن شریف کی تلاوت سے تو منع نہیں کیا تاہم اس نے اپنی کتاب الاقدس اور دوسری تصانیف کو اتنی اہم اور ضروری قرار دیا ہے کہ یہ بالکل بعید از قیاس ہے کہ اس کے مرید اپنے وقت کو قرآن شریف کی تفسیر سیکھنے اور سکھانے میں گذار دیں۔ کتاب الاقدس میں ہم لکھا ہوا پاتے ہیں "کہ کوئی شخص اگر اس کی (یعنی بہار اللہ کی) تصنیفات میں سے ایک ہی آیت پڑھیگا تو وہ اس کے لیے بہت ہی بہتر ہے بہ نسبت اسکی کہ وہ اولین اور آخرین کی تمام قدوسی کتابوں کو پڑھے" ایسے ہی فقرات اسی کتاب کے اور مقامات میں بھی پائے جاتے ہیں اور بہار اللہ کی دیگر تصانیف میں بھی بکثرت موجود ہیں۔ لیکن اب ہم بابی مذہب کے امام کو دیکھتے ہیں کہ وہ اپنے عقاید اور اصول کی تشریح کیلیے قرآن شریف کے آگے ہاتھ پھیلا رہا ہے۔ اور قرآن مجید کو کھول کھول کر اپنے مریدوں کو سنا رہا ہے باوجودیکہ بابی مذہب کی کتب مقدسہ موجود ہیں مگر یہ قرآن شریف کو انکے مقابلہ میں ترجیح دیتا ہے اور اپنے باپ کی کتب مقدسہ کی پرواہ تک بھی نہیں کرتا۔ بہار اللہ کی اس سے بڑھکر ناکامی اور کیا ہوگی کہ اسی کا بیٹا جو اس کی جگہ پر خلیفہ ہوا اس کے مذہب کا ستیاناس کر رہا ہے۔ کلمۃً طیبۃ کشجرۃٍ طیبۃٍ اصلھا ثابت و فرعھا فی السماء۔ توءتی اکلھا کل حین باذن ربھا۔ ومثل کلمۃٍ خبیثۃٍ کشجرۃٍ خبیثۃ اجتثت من فوق الارض مالھا من قرار۔

بڑے اعلیٰ درجے کے فلسفیانہ مسائل اور بہترین مذہبی اصول جو عباس کی طرف منسوب کیے جاتے ہیں وہ وہ ہیں جو قرآن شریف سے لیے گئے ہیں۔ بطور مثال میں یہاں اس باب کا ذکر کرتا ہوں جس میں روح کے خواص پر بحث کی گئی ہے۔ عباس کی

تعلیم کے مطابق روح کی تین حالتیں ہیں۔ پہلی حالت جو بیان کی گئی ہے وہ یہ ہے جس میں نفس اپنے خواہشات ردیہ کے پیچھے پڑا ہوا ہے۔ دوسری حالت وہ ہے جس میں انسان اپنے قصوروں کو معلوم کر لیتا ہے اور برے اعمال کی وجہ سے اپنے آپ کو ملامت کرتا ہے اور نیکی کی طرف راغب ہوتا ہے۔ تیسری حالت وہ ہے جس میں وہ خدا سے بالکل مطمئن ہو جاتا ہے اور اس میں وہ بکلی اطمینان پکڑ جاتا ہے۔ اب یہ روح کی تین حالتیں بعینہ وہی ہیں جو قرآن شریف میں بیان کی گئی ہیں اور عباس نے ان اصطلاحات ثلاثہ کو بھی قرآن شریف سے لیا ہے جہاں ان تین حالتوں کو نفس امّارہ۔ نفس لوّامہ اور نفس مطمئنہ کے نام سے موسوم کیا گیا ہے یعنی اول وہ نفس جو ہر وقت بدیوں کا حکم کرتا رہتا ہے اور دویم وہ نفس جو اپنے تئیں برے اعمال پر ملامت کرتا اور نیک اعمال کی رغبت رکھتا ہے اور سویم وہ نفس جو اپنے خالق سے بالکل راضی ہو گیا ہے اور اس میں اطمینان کلی پکڑ گیا ہے۔ گیارہ برس سے زیادہ گذرتے ہیں کہ یہی مضمون لاہور کے جلسۂ اعظم مذاہب پر حضرت مرزا غلام احمدؑ صاحب قادیانی مسیح موعود علیہ السلام کی طرف سے پڑھا گیا تھا۔ اور اس کا انگریزی ترجمہ اسی رسالہ میں ۱۹۰۲ء کو شایع کیا گیا تھا۔ ہم نیچے دو کالموں میں ایک طرف نفس کی ان حالتوں کا بیان جیسا کہ حضرت مسیح موعودؑ کے مضمون میں تھا اور دوسری طرف جس طرح پر عباس نے یہ حالتیں بیان کی ہیں لکھ دیتے ہیں اور بالمقابل کالموں میں ان بیانات کو رکھنے سے غرض یہ ہے کہ ناظرین مقابلہ کر کے دیکھ سکیں کہ آیا بابی تعلیم قرآن شریف سے ہی اخذ نہیں کی گئی ہے؟ یاد رہے کہ حضرت مسیح موعودؑ کا مضمون ۱۸۹۶ء کے اخیر میں شایع ہو چکا تھا اور یہ کتاب جس میں عباس کا مضمون ہے ۱۹۰۴ء میں شایع ہوئی ہے۔ یعنی حضرت مسیح موعودؑ کے مضمون سے قریباً سات یا آٹھ سال بعد۔

روح کی تین حالتیں جو قرآن شریف نے بیان فرمائی ہیں اور اُنکو حضرت اقدس مسیح موعود علیہ السلام نے جلسہ اعظم مذاہب لاہور ۱۸۹۶ء میں بیان فرمایا تھا۔

ا۔ پہلا سرچشمہ جو تمام طبعی حالتوں کا مورد اور مصدر ہے اس کا نام قرآن شریف نے نفس امّارہ رکھا ہے جیساکہ وہ فرماتا ہے ان النفس لامّارۃ بالسوء یعنی نفس امّارہ میں یہ خاصیت ہے کہ وہ انسان کو بدی کی طرف جو اسکے کمال کے مخالف اور اسکی اخلاقی حالتوں کے برعکس ہے جھکاتا ہے اور ناپسندیدہ اور بدراہوں پر چلانا چاہتا ہے غرض بے اعتدالیوں اور بدیوں کی طرف جانا انسان کی ایک حالت ہے جو اخلاقی حالت سے پہلے اسپر طبعاً غالب ہوتی ہے اور یہ حالت اسوقت تک طبعی حالت کہلاتی ہے جبتک کہ انسان عقل اور معرفت کے زیر سایہ نہیں چلتا بلکہ چارپایوں کی طرح کھانے پینے سونے جاگنے یا غصہ اور جوش دکھلانے وغیرہ امور میں طبعی جذبات کا پیرو رہتا ہے اور جب انسان عقل اور معرفت کے مشورہ سے طبعی حالتوں

روح کی تین حالتیں جن کو عباس نے بیان کیا ہے اور یہ بیان مسٹر فلپس کی کتاب عباس افندی سے لیا گیا ہے صفحہ ۱۸۵ تا ۱۸۷۔

ا۔ "احساس والی روح کی حالت اول وہ ہے جس میں وہ بدیوں میں مبتلا اور گرفتار ہوتی ہے۔ اسکی یہ حالت انعام یعنی... چارپایوں کے ساتھ مشابہ ہوتی ہے۔ اس حالت میں قوی بہیمیہ کی روح پر حکومت ہوتی ہے۔ ایسی حالت میں وہ نیکی کو بدی سے تمیز نہیں کرسکتی۔ چونکہ وہ خواہشات نفسانیہ سے مغلوب ہوتی ہے اسلیے وہ جائز و ناجائز میں امتیاز نہیں کرسکتی۔ یہ خواہش نفسانیہ کے ہاتھ میں شہوات نفسانیہ کے جذب کے لیے کام دیدیتی ہے اس حالت میں نہ وہ خدا کو جانتی ہے اور نہ انسانی معصومیت کو (انسانی فطرت کی معصومیت سے میری مراد اسکی کامل طہارت اور پاکیزگی ہے جس میں کسی خواہش اور نفسانی کی ملاوٹ اور دخل نہیں ہے) یہ تمام اشیاء کی صداقت سے بہت دور رہتی

میں تصرف کرتا اور اعتدال مطلوب کی
رعایت رکھتا ہے اُسوقت ان تینوں حالتوں
کا نام طبعی حالتیں نہیں رہتا بلکہ اُسوقت یہ حالتیں
اخلاقی حالتیں کہلاتی ہیں۔

۲۔ اور اخلاقی حالتوں کے دوسرے
سرچشمہ کا نام قرآن شریف میں نفس لوّامہ ہے
جیساکہ قرآن شریف فرماتا ہے ولا اقسم
بالنفس اللوّامہ یعنی میں اُس نفس کی
قسم کھاتا ہوں جو بدی کے کام اور ہر ایک
بے اعتدالی پر اپنے تئیں ملامت کرتا ہے
یہ نفس لوّامہ انسانی حالتوں کا دوسرا سرچشمہ
ہے جس سے اخلاقی حالتیں پیدا ہوتی
ہیں۔ اور اس مرتبہ پر انسان دوسرے حیوانات
کی مشابہت سے نجات پاتا ہے اور اسجگہ
نفس لوّامہ کی قسم کھانا اسکو عزّت دینے
کے لیے ہے۔ گویا وہ نفس امّارہ سے
نفس لوّامہ بنکر بوجہ اس ترقی کے جناب الٰہی
میں عزّت پانیکے لائق ہوگیا اور اسکا نام
لوّامہ اس لیے رکھا کہ انسان کو بدی پر ملامت
کرتا ہے اور اسپر راضی نہیں ہوتا کہ انسان
اپنے طبعی لوازم میں شتر بے مہار کی طرح چلے

ہے۔ یہ روح تعلیم یافتہ نہیں ہوتی۔
اگرچہ ظاہری طور پر اور اگرچہ اپنی باتوں
سے وہ بتلاتے ہیں کہ وہ قوّت ممیزہ رکھتے
ہیں اور فرض بھی کر لیا جاوے کہ انہیں تمیز
بین الطیب والخبیث ہے مگر حقیقی
طور سے انہیں کوئی قوّت ممیزہ نہیں
ہوتی۔ ایسے آدمی بکثرت ہوتے ہیں
جو ہادیان راہ حق کی خبرگیری کے ماتحت
نہیں ہوتے جو پاک اور مطہر تحریکات
انسانیہ سے بالکل ناواقف محض ہوتے
ہیں (یعنی ایسی تحریکات جو خواہش اور
جذبہ نفسانیہ سے خراب نہ کی گئی ہوں)

۲۔ "بعد اسکے کہ انسان معلمان الٰہی کے
نیچے آکر پناہ لیتا ہے اور بعد اس کے
جو وہ انسانی طہارت اور پاکیزگی کو سمجھ
لیتا ہے تب قوّت ممیزہ حاصل کرکے
وہ معلوم کر لیتا ہے کہ فطرت انسانیہ
کسے کہتے ہیں۔ ایسا آدمی اپنے قصوروں
کا اقرار کرتا ہے وہ اپنی نالایقی اور صفات
قبیحہ کی بابت خود اپنے سے سوال
کرتا ہے۔ وہ ہمیشہ پشیمان رہتا ہے

اور چارپایوں کی طرح زندگی بسر کرے بلکہ یہ چاہتا ہے کہ اس سے اچھی حالتیں اور اچھے اخلاق صادر ہوں اور انسانی زندگی کے تمام لوازم میں کوئی بے اعتدالی ظہور میں نہ آوے اور طبعی جذبات اور طبعی خواہشیں عقل کے مشورہ سے ظہور پذیر ہوں پس چونکہ وہ بُری حرکت پر ملامت کرتا ہے اس لیے اُسکا نام نفس لوامہ ہے یعنی بہت ملامت کرنیوالا اور نفس لوامہ اگرچہ طبعی جذبات پسند نہیں کرتا بلکہ اپنے تئیں ملامت کرتا رہتا ہے لیکن نیکیوں کے بجالانے پر پورے طور سے قادر بھی نہیں ہو سکتا اور کبھی نہ کبھی طبعی جذبات اس پر غلبہ کر جاتے ہیں تب گر جاتا ہے اور ٹھوکر کھاتا ہے گویا وہ ایک کمزور بچہ کی طرح ہوتا ہے جو گرنا نہیں چاہتا ہے مگر کمزوری کی وجہ سے گرتا ہے پھر اپنی کمزوری پر نادم ہوتا ہے غرض یہ نفس کی وہ اخلاقی حالت ہے جب نفس اخلاق فاضلہ کو اپنے اندر جمع کرتا ہے اور سرکشی سے بیزار ہوتا ہے مگر پورے طور پر غالب بھی نہیں آسکتا۔

اور اپنے گناہوں سے توبہ کرتا رہتا ہے۔ وہ نیکی اور تقدس کی طرف رغبت کرتا ہے یہ احساس والی روح حالت ثانیہ کہلاتی ہے۔ یہ خدا کی طرف روح کی ترقی کا پہلا زینہ ہے۔ یہ انابت اور یہ حسنات کی خواہش ذریعہ بنجاتی ہے۔ جسکے ذریعہ سے باطنی نور اور روشنی حاصل کیجا سکتی ہے۔ انسان راستی اور غیر راستی کے صفات سے خوب واقف ہوجاتا ہے۔ اسکی احساس کی قوت ترقی کرتی جاتی ہے۔ وہ اللہ کے فضل سے بصیرت حاصل کرلیتا ہے اور الہام الٰہی اُسکو پہنچتا ہے۔ یہ اسکی ترقی اور تربیت کے ذرایع ہوتے ہیں انہی ذرایع سے وہ تعلیم پاتا اور تربیت سیکھتا ہے۔ تب وہ اسرار الٰہیہ سے مطلع ہوجاتا ہے۔ بغیر کسی کی تعلیم کے وہ سچے اسرار الٰہیہ کو معلوم کرلیتا ہے۔ بغیر کسی اُستاد کے وہ فہم رسا حاصل کرلیتا ہے اور تمام حقایق الاشیاء کو پڑھ لیتا ہے۔

۳- جب وہ اس درجہ پر پہنچتا ہے تو

۳- پھر ایک تیسرا چشمہ ہے جسکو روحانی حالتوں کا مبدء کہنا چاہیئے اس سرچشمہ کا نام قرآن شریف نے نفس مطمئنہ رکھا ہے جیسا کہ وہ فرماتا ہے۔ یا ایتھا النفس المطمئنة ارجعی الی ربك راضية مرضية۔ فادخلی فی عبادی وادخلی جنتی۔ یعنی اے نفس آرام یافتہ جو خدا سے آرام پاگیا۔ اپنے خدا کیطرف واپس چلا آ۔ تو اُس سے راضی اور وہ تجھ سے راضی پس میرے بندوں میں مل جا اور میرے بہشت کے اندر آجا۔ یہ وہ مرتبہ ہے جس میں نفس تمام کمزوریوں سے نجات پاکر روحانی قوتوں سے بھر جاتا ہے اور خدا تعالیٰ سے ایسا پیوند کرلیتا ہے کہ بغیر اُسکے جی بھی نہیں سکتا اور جسطرح پانی اوپر سے نیچے کی طرف بہتا اور بسبب اپنی کثرت کے اور نیز روکوں کے دُور ہونیسے بڑے زور سے چلتا ہے اسی طرح وہ خدا کی طرف بہتا چلا جاتا ہے۔ اسی کی طرف اشارہ ہے جو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ اے نفس جو خدا سے آرام پاگیا اسکی طرف واپس چلا آ۔ پس اسی زندگی میں نہ موت کے بعد ایک عظیم الشان تبدیلی پیدا کرتا ہے

اسکو تقین اور اطمینان عطا ہوتا ہے۔ وہ استقامت اور استقلال حاصل کرلیتا ہے۔ اب اس کا اعتقاد اور مذہب پہاڑ کی طرح راسخ ہوتا ہے کہ کوئی اسکو بدل نہیں سکتا۔ اگر توہمات کے سمندر اپنے امواج اس کے اوپر سے گذار دیں تو وہ اس کی استقامت میں اتنا بھی خلل نہیں ڈال سکتے جتنا کہ ایک قطرۂ آب کسی چیز کو دھکا دے سکتا ہے اور تزلزل پیدا کرسکتا ہے۔ اگر تمام امتحانات اور ابتلاؤں کی فوجیں ملکر اسپر حملہ کریں تو اسپر ذرا بھر بھی اثر نہیں ڈال سکتیں۔ وہ ایسا متیقن ہوتا ہے۔ ایسا مستقل ہوتا ہے ایسا بشاش۔ ایسا اپنے مذہب میں پکا اور خدا کی بادشاہت کو ایسا چاہنے والا۔ اپنی روحانی زندگی میں ایسا مضبوط اور راسخ ہوتا ہے کہ وہ اعدا کی تلوار کے نیچے گیت گاتا اور خوشی کے مارے رقص کرتا ہے۔ اگر تمام دنیا کے لوگ جمع ہوکر اس سے یہ چاہیں کہ وہ اپنے

اور اسی دنیا میں نہ دوسری جگہ ایک بہشت اسکو ملتا ہے اور جیسا کہ اس آیت میں لکھا ہے کہ اپنے رب کی طرف یعنی پرورش کرنے والے کی طرف واپس آ۔ ایسا ہی اسوقت یہ خدا سے پرورش پاتا ہے اور خدا کی محبت اس کی غذا ہوتی ہے اور اسی زندگی بخش چشمہ سے پانی پیتا ہے اس لیے موت سے نجات پاتا ہے جیسا کہ دوسری جگہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے قد افلح من زکّھا وقد خاب من دسّھا یعنی جس نے ارضی جذبات سے اپنے نفس کو پاک کیا وہ بچ گیا اور نہیں ہلاک ہوگا مگر جس نے ارضی جذبات میں اپنے تئیں چھپا دیا وہ زندگی سے نا امید ہو گیا۔

اعتقاد اور مذہب کو چھوڑ دے تو وہ اس میں ہرگز کامیاب نہ ہوں گے اور اس میں ذرا بھر بھی تزلزل پیدا نہ کرسکیں گے۔ کیونکہ اس لیے کہ وہ واہب العطیات سے نور حاصل کرتا ہے۔ جب وہ اس درجہ پر پہنچتا ہے وہ مطمئن ہو جاتا ہے وہ خدا میں آرام اور سکینت پا جاتا ہے خواہ وہ کیسی ہی حالت میں اسکو پھینک دے۔ یہ اس کے لیے خدا میں اطمینان یافتہ ہونیکی حالت ہے وہ اپنے تئیں محسوس کرتا ہے کہ وہ فضل کے سمندر کی طرف جذب کیا جا رہا ہے۔ اسوقت خدا بھی اس سے راضی ہو جاتا ہے"

اس مقابلہ سے امید ہے کہ ناظرین خود معلوم کریں گے کہ عباس کی تعلیم میں جو اعلیٰ اور بہتر تعلیم ہے وہ تمام کی تمام قرآن شریف سے اخذ کی گئی ہو۔ درحقیقت بعض اوقات اس کی اخلاقی تعلیم قرآنی آیات کا لفظی ترجمہ ہوتا ہے میں اسکی ایک مثال دیتا ہوں۔ مسٹر فلپس مندرجہ ذیل عباس کی تعلیم گردانتا ہے "تم عداوت کو محبت سے جیت سکتے ہو۔ اگر تم مہربانی اور شفقت سے اسکو ملو جو تمھیں ستاتا ہے۔ تم اس کی سخت طبیعت کو مغلوب کر سکتے ہو" اب قرآن شریف

کی مندرجہ ذیل آیت پر غور کرو۔ ادفع بالتی ھی احسنؕ فاذا الذی بینک وبینه عداوة کانه ولی حمیم۔ یعنی احسن طریقہ سے بدی کو دور کرو۔ پس تحقیق وہ شخص کہ تم میں اور اس میں سخت عداوت ہے اچانک تمھارا پکّا اور دلی دوست بنجاویگا دیکھو حٰمٓ السجدہ۔ یہاں عباس کی تعلیم نے اصلی مطلب اخذ کرلیا ہے مگر قرآن شریف کی آیت کے حُسن و خوبی کو کھو دیا ہے۔

عباس کی تعلیم میں عفو کے مسئلہ پر اتنا زور دیا گیا ہے کہ بالکل لغو سا معلوم ہوتا ہے "جب تم آدمیوں کو بدی کرتے دیکھو۔ تو تمھیں انکے ساتھ ناراض نہیں ہونا چاہیئے" یہ اسکی تعلیم ہے عفو کے بارہ میں۔ اس تعلیم پر عمل کرنا بعض حالات میں انسانیت سے بھی بعید ہوتا ہے۔ فرض کرو کہ ہم ایک بیکس اور بے بس انسان کو دیکھتے ہیں کہ وہ لُوٹا جارہا ہے یا دیکھیں کہ ایک بچاری غریب عورت کی بے حرمتی کیجارہی ہے کیا ہم بحیثیت انسان ہونیکے اپنی ناخوشی اور ناراضی کا اظہار نہ کریں گے۔ تمام نیکی معاف کرنے ہی میں نہیں ہے اور خود نیکی کی محبت بعض وقت بدی کے انتقام لینے میں دریغ نہیں کریگی۔ اَلسِّنَّ بِالسِّنِّ (دانت بدلہ دانت کے) کا مسئلہ بعض اوقات بہت ہی سخت معلوم ہوتا ہے لیکن تمام موقعوں پر محض نرمی اور معافی کا سلوک اور برتاؤ بھی اس سے بڑھ کر بیہودہ مسئلہ ہے۔ اس مسئلہ کے متعلق اعلیٰ تعلیم وہ ہے جو قرآن شریف میں پائی جاتی ہے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے جزاء سیئة سیئةٌ مثلھا فمن عفیٰ واصلح فاجرہ علی اللہ۔ یعنی بدی کی اتنی ہی سزا ہے جتنی کہ بدی کی گئی ہو جو شخص معاف کرے اور اسکے اس معاف کرنے میں اصلاح مدنظر ہو۔ تو اس کا اجر اللہ کے ذمہ ہے یہ آیت ہمیں بتاتی ہے کہ معاف کرنا اسوقت بہتر ہوتا ہے جبکہ موقع اور محل پر برتا جاوے۔ قرآن مجید بلا موقع اور محل کی عفو نہیں سکھلاتا اور نہ وہ یہ کہتا ہے کہ

ہر موقعہ پر بدی کا مقابلہ نہ کیا جاوے اور نہ وہ یہ تعلیم دیتا ہے کہ بدی کنندہ کو کسی وقت بھی سزا نہیں دینی چاہیئے۔ اصل اور قاعدہ جو قرآن شریف مقرر فرماتا ہے وہ یہ ہے کہ ایک سمجھدار عاقل بالغ خوب سزا اور عفو کے موقع و محل کو دیکھ لیا کرے۔ وہ مظلوم اور ستم رسیدہ انسان کے سپرد کرتا ہے کہ وہ خود فیصلہ کرے کہ آیا یہ موقعہ عفو کا ہے یا سزا کا۔ تب وہ طریق اختیار کیا جاوے جس سے اصلاح منصور ہو۔ قصور کرنیوالا اور خطا کار بعض حالات کے ماتحت عفو سے فایدہ اُٹھا ئیگا اور آیندہ کو اپنی اصلاح کرلیگا۔ لیکن دوسرے موقعوں پر ہوسکتا ہے کہ عفو اسپر اُلٹا اثر کرے اور مجرم کو اور سخت گناہوں کے کرنے پر دلیر کردے۔ اس لیے خدا کا کلام نہ تو حکم فرماتا ہے اور نہ ہی اجازت دیتا ہے کہ ہم اندھا دُھند قصورواروں کی خطاؤں اور شرارتوں کو معاف کرتے جاویں لیکن وہ ہم سے یہ چاہتا ہے کہ ہم خوب غور کریں اور معاملہ کو پہلے اچھی طرح سوچ لیں اور یہ دیکھ لیں کہ کونسا طریق ہے جس سے حقیقی بہتری پیدا ہوسکتی ہے چونکہ دنیا میں بہت سے ایسے آدمی پائے جاتے ہیں جن میں انتقام کی قوت بہت بڑھی ہوئی ہوتی ہے۔ اور اس قوت کو افراط کی حد تک پہنچا دیتے ہیں اور ایک تکلیف اور ضرر رسانی کو مدتوں یاد رکھتے ہیں اور اسکو فراموش نہیں کرتے۔ ایسا ہی ایسے آدمی بھی دنیا میں پائے جاتے ہیں جن میں طبعاً نرمی اور قصوروں سے درگذر کی عادت پائی جاتی ہے۔ جیسا کہ انتقام لینے میں افراط سخت خطرناک نتائج پیدا کرتی ہے ایسا ہی بیجا نرمی کرنا بھی بڑے برے نتیجے پیدا کرتا ہے۔ وہ آدمی جو فحش ترین اخلاق پر اغماض کرتا ہے یا اپنی عزت پر حملہ کرنیوالے کو معاف کرتا ہے یا ایک پاک دامن عورت کی بیحرمتی گوارا کرتا ہے کہہ سکتے ہیں کہ وہ معاف کرتا ہے لیکن اس کی یہ معافی صفت عفو میں داخل نہیں ہوسکتی بلکہ یہ اس کی دیوثی میں داخل ہے جو شرافت۔ پاکدامنی اور خودداری کا استیصال کردیتی ہے۔ کوئی عقلمند آدمی اس کی تعریف نہیں کرسکتا اور

نہ اسکو اعلیٰ اخلاق میں شمار کر سکتا ہے۔ یہی باعث ہے کہ قرآن مجید نے عفو کے حدود مقرر فرما دیئے ہیں اور وہ بے موقع ومحل استعمال کردہ بخشش کو عفو میں شمار نہیں کرتا ہے۔ محض ایک قصوروار کے قصور کی سزا دینے کے دعویٰ سے دست بردار ہونا خواہ کیسا ہی موقع ومحل ہو اور کیسا ہی سخت گناہ اس سے سرزد ہوا ہو کسی صورت میں اُن اعلیٰ نیکیوں میں داخل نہیں ہو سکتا جنکی انسان کو خواہش کرنی چاہیئے۔

اس مضمون سے میری یہ غرض نہ تھی کہ بابی تعلیم کا قرآن شریف کی تعلیم سے مقابلہ کر کے دکھاؤں بلکہ اصل غرض بابی مذہب کے تین پیشواؤں باب[۱]۔ بہاءاللہ[۲] اور عباس[۳] افندی کی تعلیم کا مقابلہ کر کے یہ دکھانا تھا کہ یہ تینوں معلم اپنے بڑی بڑی اصول موضوعہ مخترعہ میں ایک دوسرے سے سخت اختلاف رکھتے ہیں اگرچہ ظاہراً یہ تسلیم کیا جاتا ہے کہ وہ تینوں ایک ہی مذہب کے خادم ہیں اور میں خیال کرتا ہوں کہ چند مثالوں سے جو دی گئی ہیں ناظرین نے اس حقیقت کو معلوم کر لیا ہوگا اور ساتھ ہی یہ بھی دیکھ لیا ہوگا کہ بابی مذہب میں جسقدر عمدہ تعلیم ہے وہ سب قرآن شریف سے لی گئی ہے۔

عذاب جہنم غیر منقطع نہیں

(مرقومہ حکیم فضلدین صاحب بھیروی)

ایک غلطی۔ جنوری ۱۹۰۶ء میں ایک مضمون بعنوان اسلامی بہشت اور دوزخ ریویو میں لکھا گیا تھا اس مضمون کے اثنا میں اسلامی بہشت اور دوزخ کا سچا فلسفہ بیان کرتے ہوئے یہ بھی لکھا گیا تھا کہ "دوزخ بھی ایک رنگ میں انسانی ترقی کا ممد ہے

کیونکہ جو لوگ طرح طرح کی بدکاریوں اور خطرناک سیاہ کاریوں اور غفلتوں میں مبتلا ہو کر اپنی روحانی صحت کو بگاڑ چکے ہیں جبتک انکی بیماریوں کا علاج نہ ہو لے تب تک وہ اس قابل نہیں ہو سکتے کہ کمالات انسانی کے حصول کے لیے ترقیات کر سکیں..... اسی لیے دوزخی تدریجاً دوزخ سے نکالے جاویں گے۔" اس کی تائید میں قرآن شریف کی آیات اور لغت عرب سے آبد کے معنے بھی پیش کیے گئے تھے اور ایک حدیث بھی بیان کی گئی تھی جس کے متعلق یہ لکھا گیا تھا کہ وہ صحیح مسلم میں ہے۔ یہ مضمون مع بعد ایک رسالہ ضیاء الاسلام نام میں ریویو سے نقل کیا گیا جس پر کسی شخص نے ایڈیٹر صاحب ضیاء الاسلام کو لکھا کہ حدیث مذکور مسلم میں نہیں ہے اور ایڈیٹر صاحب نے مجھے لکھا کہ یہ حدیث نہیں ملتی۔ انہی دنوں میں حضرت مولوی نورالدین صاحب کی خدمت میں بھی کسی شخص نے بطور اعتراض یہی بات لکھی جسکو آپ نے جواب کے لیے حاجی حکیم فضلدین صاحب کے سپرد کیا۔ حکیم صاحب نے اس کے جواب میں اصل مضمون پر مفصل لکھا ہے اور قرآن شریف کی بہت سی آیات اور احادیث سے اسی مسئلہ کی صداقت کو ثابت کیا ہے کہ آخر کار دوزخی دوزخ سے نکالے جاویں گے۔ لہذا تمام شبہات کے ازالہ کے لیے میں اس قابل قدر مضمون کو نیچے درج کرتا ہوں ساتھ ہی اسقدر میں اپنی غلطی کا اعتراف کرتا ہوں کہ جس عبارت کا حوالہ میں نے دیا تھا وہ صحیح مسلم میں نہیں ہے۔ بلکہ صحیح مسلم کی حدیث جسکا مضمون دوزخ سے آخر کار دوزخیوں کا نکالے جانا ہے اور تھی۔ اور غلطی سے میں نے ایک اور عبارت کو لکھدیا۔ اگر اس غلطی کی وجہ سے جو جہانتک میں سمجھتا ہوں محض سہو ہے مجھ پر کوئی اعتراض آتا ہے تو میں اسکو تسلیم کرنے کو تیار ہوں مگر اس حدیث کا نہ ملنا اصل مضمون کے لیے کسی طرح مضر نہیں۔ صحیح مسلم کی حدیث جسکی بجائے غلطی سے اور عبارت لکھی گئی تھی چونکہ حکیم صاحب کے مضمون میں تفصیل سے آتی ہے اس لیے میں اسکو یہاں نہیں لکھتا۔ اور ناظرین کو حکیم صاحب کا مضمون بغور پڑھنے کی طرف توجہ دلاتا ہوں۔ (ایڈیٹر ریویو)

دوزخیوں کا دوزخ میں ہمیشہ بلا انقطاع رہنا نہ قرآن مجید سے ثابت ہوتا ہے نہ حدیث

عقل سے۔

(۱) قال النار مثوٰکم خالدین فیہا الا ما شاء اللہ ان ربک حکیم علیم ؁۶ (اللہ تعالیٰ دوزخیوں کو فرمائیگا کہ یہ آگ ہی تمہارے رہنے کا ٹھکانا اس میں رہ پڑو گے۔ ہاں مگر جب اللہ تعالیٰ چاہیگا بےشک تیرا رب حکیم و علیم ہے) اس آیت شریف میں چند امور قابل غور ہیں۔ اول مخاطب کون ہیں۔ سو اس آیت میں ایسے کفار مخاطب ہیں جنکی نسبت فرمایا کہ یہ ایسے سخت منکر ہیں کہ اگر ہم انپر ملائک بھی نازل کردیں اور مردے بھی انکے ساتھ باتیں کرنے لگ جائیں اور ہر چیز (جو جو چیز یہ لوگ بطور نشان مانگتے ہیں) انکے سامنے جمع بھی کردیں تب بھی یہ نہیں مانیں گے دیکھو لو اننا نزلنا ؁۸ دوسرا لفظ مثوٰکم ہے اور مثویٰ ایسے مکان کو کہتے ہیں جہاں دائمی قیام ہو چنانچہ یہ لفظ قرآن مجید میں کہیں جنتی کے لیے بولا نہیں گیا جنکے لیے بلا انقطاع ابد الآباد کا وعدہ ہے بلکہ دوزخیوں کے لیے ہی مستعمل ہے۔ علاوہ دوزخیوں کے اسکا مادہ اور جگہ بھی مستعمل ہے مگر وہاں بھی دوام مراد نہیں۔ اول اکرمی مثواہ $\frac{12}{13}$ حضرت یوسف کے خریدار نے اپنی بی بی کو کہا۔ دوسرا انہ ربی احسن مثوای $\frac{12}{13}$ حضرت یوسف نے اس بی بی کی ناجائز خواہش کے جواب میں فرمایا (وہ تو میرا ایسا پرورش کرنیوالا ہے کہ جسنے میری جگہ معزز بنائی)۔ حالانکہ تھوڑا ہی عرصہ کے بعد وہ جگہ جاتی رہی۔ تیسرا وما کنت ثاویا فی اہل مدین $\frac{2}{8}$ (تو مدین والوں میں موجود نہ تھا) یہاں تو اور قلیل زمانہ مراد ہے۔ چوتھا واللہ یعلم متقلبکم و مثوٰکم $\frac{26}{6}$ (اللہ جانتا ہے تمھارا پھرنا اور تمھارا ٹھہرنا)

احادیث میں بھی یہی محاورہ پایا جاتا ہے۔ اول وعلی بخران مثوی رسلی ای مسکنہم مدۃ مقامہم و نزلہم۔ دوسرا تثویتہ ای تضیفتہ (یعنے اسکو اپنا مہمان بنایا) تیسرا اسم رمح النبی صلی اللہ علیہ وسلم المثوی لانہ یثبت المطعون بہ (رسول اللہ

صلی اللہ علیہ وسلم کے نیزے کا نام مثوی تھا کیونکہ وہ جسکو لگتا اسکو ہلنے نہ دیتا بلکہ وہاں ٹھہرا دیتا تھا) چوتھا الثوی الضیف (ثوی کے معنے ہیں مہمان) مجمع البحار جلد اول صفحہ ۱۶۹- اس کے سوائے کچھ اور الفاظ حدیث بھی وہاں ہیں جو بخوف طوالت لکھے نہیں گئے۔

تیسرا خالدین۔ یہ لفظ ابد الآباد کے لیے نہیں اسیواسطے زمانہ دراز کا بیان کرنا جب منظور ہوتا ہے تو اسکو ابداً کے ساتھ موکد کیا جاتا ہے چنانچہ صرف خلود کا لفظ قرآن مجید میں سوائے جنت و نار کے بھی آیا ہے جسکے معنے ابد الآباد نہیں۔ اول ولکنہ اخلد الی الارض واتبع ھواہ ۹/۱۲ (مگر وہ جھکا زمین کی طرف (کیا معنے) اپنی خواہش کا تابع ہوگیا)۔ دوسرا یحسب ان مالہ اخلدہ ۳۰/۲۶ (وہ سمجھتا ہے کہ اسکا مال اسکو تا دیر رکھیگا) کیونکہ ابدالآباد دنیا پر رہنے کا تو کسی دنیادار کو وہم بھی نہیں ہوتا۔ تیسرا الّا ما شاء اللہ۔ اس عبارت نے تو مثوی اور خالدین کی تفسیر بھی کردی یعنی مثوی اور خلود دائمی لازوال نہ ہوگا بلکہ ایک خاص مدت تک ہوگا جب اللہ تعالیٰ چاہیگا اس جگہ سے نکال لیگا۔

(۲) اما الذین شقوا ففی النار لھم فیھا زفیر وشھیق خالدین فیھا ما دامت السموات والارض الا ما شاء ربک ان ربک فعال لما یرید و اما الذین سعدوا ففی الجنۃ خالدین فیھا ما دامت السموات والارض الا ما شاء ربک عطاء غیر مجذوذ ۱۲/۹ (جو لوگ شقی ہیں آگ میں ہونگے اور اس میں چیخیں چلائیں گے اسی میں رہ پڑے جب تک دوزخ کے آسمان اور اس کی زمین ہوگی۔ ہاں جب تیرا رب چاہیگا۔ بیشک تیرا رب جو چاہتا ہے کر سکتا ہے اور جو لوگ سعید ہوں گے وہ جنت میں رہیں گے جبتک کہ جنت کے آسمان و زمین رہیں گے۔ مگر جب چاہا اللہ تعالیٰ نے ہاں یہ انعام غیر منقطع ہے) اللہ تعالیٰ نے جیسے جنتیوں کے ابدالآباد رہنے کا ثبوت اور بہت جگہ

ما دامت السموات والارض

قرآن مجید میں فرمایا اسی طرح دوزخیوں کے عدم دوام کے لیے بھی بہت جگہ قرآن مجید میں بیان فرمایا جنکا بیان عنقریب آتا ہے جو آیت پہلے گذر چکی الا ماشاء اللہ اس میں سخت کفار کے حق میں فرمایا تاکہ اس آیت کی تفسیر ہو۔ دوسری استثنا کے بعد وہاں دوسرا لفظ رب لگایا جیسے اس جگہ بھی اسی طرح فرمایا تاکہ استثنا کی تفسیر کرتے وقت ربوبیت الٰہی بھی مدنظر رہے اور ربوبیت کا کام ہے ادنیٰ درجہ سے اعلیٰ درجہ کو ترقی دینا اگر دوزخی ابدالآباد دوزخ میں رہیں تو انکی ربوبیت کب ہوگی۔ تیسرا اخیر دونوں آیات کا علیحدہ علیحدہ بیان فرمایا اگر ان دونوں جنتی دوزخی کی حالت یکساں ابدالآباد ہی ہوتی تو اول میں جزا غیر محدود فرمانا نہ فعال لما یرید۔ چوتھا کلمہ فعال لما یرید خود اپنی تفسیر آپ کر رہا ہے کیونکہ یہ کلمہ ایسی جگہ بولا جاتا ہے جہاں کوئی کام سُننے والوں کے نزدیک مشکل ہو فرمایا تیرے رب کے نزدیک کوئی کام مشکل نہیں وہ جو چاہتا ہے کرسکتا ہے۔

(۳) لابثین فیہا احقابا ۳۰ اس آیت شریف نے تو زمانہ خلود فی النار کی صاف اور صریح تفسیر بیان فرمادی اسکے معنے ہیں دوزخی دوزخ میں چند حقبہ رہیں گے۔ احقاب جمع قلت ہے اگر جمع کثرت ہوتی تب بھی زمانہ محدود ہی تھا مگر جمع قلت نے اور بھی کم کردیا۔ حقبہ کے معنے قرآن کریم نے خود بیان فرمادیئے جہاں کہ موسیٰؑ نے اپنے ساتھی کو فرمایا۔ لا ابرح حتی ابلغ مجمع البحرین او امضی حقبا ۱۵/۲۱ میں برابر چلتا ہی رہونگا یہانتک کہ یا تو وہاں پہنچ جاؤں جہاں دو بحروں کا باہم میل ہوجاتا ہے یا چلتا رہونگا۔ اسّی سال۔ لفظ حقب جسکی جمع احقاب ہے۔ اس سے مراد عام طور پر اسّی سال لیے جاتے ہیں۔ اور جیسا کہ آیت سے ظاہر ہے خود حضرت موسیٰؑ نے بھی اسی لفظ سے اس سے زیادہ مدت مراد نہیں لی کیونکہ یہ واقعہ نبوت کے بعد کا ہے اور نبوت کا زمانہ عموماً چالیس سال کی عمر کے بعد شروع ہوتا ہے۔ اس طرح حضرت موسیٰؑ کی عمر میں سے

اسّی سال ہی باقی رہ جاتے ہیں۔ پس لغت عرب اور پھر قرآن کریم دونوں سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ اسّی سال سے زیادہ عرصہ اس سے کسی طرح مراد نہیں۔ بلکہ لغت سے تو یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ لفظ حقب کا استعمال ایک سال یا چند سالوں پر بھی ہوتا ہے اور اس آیت کے بعد جزاءً وفاقا فرماکر اور بھی اس احقاب کے معنے کی تائید فرمادی۔ اگر بفرض محال حقب کے معنے کوئی بڑے سے بڑا زمانہ بھی لیا جاوے تب بھی زمانہ غیر متناہی یا ابدالآباد نہیں ہوسکتا کہ غیر متناہی کا اندازہ کسی متناہی چیز سے نہیں ہوسکتا جیسے کہ امام ابن قیم حادی الارواح میں لکھتے ہیں لایقدر الابد بالاحقاب صفحہ ۳ اور حضرت ابن عباس احقابا کے معنے صرف سنین ہی کرتے ہیں یعنی چند سال) فتح البیان جلد ۱۰ صفحہ ۱۶۴۔

(۴) اذٰلك خیر نزلا ام شجرۃ الزقوم۔ انا جعلنٰھا فتنۃ للظٰلمین ۱۳ (کیا یہ مہمانی اچھی ہے یا زقوم کا درخت ہم نے اسکو مشرکین کے لیے فتنہ بنایا ہے) یہاں بھی دو لفظ قابل غور ہیں نزل جسکے معنے ہیں ابتدائے مہمانی جو وقت نزول مہمان دیجاتی ہے فتنہ کے معنے ہیں کندن کرنا خالص کرنا کسی چیز کو اسکے گند سے پاک کرنا جیسے کہا جاتا ہے فتنت الذھب بالنار یعنے سونے کو آگ کے ساتھ صاف کیا۔ خلاصہ یہ کہ ہم اس دوزخ کی آگ سے شرک کی میل کو جلاکر مشرکین کو پاک صاف کریں گے۔

(۵) ایحسب الانسان ان یترك سدًی۔ الم یك نطفۃ من منی یمنٰی۔ ثم کان علقۃ فخلق فسوّٰی۔ فجعل منه الزوجین الذکر والانثٰی۔ الیس ذٰلك بقٰدر علٰی ان یحیی الموتٰی ۲۹/۱۸ (کیا انسان سمجھتا ہے کہ وہ مہمل چھوڑا جاویگا کیا وہ تھوڑی جزو میں سے نہ تھا پھر جونک ہوگیا پھر اسے اللہ تعالیٰ نے ٹھیک ٹھاک تیار کرکے بنایا پھر اس سے نر و مادہ بنایا گیا وہ ذات قادر نہیں کہ مردوں کو زندہ کرے) اس آیت شریف میں اللہ تعالیٰ نے منکرین قیامت کو ثبوت قیامت دینے کے لیے

سمجھایا ہے کہ تمھاری پیدائش میں کسقدر ترقی ہوئی کیا اتنی ترقی اس لیے کی گئی کہ تم مر کر مٹی ہو جاؤ اور اسی پر کارخانہ ختم ہو جاوے۔ نہیں۔ تم مہمل نہیں چھوڑے جاؤ گے بلکہ جیسے آجکل اپنی پیدائش اور پرورش میں ترقی دیکھتے ہو (تم مٹی تھے پھر نباتات بنے پھر غذا بنے پھر لہو پھر منی علیٰ ہذا القیاس جیسے بہت سی آیات سے ظاہر ہے) اسی طرح بعد الموت بھی تمھاری ترقی ہوگی۔ اب اگر اہل النار ابدالآباد دوزخ میں ہی رہیں گے تو انکی کیا ترقی ہوگی؟

(۶) وان ربک لذو مغفرۃ للناس علیٰ ظلمھم وان ربک لشدید العقاب [۱۳/۷] (بے شک تیرا رب لوگوں کو بخش دینے والا ہے باوجود انکے شرک کے اور تیرا رب سخت عذاب والا ہے) مغفرت کو عذاب پر مقدم فرمایا کہ اس کی رحمت غضب پر سابق ہے اس آیت شریف سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ عذاب سے بھی مغفرت ہی مطلوب ہے۔

(۷) افحسبتم انما خلقنٰکم عبثا وانکم الینا لا ترجعون [۱۸/۶] (کیا تم نے گمان کر لیا کہ ہم نے تمکو عبث پیدا کیا اور تمھارا رجوع ہماری طرف نہ ہوگا) اس سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ دوزخیوں کا انجام کار رجوع الی اللہ ہوگا اگر رجوع الی اللہ کے معنے صرف قیامت میں حاضر ہونا ہی لیا جاوے اور بعد اس کے ابدالآباد انکا دوزخ میں رہنا تو پھر انکی پیدائش عبث ٹھہریگی۔ نیز ولذالک خلقھم (اور رحم کے لیے ہی پیدا کیا انکو) کے خلاف۔

(۸) لترکبن طبقا عن طبق [۳۰/۹] (تم درجہ بدرجہ ترقی کروگے اور ضرور کروگے) جو دوزخ میں ابدالآباد رہیں گے وہ کس طرح درجہ بدرجہ ترقی کریں گے۔

(۹) یوم یقوم الناس لرب العلمین [۳۰/۶] وقضی بینھم بالحق وقیل الحمد للہ رب العلمین [۲۴/۴] (جبکہ لوگ رب العالمین کے لیے کھڑے ہونگے اور انکا فیصلہ حق کے ساتھ ہوگا اور کہا جاویگا تمام حمد اللہ تعالیٰ کو ہے جو تمام عالموں کا پالنے والا ہے) یہ آیت

شریف صاف اور صریح دلیل ہے اس بات پر کہ وہ فیصلہ قابل حمد ہوگا اور وہ فیصلہ ایسا ہوگا جس پر تمام عالم کیا معنے عالم جنت عالم دوزخ وغیرہ حمد بجا لائیں گے اور وہ فیصلہ ایسا ہوگا کہ اس میں تمام عالموں کے حق میں ربوبیت ہوگی۔ اگر دوزخی ہمیشہ دوزخ میں رہے تو ان کے لیے ربوبیت کیا ہوئی حالانکہ عالمین میں وہ بھی داخل ہیں دوسرا انکے لیے الحمد للہ کس طرح ہوئی وہ تو ناامید ہو چکے۔ پس یہ آیت شریف عدم دوام بلا انقطاع کے لیے قطعی الدلالت ہے کیونکہ دوام بلا انقطاع میں نہ دوزخیوں کی حمد ہو سکتی ہے نہ انکے لیے کوئی ربوبیت ہوگی۔

(۱۰) الی ربک یومئذن المستقر ۲۹/۱۷ (۱۱) الی ربک الرجعی ۳۰/۲۱ (۱۲) الی ربک منتہاھا ۳۰/۴ (۱۳) الی ربک المنتہیٰ ۲۷/۷ (۱۴) الی ربک یومئذن المساق ۲۹/۱۷ (۱۵) یا ایہا الانسان انک کادح الی ربک کدحا ۳۰/۹ (۱۶) یا ایہا الانسان ما غرک بربک الکریم ۳۰/۷ (۱۷) بلیٰ ان ربہ کان بہ بصیرا ۳۰/۹۔ ان تمام آیات میں جو متعلق قیامت کے ہیں رب کا لفظ لگایا ہے کہ وہاں بھی ربوبیت ہوگی اور عام تمام عالموں کے لیے ہوگی جنتی ہوں یا ناری۔ اگر دوزخی ابد الآباد دوزخ میں رہیں تو انکی کیا ربوبیت ہوئی حالانکہ مستقر اور رجعی اور منتہا اور مساق اور کدح یعنی کل تنشر تمام کے ساتھ ربوبیت لگی ہوئی ہے کیا معنے انکا قرار ربوبیت کے ساتھ ہوگا رجوع اور منتہا یعنی انجام بھی ربوبیت کے ساتھ ہوگا اور مساق چلنا بھی ربوبیت سے ہوگا جیسے قبر سے حشر۔ حشر سے جہنم۔ جہنم سے جنت۔ جنت سے رضوان وغیرہ الی غیر المنتہیٰ۔ پھر عتاب کا سوال بھی رب کے لفظ کے ساتھ۔ پھر تعجب ہے کہ باوجود اسقدر ثبوت رحم اور عدم دوام نار کی پھر دوام پر ہی زور دیا جاتا ہے۔ اب غور کی جاوے کہ اہل النار کے لیے کیا الفاظ استعمال ہوئے تو ان میں خلود دائمی قطعاً کہیں پایا نہیں جاتا۔ مثلاً النار مثوٰکم۔ اسکی نسبت بھی بیان کیا گیا ہے۔

دوسرا خالدین ہے اس کی نسبت بھی بیان ہو چکا۔ تیسرا ماوٰکم النار۔ یہ لفظ بجائے اس کے کہ خلود کے معنے دے اہل النار کے نکلنے پر دلالت کر رہا ہے۔ آوی الیہ پناہ کو کہتے ہیں جو کسی کو تکلیف کے بعد اس تکلیف سے بچا نیکے لیے دیجاوے۔ آوی الیہ ابویہ ۱۲ اوی الیہ اخاہ ۱۲ الم یجدک یتیما فاوی ۳۰ حضرت یوسف نے والدین اور بھائیوں کو قحط سالی و سفر و فقر کی تکلیف سے پناہ دی اللہ تعالی نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یتامی کی مصایب سے امان دیکر بچالیا۔ اسی طرح جنۃ الماوی بھی فرمایا کہ انکو دنیا کی ریاضات قبر حشر نشر صراط وغیرہ تکالیف و فزع سے امان دیکر بچالیا۔ اب اس لفظ سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ اہل النار کو کسی قسم کی وہاں پناہ ملیگی یعنے خبث شرک و فسق و فجور سے پاک کرنیکے لیے انکو وہاں پناہ دیجاویگی جیسے شفاخانہ میں بیمار کو۔ باقی رہا انکا چیخنا چلانا ڈھائیں مارنا نکلنے کی التجائیں کرنا سو یہ سرکاری ہسپتالوں میں سخت بیماری کے مبتلا بیماروں کا نظارہ دیکھنے سے آدمی سمجھ سکتا ہے کہ چیرنے پھاڑنے زخم جلانے کاسٹک وغیرہ سخت دوائی لگانے کیوقت کسقدر وہ فریاد کرتے اور دوائی لگانے سے روکتے ہیں اور بار بار کہتے ہیں خدا کے لیے چھوڑو چھوڑو مگر وہ چھوڑے نہیں جاتے جبتک وہ صحت یاب نہ ہو جاویں اسوقت انکا نظارہ بعینہ اس آیت شریف کی تفسیر کرتا ہے کلما ارادوا ان یخرجوا منہا اعیدوا فیہا ۲۱/۱۵ (جب کبھی نکلنا چاہیں گے واپس اسی میں رکھے جائیں گے) پس اس لفظ کو انما خلقناکم عبثا۔ ان یترک سدی۔ کے ساتھ ملانے سے صاف پتہ لگتا ہے کہ دوزخ میں بھی ربوبیت ہی ہوگی۔ چوتھا لفظ مصیر ہے جیسے بئس المصیر اس لفظ کے معنے صرف مرجع کے ہیں۔ اس سے بھی دوام نہیں پایا جاتا۔ پانچواں لابثین۔ بث کے معنے بھی معمولی توقف کے ہیں فلبث فی السجن بضع سنین ۱۲ حضرت یوسف چند سال سجن میں ٹھہرے رہے۔ چھٹا لفظ سیصلی نارا ہے اسکا اصل

مادہ صلی ہے اسکے معنے ہیں دعا کرنیکے اسی سے ہے صلوا علیہ اور اقیموا الصلوٰۃ۔ اور
اسکے معنے ہیں بھوننے کے اُتی بشاۃ مصلیۃ ای مشویۃ (حضور سرور عالم صلی اللہ
علیہ وسلم کے پاس مچھلی بھونی ہوئی حاضر کی گئی مجمع البحار) صلی کے معنے ہیں گرم کرکے سیدھا
کرنا۔ صلیت العصا بالنار اذا لینتہا و قومتہا مجمع البحار (سوٹے ٹھرٹے کو گرم کیا جاوے
جب آگ سے گرم ہو کر نرم ہو جاوے تو اسکو سیدھا کیا جاوے) اور صلے کے معنے ہیں آگ
سے سردی کو دُور کرنا تاپنا۔ جیسے موسیٰؑ نے فرمایا لعلکم تصطلون ۱۹ تاکہ تم تاپو۔
اس لفظ سے بھی اہل النار کا نار سے نکلنا ہی پایا جاتا ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے
وان منکم الا واردھا کان علی ربک حتما مقضیا ۱۶/۸ (ہر ایک تم میں جہنم کو وارد ہوگا یہ
اللہ تعالیٰ کا پختہ فیصلہ ہے) اگر اس کے معنے کیے جاویں کہ قیامت کے دن ہر ایک خواہ
نبی ہو خواہ ولی وارد جہنم ہوگا تو یہ معنے دوسری آیات قرآنی کے خلاف ہیں جیسے فرمایا
اولئک عنہا مبعدون ۱۷ (نیک لوگ اس جہنم سے دُور رہیں گے) پس اس آیت
شریف کا مطلب ورود سے یہ ہے کہ جن لوگوں نے آتش محبت الٰہی میں اپنے آپ کو گرم
کرکے سیدھا کر لیا وہ تو آگ ایکدفعہ لے چکے اور جنہوں نے ایسا نہیں کیا وہ اسی آگ میں گرم
کرکے سیدھے کیے جائیں گے کہ اصل غرض تو سیدھا کرنا ہی ہے اسیواسطے یوم القیامۃ
نام رکھا گیا کہ جو دنیا میں سیدھے نہیں ہوئے وہ اس روز سیدھے کیے جائیں گے۔ اس لفظ سے
بھی دوام نہیں پایا جاتا بلکہ آگ سے نکلنے کے ہی سامان کیطرف یہ لفظ بھی اشارہ کرتا ہے
ساتواں لفظ ہے ورود جیسے وبئس الورد المورود اس میں بھی دوام نہیں بلکہ اسمیں
تو دخول بھی ضروری نہیں جیسے لما ورد ماء مدین ۲۰ آٹھواں لفظ ہے مآب اسمیں بھی دوام
نہیں پایا جاتا اس کے معنے حرف مرجع کے ہیں۔ انہ کان للاوابین غفورا ۱۵ یا جبال
اوبی معہ والطیر ۲۲/۸ نواں مہاد ہے وبئس المہاد مہد اور مہاد کے معنے ہیں فرش
بسترہ یا جھولا دونوں صورتوں میں مہاد عارضی جگہ ہے نہ دوامی۔ دسواں لفظ اصحاب ہے

جسکا ماخذ صحبت ہو جیسے فرمایا اصحاب النار مگر صحبت کا لفظ بھی دوام کے لیے نہیں ہوتا

(۱۸) یا ایھا الناس ان کنتم فی ریب من البعث فانا خلقناکم من تراب ثم من نطفۃ ثم من علقۃ ثم من مضغۃ .... ذٰلک بان اللہ ھو الحق وانہ یحیی الموتیٰ وانہ علیٰ کل شیئٍ قدیر وان الساعۃ اٰتیۃ لا ریب فیھا وان اللہ یبعث من فی القبور ترجمہ اس آیت شریف سے بھی اللہ تعالیٰ نے ترقیات غیر متناہیہ کیطرف لیجانیکا ثبوت دیا ہو اور اس ثبوت کے لیے ابتدائی حالت کی ترقی کو یاد دلایا ہے اسکی تفصیل آیت نمبر ۶ و ۷ میں گذری

(۱۹) امہ ھاویہ اسکی ماں ہاویہ ہے۔ ماں کا کام بچہ کی پرورش کرنا ہے دوسرا بچہ ہمیشہ ماں کی گود میں نہیں رہا کرتا بلکہ تھوڑے عرصہ کے بعد ترقی کرکے گود سے نکل جاتا ہے ہاں ایام پرورش میں وہ اسکی ہر قسم کی بیماری کا علاج کرتی ہے بچہ نادان اگرچہ اس علاج سے بسبب زخم یا دوائی کے کڑوا ہونے یا سخت بیماری کے جلانے وغیرہ سے انکار بھی کرے تو وہ جبتک صحت یاب ہو جائے اسکی والدہ علاج سے دست بردار نہیں ہوتی بلکہ کلما ارادوا ان یخرجوا منھا اعیدوا فیھا کا نظارہ دکھاتی ہے۔ اس آیت میں تو زیادہ وضاحت اس بات کی بیان فرمائی کہ وہ دوزخ میں کیوں بھیجے جائیں گے۔

(۲۰) قل ارایتکم ان اتٰکم عذاب اللہ او اتتکم الساعۃ اغیر اللہ تدعون ان کنتم صادقین۔ بل ایاہ تدعون فیکشف ما تدعون الیہ ان شاء وتنسون ما تشرکون کہہ تبلاؤ تو اگر آجاوے تمکو اللہ تعالیٰ کا عذاب یا وہ قیامت کیا سوائے اللہ کے کسی کو پکاروگے اگر تم سچے ہو (نہیں) بلکہ تم اسی کو پکاروگے پھر وہ دور کر دیگا جس عذاب کیلئے پکاروگے جب چاہیگا۔ (اس لیے کہ تم عذاب پاکر) شرک کو ترک کردوگے۔

(۲۱) الحمد للہ رب العٰلمین الرحمٰن الرحیم مالک یوم الدین۔ تمام حمد اللہ تعالیٰ کو جو تمام جہانوں کا پالنے والا بن مانگے دینے والا سچی محنت کو ضایع نہ کرنیوالا مالک ہر ایک بدلہ دینے کے وقت کا۔ اس آیت شریف سے بھی اہل النار کا نکلنا ہی پایا جاتا ہے کیونکہ

اول لفظ حمد ہے سو اگر انکا دوام فی النار مانا جاوے تو انکو موقع حمد کوئی نہیں رہتا دوسرا لفظ اللہ ہے جو جامع جمیع صفات کاملہ ہے جسمیں عفو غفران تواب رحم منعم وغیرہ صفات بکمال ہیں مگر اہل النار کا اگر دوام و خلود ہو تو بلا انقطاع انکو نہ عفو نہ غفران نہ توبہ منظور نہ انکی دعاؤں اور تضرع پر رحم نعوذ باللہ۔ گویا یہ صفات نعوذ باللہ اپنے کمال پر نہیں رہتے تیسرا لفظ رب یہ صفت بھی اگر کمال کہتی ہے تو ہمیشہ ہر ایک کی ربوبیت کریگی مگر بحالت دوام انکی ربوبیت نہیں رہتی اور یہ بھی خلاف کمال ہے چوتھا لفظ العالمین ہے۔ العالمین کے معنے ہیں ہر قسم کے جہان جسقدر جہان اب موجود ہیں یا آیندہ ہوں۔ اہل النار بھی العالمین میں داخل ہیں اگر وہ اسی ایک ہی حالت عذاب پر چھوڑے جاویں تو انکی ربوبیت باہر رہ جاتی ہے۔ پانچواں لفظ الرحمن ہے یعنی کامل رحم بلا مبادلہ کرنیوالا اگر بلا ایمان مشرک کو کبھی بھی مغفرت نہیں کرتا تو رحم بلا مبادلہ بھی نعوذ باللہ نہیں کرتا اللہ تعالیٰ نے اپنی رحمانیت صرف دنیا کیلیے مخصوص نہیں فرمائی بلکہ اپنا و فی الدنیا والاخرۃ رحمانا ہونا بھی فرمایا ہے جیسے الملك یومئذ ن الحق الرحمن ۱۹/۲ (آج ساری سلطنت سچ مچ الرحمن کیلیے ہی ہے) ھذا ما وعد الرحمن ۳۳/۲ (یہ قیامت وہی ہے جو وعدہ الرحمن نے کیا تھا) یوم نحشر المتقین الی الرحمن ۱۶/۹ (جب متقین کو الرحمن کیطرف ہم جمع کرینگے) سوا اُسکے اور بھی بہت جگہ فرمایا۔ پس دوزخیوں کا دوام بلا انقطاع ماننے سے نعوذ باللہ اللہ تعالیٰ کی کامل رحمانیت پر ایمان بھی نہیں رہ سکتا۔ پانچواں لفظ الرحیم ہے جسکا ترجمہ ہر سچی محنت کو ضایع نہ کرنیوالا۔ اب دوزخی ہیں کہ لاکھوں کروڑوں پدموں در پدموں سال دعائیں کرتے اور ربنا ربنا کہتے ہیں اور بڑی سخت اضطرار کے ساتھ تضرع کرتے ہیں مگر ارحم الراحمین مجیب دعوۃ المضطرین نعوذ باللہ ایک نہیں سُنتا حالانکہ عذاب کی حکمت خود بیان فرماتا ہے کہ وما ارسلنا فی قریۃ من نبی الا اخذنا اھلھا بالباساء والضراء لعلھم یتضرعون ۹/۵ اس اعتقاد سے تو اللہ کی قدوس ذات پر نعوذ باللہ خلاف وعدہ کا بھی الزام عاید ہوتا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

سے فرمایا ان اللہ تعالیٰ خلق مائۃ رحمۃ - رحمۃ منہا قسمہا بین الخلائق وتسعۃ وتسعین الیٰ یوم القیامۃ کنز العمال جلد ۲ صفحہ ۲۴۶ - بحوالہ طبرانی فی الکبیر عن ابن عباس اور ایک روایت میں ہے واخر تسعا وتسعین رحمۃ یرحم بہا عبادہٗ یوم القیامۃ کنز العمال صفحہ ۲۴۶ بحوالہ ابن ماجہ عن ابی ہریرۃ اور ایک روایت میں ہے واخر تسعا وتسعین فاذا کان یوم القیامۃ اکملہا بہذہ الرحمۃ کنز العمال صفحہ ۲۴۶ - بحوالہ مسند احمد ومسلم عن سلمان اور ایک روایت میں ہے فامسک عندہ تسعا وتسعین رحمۃ وارسل فی خلقہ کلہم رحمۃ واحدۃ فلو علم الکافر بکل الذی عند اللہ من الرحمۃ لم ییأس من الجنۃ کنز العمال بحوالہ بخاری ومسلم عن ابی ہریرۃ (اللہ تعالیٰ نے سَو رحمت پیدا کی ایک رحمت کو تمام جہان میں تقسیم کیا اور ننانوے رحمت کو قیامت کے لیے رکھ چھوڑا جب قیامت ہوگی - تو ساری کامل سو رحمت کے ساتھ اپنی بندوں پر رحم کریگا اگر کافر کو بھی اس سو رحمت کامل کی خبر ہو تو وہ بھی جنت سے ناامید نہوں پس اس سے صاف پتہ لگتا ہے کہ خلود اہل النار بلا انقطاع نہیں بلکہ ایسا اعتقاد رکھنے سے سلب ایمان کا خوف ہے فنعوذ باللہ منہا-

چھٹا لفظ مالک یوم الدین ہے اس لفظ میں بھی باوجود سزا کے رحم کا بہت حصہ رکھا ہے اول تو اسکی پہلے رب العلمین الرحمٰن الرحیم فرماکر فرمایا کہ اگرچہ سزا ہوگی مگر اس میں ربوبیت رحمانیت ورحیمیت بھی ہوگی دوسرا اگرچہ سزا ہوگی مگر اجنبی حاکم کی طرح نہ ہوگی بلکہ مالکانہ رحم اسکے ساتھ ہوگا تیسرا اگرچہ سزا ہوگی مگر اس سزا میں ربوبیت ہوگی - صرف دُکھ دینا مدنظر نہ ہوگا - اگر باوجود اسکے پھر بھی سزا بلا انقطاع ہی پائی جاوے تو گویا اللہ تعالیٰ کی ان تمام صفات کی سخت ناقدری ہوگی وما قدروا اللہ حق قدرہ - فنعوذ باللہ من ذٰلک - سو رحمت والی حدیث میں یہ بھی ہے کہ جسقدر جانور ایکدوسرے سے رحم کرتے ہیں حیوان اور انسان یہ سب اسی ایک رحمت کے سبب سے ہی جو خلقت پر بانٹی گئی - اب ہم دیکھتے ہیں کہ والدین شریر سے شریر بدمعاش سے بدمعاش اولاد پر کسقدر رحم کرتے ہیں اور کتنی دفعہ انکے عذرات قبول کرتے ہیں تو کیا خدا تعالیٰ کا رحم انسے بھی نعوذ باللہ کمتر ہے-

(۲۲) کتب ربکم علیٰ نفسہ الرحمۃ پ۱۲ (اللہ تعالیٰ نے اپنے نفس پر رحمت لکھدی ہے) اگر دوزخیوں کو کسی رحم کی بنا پر دوزخ میں نہیں بھیجیگا بلکہ محض دکھ دینے کیلیے بھیجیگا تو نعوذ باللہ یہ کیا رحم ہوگا حالانکہ گورنمنٹ دنیوی کا منشا رجیل خانہ بنانے سے یہی ہوتا ہے کہ دنیا سے بدی اُٹھ جاوے چوری قتل ڈاکہ وغیرہ مگر نعوذ باللہ خدا ارحم الراحمین کا جیلخانہ صرف دُکھ دینے کیلیے ہوگا۔

اب کچھ ثبوت خلود بالانقطاع احادیث وآثار وتفاسیر سے لکھتا ہوں (۱) سب سے اول صحیح مسلم کی حدیث ہے جو بخاری میں بھی آئی ہے جسکا آخری ٹکڑہ یہ ہے فیقول اللہ شفعت الملائکۃ وشفع النبیون وشفع المؤمنون ولم یبق الا ارحم الراحمین فیقبض قبضۃ من النار فیخرج منہا قوما لم یعلوا خیرا قط۔ مسلم وکنز العمال صفحہ ۲۲۶ جلد ۷ بحوالہ احمد وبخاری ومسلم۔ پھر اللہ تعالیٰ فرمائیگا کہ فرشتے بھی شفاعت کر چکے۔ اور نبی بھی شفاعت کر چکے اور مومن بھی شفاعت کر چکے سوائے ارحم الراحمین کے اب کوئی باقی نہیں۔ پھر اللہ تعالیٰ ایک مُٹھی بھر کر آگ سے ایک ایسی قوم کو نکالیگا جسنے کبھی کوئی نیکی کا کام نہیں کیا۔ اس حدیث میں خیرا کا لفظ قابل غور ہے سو اسکے معنی کیلیے اسکے مابعد کی دوسری حدیث جو اسی مضمون کی ہے اسکے معنے صاف کر دیتی ہے کیونکہ اسمیں مثقال ذرۃ من خردل من ایمان کا لفظ صریح موجود ہے۔ یعنی جنہیں رائی کے برابر ذرہ بھر بھی ایمان ہوگا وہ بھی شفاعت کرنیوالوں کی شفاعت سے نکالے جاویں گے۔ باقی ایسے لوگ رہ جائیں گے جنہیں ذرہ بھر بھی ایمان نہ ہوگا اسی لیے انکا نام عتقاء اللہ ہوگا۔ یہ لوگ محض اللہ تعالیٰ کے فضل اور رحم سے نکالے جاوینگے۔ اور یہ ظاہر ہے کہ جب اللہ تعالیٰ مُٹھی بھر کر نکالیگا۔ تو اسکی مُٹھی سے کوئی باہر نہیں رہ سکتا جیسا کہ قرآن کریم میں فرماتا ہے والارض جمیعا قبضتہ یوم القیامۃ۔ یعنی ساری زمین خدا کی ایک مُٹھی ہوگی۔ اور یہ بھی ظاہر ہے کہ ملائکہ اور انبیاء کی شفاعت کے بعد تو لوگ باقی رہ گئے مگر ارحم الراحمین جب رحم کرنے پر آئے تو اسکی رحمت سے کوئی باہر نہیں رہ سکتا۔ (۲) اٰخر من یدخل الجنۃ رجل من جہنۃ فیقول اہل الجنۃ عند جہنۃ الخبر الیقین۔ سلوہ ہل بقی من الخلایق احد یعذب فیقول لا۔ کنز العمال جلد ۷ صفحہ ۲۱۴ بحوالہ دارقطنی اور خطیب فی رواۃ مالک عن ابن عمر

(۳) لیاتین علی جہنم یوم کانہا زرع ہاج واحمر تخفق ابوابہا کنز العمال جلد ۷ صفحہ ۲۴۵ بحوالہ الطبرانی
فی الکبیر عن ابی امامہ (جہنم پر ایسا زمانہ ضرور آئیگا کہ گویا وہ کھیت تھا جو لہلہا کر سوکھ گیا اس کے دروازے کھڑکھڑا
جائیں گے (۴) یاتی علی جہنم یوم ما فیہا من بنی آدم احد تخفق ابوابہا صفحہ ۲۴۵ بحوالہ
الخطیب عن ابی امامہ (۵) قال عمر لو لبث اھل النار کقدر رمل عالج لکان لہم علی ذلک یوم
یخرجون فیہ (حادی الارواح ابن قیم صفحہ ۲۱۹ تفسیر فتح البیان جلد ۳ صفحہ ۲۷۲ فتح الباری شرح صحیح
بخاری جلد ۱۱ صفحہ ۳۶۳ تفسیر درمنثور جلد ۳ صفحہ ۳۵۰ (حضرت عمر کہتے ہیں اگر اہل النار دوزخ میں بقدر
ریگستان جنگل عالج کے بھی ٹھہرے رہیں تب بھی انکے لیے ایک ایسا وقت ضرور ہے جس میں وہ نکالے
جائیں گے) (۶) قال ابن مسعود فی ھذہ الایۃ لیاتین علی جہنم زمان لیس فیہا احد وذلک
بعد ما یلبثون فیہا احقابا (وعن ابی ہریرۃ مثلہ حادی الارواح صفحہ ۲۲۴ تفسیر درمنثور جلد ۳ صفحہ ۳۵۰
وتفسیر ابن جریر جلد ۱۲ صفحہ ۶۶ فتح البیان جلد ۳ صفحہ ۲۷۲ (حضرت ابن مسعود اس آیت میں فرماتے ہیں کہ
جہنم پر ایک زمانہ ضرور آویگا کہ اس میں کوئی بھی نہ ہوگا اور یہ اسوقت ہوگا جبکہ دوزخی چند حقبے اس میں گذارینگے)
(۷) سال حرب اسحاق بن راھویہ عن ھذہ الایۃ فقال سألت اسحاق قلت قول اللہ تعالی
خالدین فیہا ما دامت السموات والارض الا ما شاء ربک فقال اتت ھذہ الایۃ علی
کل وعید فی القرآن حادی الارواح صفحہ ۲۲۴ - اور دوسری جگہ کہا ہے قال المعتمر قال عبدالرزاق
اخبرنا ابن التیمی... فی قولہ الا ما شاء ربک ان ربک فعال لما یرید قال ھذہ الایۃ
تاتی علیہ حادی الارواح وتفسیر فتح البیان جلد ۳ صفحہ ۲۷۳ پر بھی قریباً یہی الفاظ ہیں بروایت جابر
وابی سعید خدری. کیا معنے الا ما شاء ربک والا سنثنا تمام قرآن مجید پر لگتا ہے جہاں جہاں دوزخیوں
کی نسبت خالدین فیہا آیا ہے وہاں وہاں استثنا بھی ضرور ہے کیا معنے وہ نکالے جائیں گے - (۸)
حدثنا عبید اللہ... لیاتین علی جہنم یوم تصفق فیہ ابوابہا لیس فیہا احد وذلک بعد ما
یلبثون فیہا احقابا (حادی الارواح صفحہ ۲۲۴ فتح البیان جلد ۳ صفحہ ۱۷۲ بروایت عبداللہ
بن عمرو - (۹) قال عبد اللہ عمرو وسمعت ابا مجلز یقول - جزاءہ فان شاء اللہ عزوجل
تجاوز عن عذابہ (حادی الارواح صفحہ ۳۲۵ تفسیر ابن جریر جلد ۱۲ صفحہ ۶۶ یہ اللہ تعالے
کی اپنی سزا ہے اگر چاہے اپنے عذاب کو معاف کردے کیا معنے کسی کا اسپر حکم اور اعتراض اور
مداخلت نہیں - (۱۰) حدثنا عبد اللہ ... عن ابی ھریرۃ قال ما انا بالذی لا اقول
انہ سیاتی علی جہنم یوم لا یبقی فیہا احد وقرء فاما الذین شقوا ففی النار الایۃ
(حادی الارواح صفحہ ۳۲۵ میں وہ نہیں - کہ اسبات کا قائل نہ ہوں کہ جہنم پر ضرور ایسا زمانہ
آئیگا کہ اس وقت اس میں کوئی بھی نہ ہوگا - (۱۱) حدثنا ابن حمید ... عن الشعبی قال
جہنم اسرع الدارین عمرانا واسرعہما خرابا (حادی الارواح صفحہ ۳۲۵ تفسیر فتح البیان
جلد ۳ صفحہ ۲۷۲ تفسیر ابن جریر جلد ۱۲ صفحہ ۶۶ تفسیر درمنثور جلد ۳ صفحہ ۳۵۰ جہنم بہت جلد آباد
اور بہت ہی جلد ویران بھی ہو جائے گا (۱۲) اخرج ابن المنذر وابو الشیخ عن ابراھیم
قال ما فی القرآن آیۃ ارجی لاھل النار من ھذہ الایۃ الا ما شاء ربک
درمنثور جلد ۳ صفحہ ۳۵۰ وفتح البیان جلد ۳ صفحہ ۲۷۲ (اس آیت سے بڑھ کر امید دلانے
والی اہل النار کو اللہ کوئی بھی آیت قرآن مجید میں نہیں۔

آؤ لوگو کہ یہیں نور خدا پاؤ گے ۔ لو تمہیں طور تسلی کا بتایا ہم نے

ریویو آف ریلیجنز

یعنے

دنیا کے مذاہب پر نظر

جلد ۷ — بابت ماہ مئی سنہ ۱۹۰۸ء — نمبر ۵

فہرست مضامین

قادیان ضلع گورداسپور سے ۲۰ اپریل ۱۹۰۸ء کو مینیجر میگزین کی اہتمام سے شائع ہوا چندہ سالانہ عہ/

رؤیا و الہامات حضرت مسیح موعود علیہ السلام

۱۸-اپریل ۱۹۰۸ء (۱) انا فتحنا لک فتحاً مبیناً۔ (۲) زلزلۃ الارض فحق العذاب وتدلّٰی (۳) بشریٰ۔ ۲۲-اپریل ۱۹۰۸ء۔ (۱) میرے لیے ایک نشان آسمان پر ظاہر ہوا۔ (۲) خیر و خوبی کا نشان۔ (۳) میری مرادیں پوری ہوئیں۔ ۲۶-اپریل ۱۹۰۸ء۔ مباش ایمن از بازیٔ روزگار (غالباً مئی ۱۹۰۸ء) انی احافظ کل من فی الدار +

چشمۂ معرفت

طالبو! تم کو مبارک ہو کہ اب نزدیک ہیں۔ اُس میرے محبوب کے چہرہ کو دکھلانے کے دن

کتاب مستطاب چشمۂ معرفت یعنی مضمون (الہامی کتاب) جلسہ آریہ لاہور مع ضمیمہ بجواب اعتراضات مضمون آریہ جو اوایل دسمبر ۱۹۰۷ء میں محلہ وچھو والی میں منعقد ہوا تھا اور جس میں مسلمانوں کو بذریعہ خطوط و اشتہار طلب کر کے آریہ قوم کے مہاتماؤں نے دلخراش گالیوں سے اپنے مہمانوں کے دلوں کو گھایل کیا تھا۔ بفضل قادر مطلق ۴۰۳ صفحہ کے حجم میں حضرت اقدس مسیح موعود علیہ السلام (ان پر ہزاروں سلام و درود) کے قلم سے لکھی گئی ہے اور ۱۵ مئی ۱۹۰۸ء تک انشاء اللہ تعالیٰ شایع ہو جاویگی۔ جن احباب کی درخواستیں پہلے سے موجود ہیں اُنکو بروقت طیاری بذریعہ وی پی فوراً روانہ کیجاویگی۔ لیکن صرف یہ قابل دریافت ہے کہ وہ بلا جلد چاہتے ہیں یا مجلد؟ **قیمت مجلد** تین روپے ہے اور بلا جلد کی دو روپے آٹھ آنے۔

مجلد کی روانگی میں کسی قدر توقف بھی واقع ہوگا۔ جدید درخواستیں بھیجنے والے اس امر کی تشریح ضرور کریں کہ مجلد روانہ ہو یا بلا جلد۔ سابقہ درخواستوں میں اگر کوئی صاحب اس کی تصریح فرماویں تو بہتر ورنہ بلا جلد بذریعہ وی پی روانہ کر دیجاویگی۔ والسلام۔

المشتہر: مہتمم کتب خانہ حضرت مسیح موعودؑ از قادیان ضلع گورداسپور۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نحمدہ و نصلی علیٰ رسولہ الکریم

مذہبی تحریروں میں دل آزار کلمات کا استعمال

لنڈن میں حال میں ہی ایک دہریہ پر ایک فوجداری مقدمہ ہوا ہے جس میں ملزم پر یہ الزام تھا کہ اس نے عیسائی مذہب کے خلاف دل آزار اور ناشایستہ کلمات کا استعمال کیا ہے یہ کلمات کیا تھے میں آگے چلکر بتاؤں گا۔ اس مقدمہ کا نتیجہ یہ ہوا کہ جیوری نے اپنے فیصلہ میں اُسے مجرم اور قابل سزا قرار دیا۔ انگلستان میں چونکہ سرکاری مذہب عیسائیت ہے یا عیسائیت کا ایک خاص فرقہ اس لیے اس سرکاری مذہب یا فرقہ کی حفاظت کے لیے ایک قانون مروج چلا آتا ہے جس کے رو سے اس کے خلاف بولنے والا مستوجب سزا قرار دیا جاتا ہے۔ پہلے زمانہ میں شاہی مذہب کے خلاف کوئی عقیدہ رکھنا ایک ایسا خطرناک جرم سمجھا جاتا تھا جس کی سزا آگ میں جلانا اور اس قسم کی بیرحمی کی سزا ہوتی تھی۔ بلکہ ۱۸۶۷عیسوی تک یہ قانون تھا کہ عیسائیت کی صداقت یا عیسائی مذہب کے پیش کردہ خدا کی ہستی کا انکار خواہ وہ کیسے ہی شائستہ الفاظ اور مناسب عبارت اور مہذب پیرایہ میں کیوں نہ ہو ایک بڑا سنگین جرم سمجھا جاتا تھا۔ مگر ۱۸۸۳ء میں آکر قانون کی صورت کسیقدر بدل گئی۔ اس سال میں مسٹر فُٹ جو ایک مشہور و معروف دہریہ لیڈر ہے اسی بنا پر ایک مقدمہ اُٹھایا گیا۔ اس مقدمہ میں لارڈ کالرج نے اس رائے کا اظہار کیا۔ کہ محض انکارِ صداقتِ مذہب قابل سزا نہیں جبتک کہ اس انکار کا پیرایہ ناشائستہ اور دل آزار نہ ہو چنانچہ اس کے یہ الفاظ تھے کہ ”اگر بحث میں معقولیت اور

شائستگی کا لحاظ رکھا جائے تو ہر ایک شخص کو حق پہنچتا ہے کہ وہ عیسائی مذہب کے اصل اصول اور اہم عقاید پر حملہ کرے ایسی صورت میں وہ مجرم قرار نہیں دیا جاویگا"۔ اسوقت سے آج تک انگلستان کا یہی قانون سمجھا جاتا ہے چنانچہ اس تازہ مقدمہ میں بھی قانون مروجہ کے انہی معنوں کے رو سے فیصلہ کیا گیا ہے۔ گویا اسوقت تک انگلستان میں یہ قانون مروج اور زندہ سمجھا گیا ہے کہ عیسائی مذہب کے خلاف ایسے دل آزار اور ناشایستہ کلمات کا استعمال جن سے اس مذہب کے معتقدین کو رنج پہنچے قابل سزا جرم ہے۔ یعنی کسی مذہب کے اصول یا عقاید پر محض نکتہ چینی قابل مواخذہ نہیں بلکہ اس نکتہ چینی کا طریق اگر برا ہو تو وہ قابل مواخذہ ہے۔

انگلستان کی عام اخباروں کی یہ رائے ہے کہ اس آزادی کے زمانہ میں ایسا قانون متروک قرار دیا جانا چاہیئے اور مذہبی رائے یا عقاید یا اصول پر حملہ کرنیکی وجہ سے خواہ وہ کسی پیرایہ میں ہو کسی شخص کو مجرم قرار نہیں دینا چاہیئے۔ اور اس میں شک نہیں کہ انگلستان میں جسقدر غلبہ دہریت نے حاصل کیا ہے وہ اس امر کا متقاضی ہے کہ ایسے قانون کو منسوخ کیا جاوے جس کے رو سے مذہبی اختلاف کی وجہ سے کوئی شخص مجرم قرار پا سکتا ہے۔ مگر ہماری غرض اس قانون کے یہاں ذکر کرنیسے کچھ اور ہے ہم دیکھتے ہیں کہ انگلستان تعلیم اور آزادی میں ہندوستان سے بہت آگے بڑھا ہوا ہے لیکن مذہبی آزادی کے بارہ میں ہندوستان کا پلہ بھاری نظر آتا ہے بلکہ یوں کہنا چاہیئے کہ کسی ایسے قانون کے نہ ہونیکی وجہ سے ہندوستان کی مذہبی تحریرات روز بروز شائستگی سے گری جا رہی ہیں۔ اور ایک ایسا مذہبی لٹریچر ہندوستان میں پیدا ہو رہا ہے جو اس ملک کی اخلاقی حالتوں کو حد درجہ سے گرا ہوا بتاتا ہے۔ مگر ہم بالفعل اپنے اہل ملک کی خدمت میں ہی اپیل کرتے ہیں کہ وہ ان طریقوں کو چھوڑ کر شائستگی اور تہذیب کا راہ اختیار کریں اور تحقیر سے ہنسی ٹھٹھے سے اور دل آزار کلمات سے دوسرے مذہبوں کے پیرووں کے دلوں کو نہ دکھائیں۔ ہندوستان میں چونکہ ہر ملت و مذہب کے لوگ موجود ہیں اس لیے ایسا قانون جیسا کہ انگلستان میں رائج ہے یہاں کام بھی نہیں دے سکتا کیونکہ

گورنمنٹ کی کوشش اس ملک میں کسی ایک خاص مذہب کی حمایت کیلئے نہیں ہوسکتی بلکہ ضرور تاً سب مذاہب کو یکساں آزادی گورنمنٹ نے دے رکھی ہے۔ اور اولاً یہ ہمارا فرض ہے کہ ایک دوسرے کے مقدس بزرگوں کا ذکر کرتے ہوئے ایسا پیرایہ اختیار نہ کریں جو دوسروں کی دل آزاری کا موجب ہو۔ مگر ہم افسوس سے دیکھتے ہیں کہ اس نیک راہ کی خلاف ورزی کو فخر سمجھا جاتا ہے۔

معمولی مذہبی مباحثات کی کتابیں تو ایک طرف رہیں ہندوستان میں تو اُن کتابوں کیحالت بھی ناگفتہ بہ ہے جو ایک قوم کی قوم کے لیے سرچشمہ ہدایت اور مقدس مذہبی کتابیں خیال کیجاتی ہیں۔ مثال کے طور پر ستیارتھ پرکاش کو لو جو آریہ سماج کے بانی سوامی دیانند کی سب سے بڑی اور اعلیٰ پایہ کی تصنیف خیال کیجاتی ہے اس کتاب میں دیانند نے اپنے پیرووں کے لیے مذہبی اور تمدنی معاملات کی بابت زندگی کے قوانین اور قواعد لکھے ہیں اور اسکے پیرو ہندوؤں میں سے ترقی یافتہ فرقہ ہے اور اس میں ہزارہا آدمی داخل ہیں۔ لیکن ہم دیکھتے ہیں کہ یہ کتاب بھی ایسی عبارتوں سے پُر ہے جو دل آزاری اور بدزبانی میں اس دہریہ سے بہت بڑھی ہوئی ہیں جس کو انگلستان جیسے ترقی یافتہ ملک میں انہی کلمات کی وجہ سے مجرم قرار دیا گیا ہے چند باب اس کتاب میں ایسے باندھے گئے ہیں جن میں دوسرے فرقوں یا دوسرے مذاہب پر نکتہ چینی کی گئی ہے۔ مثال کے طور پر ہم بائبل اور قرآن کریم پر جو نکتہ چینیاں کی گئی ہیں انکی بعض مثالیں پیش کرتے ہیں۔

کتاب پیدائش کی اُن آیتوں پر جن میں علم اور زندگی کے درخت کا ذکر کیا گیا ہے ان الفاظ میں نکتہ چینی کی گئی ہے "اگر ایسی باتوں سے انسان مکار اور دھوکا باز بنجاتا ہے تو خدا پر یہ الزام کیوں نہیں عاید ہوگا کیونکہ اگر کوئی دوسرے کے ساتھ داؤ کھیلے گا تو وہ مکار اور دھوکا باز کیوں نہ کہلائیگا اور جو ان تینوں کو لعنت دی وہ بلا قصور تھے پس خدا بے انصاف بھی ہوا اور یہ لعنت خدا پر ہونی چاہیئے تھی کیونکہ وہ جھوٹ بولا اور انکو بہکایا"۔

(صفحہ ۶۲۰) باب ۱۲۔ پھر اُس اجازت کا ذکر کرتے ہوئے جو پیدائش باب ۹ آیت ۳ میں درج ہے جس میں لکھا ہے کہ "سب جیتے چلتے جانور تمہارے کھانے کے واسطے ہیں میں نے ان سب کو نباتات کی مانند تمہیں دیا" ستیارتھ پرکاش کا مصنف یہ ریمارک کرتا ہے کہ "کیونکہ خدا کے نزدیک سب جاندار اس کے بیٹوں کی مانند ہیں چونکہ عیسائیوں کے خدا میں یہ صفت نہیں ہے بلکہ وہ قصاب کی طرح کام کرتا ہے اور سب انسانوں کو ایذا رسان بھی اسی نے بنایا ہے پھر بتلائیں کہ عیسائیوں کا خدا بے رحم ہونیکی وجہ سے گنہگار کیوں نہیں۔(دیکھو صفحہ ۶۲۴)۔ اور پھر زبانوں کی گڈ مڈ اور خلط ملط پر بحث کرتے ہوئے وہ لکھتا ہے کہ "کیا کیا جاوے عیسائیوں کے حاسد خدا نے سب کی زبان خلط ملط کر کے سب کا ستیاناش کر دیا۔ اس نے بڑا غضب کیا کیا یہ شیطان کے کام سے بھی بُرا کام نہیں؟..... عیسائیوں کا خدا سنائی پہاڑ پر رہتا تھا اور آدمیوں کی ترقی بھی نہیں چاہتا تھا۔ (دیکھو صفحہ ۶۲۵)۔ اور پھر آگے جاکر بیان کرتا ہے "اس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ خدا انسان یا پرندے کی مانند تھا کہ اوپر سے نیچے اور نیچے سے اوپر آیا جایا کرتا تھا یا وہ کسی نٹ یا جادوگر کی مانند ہوگا۔ (صفحہ ۶۲۶)۔ اور پھر صفحہ ۶۲۷ پر لکھتا ہے کہ "اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ جنگلی آدمیوں کا ایک گروہ ہوگا ان میں سب سے بڑے آدمی کا نام انجیل میں خدا رکھ لیا ہوگا" خروج باب ۲۰ آیت ۱۶-۱۷ جس میں یہ حکم درج ہے کہ "تُو اپنے پڑوسی پر جھوٹی گواہی مت دے۔ تُو اپنے پڑوسی کے گھر کا لالچ مت کر تُو اپنے پڑوسی کی جورو اور اس کے غلام اور اس کی لونڈی اور اسکے بیل اور اسکے گدھے اور کسی چیز کا جو تیرے پڑوسی کی ہے لالچ مت کر" اس پر یہ حاشیہ چڑھاتا ہے "واہ! تبھی تو عیسائی پڑوسیوں کے مال کی طرف اس طرح رجوع ہوتے ہیں جیسے پیاسے آدمی پانی کی طرف بھوکا اناج کی طرف۔ جیسی یہ خود غرضی اور طرفداری کی تعلیم ہے ویسا ہی عیسائیوں کا خدا ہوگا اگر کوئی کہے کہ ہم کل نوع انسان کو پڑوسی ملنتے ہیں تو سوائے انسان کے اور کون جورو

اور غلام والے ہیں کہ جنہیں پڑوسی تصور نہ کریں پس ثابت ہوا کہ یہ باتیں خود غرض آدمیوں کی ہیں خدا کی نہیں" (دیکھو صفحہ ۶۲۳)

مصنف ستیارتھ پرکاش عیسائیوں کے خدا کی بابت گستاخانہ الفاظ استعمال کرنے سے ذرا بھی تامل نہیں کرتا مثلاً وہ اسے "ایک جنگلی چالاک" یا "ایک گوشت خور چالاک آدمی" قرار دیتا ہے اور اس کی ذات پاک کے متعلق بہت ہی گندے اور ناپاک صفات تجویز کرتا ہے۔ ایک مقام پر وہ کہتا ہے "عیسائیوں کا خدا اکھاڑہ کا پہلوان ہوگا تبھی تو سرہ اور رالکھل پر مہربانی کی کہ انکے ہاں بیٹا ہوا ایسا خدا خدا ہو سکتا ہے"؟ (صفحہ ۶۲۴) اور پھر کہتا ہے کہ "ہم اس خیال میں تھے کہ صرف اسی ملک میں دیوی کے بھوپوں اور مندروں کے پوجاریوں کی عجیب پوپ لیلا ہے لیکن عیسائیوں کے خدا اور انکے پوجاریوں کی پوپ لیلا ہمارے ملک کی پوپ لیلا سے ہزار گنا بڑھ کر ثابت ہوئی" (دیکھو صفحہ ۶۴۱)

ایک آدمی جو اللہ تعالیٰ کی قدوس اور برتر ذات کے لیے ایسے گندے الفاظ استعمال کرتا ہے بھلا وہ انبیاء علیہم السلام کو بُرا کہنے سے کب رُک سکتا تھا۔ چنانچہ ستیارتھ پرکاش کے پڑھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ دیانند حضرات انبیاء علیہم السلام کی ذات گرامی کی نسبت فحش ترین الفاظ استعمال کرتا ہے وہ انبیاء علیہم السلام جنکی عظمت و عزت نصف دنیا سے زیادہ کی آبادی میں کیجاتی ہے اور انکا وقار اور پاس وہ قومیں کرتی ہیں جو گذشتہ تیرہ صدیوں میں تہذیب کی اشاعت کرنیوالے اور دنیا میں پھیلانیوالے تھے انکا ذکر ایسے حقارت والے ناپاک الفاظ میں کیا گیا ہے کہ جنکو سُنکر ایک خدا ترس کا دل کانپ اُٹھتا ہے۔ صفحہ ۶۲۲ میں بائبل کے مصنفوں کو "جنگلی" کہا گیا ہے۔ صفحہ ۶۲۵ پر ہم مندرجہ ذیل الفاظ پاتے ہیں۔ "دیکھئے ابراہیم عیسائیوں اور مسلمانوں کا بڑا پیغمبر سمجھا جاتا ہے کیا اس کی دروغگوئی وغیرہ اعمال بُرے ہیں یا بھلے؟ جن کے ایسے پیغمبر ہوں انکو

علم یا بہتری کا راستہ کیسے مل سکے؟" صفحہ ۶۳۵ پر حضرت موسیٰ علیہ السلام اور دیگر انبیاء علیہم السلام کی نسبت یہ ناپاک الفاظ بولتا ہے۔ "اب دیکھیے بائبل کے اعلیٰ ہادیٔ مذہب اور پیغمبر موسیٰ کی خصلتیں غصہ وغیرہ بد صفات سے پُر۔ انسان کی جان کشی کرنیوالا اور چور کی مانند شاہی سزا سے گریز کرنیوالا اور بھید چھپانے کی وجہ سے جھوٹ بولنے والا بھی ضرور ہوگا۔ ایسے شخص کو بھی خدا ملا۔ پیغمبر بنا۔ اس نے یہودیوں کا مذہب جاری کیا جیسا موسیٰ آپ تھا ویسا اسکا مذہب تھا عیسائیوں کے سب ہادیان مذہب موسیٰ سے لیکر اخیر تک جنگلی حالت میں تھے اُن میں علم مطلق نہ تھا وغیرہ وغیرہ" عہد جدید اور یسوع پر ویسے ہی بدنیتی سے اعتراض کیے گئے ہیں۔ متی باب ۲۶ میں جہاں کہ یہودا اسکریوطی کو شیطان نے اپنے آقا کو چھوڑنے کے لیے گمراہ کیا تھا اسپر دیانند مندرجہ ذیل حاشیہ چڑھاتا ہے۔ "یہ بات درست نہیں۔ کیونکہ عیسائیوں سے پوچھنا چاہیے کہ اگر شیطان سب کو بہکاتا ہے تو شیطان کو کون بہکاتا ہے اگر کہو کہ شیطان خود بخود بہکایا جاتا ہے تو پھر انسان بھی خود بخود بہکایا جاسکتا ہے۔ پھر شیطان کا کیا کام؟ اور اگر شیطان کا پیدا کرنیوالا اور بہکانیوالا خدا ہے تو وہی شیطان کا شیطان عیسائیوں کا خدا ٹھہرا اور خدا ہی نے سب کو اس کے ذریعہ بہکایا ہے۔ بھلا یہ کام خدا کا ہوسکتا ہے۔ عیسائیوں کی کتاب کے مصنف اور عیسیٰ خدا کا بیٹا شیطان ہوں تو ہوں خدا شیطان نہیں اور نہ یہ کتاب خدا کا کلام" (دیکھو صفحہ ۶۶۳)

خود حضرت مسیح کو بھی جاہل اور وحشی کے ناموں سے پکارا گیا ہے۔ اور انکی نبوت کو ایک منصوبہ اور افترا قرار دیا گیا ہے جس کی غرض لوگوں کو اپنے دام میں پھنسانا بتائی گئی ہے۔ صفحہ ۶۵۱ پر لکھتا ہے۔ "یسوع اس لیے دنیا میں آیا تھا کہ وہ انسان کو انسان سے جدا کرے اور جس نفاق اور لڑائی فساد کی بنیاد عیسیٰ نے ڈالی وہی آجتک لوگوں میں قایم ہے یہ کیسی بُری بات ہے نفاق سے ہر طرح آدمی کو تکلیف ہوتی ہے پر عیسائیوں نے

اس سے گررو منتر سمجھ لیا ہے کیونکہ جب دو شخصوں میں نفاق ڈالنا خود عیسیٰ اچھا سمجھتا تھا تو عیسیٰ کے پیرو اسے کیوں نہ اچھا سمجھیں؟ گھر کے لوگوں کو ایک دوسرے کا دشمن بنایا عیسیٰ ہی کا کام ہے کسی نیک آدمی کا نہیں" (دیکھو صفحہ ۶۵۱)۔ عشاء ربانی پر (متی باب ۲۶ آیت ۲۶-۲۸) قلم فرسائی کرتے ہوئے دیانند کہتا ہے کہ "بہت خوب! کیا کوئی شائستہ آدمی ایسی بات کہہ سکتا ہے" (دیکھو صفحہ ۶۵۷)۔ حضرت مسیح کے الفاظ پر حاشیہ چڑھاتے ہوئے جہاں وہ کہتے ہیں کہ "آسمان اور زمین ٹل جائیں گے پر میری باتیں ہرگز نہ ٹلیں گی" سوامی دیانند لکھتا ہے "یہ بات بھی (یسوع کی) جہالت اور حماقت پر دلالت کرتی ہے" (صفحہ ۶۵۶)۔ ایسا ہی اور بہت سے تحقیر آمیز کلمات اور عبارتیں اس کتاب میں پائی جاتی ہیں مگر ہماری غرض کے لیے مندرجہ ذیل حوالے کافی ہونگے۔ "چونکہ عیسیٰ بڑھئی کے گھر پیدا ہوا تھا ہمیشہ لکڑی چیرنے چھیلنے کاٹنے اور جوڑنے کا کام کرتا رہا ہوگا اسے اس جنگلی ملک میں پیغمبر بننے کا شوق چڑھ آیا تو وہ عجیب قسم کی باتیں کرنے لگا کئی ایک باتیں اس کے منہ سے اچھی بھی نکلیں لیکن بہت سی بُری بھی ہیں وہاں کے جنگلی لوگ تھے اس کی باتوں پر یقین کر بیٹھے" (صفحہ ۶۵۶)۔ "سب عیسائی کہتے ہیں کہ عیسیٰ مسیح بڑا حلیم الطبع۔ بردبار۔ متحمل اور غصہ وغیرہ نقصوں سے پاک تھا لیکن ان آیتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ غصہ ور تھا اور اسے موسموں کا علم نہ تھا اور اس کی جنگلی آدمیوں کی سی خصلت تھی" (صفحہ ۶۵۵)۔ "اگر اسے (یسوع مسیح) ذرا سی بھی تمیز ہوتی تو وہ ایسی لچر پوچ باتیں کیوں کہتا۔ سچ ہے جہاں درخت نہیں۔ وہاں ارنڈی کا درخت ہی بڑا سمجھا جاتا ہے ایسے ہی جنگلی اور جاہلوں کے ملک میں عیسیٰ کا ہونا بھی غنیمت تھا لیکن اس روشنی کے زمانہ میں عیسیٰ کس گنتی میں ہے" (صفحہ ۶۵۳)۔ "عیسیٰ کی باتیں علم اور قانون قدرت کے بالکل خلاف تھیں اور وہ یہ چاہتا تھا کہ لوگ اس کی باتوں کو بچوں کی طرح اندھا دھند مان لیں واقعی علی العموم اگر عیسائیوں کی عقل چھوٹے لڑکوں کی سی نہ ہوتی تو وہ ایسی بعید از قیاس اور خلاف از علم

باتیں کیوں مانتے۔ مزید براں یہ بھی ثابت ہوا کہ عیسیٰ خود بے علم اور لڑکوں کی سی عقل والا تھا ورنہ اوروں کو چھوٹے لڑکوں کی مانند بننے کی تعلیم کیوں دیتا ظاہر ہے کہ جو جیسا ہوتا ہے وہ اوروں کو بھی ویسا ہی بنانا چاہتا ہے" (دیکھو صفحہ ۶۵۳)۔ "دیکھئے عیسیٰ جنگلی آدمیوں کو یقین دلانے کے لیے بہشت کا چیف جسٹس (منصف اعلیٰ) بننا چاہتا تھا۔ صرف بھولے لوگوں کو سبز باغ دکھلایا ہے" (دیکھو صفحہ ۶۴۹)۔ "یہ بھی ثابت ہو گیا کہ عیسیٰ نے اپنے مذہب کا جال اس لیے پھیلایا ہے کہ لوگوں کو اس میں اسطرح پھنسائے کہ جسطرح مچھلی کو ماہی گیر جال میں پھنساتا ہے جب خود عیسیٰ ایسا تھا تو آجکل کے پادری اگر اپنے جال میں آدمیوں کو پھنساویں تو کیا تعجب ہے"؟ (صفحہ ۶۴۶ و ۶۴۷)

ایسا ہی ستیارتھ پرکاش میں حضرت مسیح کی پیدائش کے متعلق فحش اشارے کیئے گئے ہیں اور دل آزار الفاظ استعمال کیے گئے ہیں۔ جو دل آزاری اور ناشائستگی میں اس دہریہ کے کلام سے بھی بدتر ہیں جسے مجرم قرار دیا گیا ہے۔ مندرجہ ذیل آیت پر کہ "جب اسکی ماں مریم کی منگنی یوسف کے ساتھ ہوئی تو انکے اکٹھے ہونیسے پہلے وہ روح القدس سے حاملہ پائی گئی"، سوامی دیانند نے یوں حاشیہ چڑھایا ہے۔ "ان باتوں کا ماننا بیوقوف جنگلیوں کا کام ہے۔ شائستہ علماء کا نہیں بھلا جو خدا کا مقررہ قانون ہے وہ کیونکر ٹوٹ سکتا ہے اگر خدا خود اپنے قوانین تبدیل کرے تو اسکا حکم کوئی نہ مانے۔ پھر وہ ہمہ دان اور غلطی سے مبرا ہے۔ اسطرح تو پھر جس باکرہ کو حمل ٹھہر جائے اس کے بارہ میں بھی ایسا ہی کہا جا سکتا ہے کہ یہ حمل خدا کی طرف سے ہے اور جھوٹ موٹ کسی کو کوئی کہدے کہ خدا کے فرشتے نے مجھے خواب میں کہدیا ہے کہ یہ حمل خدا کی طرف سے ہے جیسی یہ ناممکن بات گھڑی گئی ہے ویسا ہی سورج سے کنتی کا حاملہ ہونا بھی پرانوں میں درج ہے۔ ایسی ایسی باتوں کو آنکھ کے اندھے گانٹھ کے پورے تسلیم کر کے مغالطہ میں پڑا کرتے ہیں اصل بات یہ معلوم ہوتی ہے کہ کسی آدمی کے ساتھ صحبت ہونیسے مریم حاملہ ہو گئی ہو گی اس نے یا کسی اور

آدمی نے یہ مشہور کر دیا ہو گا کہ اس کا حمل خدا کی طرف سے ہے" (دیکھو صفحہ ۶۴۵ و ۶۴۶)

اس کے بعد آریہ سماج کے بانی نے اپنی دشنام دہی اور گندہ دہانی کی باگ قرآن شریف اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم (فداہ ابی و اُمی) کی طرف موڑ دی ہے اس موقع پر مصنف کی کینہ وری نے اپنے تئیں ایک سخت اور غلیظ ترین شکل میں ظاہر کیا ہے اور اس نے نہایت بیباکی سے اللہ جلشانہٗ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کو بہت بُری گالیاں دی ہیں اللہ تعالیٰ کے متعلق وہ مندرجہ ذیل الفاظ بکثرت استعمال کرتا ہے۔ "بڑا شیطان" اور ایک "ثابت شدہ شیطان" (صفحہ ۷۰۶) "گویا شیطان کا شیطان خدا ہے" (صفحہ ۷۱۲)۔ خدا کو "شیطان" کہا گیا ہے (صفحہ ۷۲۳) "کیا خدا بھی ڈاکو ہے کہ لوٹ کے مال کا حصہ دار بنے گا" صفحہ ۷۰۰ پر بانی آریہ سماج لکھتا ہے۔ "واہ واہ دیکھو مسلمانوں کا خدا گویا بھان متی کا تماشہ کر رہا ہے کیا ایسی ہی باتوں سے خدا کی خدائی ظاہر ہوتی ہے" "کیا یہ شیطان سے بھی بڑھکر شیطنت کا کام نہیں ہے" (صفحہ ۶۸۳) "خدا خود ہی عظیم بُت پرستی کا بانی مبانی ہوا .... پس مسلمان اور انکا خدا بڑے بُت پرست ہیں" (صفحہ ۷۳۲)

حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم (فداہ ابی و اُمی) کی ذات مبارک کے متعلق گندے سے گندے الفاظ اور کلمات کا انبار کا انبار جمع کر دیا گیا ہے اور آپ کو سب بنی نوع آدم سے بُرا ظاہر کیا گیا ہے۔ ۷۷۰ صفحہ میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو "مکار، دغاباز، ملحد اور فریبی اور شریر آدمی" بتلایا گیا ہے۔ صفحہ ۷۴۳ میں لکھا ہے "محمد صاحب اگر شہوت پرست نہ ہوتے تو مُنہ بولے بیٹے کی جورو کو اپنی بیوی کیوں بنا لیتے" اور صفحہ ۷۴۴ میں آپ کو "حیوان کی مانند" کہا گیا ہے۔ اور صفحہ ۷۵۷ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم (فداہ ابی و اُمی) کو مندرجہ ذیل الفاظ کا مصداق ٹھہرایا ہے

(نقل کفر کفر نباشد) قاتلہ اللہ انی یوفک ۔ زانی آدمیوں کو نہ حیا ہوتی ہے اور نہ خوف۔ اور

اس کے آگے بیان کرتا ہے "ان باتوں پر غور کرنیسے کیا یہ نتیجہ نہیں نکلتا کہ قرآن کلام اللہ تو کجا بلکہ کسی عالم نیکوکار کی بھی تصنیف نہیں" (صفحہ ۷۵۷)

ہم یہ نہیں کہتے کہ ایسی دل آزار ناپاک اور ناشائستہ تحریروں پر مقدمہ چلانا چاہیئے مگر یہ بات تعجب میں ڈالتی ہے کہ بعینہٖ وہی عبارتیں جو ہندوستان جیسے جاہل ملک میں مقدس کتابوں کی آراستگی اور زیور خیال کیجاتی ہیں انگلستان جیسے آزاد اور ترقی یافتہ ملک میں قابل سزا سمجھی جاتی ہیں وہ عبارتیں جن کی روسے دہریہ بولٹر کو لنڈن میں مجرم قرار دیا گیا ہے ان الفاظ سے زیادہ سخت اور گندی نہیں جو کہ ہم نے ستیارتھ پرکاش سے نقل کی ہیں۔ بولٹر بائبل کے خدا کو "ایک بے حیا پُرانا جنگلی آدمی" کر کے پکارتا ہے اور پنڈت دیانند اسکے متعلق "جنگلی چالاک" "قصاب" "دونٹ" "شیطان سے بڑھکر شیطان" اور ایسے ناپاک الفاظ استعمال کرتا ہے۔ بولٹر نے بائبل کو "ایک گندی کتاب" کہا تھا اور دیانند عہد عتیق کے مصنفوں کو "جنگلی" کہتا ہے اور عہد جدید کے لکھنے والوں کو "شیاطین" قرار دیتا ہے بولٹر کے سخت ترین الفاظ کنواری کے جننے کے متعلق دیانند کے استعمال کردہ الفاظ سے سخت نہیں ہیں بمطابق محولہ عبارت کے جو فرد جرم میں نقل کی گئی ہے اس کے یہ الفاظ نقل کیے گئے ہیں۔ "کوئی آدمی یقین نہیں کرسکتا کہ کبھی کنواری نے بھی لڑکا جنا ہے تم کیا خیال کروگے جب ایسا واقعہ تمھارے گھر میں ہو جاوے۔ تم مسٹر ہلوڈن کے پاس نسبت کا مقدمہ روح القدس کے برخلاف کرنیکو جاتے ہو"۔ یہ عجیب بات ہے کہ ہندوستان میں جہاں کہ مذہبی خیالات انگلستان کی نسبت پبلک کے دلوں پر بہت بڑی حکومت رکھتے ہیں مذہب کو اور مذہبی پیشواؤں کو بُرا کہنا قانونی طور سے جائز قرار دیا گیا ہے اور اس حد تک اس بُرا کہنے کی آزادی دیگئی ہے کہ انگلستان میں اسکا نام ونشان بھی نہیں۔ اگر ایسی ملحدانہ ناپاک اور ناشائستہ تحریرین جیسی کہ اوپر بیان

کی گئی ہیں حقیقۃً مضر ہیں تو وہ بہ نسبت انگلستان کے ہندوستان میں زیادہ مضر ہونگی اس میں شک نہیں کہ جب تک کہ مذہبی رائے ظاہر کرنیکی آزادی دنیا کو حاصل ہے تو ہر مذہب کے وکلار کو صرف یہی حق حاصل نہیں ہے کہ اپنے مذہب کی تعریف و مدح کریں اور اسکی خوبیوں اور عمدہ اصول کو کھول کھولکر بیان کریں اور دوسرے لوگوں کو یہ ترغیب دیں کہ انکے مذہب کو دوسرے مذاہب چھوڑکر قبول کرلیں بلکہ انکو یہ بھی حق حاصل ہے کہ وہ اپنے مذہب کو باقی پر فوقیت دیں اور اسکو افضل قرار دیں اور دوسرے مذہبوں کی نکتہ چینی کریں اور ان عیوب اور مضار کو لوگوں کے سامنے ظاہر کریں جو دوسرے مذاہب میں پائے جاتے ہیں۔ لیکن یہ کہانتک انکو حق حاصل ہے کہ وہ دوسرے کی نکتہ چینی اور عیب گیری کرتے وقت مقدس لوگوں کو گالیاں نکالنا اور سیدھے الفاظ کو توڑ مروڑ کر انسے خلاف منشائے متکلم مطلب نکالنا اور دل آزار کلمات کا استعمال کرنا جایز ہے۔ یہ ایک علیحدہ سوال ہے جس کے جواب دینے کے لیے مَیں اس مضمون میں طیار نہیں ہوں۔ لیکن یہ صاف بات ہے کہ آزادی اور بے اعتدالی کے درمیان کوئی بیّن حد ہونی چاہیئے ہندوستان جیسے ملک کیحالت جہاں سب مذاہب موجود ہیں اس قسم کی نہیں ہے کہ کسی خاص مذہب کی رعایت کیجاوے بلکہ یہاں کی حالت کا یہی اقتضا ہے کہ تمام مذاہب کو یکساں آزادی دیجاوے۔ اور عام طور پر ہر ایک مذہب کے مقدس بزرگوں کے خلاف دل آزار اور ناشایستہ تحریروں سے روکا جائے۔ اگر اور کسی وجہ سے نہیں تو کم از کم اسی غرض کے لیے کہ ملک میں صلح اور آشتی پھیلے اور باہمی کینے اور عداوتیں کم ہوں۔ مباحثات میں بعض وقت سخت کلامی اور درشتی بھی ہوجاتی ہے کیونکہ جوش کا موقع ہوتا ہے مگر افسوس ہے کہ عام مذہبی تحریروں میں اس اندازہ سے گذر کر سخت کلامی اور دل آزاری میں بے اعتدالی کا پہلو اختیار کیا جاتا ہے۔

مثلاً ہم اس تنقید اور نکتہ چینی کو لیتے ہیں جو مذہب اسلام اور مذہب عیسائی پر

ستیارتھ پرکاش میں کی گئی ہے۔ جسکی حقارت آمیز روش ہم نے چند حوالوں سے ظاہر کی ہے جو اوپر بیان کیے گئے ہیں۔ اب یہ کتاب کوئی مباحثہ کی کتاب نہیں ہے اور وہ باب جنہیں عیسائی مذہب اور اسلام کا ذکر ہے انکے تمہیدی ریمارکس میں یہ دعویٰ کیا گیا ہے کہ یہ تنقید ہر دو مذاہب کے متعلق نیک نیتی اور انصاف پر مبنی ہے۔ مگر افسوس ہے کہ ان بابوں کے مضامین کو پڑھکر تمہید محض دکھانے کے دانت معلوم ہوتے ہیں۔ اس نکتہ چینی کے ایک ایک لفظ سے کینہ۔ بغض اور شرارت ٹپکتی ہے جس کی غرض سوائے اس کے اور کچھ نہیں ہے کہ غیر مذہب والوں کے دلوں کو دُکھایا جاوے کیونکہ پنڈت صاحب اس بات سے ناواقف تو تھے نہیں کہ جن مقدس ناموں کا ذکر وہ اسقدر حقارت آمیز اور ناشائستہ الفاظ میں کر رہے ہیں انکی عزت اور محبت کروڑہا انسانی دلوں میں تمام عزتوں اور محبتوں سے بڑھکر ہے پھر کوئی شائستہ پیرایہ اختیار نہ کرنیکا منشا سوائے دل آزاری کے اور کیا ہو سکتا ہے۔ مصنف ستیارتھ پرکاش آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم (فداہ ابی و امّی) کو بمع آپکے صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے ڈاکوؤں اور ٹھگوں کا ایک گروہ قرار دیتا ہے اب میں پوچھتا ہوں آیا کوئی عقلمند انسان تمام تاریخ اسلام کو پڑھ کر اس نتیجہ پر پہنچ سکتا ہے؟ تھوڑا سا غور کرنے سے یہ معلوم ہو جاتا ہے کہ یہ ٹھنڈے دل سے رائے زنی یا نکتہ چینی نہیں کی گئی ہے بلکہ ایک کینہ اور حقارت سے بھرے ہوئے دل کا یہ ابال ہے۔ کیا کوئی آدمی ڈاکوؤں اور ٹھگوں کا کوئی ایسا گروہ بتا سکتا ہے جس نے دنیا میں ایسی معجزہ نما تبدیلی پیدا کی ہو اور جس نے تہذیب اور علم کی مشعل کو روشن کیا ہو اور جس نے تمام قوموں کو پستی اور وحشت کے گڑھوں سے نکالکر تہذیب اور شائستگی کے بلند اور اونچے مناروں پر کھڑا کر دیا ہو اگر دنیا کی تاریخ فی الحقیقت یہ ظاہر کرتی ہے کہ ٹھگوں اور ڈاکوؤں کی جماعتوں نے ایسے اعلیٰ اور عظیم الشان کارنمایاں کیے ہیں اور وہ اخلاق علم سائنس اور فلسفہ میں دنیا کے امام بنے ہیں تب فی الحقیقۃ پنڈت دیانند کی نکتہ چینی خواہ

غلط ہو خواہ صحیح تنقید کے دایرہ کے اندر آ سکتی ہے لیکن وہ الفاظ اور عبارتیں جن سے ستیارتھ پرکاش کے سفید کاغذ سیاہ کیے گئے ہیں ۲ سچے واقعات کو عمداً غلط پیرایہ میں اور کینہ اور بغض سے بھرے ہوئے الفاظ میں بیان کیا گیا ہے جسکی غرض صرف دلوں کو دکھانا ہے۔

ایک اور مثال لو۔ حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم (فداہ ابی و امی) کو صرف اس لیے کہ آپ کی ایک سے زیادہ بیویاں تھیں زانی اور شہوت پرست قرار دیا گیا ہے لیکن وہی شخص جو اپنے جیسے کروڑوں نفوس انسانیہ کے مقدس امام کو گالیاں دینے کیلیے طیار ہے اپنے پیروؤں پر اپنی منکوحہ بی بی کے علاوہ گیارہ عورتوں سے نیوگ کرنا اسی لیے نہیں فرض قرار دیتا ہے جب اس شخص کے ہاں اسکی شرعی اور جایز بیوی سے نرینہ اولاد نہ ہوتی ہو۔ لیکن یہ نیوگ گیارہ عورتوں سے دیانندی مذہب میں ایک پاک اور عمدہ کام سمجھا جاتا ہے۔ اسی طرح ایک بیاہی ہوئی عورت اپنے خاوند کے سوا گیارہ دوسرے آدمیوں سے ہمبستری کر سکتی ہے اگر اسکی نرینہ اولاد نہ ہو یا اور کوئی ضرورت پیش آجاوے۔ ایسا آدمی جس نے ایسے گندے اور ناپاک اصول اپنے پیروؤں کو سکھلائے کسی ایسے انسان کو ملزم قرار نہیں دے سکتا جو بوجہ نہ ہونے نرینہ اولاد کے ایک سے زیادہ عورتوں سے نکاح کرلے اور انکو اپنی شرعی اور جایز بیویاں بنالے۔ اس لیے ہم جب دیکھتے ہیں کہ دیانند حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم (فداہ ابی و امی) کے حق میں محض تعدد ازدواج کی وجہ سے ناگفتنی کلمات استعمال کرتا ہے تو مجبوراً یہ نتیجہ نکالنا پڑتا ہے کہ اس کے گندے ریمارک کسی واقعی اور صحیح اعتراض پر مبنی نہیں ہیں جو تعدد ازدواج کی مستحکم رسم پر قایم ہو سکے جو اسوقت ملک عرب میں شایع و متعارف تھی بلکہ یہ محض کینہ اور دشمنی کا نتیجہ ہیں۔

ہماری غرض اور ہمارا مدعا آریہ سماج کی مقدس کتابوں سے دل آزار اور حقارت آمیز کلمات اور عبارتیں نقل کرنے سے یہ نہیں ہے کہ آریہ سماج اور اسکی کتب مقدسہ کو ذلیل یا بدنام کیا جاوے بلکہ میں نے یہ مضمون اس لیے لکھا ہے تاکہ ہمارے تعلیم یافتہ اور

ہر شخص کا رنگ اپنے اندر نہیں رکھتیں بلکہ

مہذب ہندو پڑوسی اس اہم معاملہ کی طرف توجہ کریں اور اس بات کو اچھی طرح سے سمجھ لیں کہ جبتک وہ نکتہ چینی اور اعتراض کرنے میں آریہ سماج کے بانی کے طریق اور نقش قدم پر چلتے رہیں گے جو اس نے دوسرے مذہبوں کے مقابلہ میں اختیار کیا تھا تو یہ خوب یاد رکھیں کہ مسلمانوں اور ہندوؤں میں باہمی پھوٹ جو سچائی اور اعلیٰ خیالات کے پھیلنے میں بھاری مانع اور روک ہے روز بروز ترقی کرتی جاویگی۔ اگر وہ یہ نہیں چاہتے کہ پھوٹ بڑھے اور ہم امید کرتے ہیں کہ وہ اس بات کو پسند نہیں کریں گے تو انکے لیے یہ بہتر ہوگا کہ اپنے مذہبی رسالوں اور کتابوں کی طرز تحریر کو بدل ڈالیں اور بنی آدم کے مقدس ائمہ کی عزت کریں بجائے اس کے کہ انکے لیے ناگفتنی اور ناشنیدنی الفاظ تحریر میں لاویں۔ ایسا کرنے میں انکے اپنے مذہب کا بھی فائدہ ہے کیونکہ نرم الفاظ بہ نسبت دل آزار الفاظ کے بہت زیادہ اثر کرتے ہیں بشرطیکہ اُن الفاظ میں واقعی کوئی حقیقت یا اثر ہو۔

انہیں خوب یاد رہے کہ اگر مسلمان یا عیسائی انکے مذہب پر اسی طرح حقارت آمیز اور دل آزار الفاظ میں نکتہ چینی کریں جیسا کہ وہ مسلمانوں اور عیسائیوں کے مذاہب پر کرتے ہیں تو وہ بھی اپنی تحریروں کے لیے کافی سامان جمع کر سکتے ہیں جس سے آریہ سماج کے دلوں کو دکھ پہنچے۔ لیکن ایسا طریق فائدہ بخش نتایج پیدا نہیں کریگا۔ خوش اخلاق اور متحمل بننے اور دوسروں کے بزرگوں کی عزت کرنے میں آریہ صاحبان کا کوئی حرج نہیں اور یہ نصیحت ہم سچے دل سے اس کے تمام سرگرم ممبروں اور حامیوں کو کرتے ہیں کاش وہ سمجھیں اور ناحق کی دل آزاری سے سچے دل سے توبہ کریں ؂

چار سوالوں کے جواب

سوال اوّل :- صحیح بخاری میں ہے اصدق کلمۃ قالھا الشاعر کلمۃ لبید "الا کل شیءٍ ما خلا اللہ باطل" یعنی شاعروں میں سے سب سے زیادہ سچا لبید کا یہ قول ہے کہ خدا کے سوا ہر شے باطل ہے حالانکہ قرآن مجید میں اس کے خلاف ہے، ربنا ما خلقت ھذا باطلاً۔

الجواب :- محض ایک لفظ کے ایک جگہ اثبات اور دوسری جگہ نفی سے دونوں قولوں کا متضاد ہونا ثابت نہیں ہوتا۔ کیونکہ الفاظ کے معنوں میں بہت وسعت ہوتی ہے۔ اگر واقع میں کوئی حدیث قرآن کریم کے صریح الفاظ کے معارض اور مخالف ہو تو ہمارے نزدیک ایسی حدیث چھوڑنی چاہیئے کیونکہ اس بات سے انکار نہیں ہو سکتا کہ جس احتیاط اور حفاظت سے قرآن کریم ہم کو پہنچا ہے حدیث کی ویسی حفاظت نہیں ہوئی۔ مگر جیسی مثال اس سوال میں پیش کی گئی ہے اس کی بہت سی نظیریں خود قرآن کریم میں ملتی ہیں یعنی کہ ایک ہی لفظ کا اثبات بھی ہوتا ہے اور پھر اس کی نفی بھی ہوتی ہے۔ مگر اس سے اختلاف یا تعارض ثابت نہیں ہوتا بلکہ ہمیں چاہیئے کہ ایسے الفاظ کے معنوں میں غور کریں مثلاً قرآن کریم کی ان آیات پر غور کرو۔ اللہ تعالیٰ سورۃ القصص کے چھٹے رکوع میں فرماتا ہے انک لا تھدی من احببت ولکن اللہ یھدی من یشاء۔ یعنی تحقیق تو کسی کو ہدایت نہیں کرتا جسکو دوست رکھے لیکن اللہ تعالیٰ ہدایت دیتا ہے جسکو چاہتا ہے اس آیت کریمہ میں نبی کریم کو فرمایا ہے کہ تو ہدایت نہیں کرتا جسکو چاہتا ہے۔ پھر اللہ تعالیٰ سورۃ شوریٰ کے پانچویں رکوع میں فرماتا ہے وانک لتھدی الی صراط مستقیم ترجمہ۔ اور تحقیق ضرور تو ہدایت کرتا ہے سیدھی راہ کی طرف۔ دیکھیئے یہاں لتھدی ہے

فرماتا ہے۔ پہلی آیت کریمہ میں لا تھدی اور دوسری میں اثبات ہے۔ دوسری مثال یہ ہے ووجدك ضالًا۔ یعنی اور تجھ کو اللہ نے ضال پایا۔ دیکھیئے یہاں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو ضال فرمایا ہے لیکن سورۃ النجم میں اسکی نفی کرتا ہے اور فرماتا ہے وماضل صاحبکم وماغوی۔ اے اہل مکہ تمہارا یہ ساتھی ضال نہیں ہے اور نہ غاوی ہے۔ صاحب من! جہاں یہ ضرورت پیش آتی ہے کہ ایک ہی لفظ کا اثبات کیا جاتا ہے اور اسی کا انتفاء تو اسوقت بوقت اثبات اور معنے مقصود ہوتے ہیں اور بوقت انتفاء اور معنے۔ انك لا تھدی کے یہ معنے ہوئے کہ یہ تیرے اختیار میں نہیں ہے کہ تو کسی کو ہدایت پر لے آوے اور انك لتھدی کے یہ معنے ہوئے کہ تو لوگوں کو سیدھی راہ کی طرف بُلاتا ہے اور کہتا ہے کہ یہ ہدایت ہے اسکو آکرلو۔ وجدك ضالًا میں ضال کے معنے طالب کے ہیں یعنی خدا نے جب دیکھا کہ تو خدا کا طالب ہے تو اس نے تجھے ہدایت کی راہ دکھادی اور ماضل صاحبکم میں گمراہی کے معنے ہیں چنانچہ غوی کا لفظ ہمارے اس معنے کے لیے صاف اور صریح قرینہ ہے ایسا ہی وجدك ضالًا میں ضال کے معنے سائل اور طالب کے ہیں چنانچہ ضال کے مقابلہ میں بطور لف ونشر اما السائل فلا تنھر میں سائل کا لفظ واقع ہوا ہے۔

اسی طرح بطلان کے بھی دو معنے ہیں۔ باطل کے معنے فانی کے بھی ہیں اور فنا بڑی عظیم الشان تغیر کو کہتے ہیں پس شاعر کا مطلب یہ ہے کہ اللہ کے سوا اور چیزیں فنا پذیر اور غیر ثابت ہیں۔ اور قرآن شریف میں جو لفظ باطل کا استعمال ہوا ہے اس کے یہ معنی ہیں کہ دنیا میں کوئی ایسی چیز نہیں ہے جو محض بے حقیقت ہو۔ قرآن شریف کی لغت میں لکھا ہے الباطل یقال لشئ لا حقیقة له۔ باطل اس چیز کو کہتے ہیں جس کی کوئی حقیقت نہیں ہے پس دونوں میں کوئی اختلاف نہیں ہے۔ سورۃ لقمان ماقبل آخر رکوع کی آخری آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ذٰلك بان اللّٰہ ھو الحق وان ما

یدعون من دونه الباطل و ان اللہ ھو العلی الکبیر۔ یعنی یہ اس لیے کہ اللہ حق ہے اور تحقیق وہ جو اس کے سوا پکارتے ہیں باطل ہے اور تحقیق اللہ ہی بڑے علو اور بڑی شان والا ہے۔ حالانکہ ایسے معبود بھی خواہ وہ پتھر ہوں یا انسان مخلوق ہونیکی حیثیت سے ربنا ما خلقت ھٰذا باطلا کے نیچے آتے ہیں۔ مگر معنوں کا رنگ الگ ہے۔ مطلب یہ ہے کہ جس غرض کے لیے وہ پکارے جاتے ہیں اس غرض کے لیے باطل یعنی بے حقیقت اشیاء ہیں۔ شعر کے لفظ بھی قابل غور ہیں شاعر کہتا ہے کل شیٔ ما خلا اللہ باطل۔ جس میں گویا ایک طرح کا مقابلہ ہے مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی ہستی ایک ایسی عظیم الشان حقیقت ہے کہ اسکے مقابلہ میں تمام اشیا محض بے حقیقت ہیں۔ پس خلاصہ مطلب یہ ہوا کہ شعر میں باطل کا لفظ فناپذیر اشیاء پر استعمال ہوا ہے اور ربنا ما خلقت ھٰذا باطلاً میں باطل بے حقیقت چیز پر مستعمل ہوا ہے۔ پس اس طرح سے اختلاف اُٹھ گیا۔

سوال دوم:۔ کنز العمال کی بعض روایتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ جس جگہ کی مٹی سے انسان کا خمیر ہوتا ہے وہیں وہ دفن کیا جاتا ہے۔ یہ روایتیں آپ کے نزدیک صحیح ہیں یا نہیں اور آیت کریمہ منھا خلقناکم الخ کو اس مضمون سے کچھ تعلق ہے یا نہیں۔

الجواب۔ اگر کنز العمال کی حدیث کا آپ پتہ بتاتے تو ہمیں دیکھنے کی سہولت ہوتی اور ہم اس کی تحقیقات کر لیتے اب بھی اسکا پتہ آپ کو یاد ہو تو ان احادیث پر غور کیا جا سکتا ہے۔ منھا خلقناکم آیت کریمہ کے مضمون کو اُس حدیث سے کچھ تعلق معلوم نہیں ہوتا اگر وہ حدیث متحقق ہو جاوے۔ منھا سے عام روئے زمین مراد ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ما تدری نفس بای ارض تموت۔ یعنی کسی نفس کو معلوم نہیں ہے کہ وہ کس ملک یا زمین میں مریگا۔

سوال سوم:۔ قرآن مجید میں جو رکوع لگائے گئے ہیں یہ کس زمانہ میں لگائے گئے ہیں۔ انکا لگانیوالا کون ہے اور ان سے کیا غرض مدنظر رکھی گئی ہے۔ رکوع انکا نام کیوں رکھا گیا۔ رکوع کے مشہور و متعارف معنے سے اس بدعت کو کیا تعلق۔ اگر یہ فعل صحابہ و تابعین

کا ہے تو حدیثوں میں اس کا ذکر کیوں نہیں۔ بعض قرآنوں میں جو وقف نبی۔ وقف جبریل وقف منزل۔ وقف غفران وغیرہ مہمل الفاظ لکھے ہیں۔ ان کے معنے کیا ہیں وقف نبی اور وقف جبریل میں تضاد کیسا۔ کیا معاذ اللہ جبریل نبی کے یا نبی جبریل کے مخالف تھے جو اپنا اپنا قلعہ علیحدہ بتاتے تھے؟۔

الجواب:۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تمام قرآن شریف کو نماز میں پڑھ کر خود سنایا ہے اور جہاں جہاں آپ نے رکوع کرنا بلا کسی خاص ضرورت کے ثابت ہوا ہے اس پر بطور یادگار کے رکوع کا نشان قرآن مجید کے اصل متن سے باہر لگا دیا گیا ہے۔ یہ اعتراض کہ "اگر یہ فعل صحابہ و تابعین کا ہے تو حدیثوں میں اس کا ذکر کیوں نہیں" صحیح نہیں معلوم ہوتا۔ کیوں کہ احادیث کا فن اور علم بالکل جدا ہے اور علم قرأت کا فن علیحدہ ہے۔ آپ کو مزید تحقیق کی ضرورت ہو تو آپ "کتاب منار الہدیٰ فی بیان الوقف والابتداء" کو ملاحظہ فرماویں۔ اس محولہ بالا کتاب کے صفحہ ۳ میں لکھا ہے وقال علی کرم اللہ وجہہٗ فی قولہ تعالیٰ و ورتل القراٰن ترتیلا الترتیل تجوید الحروف ومعرفۃ الوقوف اسکا ترجمہ یہ ہے اور کہا علی کرم اللہ وجہہٗ نے اللہ تعالیٰ کے قول میں ورتل القراٰن ترتیلا۔ الترتیل کے معنے ہیں حروف سنوار اور درست کر کے پڑھنا اور وقفوں کو پہچاننا۔ اور اس میں یہ بھی لکھا ہے وقال ابن الانباری من تمام معرفۃ القراٰن الوقف والابتداء اذ لا یتاتی لاحد معانی القراٰن الا بمعرفۃ الفواصل فھذا ادل دلیل علی وجوب تعلمہ وتعلیمہ۔ یعنی اور ابن انباری نے کہا قرآن شریف کی اعلیٰ معرفت اسکو حاصل ہوتی ہے جو جانتا ہے کہ کہاں ٹھہرنا ہے اور کہاں سے شروع کرنا ہے کیونکہ قرآن شریف کے معانی کی معرفت ہرگز حاصل نہیں ہو سکتی جب تک اس کے فاصلوں اور فرق کو اچھی طرح سے نہ سمجھ لیا جاوے اور یہی ایک بڑی دلیل ہے کہ یہ علم پڑھنا اور پڑھانا واجب ہے۔ اسی کتاب کے صفحہ ۵ میں لکھا ہے قال السخاوی ینبغی للقاری ان یتعلم وقف جبریل فانہ کان

یقف فی سورۃ ال عمران عند قولہ قل صدق اللہ والنبی صلی اللہ علیہ وسلم یتبعہ وکان النبی صلی اللہ علیہ وسلم یقف فی سورۃ البقرۃ عند قولہ فاستبقوا الخیرات وفی سورۃ المائدۃ عند قولہ سبحانک مایکون لی ان اقول مالیس لی بحق وکان یقف قل ھذہ سبیلی ادعوا الی اللہ ثم یبتدی علی بصیرۃ انا ومن اتبعنی وکان یقف کذلک یضرب اللہ الامثال ثم یبتدی للذین استجابوا لربھم الحسنیٰ وکان یقف والانعام خلقھا ثم یبتدی لکم فیھا دفءٌ وکان یقف افمن کان مؤمنًا کمن کان فاسقًا ثم یبتدی لایستوون وکان یقف ثم ادبر یسعیٰ فحشر ثم یبتدی فنادی فقال انا ربکم الاعلیٰ وکان یقف لیلۃ القدر خیر من الف شھر ثم یبتدی تنزل الملائکۃ فکان صلی اللہ علیہ وسلم یتعمد الوقف علی تلک الوقوف وغالبھا لیس راس اٰیۃ وماذلک الا بعلم لدنی علمہ من علمہ وجھلہ من جھلہ فاتباعہ سنۃ فی جمیع اقوالہ وافعالہ جسکا خلاصہ مطلب یہ ہے کہ قاری قرآن مجید کو وقف جبریل ضرور سیکھنا چاہیئے حضرت جبریل قل صدق اللہ پر وقف کیا کرتے تھے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آپکی اتباع کیا کرتے تھے اس تمام عربی عبارت میں یہ گن کر بتا دیا گیا ہے کہ کس کس مقام پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم وقف کیا کرتے تھے اور کہاں سے آپ شروع کیا کرتے تھے۔ آخر میں امام سخاوی فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جان بوجھکر ان وقفوں پر وقف کیا کرتے تھے اور غالباً یہ ایسے وقف ہیں کہ یہ آیت کے سرے نہیں ہیں یعنی آیت انسے شروع اور نیز ختم نہیں ہوتی بلکہ یہ وقف وسط آیت میں واقع ہوئے ہیں اور ان وقفوں کا آپ کو اللہ جلشانہ کی طرف سے خاص علم بخشا گیا تھا کیونکہ اللہ تعالیٰ خود فرماتا ہے فاذا قرأناہ فاتبع قرآنہ ثم ان علینا بیانہ یعنی جب ہم قرآن کو پڑھیں اس ہمارے پڑھنے کی تم اتباع کیا کرو پھر

تحقیق ہم پر ہے اس کا بیان کر دینا۔ پس آپ کی اتباع کرنا عین سُنت اور اسوۂ حسنہ ہے آپ کے تمام اقوال اور افعال میں اتباع کرنی بہت ضروری اور لابدی امر ہے۔ وقف منزل کے لیے درۃ الفرید ملاحظہ ہو۔

قرآن کریم کے عجائبات میں تدبّر کرنا حضرت جبرئیل علیہ السلام کا کام بھی ہے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا کام بھی ہے بعض وقت آیات مغفرت کے ذکر میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم مغفرت کے لیے دعائیں شروع کر دیا کرتے تھے جہاں کہیں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت جبرئیل کو وقف کرتے دیکھا اس کا نام وقف جبرئیل ہے اور جہاں آپ کو قراءِ نے وقف کرتے دیکھا اس کا نام وقف نبی صلی اللہ علیہ وسلم ہے اور جہاں آپ نے مغفرت کے لیے دعائیں مانگیں وہاں وقف غفران لکھا گیا ہے۔

سوال چہارم: ۔مرنے کے بعد انسان اپنی ازواج و اولاد سے ملیگا یا نہیں؟۔

الجواب: ۔قرآن کریم میں اس سوال کا بصراحت جواب دیا گیا ہے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے والذین اٰمنوا واتبعتھم ذریتھم بایمان الحقنا بھم ذریتھم وما التناھم من عملھم من شیٔ کل امرئٍ بما کسب رھین۔ اور اس کا یہ ترجمہ ہے کہ "وہ لوگ جو ایمان لا چکے ہیں اور انکی ذریت (اولاد) نے انکی اتباع کی ہے ایسی اتباع کہ اُن جیسا وہ بھی ایمان لائے ہیں ہم انکی اولاد کو انکے ساتھ ہی ملا دیں گے اور انکو کسی عمل میں بھی کمی نہیں کرینگے ہر ایک اپنی کمائی کا گرو ہے۔" پھر ایک اور جگہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ ربنا وادخلھم جنات عدن التی وعدتھم ومن صلح من اٰبائھم وازواجھم وذریاتھم یعنی "اے ہمارے رب اور انکو داخل کر دے رہنے کے باغوں میں جو تُو نے انسے وعدہ کیا ہے اور اُنکو بھی انکے ساتھ داخل کر جو انکے آباؤ اجداد میں صلاحیت رکھتے تھے اور انکی ازواج اور ذریات کو بھی جو سنوارنے والے تھے۔" دیکھیے اس آیت کریمہ میں صاف فرما دیا ہے کہ سنوار والی ازواج اور اولاد مومن انسان کے ساتھ جنت میں داخل ہونگی

اور پہلی آیت کریمہ میں صاف الحقنا بھم کا لفظ وارد ہوا ہے۔

اب رہا یہ کہ کافروں کو بھی انکی ازواج اور اولاد ملیگی یا نہیں۔ اسکا جواب بھی قرآن شریف میں دیا ہے اُحشروا الذین ظلموا وازواجھم وما کانوا یعبدون من دون اللہ فاھدوھم الیٰ صراط الجحیم۔ ظالموں اور انکی ازواج کو اور اُن لوگوں کو جو اللہ کے سوا اور بتوں کو پوجتے تھے اکٹھا کرکے جحیم کی راہ کی طرف لیجاؤ۔ بات بہت صاف اور بیّن ہے کہ اگر انسان سے مراد کافر انسان ہے تو اس کی اولاد اور ازواج اگر وہ ویسی ہی کافر ہیں اس کے ساتھ وہ بھی جہنم میں جائیں گے اور اگر صلاحیت والے ہیں تو انکو جنّت میں داخل کیا جاویگا کیونکہ لا تزر وازرۃ وزر اخریٰ اور اگر انسان مومن ہے اور اس کی ازواج اور اولاد کافر ہیں تو مومن انسان تو بہشت میں جائیگا اور کافر ازواج اور اولاد جہنم میں داخل کیے جاوینگے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ضرب اللہ مثلاً للذین کفروا امرات نوح و امرات لوط کانتا تحت عبدین من عبادنا صالحین فخانتاھما فلم یغنیا عنھما من اللہ شیئاً وقیل ادخلا النار مع الداخلین۔ ہر دو حضرت نوح علیہ السلام اور لوط علیہ السلام کی بیویاں کافر تھیں اور ہمارے نیک بندوں کے نیچے تھیں انہوں نے خیانت کی پس وہ اللہ کے مقابلہ میں کچھ کر نہ سکیں اور انکو کہا گیا کہ آگ میں داخل ہونیوالوں کے ساتھ داخل ہوجاؤ۔ اسی آیت کریمہ کے بعد فرعون کی بیوی کو مومنوں کے لیے بطور مثال پیش کیا گیا ہے جو دعا مانگتی ہے رب ابن لی عندک بیتاً فی الجنۃ ونجنی من فرعون وعملہ ونجنی من القوم الظالمین۔ وہ مضطر تھی ضرور اسکی دعا بمصداق امن یجیب المضطر اذا دعاہ ویکشف السوء اور فانی قریب اجیب دعوۃ الداع اذا دعان۔ ضرور قبول ہوگئی ہوگی اور جنت میں ضرور داخل کی گئی ہوگی۔ یہاں ہمیں اللہ تعالیٰ نے بتادیا ہے کہ ایک بد اور کافر انسان کی بیوی اگر وہ صلاحیت رکھتی ہے جنت میں داخل کیجاویگی اور کہ نیک

بندوں کی ازواج مثلاً لوط اور نوح علیہما السلام کی بیبیاں نار (دوزخ) میں داخل کیجاتی ہیں اگر وہ ازواج صلاحیت سے کچھ حصہ نہیں رکھتی ہیں بلکہ کافروں کے لیے نمونہ بنجاتی ہیں۔ اور نیک اور مومن بندوں کی ناخلف اولاد کی بابت قرآن شریف میں صاف لکھا ہے فخلف من بعدھم خلف اضاعوا الصلوٰۃ واتبعوا الشھوات فسوف یلقون غیا۔ پس ان نیکوں کے بعد انکی ایسی نااہل اور نالایق اولاد پیدا ہوئی کہ انہوں نے نماز کو ضایع کر دیا اور اپنی نفسانی خواہشات کے پیچھے پڑ گئے پس وہ جہنم میں ڈالے جاویں گے۔ اور حضرت نوح علیہ السلام کو فرمایا گیا انہ لیس من اھلک وہ جسکو تو اپنا بیٹا بتاتا ہے وہ تیری اہل سے نہیں ہے۔ پس اگر انسان مومن ہے اور اسکی اولاد اور ازواج بھی مومن ہیں تو وہ اسکے ساتھ جنت میں داخل ہونگے اور اگر انسان کافر ہے اور اسکی اولاد اور ازواج بھی کافر ہیں تو وہ انکے ساتھ دوزخ میں داخل ہوں گے اور اگر انسان مومن ہے اور اس کی اولاد اور ازواج کافر ہیں تو مومن انسان تو بہشت میں جاویگا اور ازواج اور اولاد دوزخ میں۔ اور اگر انسان کافر ہے اور اسکی اولاد اور ازواج مومن ہیں تو کافر انسان دوزخ میں اور اسکی اولاد اور ازواج بہشت میں جاوینگی۔ الغرض انسان اپنی ازواج و اولاد سے ملیگا اگر ہر دو ایک ہی حالت رکھتے ہیں بالفاظ دیگر انسان کو اپنی ازواج و اولاد سے ملنے کے لیے صرف دو حالتیں ہیں یا تو ہر دو مومن ہیں تب مل سکیں گے یا اگر ہر دو کافر ہیں تب مل سکیں گے۔
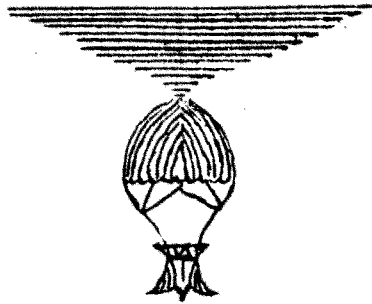
ہمارے نکتہ چین

نکتہ چینی یا تنقید ایک ضروری مفید چیز ہے۔ اور بجائے خود ہمیں اس بات سے کبھی رنج نہیں پہنچتا کہ کوئی شخص ہماری کسی غلطی پر ہم کو آگاہ کر دے۔ لیکن ہماری نکتہ چین جب کبھی ہماری تحریروں پر قلم اُٹھاتے ہیں تو انسے یہ توقع نہیں ہوتی کہ ایک حق سے پیار کرنیوالے منقّد کی طرح وہ ہماری کسی اچھی بات کو اچھا کہہ سکیں اور جو غلطی ہو اسکو ظاہر کریں بلکہ اس بُغض کی وجہ سے جو سلسلہ حقہ کے ساتھ ہمارے علماء کو ہے وہ عیب جوئی میں ہی لگے رہتے ہیں۔ ہم نے اس رسالہ میں بہت سے مفید مضامین محض خدائے تعالیٰ کی توفیق اور اسی کی اعانت سے لکھے ہیں۔ لیکن علمار میں سے بہت کم لوگ ہونگے جو انکے متعلق کلمۃ الخیر مُنہ سے نکال سکیں۔ یہ مَیں اس لیے نہیں لکھتا کہ ہمیں ان باتوں کی کچھ پرواہ ہے۔ بلکہ محض علمار کی اس حالت پر رونا آتا ہے کہ جو باتیں اسلام کے لیے مفید ہیں وہ ان میں بھی ہماری تائید نہیں کر سکتے۔ اسوقت میرے سامنے رسالہ الہادی جنوری ۱۹۰۸ء کا نمبر پڑا ہے اس میں ایک مضمون بعنوان "آئینہ قادیانی یعنی قادیانی قرآن دانی" لکھا گیا ہے۔ جس کی غرض میں نہیں سمجھتا کہ کیا ہے۔ اس میں یہ ثابت کرنیکی کوشش کی گئی ہے کہ بعض لطیف معانی قرآن کریم کے جو حضرت مرزا صاحب نے بیان کیے ہیں وہ کسی پہلی تفسیر میں بھی پائے جاتے ہیں۔ ایک دو باتوں کو لیکر یہ ثابت کر دینا کچھ مشکل امر نہیں بلکہ اسلام کے مخالفوں نے تو انہی ہمارے علمار کی طرح یہ کوشش بھی کی ہے کہ قرآن کریم کے کسی مضمون کو کسی پہلی کتاب کے مضمون سے ملتا ہوا ثابت کیا جائے۔ مگر کیا اس سے قرآن کریم کے وحی من اللہ اور کلام الٰہی ہونے پر کوئی اعتراض وارد ہو سکتا ہے؟ الہادی کے ایڈیٹر اگر غور کریں تو وہ سمجھ سکتے ہیں کہ انکی کوشش حضرت مرزا صاحب کے خلاف پادری صاحبان کی اس

کوشش سے بہت کم درجہ پر ہے۔ جس طرح ہم یہ کہتے ہیں کہ ہزارہا حقایق قرآن کریم میں ایسے بھرے پڑے ہیں جنسے پہلی تمام کتابیں خالی ہیں مگر یہ ہمارا دعویٰ نہیں کہ قرآن کریم نے ان صداقتوں کو جو پہلی کتابوں میں پائی جاتی ہیں بالکل چھوڑ دیا ہے اسی طرح ہم یہ بھی کہتے ہیں کہ قرآن کریم کے جو معارف اور حقایق حضرت مرزا صاحب نے بیان فرمائے ہیں انکے متعلق ہمارا یہ دعویٰ نہیں کہ ان میں سے کوئی نکتہ معرفت پہلی کسی کتاب یا تفسیر میں بیان نہیں کیا گیا بلکہ ہم یہ کہتے ہیں کہ ہزارہا معارف اور حقایق نئے بیان کیے گئے ہیں بعد کی کتابوں کو تو جانے دو براہین احمدیہ میں جو کچھ خدمت اسلام کی گئی ہے اسکا اعتراف خود مولوی محمد حسین بٹالوی نے کیا ہے اور اسکو ایسی خدمت قرار دیا ہے جس کی نظیر تیرہ ۱۳ سو سال کے اندر نہیں ملتی۔ پھر ان باتوں سے کہ فلاں آیت کی فلاں تفسیر جو مرزا صاحب نے لکھی ہے وہ تفسیر کبیر میں فلاں موقعہ پر پائی جاتی ہے کیا نتیجہ نکل سکتا ہے؟ ہاں ان علماء کی حالت پر ایسی باتوں کو پڑھکر افسوس آتا ہے۔

اسی مضمون میں ہمارے ایک مضمون کے متعلق جو اسی سال میں رسالہ ہذا میں نکلا ہے کچھ نکتہ چینی کی گئی ہے اور ہماری دو باتوں کو غلط کہکر یہ نتیجہ پیش کیا ہے کہ قادیانی جماعت قرآن نہیں جانتی۔ یہ اعتراض ہمارے اس مضمون پر ہیں جو ڈاکٹر چنتو پادھیا کے جواب میں لکھا گیا تھا۔ اس مضمون میں ہم نے یہ دکھایا تھا کہ آیت قرآنی ان اللّٰہ یبشرک بکلمۃ منہ سے جو عیسائی صاحبان مسیح کی ربوبیت کا استدلال کرتے ہیں یہ محض غلط ہے۔ اس آیت کے معانی بیان کرنے اور کلمۃ من اللہ کی اصل حقیقت ظاہر کرنیکے بعد ہم نے یہ لکھا تھا کہ "اسجگہ ہم ایک اور معنے بھی لکھتے ہیں جو قرآن کریم کے الفاظ پر چسپاں ہیں اور وہ یہ ہیں کہ سورہ آل عمران کی چالیسویں آیت میں حضرت مریم کو مخاطب کرکے کہا گیا ہے ان اللّٰہ یبشرك بکلمۃ منہ جس کے یہ معنے بھی ہو سکتے ہیں کہ خدائے تعالیٰ اپنے ایک کلمہ یعنی پیشگوئی کے ذریعہ تجھے بشارت دیتا ہے" اس عبارت کو نقل کرکے ایڈیٹر صاحب الہادی لکھتے ہیں:-

"اس آیت ان اللہ یبشرک بکلمۃ منہ میں ایڈیٹر صاحب نے ب کے معنے ذریعہ اور کلمہ کے معنے پیشگوئی کیے ہیں جو اس مقام پر قواعد زبان عربی اور آیات قرآن شریف کی رو سے بالکل غلط ہیں۔ کیونکہ بَشَّرَ کے دو مفعول آتے ہیں ایک وہ جسے بشارت دیجائے دوسرا وہ جس کی بابت یعنی جس چیز یا امر کی بشارت دیجائے۔ پہلے مفعول کے ساتھ کوئی حرف جر نہیں آتا اور دوسرا مفعول بواسطہ ب حرف جر کے آتا ہے۔

پس جسکے ساتھ ب ہوگی اسکی بابت بشارت ہوگی جیسا کہ سورہ صافات میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کو حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کے پیدا ہونیکی بشارت دینے کے متعلق فرمایا فبشرنٰہ بغلام حلیم۔"

اس کے بعد ایڈیٹر صاحب الہادی نے قرآن شریف سے چند اور مثالیں اسی قسم کی بیان کی ہیں جن میں بشّر کے دو مفعول آئے ہیں اور دوسرا مفعول جس کے ساتھ ب حرف جر ہے وہ ہے جسکی بابت بشارت دی گئی ہے۔ اگر ہم نے کہیں اس بات کا انکار کیا ہوتا۔ یا معمولی معنوں کا جو الفاظ قرآنی ان اللہ یبشرک بکلمۃ منہ کے کیے جاتے ہیں انکار کرکے کوئی اور معنی پیش کیے ہوتے تو ایڈیٹر صاحب الہادی کا اس بات پر زور دینا اور مثالیں پیش کرنا کچھ معنی رکھتا تھا مگر جس حالت میں ہم نے خود ایسے ہی معنے کیے تھے اور انہی کی بنا پر ڈاکٹر چیتو پادھیا کے استدلال کو باطل ثابت کیا تھا۔ اور دوسرے معنے کے متعلق جو پیش کیے تھے صرف یہ کہا تھا کہ "یہ معنے بھی قرآن کریم کے الفاظ پر چسپاں ہوسکتے ہیں" ان تمام مثالوں کی جو الہادی میں پیش کی گئی ہیں کوئی ضرورت نہ تھی۔ اگر ان مثالوں کے دینے سے یہ منشا ہے کہ وہ معنے الفاظ قرآنی پر چسپاں نہیں جنکے متعلق ہم نے یہ لکھا تھا تو یہ غلط ہے۔ مجھے یہ افسوس ہے کہ طرز تحریر جو الہادی میں اختیار کیا گیا ہے وہ متانت اور شائستگی کو اپنے ساتھ لیے ہوئے نہیں۔ انہوں نے نکتہ چینی

کرنے میں غلطی کھائی ہے مگر میں انکی طرح یہ نہیں کہتا کہ اس سے انکی سراسر جہالت اور ناواقفیت ثابت ہوتی ہے۔ جیسا مجھے انہوں نے کہا ہے۔ کیونکہ میں جانتا ہوں کہ محض اس عناد کی وجہ سے جو انکو ہمارے سلسلہ سے ہے انہوں نے ایسے الفاظ استعمال کیے ہیں۔ ورنہ غلطی سے کون انسان خالی ہے؟ اور اگر انکو بجائے خود یہ دعویٰ ہے کہ انسے کبھی غلطی نہیں ہوتی تو میں اسی نکتہ چینی میں انکی غلطی دکھا دیتا ہوں الفاظ کے ان معنی کو جو مینے کیے ہیں غلط ثابت کرنیکے لیے انہوں نے حسب ذیل دعوے کیے ہیں۔

اوّل یہ کہ بَشَّرَ کے ۲ مفعول آتے ہیں ایک وہ جسے بشارت دیجائے دوسرا وہ جس کی بابت یعنی جس چیز یا امر کی بشارت دیجائے۔

دوئم یہ کہ بشر کے بعد جسکے ساتھ ب ہوگی اس کی بابت بشارت ہوگی۔

سوئم یہ کہ معنے جو ان اللّٰہ یبشرک بکلمۃ منہ میں ب کے معنے ذریعہ کو جایز رکھا ہے وہ قواعد زبان عربی اور آیات قرآن شریف کے رو سے بالکل غلط ہیں۔

ایڈیٹر صاحب الہادی کے یہ تینوں دعوے غلط ہیں۔ پہلا دعویٰ یہ تھا کہ بشر کے دو مفعول آنے چاہییں۔ قرآن کریم میں بہت سی مثالیں اس کی موجود ہیں سورۃ الحجر میں حضرت ابراہیم فرماتے ہیں ابشرتمونی علیٰ ان مسنی الکبر۔ یہاں دوسرا مفعول کوئی نہیں۔ ایسا ہی مندرجہ ذیل مقامات قرآن شریف کے دیکھو جہاں دوسرا مفعول کوئی نہیں صرف ایک ہی مفعول ہے۔ فبشّر عباد (۳۹-۱۷)۔ وبشر المؤمنین (۲-۲۲۳) وبشر الصابرین (۲-۱۵۰) بشر المؤمنین (۹-۱۳ و ۱۰-۸۷ و ۱۳۶) بشر المخبتین -(۲۲-۳۴) بشر المحسنین (۲۲-۳۸)

دوسرا دعویٰ یہ کہ جسکے ساتھ ب ہوگی۔ سورۃ الحجر میں جہاں فرشتوں نے حضرت ابراہیم کو کہا قالوا بشرنٰک بالحق - ۱۵- ۵۵- کیا معترض صاحب کے نزدیک وہاں یہ معنے ہیں کہ ہم تجھے الحق کی بشارت دیتے ہیں؟ اور الحق وہ چیز ہے جسکی بابت

بشارت دی گئی تھی؟ یا بشارت کسی اور چیز کی بابت تھی؟ اگر کوئی شک ہو تو قرآن شریف کا کوئی ترجمہ نکال کر دیکھ لیں۔ اسی بات کی تائید میں کہ بشر کے بعد جسکے ساتھ ب ہو ضروری نہیں کہ اسی کے متعلق بشارت بھی ہو وہ آیت بھی ہے جو میں اب پیش کرتا ہوں۔

معترض کا یہ بڑا دعویٰ ہے کہ بشر کے بعد جو ب آئیگی تو اسکے معنے ذریعہ نہ ہونگے اور قواعد عربی اور قرآن شریف کی آیات کی روسے یہ غلط ہے۔ اب وہ قرآن کریم کی ذیل کی آیت پر غور کریں۔ فانما یسرنٰه بلسانك لتبشر به المتقین و تنذر به قوما لدّا۔ ۱۹-۹۷۔ آخر سورہ مریم۔ اب یہاں یہ ظاہر ہے کہ بہٖ میں جو ضمیر ہے وہ قرآن کریم کی طرف ہے۔ تو سوال یہ ہے کہ کیا معترض کے نزدیک آیت کا مفہوم یہ ہے کہ ہم نے قرآن کریم کو اس لیے تیری زبان میں آسان کیا ہے کہ تو اس قرآن کی بابت متقیوں کو بشارت دے یا یہ کہ تو اس کے ساتھ یعنی اسکے ذریعہ متقیوں کو بشارت دے؟ اگر وہ چاہیں تو ترجمے بھی دیکھ سکتے ہیں کہ اسجگہ ب کے معنے تمام مترجمین نے ذریعہ یا ساتھ کے کیے ہیں اور بابت کے معنے کسی نے نہیں کیے۔ یعنی اسجگہ غرض یہ نہیں کہ قرآن کو ہم نے اس لیے آسان کیا ہے کہ تو قرآن کی بابت بشارت دے بلکہ مفہوم آیت کا یہ ہے کہ قرآن کو ہم نے اس لیے آسان کیا ہے کہ تو اس کے ذریعہ یا اس کے ساتھ نیک لوگوں کو خوشخبری سنا دے۔ بعینہٖ جسطرح اسی آیت کے دوسرے ٹکڑے میں ہے و تنذر به قوما لدّا۔ یعنی اس کے ذریعہ یا اس کے ساتھ ایک جھگڑالو قوم کو ڈرسنا دے۔ اس آیت کریمہ سے دو باتیں ثابت ہوئیں ایک تو یہ کہ خود قرآن کریم میں بشر کے بعد ب کے لانیسے ذریعہ کے معنے لیے گئے ہیں اور دوسرے یہ کہ یہ ضروری نہیں کہ بشر کے بعد جس لفظ کے ساتھ ب ہو اسکی بابت بشارت ہو۔ اور یہی ام بشرنٰك بالحق سے بھی ثابت ہے جیسا کہ ہم ابھی دکھا چکے ہیں۔ اسی طرح ہم نے ان اللّٰه یبشرك بکلمة منه میں ب کے معنے ذریعہ کے کیے تھے۔ یعنی خدا تجھے اپنے ایک کلمہ کے ذریعہ

بشارت دیتا ہے پس ہمارے ان الفاظ پر کہ یہ معنے بھی اسجگہ چسپاں ہو سکتے ہیں کوئی اعتراض باقی نہیں رہتا۔ اور نہ ہی یہ معنے ”آیات قرآن شریف کے رو سے بالکل غلط“ ثابت ہوتے ہیں بلکہ برعکس اسکے یہ ثابت ہوتا ہے کہ معترض نے تعجیل سے کام لیا ہے کیونکہ اسکی غرض احقاق حق نہ تھی پبلک کے سامنے کوئی اعتراض ہماری تحریر پر پیش کرنا اس کا اصل مقصد تھا۔ ہم امید کرتے ہیں کہ وہ اپنے ناظرین کو اب بھی اس دھوکہ سے نکالنے کی کوشش کریں گے جس میں انکی نکتہ چینی نے انہیں ڈال رکھا ہے۔

اسی معنے کی تائید میں ہم نے یہ الفاظ وکلمتہٗ القٰہا الی مریم بھی پیش کیے تھے۔ مگر اسجگہ درحقیقت ایک غلطی ہوئی۔ یہ مضمون اصل میں انگریزی زبان میں لکھا گیا تھا چنانچہ انگریزی رسالہ میں نومبر ۱۹۰۷ء میں شایع ہو چکا ہے۔ اسکا ترجمہ جنوری ۱۹۰۸ء کے رسالہ اردو میں نکلا۔ مگر اس موقع پر مترجم سے ایک غلطی ہوئی۔ اصل معنے ان الفاظ کے جو ہم نے انگریزی میں لکھے تھے یہ تھے کہ ”اسجگہ عربی لفظ القا استعمال کیا گیا ہے جو کئی موقعہ پر قرآن شریف میں خدا کے اس کلام کے نازل ہونے پر بولا گیا ہے جو وہ اپنے بندوں پر وحی کرتا ہے“ دیکھو ریویو آف ریلیجنز انگریزی جلد ۶ صفحہ ۴۱۲۔ دوسری سطر انگریزی میں اس سے کم و بیش الفاظ نہ تھے مگر مترجم نے کسیقدر آزادی سے اس خیال کو یوں ادا کر دیا جو درحقیقت نہ اصل الفاظ کا ترجمہ ہے اور نہ ہی مطلب کے لحاظ سے صحیح ہے کہ ”اس میں کلمہ کے ساتھ فعل القی ہے۔ القا میں جسمانی فعل کو دخل نہیں ہوتا۔ قرآن شریف میں کئی جگہ یہ لفظ آیا ہے اور اس میں ہر جگہ اس لفظ کے معنے الہام کرنیکے ہیں“۔ اسمیں ایڈیٹر اپنی ذمہ واری سے بھی انکار نہیں کرتا۔ مگر درحقیقت یہ غلطی مترجم کی ہی ہے۔ باقی رہا وہ مضمون جو ہم نے خود انگریزی الفاظ میں ادا کیا ہے اس کی تائید میں ہم کئی آیات قرآنی پیش کر سکتے ہیں۔ جیسے مثلاً یلقی الروح من امرہ علیٰ من یشاء من عبادہ ۔۴۰۔۱۵۔ ءالقی الذکر علیہ من بیننا۔ سورۃ القمر۔ وماکنت ترجوا ان یلقٰی الیک الکتاب

الا رحمة من ربك - اور و انك لتلقى القراٰن من لدن حكيم عليم جهاں لتلقى القراٰن کے معنے کیے گئے ہیں ای یلقی الیک القراٰن ÷

مذہب اسلام کے متعلق ایک دہریہ کے خیالات

نیچے ہم پروفیسر ارنسٹ ہیکل کے ان خیالات کا ترجمہ کرتے ہیں جو انہوں نے اسلام اور عیسائیت کا مقابلہ کرتے ہوئے ظاہر کیے ہیں یہ پروفیسر صاحب جرمنی کے ایک مشہور سائینس دان ہیں اور یہ خیالات انہوں نے ایک ولایت کے رسالہ میں ظاہر کیے ہیں۔

"جب تم اپنے بچے کو مدرسہ میں بھیجتے ہو تو اسے پہلے ہی دن مذہبی سبق دیا جاتا ہے اور مسئلہ تثلیث سکھایا جاتا ہے اسکو یہ تعلیم دیجاتی ہے کہ ۱+۱+۱=۱ (گویا یہ تثلیث کا خلاصہ ہے) دوسرا سبق اس کا حساب کا ہوتا ہے جہاں اس کو یہ پڑھایا جاتا ہے کہ ۱+۱+۱=۳ (جس سے مسئلہ تثلیث کی لغویت ثابت ہوتی ہے) اور پھر یہ تثلیث کا مسئلہ ایسا بھی نہیں جس کے ایجاد کرنیکا فخر عیسائی مذہب کو حاصل ہو۔ بلکہ اسکا اصل بعض پرانی بت پرست یا سورج کے پوجنے والی قوموں میں پایا جاتا ہے۔ جس سے کیقدر ترقی کر کے عیسائیوں نے یہ تثلیث کا مسئلہ قایم کیا ہے ہندوستان میں بھی اسی قسم کا مسئلہ ہے جو تثلیث سے ملتا جلتا ہے۔ مگر سخت قابل اعتراض امر جو اس مذہب میں پایا جاتا ہے وہ خدا کو انسانی صفات دینا اور انسانوں کے خیالات کے مطابق اسے بنانا ہے۔ عیسائی مذہب کو توحید کا مذہب کہنا ایک بڑی بیہودہ اور نامعقول بات ہے اپنی موجودہ صورت میں عیسائی مذہب ایک مشرکانہ مذہب ہے۔ کیونکہ اس میں صرف تین ہی خدا نہیں کہے جاتے بلکہ مریم اور ہزارہا اولیا ایسے بنائے گئے ہیں جن میں خدائی صفات مانی جاتی ہیں۔ اعلیٰ سے اعلیٰ توحید کا مذہب جو دنیا میں پایا جاتا ہے وہ اسلام ہے

اگر مجھے کوئی مذہب رکھنے کے لیے مجبور کیا جائے۔ تو میں مسلمانوں کے مذہب کو ترجیح دونگا انکی عبادت کو دیکھو کیسی دل پہ اثر کرنیوالی اور پاکیزہ ہے انکے عبادت خانے یعنی مسجدیں بھی اسی پاکیزہ عبادت کے موزون ہیں۔ عیسائی گرجاؤں کے مقابلہ میں وہ کیسی عمدہ اور شاندار عمارتیں ہیں۔ گرجے اندر سے تصاویر اور نقش و نگار سے آراستہ ہوتے ہیں اور انکی بیرونی دیواروں پہ انسانوں اور حیوانوں کی شکلیں اور ڈراؤنی تصویریں ہوتی ہیں۔ اور کیسی سادہ اور سنجیدہ قرآن شریف میں عبادت بتائی گئی ہے۔ اس عبادت کا مقابلہ ان بے معنے الفاظ سے اور ان لوگوں سے کرو جو عیسائی گرجوں میں بولے اور گائے جاتے ہیں "

اسلامی تعلیم کی خوبی

جو تعلیم اسلام کی حضرت مرزا صاحب نے اپنے اس لیکچر میں بیان کی تھی جو آریہ سماج لاہور کے گذشتہ سالانہ جلسہ پر پڑھا گیا تھا۔ اُس نے تمام سمجھ دار دلوں کو اپنی طرف کھینچ لیا ہے درحقیقت اس سے زیادہ پاکیزہ اور اس سے بڑھکر وسعت والی تعلیم کیا ہو سکتی ہے کہ تمام مذاہب کو جنہوں نے اسوقت یا پہلے دنیا کے بڑے حصہ کو اپنا گرویدہ بنا لیا ہے خدا کی طرف سے مان لیا جاوے۔ اسلام ہی وہ پہلا مذہب ہے جس نے دنیا میں آکر یہ تعلیم دی ورنہ تمام قومیں اپنے تک ہی خدا کے کلام اور نجات کے دائرہ کو محدود سمجھتی تھیں قرآن کریم نے یہ تعلیم دنیا میں پھیلائی کہ ان من اُمّۃٍ الا خلا فیھا نذیر۔ اور پھر نبوت کے دائرہ کو انہیں نبیوں تک محدود نہیں نہیں رکھا جنکا ذکر قرآن شریف میں ہے بلکہ یہ بھی فرمایا کہ ایسے بھی نبی دنیا میں آئے ہیں جنکا ذکر قرآن شریف میں نہیں کیا گیا۔ اسلام کی اسی وسعت والی تعلیم کو ہاتھ میں لیکر حضرت مرزا صاحب نے آریہ سماج کو وہ صلح کا پیام دیا تھا جس کا جواب افسوس ہے کہ آریہ سماج کی طرف سے اُلٹا ہی ملا۔

یہ مضمون انگریزی میں ترجمہ ہوکر انگریزی خوان پبلک کے سامنے پیش ہو چکا ہے۔ اور غیر مذاہب کے سمجھدار لوگوں نے بھی اسلام کی اس تعلیم کو بڑی پسندیدگی کی نگاہ سے دیکھا ہے۔ لاہور کا آریہ اخبار آریہ پتر کا ان تمام حوالجات کو پڑھکر (جو اس بارہ میں پیش کیے گئے تھے کہ اسلام یہ تعلیم نہیں دیتا کہ تم دین کی خاطر لوگوں کو قتل کرو بلکہ وہ دوسرے مذاہب کے لیے بھی آزادی قایم کرتا ہے) یہ لکھتا ہے کہ ہم عربی نہیں سمجھ سکتے اس لیے ہم نہیں کہہ سکتے کہ آیا قرآن شریف کی فی الواقع یہی تعلیم ہے یا کچھ اور۔ کسقدر افسوس ہے کہ بجائے اپنی غلطی کا اعتراف کرنیکے جو ہمیشہ سے وہ اسلام پر الزام دیتے رہے ہیں یہ عذر نامعقول پیش کیا گیا ہے کہ ہم عربی آیات محولہ کو نہیں سمجھ سکتے۔ آخر قرآن شریف کے اردو اور انگریزی ترجمے بھی موجود ہیں وہ وہاں سے عربی آیات کے معنے دیکھ سکتے تھے۔ اور کیا آجتک عربی سے محض جاہل ہونیکے باوجود ہی وہ اسلام پر اور قرآن شریف پر اعتراض کرتے رہے ہیں؟ اگر محض اسلام کی ابتدائی تاریخ میں جنگوں کے واقع ہونیسے یہ قیاس کیا جاتا ہے کہ اسلام نے لوگوں کو مسلمان کرنیکے لیے تلوار اُٹھائی۔ تو جسطرح جنگوں کا ہونا ایک موٹی بات ہے اسی طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا کئی بار کفار سے صلح کرنا بھی ایک موٹی بات ہے۔ حالانکہ اگر یہ ماناجائے کہ جنگ دین کے پھیلانیکے لیے ہوتے تھے تو صلح ایک ناجایز امر ٹھہرتا ہے۔ اور صلح کرنا ایک بےمعنی بات ہو جاتی ہے۔

ولایت کے مشہور ماہوار رسالہ ریویو آف ریویوز نے بھی اس لیکچر پر نہایت عمدہ ریمارک کیے ہیں۔ چنانچہ وہ لکھتا ہے۔ "جنوری کے ریویو آف ریلیجنز میں جو پنجاب سے شایع ہوتا ہے اسلام کے تحمل اور برداشت پر ایک مشہور مضمون نکلا ہے جو مرزا غلام احمد قادیانی کے ایک مضمون کا ترجمہ ہے جو آریہ سماج کے انتظام کے ماتحت لاہور کی مذہبی کانفرنس میں پڑھا گیا تھا۔ راقم مضمون بہت سی قرآن شریف کی آیات حوالہ میں پیش کرتا ہے جن کی بابت اس کا یہ دعویٰ ہے کہ یہ

آیات تمام مسلمانوں پر فرض عین قرار دیتی ہیں کہ "وہ تمام انبیاء علیہم السلام پر ایمان لاویں جن کو دنیا کے کثیر حصہ نے قبول کر لیا ہے قرآن شریف کے مطابق یہ اُن انبیاء علیہم السلام کی صداقت کے لیے کافی ثبوت ہے کہ وہ دنیا کے ایک بڑے حصہ میں قبول کیے گئے ہیں اور کہ تائیدات الٰہیہ ان کو ہر موقع اور محل پر بخشی گئی تھیں۔ اللہ تعالیٰ کی شان اس سے اعلیٰ اور برتر ہے کہ وہ کروڑہا انسانوں کو ایک شخص کے گرویدہ پیرو بنا دیوے جس کو مفتری دھوکہ باز اور کذّاب جانتا ہے۔

مرزا غلام احمدؐ صاحب فرماتے ہیں کہ یہ ایک بڑا پکا اور مستحکم اصول ہے یہ فی الحقیقۃ بڑا وسیع اصول ہے کیونکہ اس کا یہ دعویٰ ہے کہ کوئی افترا کروڑہا مخلوقات کو دھوکہ نہیں دے سکتا۔ یہ تحمل کا بہت ہی وسیع اصل اور قاعدہ ہم اپنے آزاد خیال عیسائی بھائیوں کے سامنے بطور سفارش پیش کرتے ہیں۔ درحقیقت یہ ایک بالکل نئی بات معلوم ہوتی ہے کہ وہ مذہب جو اب تک تمام مذہبوں سے زیادہ متعصب اور غیر متحمل خیال کیا گیا تھا اپنے تمام دشمنوں اور مقابل کے لوگوں کے مشن کو خدا کی طرف سے سمجھتا ہے۔"

نوٹ

یہ چونکہ اگلا نمبر غالباً ایک ضروری مضمون کی وجہ سے بڑا ہوگا اس لئے یہ رسالہ صرف ۳۲ صفحہ کا شائع کیا گیا ہے۔

مینیجر

آؤ لوگو کہ یہیں نور خدا پاؤ گے ۔ لو تمھیں طور تسلی کا بتایا ہم نے

ریویو آف ریلیجنز

یعنی

دنیا کے مذاہب پر نظر

جلد ۷ | بابت ماہ جون و جولائی ۱۹۰۸ء | نمبر ۶ و ۷

فہرست مضامین

قادیان ضلع گورداسپور سے ۲۰ جون ۱۹۰۸ء کو مینجر میگزین کے اہتمام سے شائع ہوا ۔ چندہ سالانہ عہ

حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی آخری وحی

۹- مئی سنہ ۱۹۰۸ء - ۱- سرنگ -

۲- الرحیل ثم الرحیل -

۱۵- مئی سنہ ۱۹۰۸ء - ڈرومت مومنو!

۱۷- مئی سنہ ۱۹۰۸ء - انی مع الرسول اقوم -

جون اور جولائی کا رسالہ اکٹھا شایع کیا جاتا ہے - اور بجائے ۸۰ صفحوں کے ۱۰۸ صفحوں پر شایع ہوتا ہے - بسبب دو ضروری مضامین کے جو حضرت مسیح موعودؑ کی وفات پر لکھے گئے ہیں یہ انتظام کرنا پڑا - اس لیے ناظرین مطلع رہیں کہ ۲۰ - جولائی کو اردو میگزین شایع نہ ہوگا اور اگلا پرچہ ۲۰ - اگست کو شایع ہوگا -

تفسیر القرآن چونکہ اس مرتبہ رسالہ کا حجم قریباً تگنا ہوگیا ہے اور مطبع بھی اور ضروری کام میں رکا ہوا ہے اس لیے تفسیر القرآن کا نمبر جو ۳۰ جون کو شایع ہونا چاہیئے تھا ۳۱ جولائی کو شایع ہوگا لہذا خریداران تفسیر القرآن ایک ماہ انتظار کریں - اگر چھپوائی کا کوئی انتظام ممکن ہوتا تو یہ دیر نہ ہوتی مگر بحالت مجبوری اسقدر التوا کیا جاتا ہے - ناظرین معاف رکھیں -

حضرت اقدسؑ کی تصنیفات

حضرت مسیح موعودؑ کی بعض تصنیفات زیر طبع تھیں جن میں سے بعض ایک حد تک کمل اور بعض ناکمل رہی ہیں - خلیفہ مسیح موعودؑ حضرت مولوی نورالدین صاحب نے پسند فرمایا ہے کہ یہ کتابیں اسی ہیئت میں شایع ہو جائیں جس ہیئت میں حضرت اقدسؑ انکو چھوڑ گئے ہیں اس لیے ان میں اسوقت بغیر کسی قسم کے تغیر تبدل کرنیکے اب انکو شایع کیا جاتا ہے - یہ اب حضرت اقدسؑ کے گویا تبرکات ہیں - اور حضرت مولوی صاحب نے فرمایا ہے کہ

نوٹ - تصحیح صفحہ ۲۶۵ سطر ۱ میں کاتب کی غلطی سے سنہ ۱۹۰۷ء کی بجائے سنہ ۱۹۰۸ء لکھا گیا ہے -

بسم اللہ الرحمن الرحیم
نحمدہ و نصلی علی رسولہ الکریم

ہندوستان میں مرتدین کے احکام

کچھ عرصہ ہوا ہے چیف کورٹ پنجاب نے ایک مقدمہ میں یہ فیصلہ کیا ہے کہ اسلامی شریعت کی رو سے مسلمان عورت کے عیسائی ہو جانیسے مسلمان خاوند کے ساتھ اس کا نکاح معاً فسخ ہو جاتا ہے۔ اس فیصلہ کا اثر جیسا کہ ظاہر تھا یہ ہوا ہے کہ بعض عورتوں نے طلاق کے حاصل کرنیکی غرض سے اسلامی مذہب کو چھوڑ کر عیسائی مذہب کو اختیار کیا ہے۔ چنانچہ اس قسم کے مقدمات بھی عدالتوں کے سامنے آئے ہیں۔ درحقیقت مسلمان گھرانوں اور مسلمان سوسائٹی کے لیے یہ ایک ایسا خطرناک فیصلہ ہے جسکا اثر بہت دُور تک پہنچتا ہے۔ اور اگر اس فیصلہ کی اصلاح نہ ہوئی تو اس قسم کے ارتداد کے واقعات بڑھنے اسلامی سوسائٹی میں ایک بڑا فتنہ پیدا ہوگا دن بدن بڑھتے چلے جاویں گے۔ فاضل ججان چیف کورٹ نے جنہوں نے اس مقدمہ کا فیصلہ کیا ہے اس مسئلہ کی تہ تک جانے اور اس کے اصل اصول کو تحقیق کرنیسے انکار کیا ہے اور اسلامی شریعت کے اصل ماخذوں پر اور اس شہادت پر جو انسے پیدا ہوتی ہے غور کرنیکو ضروری خیال نہیں کیا۔ اس فیصلہ کو پڑھنے سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ ججوں کے سامنے ایسی شہادت اور اصل ماخذ پیش بھی نہیں کیے گئے لیکن اس میں شک نہیں کہ اگر وہ پیش کر بھی دیئے جاتے تو بھی فاضل جج اُنکی کچھ پروا نہ کرتے

فیصلہ میں اس بات کو بھی تسلیم کیا گیا ہے کہ اس مسئلہ میں مسلمان علماء کے درمیان اختلاف ہے کہ آیا عورت کے ارتداد سے نکاح فسخ ہوتا ہے یا نہیں مگر ججوں کی رائے میں کثرت علماء اسی طرف گئے ہیں کہ فسخ ہو جاتا ہے۔ ہماری رائے میں ججوں کو اس بات کے سمجھنے میں سخت غلطی لگی ہے کہ احکام مرتدین جو فقہ کی کتابوں میں موجود ہیں انگریزی سلطنت کے ماتحت ہندوستان میں کس حد تک جاری کیے جا سکتے ہیں چونکہ یہ ایک اہم اور ضروری مسئلہ ہے اس لیے ہم اپنی دلایل کو جن سے ججان چیف کورٹ کی غلطی ظاہر ہوتی ہے کسی قدر تفصیل کے ساتھ نیچے درج کرتے ہیں۔ اور ہم امید کرتے ہیں کہ گورنمنٹ یا مجلس واضع قوانین اس معاملہ میں کوئی ایسی تجویز کریگی جس سے ان مضار کا جو چیف کورٹ کے فیصلہ سے پیدا ہوئے ہیں خطرہ باقی نہ رہے۔ علمائے اسلام کی خدمت میں بھی یہ التماس ہے کہ وہ اس مضمون کو ٹھنڈے دل سے اور غور کے ساتھ پڑھیں۔

اسلامی شریعت کا اصلی اور سب سے پہلا ماخذ قرآن کریم ہے۔ اور اس کتاب میں مرتدین کے متعلق جو آیات ہیں وہ ایسی صریح اور کھلی کھلی ہیں کہ ان پر کسی لمبی چوڑی بحث کی ضرورت نہیں بلکہ سیدھے سادے ترجمہ سے ہی ناظرین اصل مطلب کو سمجھ لیں گے۔ سب سے پہلے سورہ بقرہ کی یہ آیت قابل غور ہے جس میں اللہ تعالےٰ فرماتا ہے ولا یزالون یقاتلونکم حتّٰی یردوکم عن دینکم ان استطاعوا ومن یرتدد منکم عن دینہ فیمت وھو کافر فاولٰئك حبطت اعمالھم فی الدنیا والاخرۃ واولٰئك اصحاب النار ھم فیھا خالدون۔ (سورہ بقرہ رکوع ۲۷ پارہ دوم رکوع ۱۱) اے مسلمانو! یہ کفار تم سے سدا لڑتے ہی رہیں گے یہانتک کہ انکا بس چلے تو تمہیں تمھارے دین سے مرتد کر دیں اور جو شخص تم میں سے اپنے دین سے مرتد ہوگا اور پھر کفر ہی کی حالت میں مر جائیگا یہی وہ لوگ ہیں جن کے عمل دنیا اور آخرت میں اکارت جائیں گے اور یہی آگ والے ہیں اس میں رہ پڑیں گے۔ اب اس آیت پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ مرتدین کیلیے قرآن کریم

بھی کوئی سزا بتائی ہے مگر وہ سزا کیسی ہے؟ آیت میں یہ حکم نہیں دیا گیا کہ جو کوئی تم میں سے مرتد ہو جایا کرے تم اس کو قتل کر دیا کرو۔ بالفاظ دیگر ارتداد کی سزا حکومت کے ہاتھ میں نہیں دی بلکہ اللہ تعالیٰ نے اسکو اپنے ہاتھ میں رکھا ہے کیونکہ فرماتا ہے کہ جو شخص مرتد ہو کر کفر کی حالت پر ہی مر جائے اُس نے جو کچھ نیک عمل ایمان کیحالت میں کیے تھے وہ بھی اکارت جائیں گے اور انکا اجر نہ اُسکو اس دنیا میں ملیگا نہ آخرت میں۔ اور آخرت میں اس کے لیے عذاب جہنّم ہوگا۔ اس آیت میں ایک اور لفظ قابل غور ہے اور وہ ہے لفظ فیمت یعنی مرتد کے لیے یہ فرمایا کہ وہ مر جائے یہ نہیں فرمایا کہ وہ مارا جائے یا قتل کیا جائے۔ اس آیت سے یہ بھی پتہ لگتا ہے کہ کافر دن رات زور لگاتے تھے کہ مسلمانوں کو مرتد کریں اور ان کے بس میں ہوتا تھا تو زور سے بھی انکو مرتد کرنا چاہتے تھے۔ بلکہ یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ کفار کی مسلمانوں سے جنگ کرنیکی علت غائی یہ تھی کہ ان کو دین اسلام سے روکا جائے اور اس دین پر نہ رہنے دیا جائے۔ کیسی تعجب کی بات ہے کہ جو الزام مسلمانوں پر جہاد کا لگایا جاتا ہے وہ درحقیقت انکے دشمنوں یعنی کفار عرب پر عائد ہوتا ہے۔ کیونکہ اس آیت قرآنی سے معلوم ہوتا ہے کہ کفار مسلمانوں سے اس لیے جنگ کرتے تھے کہ انکو زبردستی دین اسلام سے نکالکر پھر کفر میں داخل کریں۔ پس جہاد اپنے مشہور معنوں میں کفار کی طرف سے مسلمانوں پر ہوتا تھا نہ کہ مسلمانوں کی طرف سے کفار پر۔ بلکہ مسلمانوں کے جنگ صرف دفاعی تھے۔ وہ دین اسلام کو چھوڑنا نہیں چاہتے تھے لہذا جب انکو تلوار سے نیست و نابود کرنیکا مصمم ارادہ کر لیا گیا تو انکو بھی خدا کی طرف سے اپنی حفاظت کی اجازت دی گئی۔

ایک اور آیت مرتدین کے متعلق سورہ مائدہ میں ہے جو اخیر زمانہ میں نازل ہوئی ہے۔ یہ آیت اسطرح پر ہے۔ یاایھا الذین امنوا من یرتد منکم عن دینہ فسوف یاتی اللہ بقوم یحبہم و یحبونہ اذلۃ علی المؤمنین اعزۃ علی الکافرین

یجاھدون فی سبیل اللہ ولا یخافون لومۃ لائم ذٰلک فضل اللہ یؤتیہ من یشآء واللہ واسع علیم۔ (سورۃ مائدہ رکوع ۸۔ پارہ ۶ رکوع ۱۲) اے مسلمانو! تم میں سے کوئی اپنے دین سے مرتد ہوجائے تو اللہ ایک ایسی قوم لاموجود کریگا جنکو وہ دوست رکھتا ہوگا اور وہ اسے دوست رکھنے ہونگے وہ مسلمانوں کے ساتھ نرم کافروں کے مقابلہ میں سخت ہونگے اللہ کی راہ میں کوششیں کریں گے اور کسی ملامت کرنیوالے کی ملامت سے نہیں ڈریں گے یہ اللہ کا فضل ہے جسے چاہے دے اور اللہ کی رحمت بڑی وسیع اور وہ سب کے حال سے واقف ہے۔ اس آیت میں گویا مسلمانوں کو یہ سمجھایا ہے کہ اگر تم میں سے کوئی مرتد بھی ہوجائے تو تم کچھ فکر نہ کرو اور ایسے شخص کی کچھ پروا نہ کرو کیونکہ اللہ تعالیٰ اس کے بدلے ایک قوم کی قوم کو دین اسلام میں داخل کرے گا اور وہ قوم بھی بڑے مضبوط ایمان والی ہوگی۔ یہاں بھی مرتدین کے لیے کوئی سزا بیان نہیں فرمائی کہ انکو قتل کردو یا انکے ساتھ ایسا ایسا سلوک کرو۔

یہ تو دو مدنی آیات ہیں مکی آیات میں بھی مرتدین کا ذکر ایسے ہی الفاظ میں ہے یعنی وہاں بھی یہی فرمایا کہ مرتدین کے لیے آخرت میں عذاب ہوگا اور یہ نہیں فرمایا کہ تم مرتدین کو یہ سزا دو یا وہ سزا دو۔ سورہ نحل کی ذیل کی آیات پر غور کرو۔ من کفر باللہ من بعد ایمانہ الا من اکرہ وقلبہ مطمئن بالایمان ولکن من شرح بالکفر صدرا فعلیہم غضب من اللہ ولہم عذاب عظیم ۰ ذٰلک بانہم استحبوا الحیٰوۃ الدنیا علی الاٰخرۃ وان اللہ لا یہدی القوم الکافرین ۰ اولٰئک الذین طبع اللہ علیٰ قلوبہم وسمعہم وابصارہم واولٰئک ہم الغافلون ۰ لا جرم انہم فی الاٰخرۃ ہم الخاسرون ۰ (سورہ نحل رکوع ۱۴) جو شخص ایمان لانے کے بعد کافر ہوجائے سوائے اس کے کہ وہ مجبور کیا جائے درانحالیکہ اسکا دل ایمان کے ساتھ مطمئن ہو۔ ایسے سے تو مواخذہ نہیں لیکن جو شخص جی کھولکر کافر ہو

تو ایسوں پر اللہ کا غضب ہے اور انکے لیے بڑا عذاب ہے - یہ اس لیے کہ انہوں نے دنیا کی زندگی سے پیار کرکے اسے آخرت پر مقدم کرلیا اور بیشک اللہ ان لوگوں کو ہدایت نہیں دیتا جو کفر کرتے ہیں یہ وہ لوگ ہیں جنکے دلوں اور کانوں اور آنکھوں پر اللہ نے مہر لگا دی اور وہ غافل ہیں ضرور ہے کہ آخرت میں یہ لوگ گھاٹے میں رہیں - یہ آیات اس موقع پر نازل ہوئیں جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مکہ میں تھے اور آپ کے ساتھیوں کو جنپر کفار کا بس چلتا تھا دین اسلام قبول کرنیکی وجہ سے سخت ایذائیں دیجاتی تھیں - اور انکو مجبور کیا جاتا تھا کہ وہ اسلام سے بیزاری ظاہر کریں - ان آیات سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ جن الفاظ میں مکی آیات میں مرتدین کا ذکر کیا گیا ہے انہی الفاظ میں مدنی آیات میں ذکر کیا گیا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ احکام مرتدین جو کچھ مکہ میں تھے وہی مدینہ میں بھی جاری وساری رہے اور ان میں کوئی تبدیلی نہیں ہوئی - اور اگرچہ شریعت کا بڑا حصہ مدینہ منورہ میں ہی نازل ہوا مگر احکام مرتدین مدینہ میں کوئی نئے نازل نہیں ہوئے ورنہ ضرور تھا کہ قرآن شریف میں ان احکام کا خاص طور پر ذکر ہوتا نہ کہ جس طرح مکہ میں مرتدین کے لیے سزا صرف عالم ثانی میں بتائی گئی تھی اسی طرح مدینہ میں بھی ان کے متعلق یہی کہا جاتا کہ وہ آخرت میں عذاب میں گرفتار ہوں گے -

غرض کہ قرآن شریف میں نہ ابتدائی سورتوں میں اور نہ آخر زمانہ کی نازل شدہ سورتوں میں کسی جگہ یہ ذکر نہیں کہ مرتدین کو قتل کردینا چاہیئے یا یہ کہ انکو اور کسی قسم کی سزا دینی چاہیئے - چند جگہ اور بھی دین اسلام میں داخل ہوکر کفر کی طرف لوٹ جانیکا قرآن کریم میں ذکر کیا گیا ہے وہاں بھی سزائے قتل کا ذکر نہیں پایا جاتا - ناظرین کی تسکین کے لیے ہم ان آیات کو بھی ذیل میں درج کرتے ہیں - سورہ آل عمران رکوع ۱۰ میں اللہ تعالےٰ فرماتا ہے - کیف یھدی اللہ قوما کفروا بعد ایمانھم وشھدوا ان الرسول حق وجاءھم البینت واللہ لا یھدی القوم الظالمین ۵ اولئک جزاؤھم

ان علیہم لعنۃ اللہ والملائکۃ والناس اجمعین ۰ خالدین فیہا لا یخفف عنہم العذاب ولا ھم ینظرون ۰ الا الذین تابوا من بعد ذلک واصلحوا فان اللہ غفور رحیم ۰ ان الذین کفروا بعد ایمانہم ثم ازدادوا کفرا لن تقبل توبتہم واولئک ھم الضالون ۰ ترجمہ۔ کس طرح اللہ ہدایت دے ان لوگوں کو جنہوں نے کفر کیا بعد اس کے کہ وہ ایمان لا چکے تھے اور گواہی دے چکے تھے کہ یہ رسول (محمد صلی اللہ علیہ وسلم) سچے ہیں اور انکے پاس کھلے ثبوت بھی آ چکے تھے اور اللہ تعالیٰ ایسے ظالم لوگوں کو ہدایت نہیں دیا کرتا۔ ایسے لوگوں کی سزا یہ ہے کہ انپر خدا کی اور فرشتوں کی اور تمام لوگوں کی لعنت ہے اسی میں رہ پڑیں گے نہ ان سے عذاب ہلکا کیا جائیگا اور نہ ہی انکو مہلت دیجائے گی مگر جن لوگوں نے اس کے بعد (یعنی ارتداد کے بعد) توبہ کی اور اپنی اصلاح کی تو اللہ بھی بڑا بخشنے والا اور بڑا مہربان ہے۔ وہ لوگ جو ایمان لانے کے بعد کافر ہو گئے اور پھر کفر میں ترقی کرتے گئے انکی توبہ قبول نہیں کیجائے گی اور وہ گمراہ ہیں۔ اور سورہ نساء رکوع ۲۰ میں ہے ان الذین امنوا ثم کفروا ثم امنوا ثم کفروا ثم ازدادوا کفرا لم یکن اللہ لیغفر لھم ولا لیھدیھم سبیلا۔ یعنی جو لوگ ایمان لائے پھر کافر ہوئے پھر ایمان لائے پھر کافر ہوئے پھر کفر میں ترقی کرتے گئے خدا انکو نہیں بخشے گا اور نہ ہی انکو ہدایت کرے گا۔

ایسا ہی سورہ آل عمران میں یہودیوں کی تدابیر کا جو وہ مسلمانوں کو مرتد کرنے کے لیے سوچا کرتے تھے ان الفاظ میں ذکر کیا گیا ہے۔ وقالت طائفۃ من اھل الکتاب امنوا بالذی انزل علی الذین امنوا وجہ النھار واکفروا اخرہ لعلھم یرجعون۔ اور اہل کتاب میں سے ایک گروہ اپنے لوگوں کو سمجھاتا ہے کہ اس چیز پر جو مسلمانوں پر اتاری گئی ہے اول روز میں تم ایمان لاؤ اور آخر روز میں اس سے انکار کردو شاید اس تدبیر سے (یعنی اہل کتاب کے ایک گروہ کو ایمان لائے بعد مرتد

ہوتا دیکھکر مسلمان بھی اپنے دین سے پھر جائیں۔

یہ قرآن شریف کی وہ آیات ہیں جو ارتداد اور مرتدین کے متعلق مجھے ملی ہیں۔ انکے مطالعہ سے یہ بات عیاں ہو جاتی ہے کہ قرآن کریم میں کسی جگہ مرتدین کو کسی قسم کی سزا دینے یا انکو قتل کرنیکا حکم نہیں ہے۔ بلکہ اگر انکے لیے کسی سزا کا ذکر کیا گیا ہے تو وہ وہی عذاب آخرت ہے جس میں وہ دوسرے کفار کے ساتھ شریک ہونگے۔ بعض آیات سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ بعض لوگ ایسے بھی تھے جو کئی کئی دفعہ اسلام لاتے اور مرتد ہوتے تھے۔ حالانکہ اگر مرتد کو معاً قتل کرنیکا حکم ہوتا یا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ عملدرآمد ہوتا کہ جب کسی شخص سے ارتداد وقوع میں آئے اسے فوراً قتل کرا دیتے تو اسطرح بار بار ایمان لانا اور کفر کرنا ناممکن تھا۔ سب سے آخری آیت جس میں یہودیوں کے حیلوں اور تدابیر کا ذکر ہے اس بات پر کہ مرتدین کو قتل کرنا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا عملدرآمد نہ تھا قطعی دلیل ہے۔ اس آیت میں یہ ذکر ہے کہ یہودی بعض اپنے لوگوں کو یہ تجویز بتاتے تھے کہ مسلمانوں کو اسطرح مرتد کیا جائے کہ ایک گروہ کا گروہ صبح کو اسلام پر ایمان لے آئے اور شام کو اسلام کو جھوٹا کہکر انکار کر دے جس سے غرض انکی یہ تھی کہ مسلمان جب دیکھیں گے کہ اہل کتاب کا ایک بڑا گروہ اسلام کو دیکھکر اسکا منکر ہو گیا ہے تو ضرور انکے دلوں میں یہ شبہات پیدا ہوں گے کہ انہوں نے واقعی اسلام کا جھوٹا ہونا معلوم کرکے ہی اسے چھوڑا ہوگا اور کہ اگر اسلام سچا ہوتا تو اہل کتاب ایمان لانیکے بعد اسے کیوں چھوڑتے۔ اب ہمیں اس غرض کے لیے جس کے لیے ہم نے اس آیت کو نقل کیا ہے یہ ثابت کرنیکی ضرورت نہیں کہ تاریخی طور پر کوئی ایسا واقعہ ہوا بھی تھا۔ بلکہ ہم کہتے ہیں کہ اگر اسلام میں سزائے ارتداد قتل ہوتی تو یہودیوں کے دلوں میں ایسی تجویز ہی نہ آ سکتی تھی۔ کیونکہ جس صورت میں وہ جانتے تھے کہ مرتدین کو تو مسلمان قتل کر دیں گے تو وہ اپنے لوگوں کو یہ مشورہ کیونکر دے سکتے تھے کہ تم صبح کو ایمان لے آؤ اور شام کو انکار

کر دو؟ کیا وہ اپنی ہی قوم کو مروانا چاہتے تھے؟ پس یہ آیت ایک قطعی ثبوت اس امر کا ہے کہ اسلام میں سزائے ارتداد قتل نہ تھی- یہ بھی یاد رکھنا چاہیئے کہ یہودیوں کے ساتھ مدینہ میں آکر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو واسطہ پڑا تھا- بلکہ یہ آیت ابتدائی مدنی زندگی کے وقت کی بھی معلوم نہیں ہوتی کیونکہ ابتدا میں یہودیوں کے تعلقات مسلمانوں سے اچھے تھے اور انکی دشمنی بعد میں بڑھ گئی تھی- ان تمام آیات منقولہ بالا کو پڑھکر ایک معمولی سمجھ کا آدمی بھی اس بات سے انکار نہیں کر سکتا کہ قرآن کریم میں جو اسلامی شریعت کا اصل چشمہ ہے مرتدین کے لیے سزائے قتل یا دوسری کسی سزا کا کوئی ذکر نہیں ہے-

اس کے بعد اب ہم احادیث کی طرف متوجہ ہوتے ہیں جو شریعت اسلامی کا دوسرا بڑا سرچشمہ ہے- مگر قبل اس کے کہ ہم احادیث سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے فعل اور قول کو اس بارہ میں بیان کریں ایک بات کا بیان کرنا نہایت ضروری ہے جو بطور ایک اہم اصل کے یاد رکھنی چاہیئے- آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے کسی قول اور فعل کی حکمت سمجھنے کے لیے یا اس کی اصل غرض معلوم کرنے اور اس کی تہ تک پہنچنے کے لیے یہ ضروری ہے کہ ان حالات کو مد نظر رکھا جائے جن کے ماتحت آپنے کوئی فعل کیا یا کوئی بات بیان فرمائی- اکثر جگہ جہاں آپکے قول یا فعل سے غلط نتیجہ نکالا گیا ہے اس کی تہ میں اس اصل کی خرو گذاشت ہے یعنی ان خاص حالات کو نظر انداز کر دیا گیا ہے جنکے ماتحت آپنے کوئی کام کیا یا کرنیکا حکم دیا یا کوئی بات بیان فرمائی- آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ساری زندگی ایک ہی طرز کی واقع نہ ہوئی تھی بلکہ آپ کی زندگی میں انسانی زندگی کے تمام پہلو بدل بدل کر آتے رہے تا جو ہدایات انسانی زندگی کے مختلف حالات کے لیے ضروری ہیں آپ سے وہ عملاً ثابت ہو جاویں- اور ضروری ہے کہ ان مختلف حالات میں جو کام آپنے کیا یا جو حکم آپنے دیا اسپر غور کرتے وقت ان حالات کو بھی مد نظر رکھا جائے جن کے ماتحت ایسا کیا گیا یا کہا گیا- آپ کی زندگی مختلف زمانوں میں تقسیم ہو سکتی

ہے جن میں سے ہر ایک زمانہ میں جداگانہ حالات کا اثر پایا جاتا ہے۔ سب سے ابتدائی زمانہ میں مسلمانوں کو یہ تعلیم دیگئی کہ اپنے دینی دشمنوں کی سخت سے سخت اذیتوں اور تکلیف رسانیوں کے نیچے کسطرح صبر اور بُردباری سے انہیں زندگی بسر کرنی چاہیئے۔ اس کے بعد ہجرت اولیٰ کا زمانہ ہے جس میں اکثر مسلمان مکہ سے ہجرت کر کے ملک حبش میں چلے گئے جہاں ایک عیسائی گورنمنٹ تھی۔ اس میں انکو یہ تعلیم دی گئی کہ جہاں حکومت کی طرف سے انکے مذہب میں کوئی دست اندازی نہ کیجاوے تو انکو کسطرح فرمانبرداری اور امن پسندی اور وفاداری کے ساتھ اور دوسری قوموں سے نیک سلوک کے ساتھ زندگیاں بسر کرنی چاہییں۔ اس کے بعد پھر وہ زمانہ آتا ہے جب آپ مع تمام صحابہ کے ہجرت کر کے مدینہ منورہ میں جا بسے۔ جہاں اور بھی قومیں مثل یہودیوں اور بُت پرستوں کے موجود تھیں اور کچھ مسلمان بھی تھے مگر ملکی طور پر وہ سب ایک تھے اور اس جگہ ایک قسم کی جمہوری سلطنت قایم ہوگئی جس میں اعلیٰ اختیارات آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ میں دیے گئے۔ اس زمانہ میں آنحضرتؐ اور مسلمانوں نے عملی طور پر یہ دکھایا کہ کیونکر مسلمان ایک مسلمان گورنمنٹ کے نیچے رہ کر بھی اپنے مذہبی مخالفوں کے ساتھ ملکی طور پر اتفاق کے ساتھ رہ سکتے ہیں اور کسطرح ایک اسلامی گورنمنٹ کو اپنے غیر اسلامی رعایا کے حقوق کی حفاظت اور نگہداشت کرنی چاہیئے۔ خواہ وہ غیر مسلم رعایا اس کے مذہب کی کیسی ہی دشمن کیوں نہ ہو۔ یہاں یثرب کے حدود کے اندر مسلمان یہودی اور بُت پرست ملکی طور پر ایک ہی قوم کی طرح زندگی بسر کرتے تھے اس جمہوری انتظام کے حاکم اعلیٰ خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہی تھے۔ اسی طرح اب ایک چوتھا اور نیا زمانہ مسلمان سوسائٹی پر آتا ہے جس کا باعث خود مسلمان نہیں بلکہ انکے دشمن تھے یعنی وہ کفار جنھوں نے مکہ میں انکو امن نہ لینے دیا تھا اور جنکی اذیتوں کی خاطر وہ اپنے پیارے وطنوں کو چھوڑ کر کبھی کہیں اور کبھی کہیں پناہ گزین ہوئے تھے۔ اگر کفار قریش اپنی دشمنی

میں حد سے نہ بڑھ جاتے اور تلواریں ہاتھ میں لیکر اسلام کے نیست و نابود کرنیکے درپے نہ ہو جاتے تو اسلام کی اس حالت میں بھی کوئی تبدیلی واقع نہ ہوتی جس کا ذکر ہم نے اسجگہ کیا ہے مگر ان کوتہ اندیشوں نے جب دیکھا کہ اسلام کیسے امن کے ساتھ مدینہ میں ترقی کرتا جارہا ہے تو انہوں نے خیال کیا کہ ہم اس ابتدائی حالت میں اسکو نیست و نابود کرسکتے ہیں۔ ادھر یہودیوں کو حالانکہ وہ ملکی طور پر مسلمانوں سے اتفاق کرچکے تھے مگر تاہم انکے دلوں میں اسلام کی ترقی کو دیکھکر سخت جلن پیدا ہوتی تھی۔ اور انکا کینہ اور بغض روز بروز ترقی کرتا گیا یہانتک کہ انہوں نے بھی خفیہ طور پر کفار کے ساتھ سازشیں کیں اور مسلمانوں کو نیست نابود کرنا چاہا۔ پس اب اسلام پر اور مسلمانوں پر ایک ایسا زمانہ آگیا کہ چاروں طرف سے لوگ انکو ہلاک کرنیکے درپے ہوگئے۔ یہ لڑائیوں اور جنگوں کا زمانہ تھا جس میں کہا جاسکتا ہے کہ بجائے عام ملکی قوانین کے مسلمانوںکو بعض وقت جنگی قوانین جاری کرنے پڑے کیونکہ ہر طرف اور ہر وقت انہیں دشمنوں سے جنگ کا سامنا تھا۔ ایسے وقت میں اسلام سے ارتداد صرف ایک مذہبی ارتداد نہ تھا بلکہ مسلمانی افواج کو چھوڑ کر دشمنوں کے ساتھ جاملنے کے برابر تھا۔ اور یہ ایسے لوگ ملکی طور پر مسلمانوں کے دشمن اور انسے جنگ کرنے والے ہوتے تھے۔ بلکہ بیرونی دشمنوں سے زیادہ خطرناک یہ اندرونی دشمن تھے کیونکہ انکو مسلمانوں کے حالات معلوم ہوتے تھے۔ پس اگر ایسے وقت میں مرتدین کے قتل کا حکم دیا گیا ہو تو یہ کوئی تعجب کی بات نہیں۔ آج کل۔۔۔۔ بھی اگر کسی مہذب گورنمنٹ کو ایسے واقعات پیش آئیں تو اسے یہی سزا تجویز کرنی پڑے گی۔ ورنہ امن نہیں رہ سکتا۔ ہاں یہ جنگوں کی حالت ایسی نہ تھی کہ آیندہ ہمیشہ کے لیے مسلمان اس حالت سے نہ نکلیں بلکہ انہی جنگوں کے اثناء میں جیسا کہ قرآن شریف اور تاریخ کے پڑھنے سے صاف پتہ لگتا ہے بعض وقت صلح بھی ہو جایا کرتی تھی اور اسوقت جنگی قوانین موقوف ہوکر پھر انکی بجائے

وہی معمولی قوانین مروج ہو جاتے تھے جو پہلے امن کی حالت مروج تھے۔ اور جبتک پھر جنگ شروع نہ ہوتے ویسی ہی حالت رہتی۔ پس اس سے بڑھکر کیا غلطی ہو سکتی ہے کہ ان احکام کو جو ایک خاص قسم کے حالات کے ماتحت دیئے گئے تھے ایک ایسی سوسائٹی پر لگایا جاوے جس کے حالات بالکل الگ ہیں۔ یہ تو اسلام کی تعلیم کا کمال ہے کہ اسلام اپنے پیرووں کو یہ نہیں کہتا کہ ہر قسم کے حالات کے ماتحت تم ایک ہی طرح کام کیا کرو بلکہ انکو یہ سکھاتا ہے کہ جس قسم کے حالات ہوں انہی کے مطابق کام بھی کرنا چاہیئے اور خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں ان تمام مختلف حالات کے واقع ہو جانے نے اہل اسلام کے لیے ہر قسم کی ہدایات عملی رنگ میں مہیا کر دی ہیں۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تیئیس سالہ زندگی میں اسلام کی پولیٹکل زندگی کے تمام مختلف پہلوؤں کا نقشہ کھچا ہوا نظر آتا ہے۔ جنگ کی حالت بھی انہی حالتوں میں سے ایک حالت ہے۔ اور یہ خلاف تعلیم اسلام ہے کہ ہم ان ضوابط اور قواعد یا احکام کو جو اس خاص حالت یعنی جنگ کی حالت میں دیے گئے تھے ایک ایسی حالت پر چسپاں کریں جہاں مسلمانوں کا نہ غیر قوم سے جنگ ہے اور نہ ہی انکی مذہبی آزادی میں کسی قسم کی دست اندازی کیجاتی ہے اور نہ ہی انکو اپنے مذہب کے پھیلانے یا اپنے اصول کی اشاعت کرنے یا اپنے عقاید کا اظہار کرنے سے روکا جاتا ہے۔ جنگ کی حالت اسلام کی اصلی حالت نہیں ہے بلکہ جیسا کہ خود اسلام کے نام سے ظاہر ہے اسلام کی اصلیت صلح ہے اور جنگ اسکو صرف بحالت مجبوری کرنے پڑے اور ایسے حالات کے ماتحت کرنے پڑے جنپر مسلمانوں کا اختیار نہ تھا یعنی انکو ٹالنے سے وہ جنگ ٹل نہ سکتے تھے کیونکہ مخالفین یہ ٹھان چکے تھے کہ تلوار سے اسلام کو نیست و نابود کردیں۔ کیا تاریخ شہادت نہیں دیتی کہ مسلمانوں نے کس صبر

اور برداشت سے سخت مصائب اور اذیتیں اٹھائیں اور ہر طرح کے دکھوں کو برداشت
کیا؟ کیا یہ سب لغو اور بے معنی تھا اور اس میں یہ سبق نہ تھا کہ آیندہ بھی جب
مسلمانوں کو ایسی حالت پیش آئے تو وہ اسی طرح کا صبر کا نمونہ دکھاویں؟ پھر غور کرو کہ
حبش میں ایک عیسائی گورنمنٹ کے ماتحت مسلمانوں نے کیسی شکرگذاری اور وفاداری
کے ساتھ اپنے دن کاٹے۔ کیا اس سے یہ سبق نہیں ملتا کہ جب کبھی مسلمانوں کو
ایسی مہربان گورنمنٹ ملے تو وہ اس کے ماتحت ایسی ہی وفاداری اور شکرگذاری
سے اپنی زندگیاں بسر کریں؟ پھر دیکھو کہ یہودیوں کے ساتھ جو معاہدہ کیا گیا۔ اس
حالت میں جبکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ میں تشریف فرما ہوئے اس میں کیسی
صراحت سے یہ تعلیم پائی جاتی ہے کہ مسلمانوں کو اپنی غیر مسلم رعایا یا ایسی غیر مسلم اقوام
کی جن کے ساتھ انکا ملکی اتحاد ہو کس طرح حفاظت اور رعایت کرنی چاہیئے۔ اس معاہدہ میں
اس امر کو تسلیم کیا گیا ہے کہ مسلمان اور تمام وہ لوگ جنہوں نے انکے ساتھ ملکی اتحاد
کیا ہے ایک ہی قوم سمجھے جاویں گے۔ اور انکی صلح اور جنگ کی حالت ایک ہی ہوگی
پھر صراحت سے اس بات کا ذکر ہے کہ جو یہودی مسلمانوں کی اس جمہوری سلطنت کے
ساتھ اتحاد کریں۔ انکی ہر ایک رنج اور آزار سے پوری حفاظت کیجاویگی اور ان کو
مسلمانوں کی طرف سے مدد اور حفاظت کا ایسا ہی حق ہوگا جیساکہ خود مسلمانوں کو۔
اور وہ تمام اپنے اپنے مذاہب پر اسی آزادی سے رہیں گے جیسے کہ مسلمان۔
اور مجرم خواہ کسی قوم یا مذہب کا ہو اُسے برابر سزا دیجاویگی یہود کا فرض ہوگا کہ وہ بھی
مسلمانوں کے دشمنوں کے مقابل میں مسلمانوں کی مدد کریں۔ اور تمام ان لوگوں کے جو
اس معاہدہ کو قبول کریں یثرب کے اندر مال و جان۔ اور آزادی کی حفاظت کیجاویگی۔
مسلمانوں اور یہودیوں دونوں کے ساتھیوں کو ایک سے ہی حقوق حاصل ہونگے
اور تمام جھگڑے جو اس معاہدے کے نیچے پیدا ہوں انکا آخری فیصلہ آنحضرت

صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ میں دیا گیا۔

ان تمام باتوں سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ اسلام کا اصل میلان صلح کی طرف تھا اور جنگ اسے صرف بمجبوری کرنے پڑے۔ اسی کی تائید میں یہ امر بھی ہے کہ جنگ کے وقت میں بھی جب کبھی مخالفین مائل بہ صلح پائے جاتے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم صلح کر لیتے بلکہ ایسی شرائط کو بھی قبول فرما لیتے جن کے قبول کرنے میں بظاہر ایک قسم کی کمزوری پائی جاتی۔ مگر آپ نہ چاہتے تھے کہ جب کفار صلح کا پیغام دیں تو پھر آپ محض انکی شرائط کی سختی کی وجہ سے رُکے رہیں اور مخلوق خدا کا خون ہونے دیں۔ چنانچہ واقعہ حدیبیہ سے اس امر کی صاف شہادت ملتی ہے۔ ۱۴۰۰ اصحابؓ کے ساتھ آپ مدینہ سے حج کا عزم کر کے چلے اور جب مکہ سے تھوڑی دُور رہ گئے تو کفار نے آگے جانے سے روک دیا۔ اس روک کا نتیجہ صریحاً جنگ تھا کیونکہ آنحضرتؐ کے صحابہؓ اس طرح بے نیل مرام واپس ہونا پسند نہ کرتے تھے۔ ادھر کفار نے ایسی شرائط پیش کیں جنکو قبول کرنے میں مسلمان ایک طرح سے اپنی ذلت سمجھتے تھے۔ مگر پیغمبر خدا چونکہ کسی صلح کے موقعہ کو ہاتھ سے نہ جانے دیتے تھے اس لیے آپنے انہی شرائط کو قبول فرما لیا مگر جنگ نہ کیا۔ اس صلح نامہ کی شرائط میں یہ درج تھا کہ دس سال تک مسلمانوں اور قریش کے درمیان جنگ نہ ہوگی۔ اگر کوئی شخص قریش میں سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ آملے تو مسلمانوں کا یہ فرض ہوگا کہ وہ اسے واپس قریش کے حوالہ کریں لیکن اگر کوئی شخص مسلمانوں میں سے قریش کے ساتھ جا ملے تو مسلمانوں کو اسے واپس طلب کرنیکا کوئی حق نہ ہوگا۔ دونوں فریقوں کے ساتھ جو قوم ملنا چاہے مل سکے گی اور مسلمان اس مرتبہ بلا حج کرنیکے واپس ہونگے مگر آیندہ سال انکو حج کرنیکی اجازت ہوگی بشرطیکہ انکی تلواریں میانوں میں ہوں اور تین دن سے زیادہ وہ مکہ میں نہ ٹھہریں۔ غرض تمام واقعات سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے قول و فعل میں یہ لحاظ رکھنا ضروری ہے کہ کن

واقعات کے ماتحت آپ نے کوئی حکم دیا یا کوئی کام کیا۔ اب ہم دیکھتے ہیں کہ اگر کوئی حکم مرتدین کے قتل کرنیکا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے دیا ہے تو وہ نہ اُسوقت دیا جب کہ آپ مکہ میں تھے نہ اُسوقت جبکہ آپ کے صحابہؓ حبش میں تھے اور نہ ہی اُسوقت جبکہ آپ پہلے پہلے مدینہ میں جاکر ٹھہرے بلکہ یہ حکم اسوقت دیا گیا جب کہ اسلام کے جنگ کفار کے ساتھ اسطرح شروع ہوگئے کہ متواتر ایک سلسلہ ہی چلا چلتا تھا۔ گویا امن کی حالت لڑائی کیحالت سے بدل چکی تھی اور اس لیے اسی کے مناسب حال حکم دینے کی ضرورت پیش آئی۔ ان حالات میں جیسا کہ میں پہلے بیان کرچکا ہوں اسلام کو چھوڑنا گویا مسلمانوں کی فوج سے الگ ہوکر انکے دشمنوں کے ساتھ ملنے کے برابر تھا کیونکہ لڑائی صرف دو لشکروں کے درمیان نہ تھی بلکہ کفار کا ارادہ تمام مسلمانوں کو خواہ وہ کسی قوم کے ہوں نیست و نابود کرنیکا تھا۔ اور یہ جنگ گویا مسلمان سوسائیٹی کے خلاف تھی۔ پس وہ ضرورت جس نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو مجبور کیا کہ وہ مرتدین کے قتل کا حکم دیں خود مسلمانوں کی حفاظت تھی۔ کیونکہ ارتداد اسوقت میں خالی مذہبی عقاید سے پھر جانا نہ تھا بلکہ ایسا ہی تھا جیسا جنگ میں ایک فوج کو چھوڑ کر دوسری فوج سے کوئی شخص جا ملے۔ پس سزائے قتل بھی مذہبی عقاید کو بدلنے کی وجہ سے نہ تھی کیونکہ ان حالات کے پیش آنیسے پہلے تبدیلئ مذہب پر کوئی ایسی سزا نہ دیجاتی تھی بلکہ یہ ان حالات کی بنا پر تھی جو اب پیش آگئے تھے ایک مسلمان جب اہل اسلام کو چھوڑ کر مسلمانوں کے دشمنوں سے جا ملتا تو وہ ایک خطرناک جاسوس کا کام دے سکتا تھا اور ایسی صورت میں سوائے اس کے کہ وہ قتل کیا جاتا اور کوئی چارہ نہ تھا۔ اور ایسی سزا کو کوئی شخص بے رحمی یا ظلم نہیں کہہ سکتا بلکہ یہ بالکل منصفانہ اصول پر مبنی ہے۔ اور آج بھی اگر کسی مہذب گورنمنٹ کو ایسے واقعات پیش آدیں تو وہ یقیناً ایسی ہی کارروائی کریگی۔ پس آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا حکم کسی طرح قابل اعتراض نہیں۔ مگر ساتھ ہی یہ بھی یاد رکھنے کے قابل ہے

کہ اس حکم کا اجرا اور رنگ کے حالات کے ماتحت نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ ہم دیکھتے ہیں کہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور مسلمان امن کی حالت میں رہتے تھے۔ یعنی جنگوں کا سلسلہ جاری نہ ہوا تھا۔ تو اسوقت اس قسم کا حکم نہیں دیا گیا۔ بلکہ اس معاہدہ کی شرائط میں جو یہودیوں وغیرہ دیگر باشندگان یثرب کے ساتھ کیا گیا تھا۔ اور ایسا ہی اس صلحنامہ کی شرائط میں جو حدیبیہ پر کیا گیا۔ قطعی اور یقینی شہادت اس امر کی موجود ہے کہ جنگوں کے نہ ہونے یا جنگوں کے التوا کی صورت میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مرتدین کے قتل کو جائز نہیں رکھا کیونکہ ان میں ایسی شرائط موجود ہیں جو قتل مرتدین کے منافی ہیں پس آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا حکم قرآنی تعلیم کے منافی نہیں کیونکہ آپ نے مرتدین کے قتل کا حکم صرف اس صورت میں دیا جب قتل کے وجوہات کسی اور بنا پر پیدا ہوئے اور محض ارتداد کو موجب قتل قرار نہیں دیا۔

قتل مرتدین کا ایک ہی واقعہ معتبر کتب احادیث میں پایا جاتا ہے۔ جس کا ذکر مندرجہ ذیل حدیث میں ہے۔ عن انس قال قدم النبی صلی اللہ علیہ وسلم نفر من عکل فاسلموا فاجتووا المدینۃ فامرھم ان یاتوا ابل الصدقۃ فیشربوا من ابوالھا والبانھا۔ ففعلوا فصحوا فارتدوا وقتلوا رعاتھا واستاقوا الابل فبعث فی اٰثارھم فاتی بھم فقطع ایدیھم وارجلھم وسمل اعینھم ثم لم یحسمھم حتّٰی ماتوا۔ اس حدیث سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ یہ لوگ محض ارتداد کی وجہ سے قتل نہیں کیے گئے۔ وہ پہلے مسلمان ہوئے اور انکی بیماری کی وجہ سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے انپر یہ احسان کیا کہ صدقہ کے اُونٹوں کا دودھ پینے کے لیے انکو اجازت دی جب وہ تندرست ہوئے تو انہوں نے بجائے شکرگذاری کے یہ کیا کہ اونٹوں کے چرواہوں کو قتل کر ڈالا۔ اور سب اونٹوں کو لے گئے۔ اب انکا جرم ڈاکہ زنی اور قتل تھا اور آج بھی اس جرم کے مرتکب کو سزائے قتل

ہی دیجاتی ہے۔ پس آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں تبدیل مذہب کی سزا نہیں دی بلکہ انکی ڈاکہ زنی اور قتل کی جرائم پر وہ سزا دی جو آج کوئی مہذب گورنمنٹ دے۔ وہ مرتد بھی تھے مگر ارتداد کے ساتھ انکے اور جرائم تھے جنہوں نے انہیں سزائے قتل کا مستوجب کردیا۔ پس اسے مرتدین کے قتل کی مثال نہیں کہہ سکتے۔ امام بخاری علیہ الرحمۃ نے اسی وجہ سے اسے مرتدین کے باب میں ذکر نہیں کیا۔ بلکہ کتاب المحاربین من اہل الکفر والردۃ کے نیچے ذکر کیا ہے۔ اور پہلے قرآن کریم کی اس آیت کو اپنی تائید میں لائے ہیں۔ انما جزاء الذین یحاربون اللہ ورسولہ ویسعون فی الارض فسادا ان یقتلوا او یصلبوا او تقطع ایدیھم وارجلھم من خلاف او ینفوا من الارض۔ یعنی ان لوگوں کی سزا جو اللہ اور اس کے رسول کے ساتھ جنگ کرتے ہیں اور زمین میں فساد کرتے ہیں یہ ہے کہ انکو قتل کردیا جاوے یا صلیب دیجاوے یا انکے ہاتھ اور پاؤں الٹے کاٹ دیئے جاویں یا انکو جلاوطن کردیا جاوے۔ اسجگہ بھی قرآن کریم نے ایک صورت معافی کا ذکر کیا ہے۔ الا الذین تابوا من قبل ان تقدروا علیھم فاعلموا ان اللہ غفور رحیم۔ پس آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جو اس صورت میں قتل کا حکم دیا تو وہ قرآن کریم کی اس آیت کے حکم کے نیچے تھا جس سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ قرآن کریم کے حکموں کے مطابق ہی حکم دیتے تھے۔ ضرور تھا کہ اگر ان لوگونکو انکے ارتداد کی وجہ سے سزا دیجاتی تو آیت بھی کوئی اسی قسم کی پیش کیجاتی جسمیں مرتدین کا ذکر ہوتا۔ نہ کہ محاربین کا۔ پس معلوم ہوا کہ یہ سزا انکے محاربہ کی وجہ سے تھی نہ ارتداد کی وجہ سے۔

کوئی اور معتبر حدیث ایسی نہیں ملتی جس سے یہ معلوم ہو کہ محض ارتداد کی وجہ سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے خود کسی شخص کے قتل کیے جانیکا حکم دیا ہو۔ مشکوٰۃ میں جس میں بعض وقت کم معتبر روایتیں بھی لے لی جاتی ہیں اس قسم کے کسی واقعہ کا ذکر

نہیں پایا جاتا۔ برخلاف اس کے بخاری میں بعض ایسی روایتیں موجود ہیں جہاں کسی صحابی نے کسی شخص کو قتل کرنا چاہا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرما دیا۔ ہاں اسلام کی ابتدائی تاریخ میں ایک واقعہ ایسا پایا جاتا ہے جس کا ذکر اس بحث میں ضروری معلوم ہوتا ہے وہ واقعہ حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خلافت کا ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد عرب کا بڑا حصہ کہا جاتا ہے کہ مرتد ہو گیا تھا اور ان سب پر حضرت ابوبکرؓ نے چڑھائی کی مگر بخاری سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ حضرت ابوبکرؓ کی ان لوگوں پر چڑھائی کی وجہ انکا ادائگی زکوٰۃ سے (جو ایک قسم کا مالی ٹیکس تھا) انکار کرنا تھا جب حضرت عمرؓ نے حضرت ابوبکرؓ پر اعتراض کیا کہ کیوں ان لوگوں پر چڑھائی کیجاتی ہے تو آپ نے جواب دیا۔ واللہ لا قاتلن من فرق بین الصلوٰۃ والزکوٰۃ فان الزکوٰۃ حق المال واللہ لو منعونی عناقا کانوا یؤدونھا الی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لقاتلتھم علی منعھا۔ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت ابوبکرؓ نے اسوجہ سے انسے جنگ نہ کیا تھا کہ وہ مرتد ہو گئے تھے بلکہ اس لیے کہ وہ زکوٰۃ کے دینے سے انکار کرتے تھے۔ یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ وہ نماز بھی پڑھتے تھے پس اس مثال کو قتل مرتدین کے جواز میں پیش نہیں کیا جا سکتا۔

یہاں تک ہم نے اُن احادیث کا ذکر کیا ہے جن میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے فعل کا ذکر ہے اور یہ دکھایا ہے کہ کوئی ایسا واقعہ احادیث معتبرہ میں نہیں پایا جاتا جس سے یہ معلوم ہو کہ آپنے محض ارتداد کی وجہ سے کسی شخص کے قتل کرنیکا حکم دیا ہو۔ لیکن ایک حدیث میں حضرت ابن عباس کی یہ روایت موجود ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا تھا من بدل دینہ فاقتلوہ۔ یعنی جو شخص اپنے مذہب کو تبدیل کرے اسے قتل کر ڈالو۔ یہ تو ظاہر ہے کہ اس حدیث کے الفاظ کے معنے لینے میں کچھ نہ کچھ قید لگانی پڑیگی ورنہ ہر ایک تبدیلی مذہب کی خواہ کسی مذہب سے کسی مذہب میں ہو

سزا قتل ہونی چاہیئے۔ گویا عموم معنی کے لحاظ سے یہ حدیث صحیح نہیں ہو سکتی۔ اور تخصیص کرتے وقت ہمیں ان حالات کو ضرور مدنظر رکھنا پڑے گا جن کے ماتحت یہ حکم دیا گیا۔ اب یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ علم بھی قریباً قریباً آخری زمانہ کا ہے کیونکہ اسکے راوی حضرت ابن عباس ہیں جن کی عمر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے وقت تیرہ چودہ سال سے زیادہ نہ تھی۔ اور یہ زمانہ وہ تھا جب اسلام کے خلاف جنگوں کا سلسلہ ہر طرف جاری تھا۔ اور ایسے حالات پیش آچکے تھے جن کے ماتحت ایسے حکم کا دیا جانا نہ صرف جائز بلکہ نہایت ضروری ہو گیا تھا۔ یہ صورت جیسا کہ میں اوپر بھی لکھ چکا ہوں محض ارتداد کی وجہ سے قتل کی نہ تھی بلکہ لڑائی کے سلسلہ کے سبب سے ایسے وقت میں اسلام کو چھوڑنا گویا مسلمانوں کی جماعت کو چھوڑ کر انکے دشمنوں کے ساتھ جا ملنے کے برابر تھا۔ پس حفاظت خود اختیاری کی ضرورت نے ایسے لوگوں کے قتل کو جائز کر دیا اور وہی یہ ضرورت تھی جسنے مسلمانوں کو تلوار ہاتھ میں لینے کے لیے مجبور کیا تھا۔ اس امر کا ثبوت کہ یہ حکم خاص حالات جنگ کے لحاظ سے دیا گیا تھا ہم کافی طور پر اوپر دے چکے ہیں۔ اسی کی تائید اس بات سے بھی ہوتی ہے کہ کوئی مثال آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں ہمیں ایسی نہیں ملتی جس میں آپ نے محض ارتداد کی وجہ سے کسی شخص کے قتل کیے جانیکا حکم دیا ہو بلکہ آپ کے معاہدات اور آپ کے صلحناموں میں ایسی شرایط پائی جاتی ہیں جو قتل مرتدین کے منافی ہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے کسی قول کے معنے کرنے میں ہمیں آپ کے ہی فعل کو دیکھنا چاہیئے۔ اور اس لیے معنوں کی تخصیص کرنے میں اس امر کا لحاظ رکھنا ضروری ہے۔ جیسے کہ اس امر کا لحاظ رکھنا بھی ضروری ہے کہ کن حالات کے ماتحت کوئی حکم دیا گیا تھا۔ اگر ایسی قید معنوں پر نہ لگائی جاوے تو حدیث من بدل دینہ فاقتلوہ خود قرآن کریم کے معارض ٹھہرتی ہے اس لیے ہم مجبور ہیں کہ ان الفاظ کے معنوں کی عمومیت میں کوئی تخصیص کریں۔

ایک سوال اسجگہ یہ پیدا ہوتا ہے کہ کیا اس حکم من بدل دینہ فاقتلوہ میں عورتیں بھی شامل تھیں۔ عورتیں عموماً جنگوں میں شریک نہ ہوتی تھیں سوائے اس کے کہ زخمیوں کے علاج اور مرہم پٹی کے لیے جاویں۔ اور یہ ایک مسلّم امر ہے کہ تمام جنگوں میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے عورتوں کے قتل کرنیکی ممانعت کردی تھی۔ اس مناہی سے بھی یہ معلوم ہوتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی لڑائیاں اس غرض سے نہ تھیں کہ وہ لوگوں کو بجبر مسلمان بنادیں کیونکہ اگر یہ غرض ہوتی تو عورتوں کے قتل کرنے سے کیوں روکا جاتا۔ بلکہ آپ کی غرض چونکہ صرف مسلمانوں کی کفار سے حفاظت اور مجرموں کو سزائیں دینے کی تھی اس لیے آپنے عورتوں کے قتل سے روکدیا کیونکہ عورتیں جنگ میں شریک نہ ہوتی تھیں۔ اب ظاہر ہے کہ مرتد عورت کی صورت کافر عورت کیطرح ہے۔ اور چونکہ کافر عورتوں کے قتل سے روکنے کی وجہ انکا جنگوں میں شریک نہ ہونا تھا۔ اس لیے کوئی وجہ نہیں کہ مرتد عورتیں اس مناہی میں شامل نہ ہوں جو دوسری عورتوں کے لیے تھی۔ کیونکہ ہم ابھی لکھ چکے ہیں کہ مرتدین کے قتل کی وجہ صرف انکا جنگوں میں شریک ہونا تھا نہ کہ ارتداد۔ فقہاء میں اس امر پر بحث ہوئی ہے اور دو فریق ہوگئے ہیں ایک فریق کے نزدیک مرتدہ کا قتل جائز نہیں اور دوسرے کے نزدیک مرتدہ بھی مثل مرتد کے قتل ہونی چاہیئے۔ امام ابو حنیفہ فریق اول میں ہیں۔ دونوں فریق اپنے اپنے دعوے کی تائید میں ایک آدھ حدیث بھی پیش کرتے ہیں۔ فریق اول ابن عباس کی اس حدیث کو معتبر ٹھہراتا ہے جس میں یہ حکم ہے کہ عورتیں جب مرتد ہو جائیں تو انکو قتل مت کرو۔ اور ساتھ ہی اسکے ابن الطلاع کا قول ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے کوئی ایسی حدیث مروی نہیں جس سے یہ معلوم ہو کہ آپنے کسی مرتد عورت کے قتل کرنیکا حکم دیا تھا۔ فریق ثانی دار قطنی کی ایک حدیث پر اپنے دعوے کا سارا دارومدار رکھتا ہے جس کی رو سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مرتد عورت کے قتل کیے جانیکا

حکم دیا۔ تعجب کی بات یہ ہے کہ ابن عباس کی حدیث جسکو فریق اول نے قبول کیا ہے وہ بھی دارقطنی کی ہی حدیث ہی۔ یہ امر تو ظاہر ہے کہ دونوں حدیثیں صحیح تسلیم نہیں کی جاسکتیں سوائے اس صورت کے کہ دوسری حدیث میں یہ سمجھا جاوی کہ جس مرتدہ عورت کے قتل کرنیکا حکم آپنے دیا اسکا کوئی اور جرم بھی سوائے ارتداد کے ہو جسکی سزا اسے دی گئی ہو۔ اگرچہ حدیث میں اسکا تذکرہ نہیں ہے مگر قرین قیاس معلوم ہوتا ہے کہ ایسا کوئی امر ضرور ہوگا جو محفوظ نہیں رہا کیونکہ حدیث میں تفصیل اس قصّہ کی کوئی نہیں ہے۔ اور اگر اس کو قبول نہ کیا جاوے تو پھر دونوں حدیثوں میں سے ایک کو غلط ٹھہرانا پڑیگا۔ ہمارے نزدیک امام ابوحنیفہؒ کی تحقیق صحیح معلوم ہوتی ہے کیونکہ اسکی تائید میں اور بہت سے امور پائے جاتے ہیں حالانکہ دوسری حدیث کی تائید اور کسی طرح پر نہیں ہوتی۔ حدیث اول کی تائید میں ایک تو ابن الطلاع کی تحقیق ہے۔ اور دوسری آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا عام حکم جس کی روسے آپنے عورتوں کے قتل کرنے سے منع فرمایا۔ اگر حکم من بدل دینہ فاقتلوہ کو عام سمجھا جاتا ہے جس میں مرد اور عورتیں دونوں شامل ہوں تو نہی قتل النساء بھی عام ہے جو کافر اور مرتد عورتوں پر یکساں حاوی ہے۔ مگر درانحالیکہ ہم اوپر دکھا چکے ہیں کہ من بدل دینہ فاقتلوہ عام حکم نہیں ہوسکتا بلکہ قرآن شریف سے اور خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے تیئیس سالہ عملدرآمد سے اسکا تطابق کرنیکے لیے اسکو مقید اور مخصوص کرنا ضروری ہے۔ تو اس صورت میں عورتیں خود اس سے الگ ہو جاتی ہیں کیونکہ وہ جنگوں میں شریک نہ ہوسکتی تھیں اور یہ حکم عین جنگوں کے وقت میں دیا گیا۔ اور قتل نساء کی نہی سے اس کی تائید مزید ہوتی ہے۔ بہرحال ہمیں یہ ماننا پڑے گا کہ جن وجوہ پر کافر عورتوں کے قتل کی ممانعت کی گئی انہی وجوہ پر مرتد عورتیں بھی قتل کے حکم سے بچ جاتی ہیں۔ اگر اسلام کی لڑائیاں بجبر دین پھیلانیکے لیے سمجھی جاویں تو اس صورت میں بیشک یہ خیال ہوسکتا ہے کہ مرتد عورتیں بھی قتل ہونی چاہییں مگر سوائے اس کے

کوئی صورت نہیں کہ مرتد عورتوں کے قتل کو جائز رکھا جاتا۔ پس ان تمام دلایل سے یہی ثابت ہوتا ہے کہ مرتد عورت کو کسی صورت میں قتل کیے جانیکا حکم نہ تھا۔

اب ہم اصل مضمون کی طرف متوجہ ہوکر یہ دیکھنا چاہتے ہیں کہ مرتدین کے کون کون سے حقوق تلف ہونیکا ثبوت ملتا ہے۔ یہ تو ہم دیکھ چکے ہیں کہ قتل کا حکم اگر دیا گیا تو خاص حالات کے ماتحت اور صرف آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے آخری زمانہ میں جب جنگوں کا سلسلہ شروع ہو چکا تھا اسوقت دیا گیا۔ اگر اس قتل کے حکم سے علیحدہ مرتدین کے حقوق پر کچھ اثر پڑتا تو ضرور تھا کہ اس کی مثال یا اس کے متعلق کوئی ہدایت احادیث میں مذکور ہوتی کیونکہ ارتداد مدینہ میں آکر شروع نہیں ہوا بلکہ بعض لوگ مکہ میں بھی مرتد ہوئے اور ایک شخص حبش میں جاکر بھی مرتد ہو گیا تھا۔ اور ایسا ہی مدینہ کی ابتدائی زندگی میں جب یہودیوں اور دوسری قوموں کے ساتھ ایک معاہدہ ہو گیا تھا ارتداد کی مثالیں پائی جاتی ہیں مگر کسی حدیث سے یہ پتہ نہیں ملتا کہ انکے کوئی خاص حقوق زائل ہو جاتے تھے۔ کسی حدیث میں یہ ذکر نہیں پایا جاتا کہ عورت یا خاوند کی ارتداد سے محض ارتداد کی وجہ پر نکاح ٹوٹ کر خاوند اور عورت میں علیحدگی واقع ہو جاتی ہے۔ ہاں یہ دوسری بات ہے کہ جب ایک شخص واجب القتل سمجھ لیا گیا ہو اور پھر وہ بھاگ کر دشمن سے جا ملے تو اسکے تمام حقوق زائل ہو جائیں گے اور قانونی طور پر اسے مقتول ہی سمجھا جائیگا۔ اور جہاں ایک طرف اسکو مرا ہوا قرار دیئے سے اس کے حقوق زوجیت باقی نہ رہینگے ایسا ہی اسکے حقوق ملکیت بھی زائل ہوکر اس کی جایداد کے وارث دوسرے لوگ ہو جائیں گے۔ مگر یہ ارتداد کے اصلی نتایج نہ تھے بلکہ اصل نتیجہ ارتداد کا قتل قرار پاکر ان حقوق کا اتلاف اس صورت میں واقع ہوتا تھا جب قتل درحقیقت کسی روک کی وجہ سے جیسا مجرم کے بھاگ جانیسے واقع نہ ہو سکے اور اس لیے مجرم کو مقتول کے حکم میں سمجھا جائے۔ بالفاظ دیگر اس کی کوئی مثال نہیں کہ مرتد امن سے مسلمانوں کے درمیان

رہے اور اس کے حقوق زوجیت وملکیت قطعی طور پر مسلوب ہو جائیں - بلکہ حقوق اسی وقت سلب ہوتے تھے جب یا تو مجرم واقعی قتل ہو جائے اور یا قانونی طور پر اسے مقتول قرار دیا جاوے اور وہ محض بھاگ کر اپنی جان بچالے - پس سلب حقوق قتل یا قتل کے فتوے کا نتیجہ تھا اور جس شخص کو واجب القتل نہیں سمجھا گیا - اس کے حقوق بھی تلف نہیں ہوئے چنانچہ بخاری میں دو حدیثیں ہیں جن میں حضرت عمر رض نے ایک شخص کو واجب القتل سمجھ کر اس کے قتل کی اجازت چاہی - مگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرمایا ان دونوں حدیثوں میں یہ ذکر نہیں کہ انکو قتل تو نہیں کیا گیا مگر انکے حقوق زوجیت وملکیت زائل کر دیے گئے - نہ ہی کسی اور حدیث میں ایسا ذکر ہے کہ ایک شخص کو ارتداد کی وجہ سے واجب القتل تو نہ سمجھا گیا ہو مگر اس کے حقوق زائل کر دیئے گئے ہوں ؞ (باقی آیندہ)

نوٹ :- مَیں اس سارے مضمون کو ایک ہی رسالہ میں ختم کرنا چاہتا تھا مگر ایک نہایت ضروری مضمون کی وجہ سے جو ذیل میں درج کیا جاتا ہے - اس کے باقی حصہ کو جو فقہ کے متعلق ہے آیندہ رسالہ تک ملتوی کرنا پڑا ہے - (ایڈیٹر)

حیاتُ الانبیاء فی وفاتُ الانبیاء

(مرقومہ مولوی سید محمد احسن صاحب)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

حامداً ومصلیاً

اما بعد ناظرین پر واضح ہو کہ جب بتاریخ ۲۶ - مئی ۱۹۰۸ء روز شنبہ مطابق ۲۴

ماہ ربیع الآخر ۱۳۲۶ ہجری وقت ۱۰ ½ بجے صبح کے توفی حضرت اقدس جری اللہ فی حلل الانبیاء مسیح موعود و مہدی معہود کی بمقام لاہور محلہ احمدیہ میں واقع ہوئی تو مخالفین معاندین کی طرف سے ایسا شور و غل مشعر فتنوں اور فسادات کا برپا ہوا کہ جنگل کے درندے اور شہر کے کتوں سے بھی ایسا شور و غل بعید ہے باوجودیکہ اس مدت بعثت میں حضرت مسیح علیہ السلام کی طرف سے ہر طرح سے اتمام حجت ہو چکا ہے اور کوئی دقیقہ علی منہاج النبوۃ ثبوت حقیت سلسلہ احمدیہ کا باقی نہیں رہا دیکھو اس علم کی کتب مصنفہ شایع شدہ کو حتیٰ کہ حضرت اقدس علیہ السلام کی وفات شریف بھی اُسی منہاج نبوت سے واقع ہوئی جس طرح سے کہ ایسے مامورین اولوالعزم کی وفات واقع ہوا کرتی تھی صدق اللہ تعالےٰ ولن تجد لسنۃ اللہ تبدیلا چونکہ بعض ایسے لوگوں پر جو منہاج نبوۃ سے خبردار نہیں ہیں اُنپر یہ وفات حضرت جری اللہ فی حلل الانبیاؑ کی اپنے غیر وقت میں واقع ہونیکے ساتھ شاید مشتبہ ہو گی لہٰذا اُنکے وساوس اور شبہات کے رفع کرنیکے لیے یہ چند سطور لکھی جاتی ہیں اول ان دو مقدموں کو یاد رکھنا چاہیئے جنکا ثبوت نصوص بینہ قرآنیہ سے ثابت ہے۔

مقدمہ اولے واضح ہو کہ بعثت انبیاء کی چونکہ واسطے انقیاد اور فرمانبرداری اوامر و نواہی اللہ تعالےٰ کے ہوا کرتی ہے اس لیے یہ امر بھی ضروری ہے کہ امتحان اور جانچ مخلصین کی غیر مخلصین سے واضح طور پر واقع ہو جاوے تاکہ تمیز تام بین المومنین والمنافقین حاصل ہو یہ مقدمہ اگرچہ بدیہی ہے لیکن واسطے تنبیہ کے کچھ لکھا بھی جاتا ہے قال اللہ تعالیٰ احسب الناس ان یترکوا ان یقولوا اٰمنا وھم لا یفتنون ۰ ولقد فتنا الذین من قبلھم فلیعلمن اللہ الذین صدقوا ولیعلمن الکاذبین پ ۲۰ ع ۱۳ یعنی کیا لوگوں نے یہ سمجھ لیا ہے کہ صرف زبان کے کہنے سے کہ ہم ایمان لے آئے ہیں چھوڑ دیے جاوینگے اور اُنکو آزمایا نہ جاویگا اور البتہ تحقیق ہم نے اُن لوگوں کو بھی آزمایا تھا جو اُنسے پہلے ہو گذرے ہیں یعنی یہ سنت اللہ قدیم سے جاری ہے اور چلی آتی ہے پس اللہ تعالےٰ

اُن لوگوں کو بالضرور تمیز کر کے رہیگا جو ایمان میں سچے ہیں اور جھوٹوں کو بھی ضرور اُن صادقوں سے علیحدہ کر دکھائیگا۔ بلکہ اللہ تعالیٰ خود انبیاء کی بھی ایسے ایسے ابتلاؤں سے جانچ فرمایا کرتا ہے جن میں غیر انبیاء کا ثابت قدم رہنا بہت دشوار ہوتا ہے کما قال اللہ تعالیٰ و اذ ابتلی ابراھیم ربہ بکلمات فاتمھن یعنی اور یاد کرو یا یاد دلاؤ اُس وقت کو کہ جب ابراہیم کے ربنے ابراہیم کو چند باتوں میں آزمایا اور اُنہوں نے اُنکو پورا کر دکھایا۔ اس بارہ میں احادیث بھی بکثرت وارد ہیں جیسا کہ فرمایا گیا ہے انما بعثتک لابتلیک وابتلی بک الناس ازالۃ الخفا یعنی اے محمد صلعم میں نے تجھکو جو رسول کر کے بھیجا ہے مجھ کو تیرا صبر و استقلال اپنی فرمانبرداری میں ظاہر کرنا بھی منظور ہے اور دیگر بندگان الٰہی کی آزمایش اور جانچنا بھی میرا مقصود ہے۔ اس مقدمہ کے اثبات کے لیے نصوص شرعیہ اسقدر موجود ہیں کہ اگر اُن سب کو لکھا جاوے تو ایک بڑا رسالہ ان دو مقدموں کے بیان میں طیار ہو جاوے مگر یہاں پر اس مختصر پر اکتفا کیا گیا کیونکہ آیندہ بھی جو بیان آویگا وہ بھی سب اس مقدمہ کا مثبت ہو گا۔ اور عند العقل بھی کھوٹے اور کھرے ہر ایک مال میں تمیز کرنا ضروریات سے ہے

مقدمۂ ثانیہ جبکہ اللہ تعالیٰ کو بعثت کسی پیغامبر کی واسطے اصلاح عالم کے اور دفع کرنے اُن مفاسد کے جو دنیا میں عالمگیر ہو جاتے ہیں منظور ہوتی ہے اور علم الٰہی میں اُن سب تفاصیل اصلاحیہ کی صورتیں متعین اور معلوم ہوتی ہیں جو اُس کی ابتدائے بعثت سے انتہائے بعثت تک مقصود الٰہی ہوتی ہیں کہ اس اس طرز سے فلاں فلاں وقت میں اپنے اپنے زمانہ میں واقع ہونگی۔ مگر چونکہ بمقتضائے حکمت الٰہی کے اُس پیغمبر کی عمر دنیوی اُن تمام اصلاحوں کی تکمیل کے لیے کافی اور وافی نہیں ہوتی اس لیے اللہ تعالیٰ اُس کے جانشینوں سے اور نیز اُس کی جماعت کے ہاتھوں سے وہ تمام باقی اصلاحیں مکمل کرا دیتا ہے جو علم الٰہی میں اس کی بعثت سے مقصود ہوتی ہیں لہٰذا اُس جانشین کی نسبت کلام الٰہی اور نیز نبی کے کلام میں اشارات بھی کثرت سے پائے جاتے ہیں اور یہی

سنت اللہ ہے جو حضرت موسیٰ اور عیسیٰ علیٰ نبینا وعلیہما السلام کے جانشینوں میں بھی پائی جاتی ہے اور خود آنحضرت صلعم کے جانشینوں میں تو قیامت تک پائی جاویگی قرآن مجید میں بکثرت اس کے شواہد موجود ہیں مثلاً کما قال اللہ تعالیٰ هو الذی ارسل رسوله بالهدیٰ ودین الحق لیظهره علی الدین کله وکفیٰ بالله شهیداً الخ یعنی اللہ تعالیٰ کی ذات پاک وہ ہے جس نے اپنے رسول کو تمام ہدایات اور دین حق (جسکی حقیقت دلائل عقلیہ اور نقلیہ سے ثابت ہے) دیکر بھیجا ہے تاکہ اُس دین حق کو تمام ادیان باطلہ پر غالب کرے۔ اور آپکی حقیقت رسالت اور دین اسلام کی صداقت کے ثبوت کیلیے اللہ تبارک تعالیٰ کی گواہی بس ہے جو آگے آیات میں مذکور ہوتی ہے۔ اب یہ تو ظاہر ہے کہ آنحضرت صلعم کی حیات میں دین اسلام کا غلبہ و اظہار تمام ادیان پر واقع نہیں ہوا تھا چنانچہ روم روس فرنگ افریقہ شام مصر اور حبشہ وغیرہا میں نصرانیت بڑے زور سے پھیلی ہوئی تھی۔ اور خراسان توران ترکستان زابلستان اور باختر وغیرہا میں مجوسیت شدت کے ساتھ تھی علیٰ ہذا القیاس یہود ہنود اور صابئین وغیرہم بھی اُسوقت کے اہل اسلام کی نسبت دولت وشوکت میں زیادہ تر موجود تھے۔ ہاں پھر خلفائے ثلٰثہ کے وقت میں بہت جلد یہ سب ادیان و اہل ادیان مغلوب مقہور ہوگئے جن کے مغلوب ہونیسے اُنکے ادیان بھی مغلوب ہوگئے لیکن آنحضرت صلعم کی حیات میں ان فتوحات میں سے کوئی فتح واقع نہیں ہوئی جو موعود تھی سو اگلی آیات میں اللہ تعالیٰ اپنی شہادت کو یوں بیان فرماتا ہے کہ آپکے اصحاب اور مریدین کو ایسی صفات کے ساتھ متصف کیا گیا ہے جو از روئے اپنے اعتقاد اور اخلاق اور اعمال کے دین اسلام کو سب ادیان پر غالب کرتے رہیں گے حتیٰ کہ دین اسلام بتدریج اپنے انتہائی مرتبہ کمال کو پہنچ جاویگا جو علم الٰہی میں آنحضرت صلعم کی بعثت سے مقصود اور موعود ہے دیکھو آگے کی آیات کو۔ اور پھر یہ بھی اشارہ فرماتا ہے کہ یہ سلسلہ ترقیات دین اسلام کا صحابہ کرام ؓ ہی تک محدود نہیں ہے

ہم اور مسیح کا نام دوسرے لفظوں میں حیات ابدی یا حیات النبی ہے م

بلکہ آیندہ قیامت تک یہ ترقیات جاری رہیں گی کہ وعد اللہ الذین امنوا و عملوا الصالحات منھم مغفرۃ و اجرًا عظیمًا یعنی جو لوگ صحابہ کرامؓ کے طریقہ پر ایمان لاویں گے اور اعمال صالحہ بھی مثل اُنکے بجالاویں گے اُنکے لیے بھی یہی وعدہ الٰہی ہے کہ اُنکی کمزوریوں کو اللہ تعالیٰ ڈھانک دیویگا اور اجر عظیم دین و دنیا میں اُنکو مرحمت فرمادیگا۔ واضح ہو کہ جملہ مفسرین نے جو اس آیت لیظھرہ علی الدین کلہ کو پیش گوئی قرار دیکر وقوع اُس کا بزمانہ مسیح موعودؑ ٹھہرایا ہے اسکا سر یہی ہے کہ جو سلسلہ ترقیات دین اسلام کا جو آنحضرت صلعم کی ابتدائے بعثت سے انتہا تک اللہ تعالیٰ کے علم میں تھا وہ صرف آنحضرت صلعم کی حیات میں ہی پورا نہیں ہوا اور نہ ہو سکتا تھا بلکہ وہ سلسلہ ترقیات کا زمانہ بعثت مسیح موعودؑ تک منتہی مانا گیا ہے اور پھر مسیح موعودؑ کی ابتدائی بعثت سے لیکر قیامت تک جاری رہے گا جسکی میعاد اُسی علیم و خبیر کے علم میں ہے ولنعم ماقیل کم ترک الاول للاخر۔ ان دونوں مقدموں کو بخوبی یاد رکھنا چاہیئے کہ جسقدر وساوس اور شبہات مخالفین کے حضرت جری اللہ فی حلل الانبیاء کی وفات پر مخالفین وارد کرتے ہیں ان دونوں مقدموں سے وہ سب کے سب ھباءً منثورًا ہو جاتے ہیں کیونکہ مابہ الامتیاز درمیان مامورین اور کاذبین کے بھی ایک امر ہے۔

اب ہم اولاً ان ہذیانات کا جواب دیتے ہیں جو کانے دجال نے اپنے خط موسوم حضرت حکیم الامۃ خلیفۃ المسیح مورخہ ۲۸۔ مئی ۱۹۰۸ء میں لکھے ہیں وہی ہذہ کہ آپ مرزا کے تبصرہ اور ۱۶۔ اگست ۱۹۰۶ء والے اشتہار مباہلہ پر بھی غور فرمالیویں جسکی پیشانی تھی خدا سچے کا حامی ہو الخ اقول۔ مباہلہ تو غلط مگر اسکے جواب میں ہم یہاں پر ایک آیت پیش کرتے ہیں جس سے تمام شبہات کانے دجال کا قلع قمع ہو جاویگا قال اللہ تعالیٰ وما محمد الا رسول قد خلت من قبلہ الرسل افان مات او قتل انقلبتم علی اعقابکم ومن ینقلب علی عقبیہ فلن یضر اللہ شیئًا

ویجزی اللہ الشاکرین یہ آیت کریمہ جنگ اُحد میں نازل ہوئی تھی جو ۳ھ
ہجری کے ماہ شوال میں واقع ہوئی تھی اب معترض سے دریافت کیا جاتا ہے کہ جو
فتوحات موعودہ جو آنحضرت صلعم کی آخر حیات تک سات آٹھ سال میں واقع ہوئیں اور شوال
۳ھ ہجری تک وہ واقع نہیں ہوئی تھیں معہذا آنحضرت صلعم کی موت یا قتل کو اللہ تعالےٰ
۳ھ ہجری میں منافی نبوت قرار نہیں دیتا اور فرماتا ہے کہ اگر آنحضرت صلعم جو اللہ تعالیٰ کے
رسول صادق ہیں بالفرض اگر وہ فوت بھی ہوجاویں حتیٰ کہ اگر قتل بھی کیے جاویں تو
کیا تم اپنی ایڑیوں کے بل صداقت دین اسلام سے اُلٹے پھر جاؤ گے یعنی تمکو ہرگز ہرگز
اُسکی صداقت رسالت سے پھرنا نہیں چاہیئے انقلبتم میں جو استفہام انکاری ہے اُسکی
تاکید انکاری اہل عربیت پر ظاہر ہے کہ فلا تنقلبوا صیغہ نہی سے بھی بڑھ کر ہے پھر
اب سوال یہ ہے کہ اسکی کیا وجہ ہے کہ ایسی موت یا قتل کو جو قبل پورے ہونے اکثر
پیشگوئیوں مخبر صادق کے واقع ہوجاوے منافی صداقت نبوت کے قرار نہیں دیا گیا؟
الجواب حکمت اُس میں یہی ہے کہ جب کسی رسول کی صداقت آیات بینات سے کالشمس
فی نصف النہار ثابت ہوجاوے (جیسا کہ آپکی حالت مکی اور حالت مدنی سہ سالہ
میں صداقت آنحضرت صلعم کی ثابت ہو چکی تھی) تو اب اُس صداقت سے بسبب موت
یا وقوع قتل کے پھر جانا ایسا ہے جیسا کہ کوئی شخص شمس نصف النہار کے طلوع سے انکار کر بیٹھے یا
پانی کو کیچڑ ہی کہتا رہے جبکہ غلیظ بادل کے آجانے سے یا گرد باد یعنی آندھی کے اُٹھنے سے یا پانی میں تلچھٹ کے اُٹھنے سے اُسپر تاریکی
چھا گئی ہو جو ہرگز ہرگز کسی اہل عقل سے یہ انکار وقوع میں نہیں آسکتا کما قال تعالےٰ فما
ذا بعد الحق الا الضلال کیونکہ بموجب مقدمہ اولیٰ کے اللہ تعالیٰ کو ایسے ابتلاؤں سے
جانچ کرنا اور امتحان لینا صادقین اور کاذبین کا بھی منظور نظر ہوا کرتا ہے اور درمیان
دو نقطوں کے خط مستقیم صرف ایک ہی تمہ ہوا کرتا ہے سوم دیکھو اسی آیت کریمہ کے اول
میں ان سب امتحانوں کا بہ تصریح ذکر بھی مع اُسکی حکمتوں کے فرما دیا گیا ہے جس کا خلاصہ یہ ہے

کہ اگر تم کو کچھ زخم پہنچا ہے تو کچھ غم مت کرو اور سستی اختیار نہ کرو کیونکہ اس سے پیشتر تم بھی انکو بہت سے زخم دے چکے ہو اس واسطے الابتلا میں زمانہ یکساں نہیں رہتا ہے کبھی رنج ہو جاتا ہے کبھی راحت مگر انجام کار تم ہی غالب رہو گے بشرطیکہ ایمان پر قائم رہو اور اس شکست ظاہری میں بڑی بڑی حکمتیں ہوا کرتی ہیں مثلاً ایمانداروں کا امتحان اور بعض کو مرتبہ شہادت کا عنایت فرمانا اور جو مسلمان کچھ خطا وار ہوتے ہیں وہ ایسی مصیبت میں پڑکر پاک صاف ہو جاتے ہیں اور جو مخالفین بسبب ایسے ابتلاؤں کے جو مومنین پر واقع ہوتی ہیں سخت گستاخ ہو جاتے ہیں اس طرح اپنی پاداش گستاخی میں آکر اللہ تعالیٰ کے قہر کے نیچے مٹا دیئے جاتے ہیں اور اسوقت غیرت الٰہی ایک نیا رنگ اپنی قدرت کا دکھاتی ہے اور ایسے معاندین پر غیب سے وہ غضب الٰہی نازل ہوتا ہے کہ پھر نام ونشان بھی انکا باقی نہیں رہتا و لنعم ما قیل سے ما آبگینہ ایم شویم از شکست تیز آزار یابد آنکہ بود در شکست ما۔ پس ایسے ابتلاؤں کے وقوع سے صادقین کو کوئی اضطراب اور رنج لاحق نہیں ہونا چاہیئے سے ز رنج و راحت گیتی مرنجاں دل مشو خرم۔ کہ آئینِ جہاں گاہی چناں گاہی چنیں باشد۔ پھر یہ ارشاد فرمایا گیا ہے کہ تم یہ نہ سمجھو کہ تم یونہی اس جنت میں (جسکی طرف بلانیکے لیے یہ رسول مقبول مبعوث ہوئے ہیں) چلے جاؤ گے اور معیار امتحان سے نہ آزمائے جاؤ گے الحاصل اس آیت زیر تفسیر سے قبل کی آیات میں ایسے ابتلاؤں اور امتحانوں میں بڑی بڑی حکمتیں بیان فرمائی ہیں ہاں اب اس بیان سے ایک یہ سوال پیدا ہوتا ہو کہ اندریں صورت صادق اور کاذب میں پھر بھی تمیز باقی نہیں رہ سکتی کیونکہ جبکہ صادق کے روبرو مانا کہ بہت سے کاذب مرچکے مگر اس صورت میں کاذب کے روبرو ایک صادق بھی فوت ہوگیا پس ان دونوں میں کامل مابہ الامتیاز باقی نہ رہا تو جواب اسکا خود کلام الٰہی میں ارشاد ہوتا ہے کہ علامت اس صداقت کی جو رسول لایا ہے یہ ہے کہ جو کوئی ایسی صداقت سے پھر جاویگا اسکا پھر جانا اس صداقت الٰہی کو کچھ ضرر نہیں پہنچا سکے گا کہ ومن ینقلب علی عقبیہ فلن یضر اللہ شیئاً بخلاف باطل اور کاذب کے کہ وہ تو رفتہ رفتہ خود بخود فنا ہوتا چلا جاویگا کما قال اللہ تعالیٰ

جاء الحق وزھق الباطل ان الباطل کان زھوقا اور جو لوگ جماعت حقہ کے اس نعمت صداقت کا جو رسول لایا ہے شکر بجالاوینگے یعنی اپنی جان و مال اور حال وقال سے اُسکی تائید میں مصروف رہیں گے تو اللہ تعالیٰ دین و دنیا میں قریب تر اُنکو جزائے نیک جسکا وعدہ کیا گیا ہے عنایت فرماویگا کہ وسیجزی اللّٰہ الشاکرین ایضاً وجاعل الذین اتبعوک فوق الذین کفروا الی یوم القیامۃ اور یہی مقدمہ ثانیہ کا مقتضا ہے پس ایسی موت منافی صداقت نبوت کے نہیں ہوسکتی بلکہ یہی حیات ابدی ہے یعنی اس آیت کو بعد وفات حضرت جری اللہ فی حلل الانبیاء بروز محمدی کے درجواب شبہات مخالفین کے اس لیے لکھا ہے کہ ؎ خوشتر آں باشد کہ سرِّ دلبراں۔ گفتہ آید در حدیثِ دیگراں۔ کیونکہ بعد وفات حضرت خاتم النبیین صلعم کے حضرت صدیق اکبرؓ نے بھی ایسے ہی شبہات کے دفع کرنیکے لیے اسکو تلاوت کیا تھا جیسا کہ کتب صحاح احادیث اور کتب معتبرہ سیر میں مذکور ہے چنانچہ مواہب لدنیہ اور اُسکی شرح زرقانی سے ہم یہاں پر ملخصاً لکھتے ہیں دیکھو مقصد عاشر جلد ہشتم صفحہ ۳۲۷ کو وھو ہٰذا۔ کہ جب آنحضرت صلعم کی وفات کی شہرت مدینہ میں ہوئی تو حضرت عمرؓ نے اپنی شمشیر برہنہ کر کے تقسیم فرمایا کہ جو شخص کہے گا کہ آنحضرت صلعم وفات پاگئے تو میں اُسکو قتل کر ڈالونگا اور اللہ تعالیٰ کی قسم کھا کر فرمایا کہ بیشک جب تک کہ آپ ہاتھ اور پاؤں منافقین کے اور زبانیں اُنکی قطع نہ فرمالیویں گے تب تک آپکی وفات واقع نہ ہوویگی اس اثنا میں حضرت ابوبکر صدیقؓ بلوائے ہوئے تشریف لائے اور آنحضرت صلعم کے چہرہ مبارک سے چادر کو اُٹھایا اور آپکی پیشانی مبارک صلعم پر بوسہ دیا اور روئے حتیٰ کہ آپکے چہرہ پر آنسو آپڑے اور قسم کھا کر فرمایا کہ اللہ تعالیٰ ہرگز ہرگز دو موتیں آپکے لیے اکٹھی جمع نہیں فرماویگا یہ رد اُس قول کا ہے جو کہا گیا تھا کہ آنحضرتؐ دوبارہ زندہ ہو کر ہاتھ اور پیر منافقین کے قطع فرماویں گے اور بعض کا قول دو موتوں کی نسبت یہ ہے کہ ایک موت تو نفس آنحضرت صلعم کی مراد ہے اور دوسری موت آپکی شریعت کی کہ ان دونوں کو اللہ تعالیٰ آپکے لیے جمع نہیں فرماویگا

اور حضرت صدیق رض کا یہ قول بھی اس مراد کا مؤید ہے جو آپ نے خطبہ میں بمقابلہ حضرت
عمر رض کے فرمایا ہے کہ من کان یعبد محمدا فان محمدا قد مات ومن کان یعبد اللہ
فان اللہ حی لا یموت۔ اور دوسری روایت میں یہ بھی آیا ہے کہ حضرت صدیق اکبر رض
حضرت عمر رض کو یہ بھی فرمایا کہ اے حلف کرنیوالے ذرا بیٹھو تو مگر حضرت عمر رض نے بیٹھنے سے
بھی انکار کیا بعد تکرار و اصرار صدیق رض کے آپ بیٹھ گئے تب حضرت صدیق رض نے حمد و ثنا
اللہ تعالیٰ کی پڑھ کر خطبہ پڑھا اور یہ آیت بھی پڑھی وما محمد الا رسول قد خلت
من قبلہ الرسل الآیہ بیان سو خطبہ صدیقی دوسرے صحابہ سنکر رونے لگے اور آنحضرت
صلعم کی موت سب کو محقق ہوگئی اور حضرت عمر رض نے بڑی ندامت کے ساتھ اپنے قول سابق
سے مع اپنے ہمراہیوں کے رجوع کیا اور حضرت صدیق رض نے اپنے خطبہ میں اس آیت کو
بھی پڑھا تھا کہ انک میت و انہم میتون۔ حضرت عمر رض نے اس خطبہ صدیقی کو
سنکر یہ بھی ارشاد فرمایا کہ قسم ہے اللہ تعالیٰ کی کہ ہم کو ان آیات سے ایسا ذہول ہو گیا تھا کہ
گویا پہلے ان آیات کو ہم نے تلاوت ہی نہ کیا تھا اور ایک روایت میں یہ بھی آیا ہے کہ
حضرت عمر رض نے آنحضرت صلعم کی موت کو غشی شدید تصور فرمایا تھا کیونکہ جب حضرت عمر رض نے
آنحضرت صلعم کے پاس جاکر دیکھا تو فرمایا کہ وا غشیاہ اور جب مغیرہ بن شعبہ ہمراہی نے
کہا یا عمر مات رسول اللہ صلعم تو آپ نے حضرت مغیرہ رض کو جواب دیا کہ کذبت غرض حضرت
عمر رض کا اجتہاد یہی تھا کہ آنحضرت صلعم کی وفات ابھی واقع نہیں ہوئی اور یہ حالت صرف
بیہوشی کی طاری ہوگئی ہے اور آپ خود بنفس نفیس منافقین کو اسی حیات میں سزا
دینگے اور اپنی اُمت کے مخلصین کے لیے اُنکے ایمان و اخلاص کی شہادت ادا کرینگے
کما قال اللہ تعالیٰ وکذلک جعلناکم امۃ وسطا لتکونوا شہداء علی الناس
ویکون الرسول علیکم شہیدا۔ پھر حضرت صدیق رض نے انا للہ وانا الیہ
راجعون پڑھا۔ اور یہ بھی روایت میں آیا ہے کہ حضرت عباس رض نے بھی حضرت

عمرؓ نے فرمایا کہ رسول اللہ صلعم کی موت اپنے وقت میں واقع ہوئی ہے کہ تمام قواعد کلیہ شریعت کے اور اصول جنگ و صلح اور نکاح و طلاق وغیرہا کے ہم کو تعلیم فرما دئے ہیں اور تمام طریق شریعت کے روشن اور واضح کر گئے ہیں۔ مراد یہ ہے کہ اب تعلیم رسول اللہ صلعم کی کامل ہو چکی ہو کوئی دقیقہ اس میں باقی نہیں کما قال تعالےٰ اکملت لکم دینکم غرضکہ یہ مناظرہ حضرت شیخین کا باہم ایک بڑا عظیم الشان مناظرہ ہے جس سے تمام شبہات مخالفین کے جو حضرت مسیح موعودؑ کی وفات میں وارد کرتے ہیں وہ سب کے سب دفع ہو جاتے ہیں۔ دوسری روایت میں یہ بھی آیا ہے کہ حضرت صدیق رضؓ نے اپنے خطبہ میں یہ آیت بھی پڑھی وما جعلنا البشر من قبلك الخلد افان مت فهم الخالدون۔ اور روایت میں یہ بھی موجود ہے کہ دوسرے روز بیعت صدیقی سے حضرت عمر رضؓ نے اپنے رجوع کا خطبہ بھی پڑھا اور حمد و نعت کے بعد فرمایا کہ جو قول میں نے دیروز تم سے کہا تھا اُسکو بخدا میں نے نہ کتاب اللہ میں پایا اور نہ کسی ایسے معاہدہ میں پایا جو رسول اللہ صلعم نے مجھ سے کیا ہو لیکن مجھ کو یہ امید تھی کہ ہم رسول اللہ صلعم سے پہلے وفات پا جاوینگے اور آپکی وفات ہم سے آخر کو واقع ہوویگی لیکن اللہ تعالیٰ نے اُن امور پر جو تمھارے نزدیک بہتر تھے اپنی مصلحتوں کو پسند تر فرمایا اب یہ قرآن مجید تمھارے پاس موجود ہے جس سے اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول کو بھی ہدایت فرمائی ہے لہٰذا تم اسی کو پکڑ لو اور اُسی پر عمل کرو تاکہ ہدایت صراط مستقیم کی پاؤ یعنی اُس راستہ کی ہدایت جسکی ہدایت رسول کریمؐ نے کی ہے تب تم اُسکے وارث قرار پاؤ گے آخر تک۔ اب ناظرین سے دریافت کیا جاتا ہے کہ کیا آپکے نزدیک حضرت عمر رضؓ جنھوں نے تمام قوانین اسلام کو کتاب و سنت سے استنباط فرما کر ایک بڑی خلافت اور سلطنت اسلامیہ قایم کی ہے وہ دیوانہ یا مجنون تھے جو اس تشدد کے ساتھ قتل کلمہ گویوں کے لیے آمادہ ہو گئے بھید اس میں یہی تھا کہ بعض ایسی پیشگوئیاں مخبر صادق کی موجود تھیں جنکا وقوع حضرت عمر رضؓ کے اجتہاد میں آنحضرت صلعم کی حیات ہی میں ضروری تھا مگر بحکم نہیں دو مقدموں مذکورہ کے اپنے اس قول

سے ندامت کے ساتھ رجوع فرمایا دوستو یاد رکھو کہ سے نقد حال خویش راگر پے بریم۔
ہم زدنیا ہم زعقبیٰ برخوریم۔ بروز محمدیؐ کی وفات بھی اسی شان سے واقع ہوئی ہے جس طرح کہ خاتم النبیین کی وفات
اب واضح ہو کہ اشتہار ۱۶۔ اگست سنہ ۱۹۰۶ء کی عبارت الہامیہ میں کوئی جملہ ایسا مذکور
نہیں ہوا جس میں یہ ذکر صراحتاً ہو کہ کانا دجال عبد الحکیم خاں ۔۔۔۔ میرے روبرو مر جاویگا
اور میں اس کے روبرو نہیں مرونگا بلکہ یہ عبارت ہے کہ ”خدا کے مقبولوں میں قبولیت کے نمونے اور
علامتیں ہوتی ہیں اور وہ سلامتی کے شہزادے کہلاتے ہیں“۔ کیا آنحضرت صلعم جو
سید المرسلین ہیں مقبول اور سلامتی کے شہزادے نہیں ہیں؟ جو مسیلمہ کذاب کی
حیات میں ہی وفات پاگئے اور اکثر وعدہائے فتوح موعودہ بعد وفات آنحضرت صلعم کے
آپکے نائبوں کے ہاتھ سے واقع ہوئے چنانچہ اس امر کو اللہ تعالیٰ نے اپنے کلام پاک
میں متعدد مقامونپر بیان فرمایا ہے پارہ یازدہم رکوع دہم میں یوں ارشاد ہوتا ہے کہ
واما نرینك بعض الذی نعدھم او نتوفینك فالینا مرجعھم ثم اللہ
شہید علیٰ ما یفعلون آیۃ الہام میں بھی یہ آیت موجود ہے یعنی اور اگر ہم تجھ کو
دکھا دیویں بعض ان وعیدوں کو جنکا ہم انسے وعدہ کرتے ہیں یا قبل اس کے تجھ کو
وفات دیویں تو دونوں امر برابر ہیں کیونکہ انکا رجوع تو ہماری ہی طرف ہے تو وہاں
بھی آپ دیکھ لوگے کیونکہ اللہ تعالیٰ تو خود گواہ ہے ان کاموںپر جو وہ کر رہے ہیں۔ اس آیت
کریمہ سے بخوبی ثابت ہے کہ رسول صادق کے مخالفین کے لیئے جو وعیدیں ہوا کرتی
ہیں وہ بعد اسکی وفات کے بھی اسکو دکھائی جاتی ہیں اسکی دنیاوی حیات ہی میں ان
سب کا دکھانا کچھ ضروری نہیں ہوتا ہے اور پارہ ۱۳ رکوع ۱۲ میں یوں ارشاد ہوا ہے
وان ما نرینك بعض الذی نعدھم او نتوفینك فانما علیك البلاغ
وعلینا الحساب اولم یروا انا نأتی الارض ننقصها من اطرافها واللہ
یحکم لا معقب لحکمه وھو سریع الحساب۔ یعنی اے پیغمبر جو وعیدیں ہم مخالفین

کے لیے کرتے ہیں اگر ہم تمہاری حیات وجودی ہی میں تمکو دکھلا دیویں یا اُن بعض وعیدونکو
پورا ہونیسے پہلے ہم تمکو وفات دیدیویں بہرحال تمہارے اوپر اُنکا پہنچا دینا ہی تمہارا کام ہے
اور اُن مخالفین سے حساب لینا یعنی اُنکو سزا دینا ہمارا کام ہے اور کیا یہ لوگ اس بات کو نہیں
دیکھتے ہیں کہ دباؤں سے اور نیز فتوحات سے ہم ملکوں کو سب طرف سے دباتے چلے آتے ہیں یعنی
ہر ایک ملک میں تخم ریزی سلسلہ حقہ کی کردی ہے اور حکم تو سب اللہ ہی نافذ کیا کرتا ہے اُس کے
حکم کو کوئی ٹالنے والا نہیں ہے اور وہ تو بہت جلد حساب لینے والا ہے۔ اور پھر پ ۲۴ ع ۱۳ میں ارشاد
ہوتا ہے کہ فاصبران وعد اللّٰہ حق فاما نرینك بعض الذی نعدھم اونتوفینك
فالینا یرجعون یعنی اے پیغمبر تم صبر سے بیٹھے رہو کیونکہ بے شک اللہ تعالیٰ کا وعدہ تو
سچا ہی ہے ہاں جو وعیدیں ہم مخالفین سے کرتے ہیں اُنمیں سے کچھ تو تمکو دکھا بھی دیویں گے
یا اُن وعیدوں کے پورا ہونیسے پیشتر ہم تمکو وفات دیدیویں گے بہرکیف اُنکو ہماری ہی
طرف لوٹ آنا ضروری ہے یعنی ہم اُنکو بعد تمہاری وفات کے بھی سزا دے سکتے ہیں اور ہمارے
نزدیک تو دونوں صورتیں برابر ہیں اور تم بھی تو درصورت توفی کے اے رسول مقبول
ہمارے پاس آؤ گے تو تم بھی اپنی وفات کے بعد وہ سب وعد وعید دیکھ سکتے ہو یہ آیت الہام
حضرت اقدس میں بتکرار وارد ہو چکی ہے چونکہ بہت سے وعد اور وعید بعد وفات کے پورا ہونے میں طرح
طرح کی حکمتیں اور مصلحتیں بھی ہیں کہ اوّل تو امتحان اور جانچنا ہے اور دوسرے تمیز کرنا
بین المخلصین و المنافقین کما قال اللہ تعالیٰ ما کان اللّٰہ لیذر المؤمنین علیٰ ما
انتم علیہ حتّٰی یمیز الخبیث من الطیب۔ یعنی اے ضعیف الایمان والو اللہ تعالیٰ
ایسا نہیں ہے کہ جس حال میں تم ہو خبیث و طیب کی تمیز کیے بدون اُسی حال پر مومنین
کو چھوڑ دیوے۔ تیسرے یہ کہ جانشینوں اور دوسرے مومنین کو بسبب اُنکی کوششوں اور
سعیوں کے مدارج عالیہ عطا فرماتا ہے وغیرہ وغیرہ اس لیے ضروری نہیں ہے کہ جملہ
وعد و وعید مامور کی حیات ہی میں پورے ہوں پچھلے انبیاء میں بھی یہی سنت اللہ رہی اور سید الانبیاء کے وقت میں بھی وہی سنت اللہ ہے۔

ہم یہاں پر واسطے توضیح اور ایضاح مسئلہ وفات مسیح موعود جری اللہ فی حلل الانبیاء کے قصہ مسیلمہ کذاب کا صحیح بخاری اور اس کی شروح وغیرہ سے ترجمتاً ملخصاً تحریر کرتے ہیں دیکھو صحیح بخاری صفحہ ۵۱۱ و ۶۲۸ و ۱۰۴۱ مطبوعہ مولوی احمد علی صاحب معہ شرح مرحوم وہی ہذہ کہ آنحضرت صلعم کی حیات میں مسیلمہ کذاب آپکے یہاں آیا مع اپنی جماعت کے جو اسوقت مع اپنی جماعت کے بظاہر اسلام میں داخل ہوچکا تھا اور قوم بنی حنیفہ میں سے تھا اعمال سحریہ ونیر نجات وغیرہ میں اسکو بڑا دخل تھا اور صنعت انڈے کو شیشہ میں ڈالدینے کی اولاً اسی نے ایجاد کی ہے (کانا دجال بھی بسبب کسب مہارت فنون ڈاکٹری کے اس سے بڑھکر صنایع بدایع کرجاتا ہے) اور مدت تک بظاہر بیعت میں داخل بھی رہا ہے) اور اُس کے ہمراہ بھی بعد ارتداد کے بہت سے لوگ ہوگئے ہیں جسطرح پر مسیلمہ کذاب کے ساتھ بہت کثیر آدمی ہوگئے تھے) اس مسیلمہ کذاب نے مدینہ میں آکر یہ کہنا شروع کیا کہ اگر آنحضرت صلعم بعد اپنی وفات کے مجھ کو خلیفہ مقرر کردیویں تو مَیں آپکا پورا متبع ہوجاؤنگا کانے دجال نے بھی بذریعہ الہامات شیطانی کے حضرت اقدسؑ کی حیات ہی میں یہ طمع اور حرص کی کہ مَیں بھی مسیح ہوجاؤں مگر ایسی طمع خام سے کیا ہوسکتا ہے ؎ کلاہ خسروی و تاج شاہی - بہر کل کے سز دحاشا وکلا پھر آنحضرت صلعم بھی اُسکی ملاقات کرنیکے لیے بدیں غرض تشریف لائے کہ اُسکی تالیف قلب اور نیز اُسکی قوم کی تالیف قلب ہوجاوے اور جو امر اللہ تعالی کی طرف سے آپ پر نازل ہوا ہے اُس کو تبلیغ فرمادیویں (کانے دجال نے بھی درخواست بخصمت حضرت مسیح موعودؑ کے پاس حاضر ہونیکا ارادہ کیا تھا مگر چونکہ اسکی شقاوت مسیلمہ سے بڑھی ہوئی تھی لہذا حاضر نہ ہوسکا تب حضرت مسیح موعودؑ نے بذریعہ اخباروں اور اشتہاروں کے جو امر اللہ تھا اُسکو تبلیغ فرمادیا اور اُسپر سب طرح سے اتمام حجت فرمادیا گیا) الحاصل جب آپ مسیلمہ کے پاس تشریف لائے تو آپکے ہمراہیوں میں حضرت ثابت بن قیس بن شماس رض خطیب انصار کے بھی ساتھ تھے اور آنحضرت صلعم کے ہاتھ میں ایک شاخ درخت خرما کی بھی تھی جب آپ مسیلمہ اور اُسکی جماعت کے پاس تشریف لائے تو

آپ نے کھڑے ہی کھڑے یہ تبلیغ فرمائی کہ اگر یہ مسیلمہ مجھ سے اس شاخ خرما کو بھی طلب کریگا تو میں اسکو ہرگز یہ شاخ خرما بھی نہ دونگا۔ کانا دجال کے منہ میں بھی حرص دنیا کے سبب بہت سا پانی منہ میں بھر بھر آیا اور حضرت مسیح موعودؑ کی فتوحات مالی اور نیز فتوحات الہامی پر سخت حرص کی لیکن حضرت مسیح موعودؑ نے سوائے زجر و توبیخ کے مثل آنحضرت صلعم کے ایک ذرا بھر بھی اسکی طرف التفات نہیں فرمایا اور نبیؐ نے یہ بھی ارشاد فرمایا کہ اس کے بارہ میں جو کچھ اللہ تعالیٰ کا وعید ہے وہ اُس سے تجاوز نہ کر سکے گا (یعنی ہلاک ہو جاویگا اور اگر میری اطاعت سے یہ پیٹھ پھیریگا تو ضرور بالضرور اللہ تعالیٰ اُس کے کوچے کاٹ ڈالے گا اور اسکو ہلاک کردیگا جسکے الفاظ یہ ہیں ولن تعدو امر اللہ فیك ولئن ادبرت لیعقرنك اللہ) ان الفاظ اور رویا سے بظاہر یہ وہم ضرور ہوتا ہے کہ آنحضرت صلعم کی حیات ہی میں وہ ہلاک ہو جاویگا (جیساکہ یہاں پر بھی بعض الفاظ الہامی کانے دجال کے بارہ میں ہیں سے اُنسے بھی کسیقدر یہ مفہوم ہوتا ہے کہ حضرت مسیح موعودؑ کی زندگی ہی میں کانا دجال ہلاک ہو جاویگا مگر مسیلمہ کذاب آنحضرت صلعم کی حیات میں ہلاک نہیں ہوا بلکہ حضرت صدیق اکبرؓ کی خلافت میں یعنی تخمیناً چھ ماہ میں ہاتھ سے وحشی قاتل امیر حمزہ کے ہلاک ہوا جسپر وحشی کو یہ فخر تھا کہ اوائل اسلام میں مینے خیر الناس کو قتل کیا ہے اور اواخر اسلام میں مینے شر الناس کو قتل کیا ہے) پھر آنحضرت صلعم نے ارشاد فرمایا ہے کہ یہ وہی شخص ہے جسکو مینے اپنی رُویا میں دیکھا ہے پھر آپؐ فرماکر واپس مکان کو تشریف لے گئے اور ارشاد فرمایا کہ یہ ثابت بن قیس جو خطیب بلیغ انصار کے ہیں موجود ہیں جو تو کچھ اور گفتگو کرنا چاہتا ہے تو اُنسے گفتگو کرلے اگرچہ آنحضرت صلعم اوتیت جوامع الکلم کے مصداق تھے اور آپکی برابر کوئی دوسرا صحابی بلاغت اور فصاحت میں برابری نہیں کر سکتا تھا مگر اس لیے کہ ثابت بن قیس رضی اللہ عنہ کو بھی اس تبلیغ کا ثواب حاصل ہو لہٰذا اُنکو ایسا کچھ ارشاد فرمایا (یہاں پر بھی حضرت مسیح علیہ السلام نے ایک خطیب مسجد مبارک کیلیے ارشاد فرمایا تھا کہ تم اسکا جواب شافی و کافی ایسا لکھو کہ پھر اسکو

گفتگو کرنیکی مجال باقی نہ رہی چنانچہ اس خطیب نے (جو بہی لکھنے والا ہے) اپنے ایک خط میں کانے دجال کے ردّ میں ایک مضمون ایسا لکھا ہے کہ ہر ایک امر میں اُسکو ساکت کر دیا ہے اور خود اقرار کانے دجال کا اپنے سکوت کی بابت اُسی کے دستخطی خط میں لکھا ہوا موجود ہے) اور آنحضرت صلعم کی خواب جو آپنے مسیلمہ کی ہلاکت کے بارہ میں دیکھی تھی وہ یہ ہے کہ آنحضرت صلعم فرماتے ہیں کہ مَیں سو رہا تھا جو مینے یہ رؤیا دیکھا کہ میرے دونوں ہاتھوں میں دو کنگن سونے کے ہیں رؤیا ہی میں مینے اُنکو بہت مکروہ سمجھا اور مَیں کسیقدر اُنسے غمگین بھی ہوا پس حالت نوم ہی میں مجھ کو یہ وحی ہوئی کہ اپنے مُنہ سے ان دونوں میں پھونک مار دو تب مینے اپنے مُنہ سے اُن دونوں میں پھونک ماری تو وہ دونوں کنگن سونیکے اُڑ گئے اور فرماتے ہیں کہ مینے انکی تعبیر یہ کی کہ انسے مراد دو کذاب ہیں جو میری ثبوت نبوت کے بعد ظہور کریں گے اور وہ دونوں عنسی اور مسیلمہ ہیں (اس عبارت سے بھی بظاہر یہی مفہوم ہوتا ہے کہ آنحضرت صلعم کی حیات ہی میں یہ دونوں کذاب اُڑ جاویں گے کیونکہ اول تو لفظ طیر کا اور ثانیاً لفظ ذہب کا[†] اُسی سرعت ہلاکت پر دلالت کر رہا ہے کہ جلد[*] یہ دونوں اُڑ جاویں گے اور جاتے ہیں گے[م] اسود عنسی صنعانی ہے اسکو ذو الخمار بھی کہتے ہیں کیونکہ وہ دعویٰ کرتا تھا کہ میرے پاس ایک فرشتہ چادر اوڑھ کر آیا کرتا ہے یہ اسود عنسی ذو الخمار صحیح تر روایت میں آنحضرت صلعم کی حیات ہی میں قتل ہوا اور حضرت فیروز دیلمی صحابی نے اسکو قتل کیا ہے (حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے ایسے مخالف جو مدعی الہامات کے بڑے زور و شور کے ساتھ ہوئے ہوں دو ہی کذاب تھے اور دیگر اشخاص انہیں کی ذریات میں سے تھے اول تو عصائے موسیٰ ہر کہ الٹ پلٹ کر کے صدہا الہامات شیطانیہ کاذبہ اس میں مندرج کیے گئے ہیں:- اور وہ حضرت مسیح موعودؑ کی حیات ہی میں طاعون سے ہلاک ہوا اور دوسرا شخص کانا دجال ہے جس کی ہلاکت بعد وفات حضرت مسیحؑ کے اللہ تعالیٰ کے علم میں

[*] آپ کی حیات میں

دیکھو آیات الرحمٰن

[م] اور ذو الخمار اس لئے کہتے ہیں کہ ایک گدھا اُسکے زیر تعلیم رہکر کچھہ کرشمہ دکہاتا تہا۔ [†] اور خود حضرتؐ کا اپنے موہنہ سے پہونکنا

تھی وتلک عشرۃ کاملہ۔ اور یہ جو تعبیر مذکورہ آنحضرت صلعم نے ارشاد فرمائی ہے اسکی وجہ
یہ ہے کہ ساکنین صنعا یمن اور اہل یمامہ اولاً اسلام میں داخل ہو چکے تھے اس لیے
یہ دونوں گروہ اسلام کے لیے بمنزلہ دو ہاتھوں کے پونہچوں کے ہوئے اور یہ دونوں
کذاب جنکے اقوال مزخرفہ اور باطلہ تھے بمنزلہ دو سونے کے کنگن کے ہوئے جنکے دغا
اور فریب میں اہالی صنعا اور اہالی یمامہ آگئے پس یہ دونوں شہر بمنزلہ دو ہاتھوں کے
ہوگئے اور ان دونوں کو آنحضرتؐ کے منہ کی پھونک سے اڑ جانے کو انکی ہلاکت بسرعت
سے تعبیر فرمائی گئی یہ تمام قصہ وہ ہے جسکو ہم نے صحیح بخاری اور اس کی شروح سے ملخص
کرکے لکھا ہے جسکو کچھ شک ہو وہ صحیح بخاری مولوی احمد علی صاحب بمع حواشی کے
دیکھ لیوے پس تم اس قصہ سے عبرت پکڑو تاکہ بموجب ؎ نقد حال خویش را گر پے بریم ۔
ہم ز دنیا ہم ز عقبےٰ بر خوریم ۔ کے فواید دارین حاصل کرو ۔

ایہا الدجال الاعور حضرت اقدسؑ کے وہ الہامات جو اشتہار ۱۶۔ اگست ۱۹۰۶ء
میں شایع ہوئے تھے وہ ابتک بدستور قایم ہیں اور کوئی الہام ان میں سے منسوخ نہیں
ہوا کیونکہ جو خدا کے مقبولوں میں علامتیں ہوتی ہیں وہ انہیں بعد وفات بذریعہ انکی اولاد
روحانی اور اولاد نسبی کے تو وہ علامتیں قبولیت کی اب بھی موجود ہیں اور قیامت تک
باقی رہیں گی او سلامتی کی شہزادگی بھی قیامت تک انکو حاصل رہے گی اور جن امور کو بذریعہ
الہامات کے وہ لائے تھے انکے اوپر کوئی غالب نہیں ہوسکتا وجاعل الذین اتبعوک
فوق الذین کفروا الی یوم القیامۃ اور روحانی طور پر تیرے آگے فرشتوں کی تلواریں
کھچی ہوئی ابھی تک موجود ہیں اگر توبہ نہ کرے گا تو مثل مسیلمہ کذاب کے ان روحانی
تلواروں کا منتظر رہ کہ کسی نہ کسیوقت ان تلواروں کے وار تجھ پر وارد ہو جاویں گے اور یہ دعا
اب بھی تو کیجاتی ہے رب فرق بین صادق وکاذب انت تری کل مصلح وصادق
اور جسطرح پر حضرت صدیق رضؓ کے واسطہ سے صادقین اور کاذبین میں اللہ تعالیٰ نے

تفریق فرمادی تھی اب بھی صدیق ثانی کھڑا ہوگیا ہے اللہ تعالیٰ تو اس تفریق کا پورا اختیار
رکھتا ہے کہ جسوقت چاہے وہ تفریق واقع فرمادیوے۔ آگے رہے تبصرہ کے بشرات
اور منذرات الہام سو واضح رہے کہ الہام انا نبشرك بغلام حلیم ینزل المبارك
منسوخ نہیں ہوا تیرا علم اللہ تعالیٰ کے علم پر محیط نہیں ہوسکتا اول تو حضرت اقدسؑ کے تین
چار صاحبزادے موجود ہیں کیا بعید ہے کہ انہیں میں سے کوئی ایک لڑکا قایم مقام مبارک
کے مبارک ہوجاوے یا ان تینوں صاحبزادوں کی اولاد میں سے کوئی لڑکا اُسکا قایم مقام
ہو۔ زبان عرب اور نیز دیگر زبانوں کے محاورات میں بیٹوں کی اولاد کو بلکہ پوتوں کی اولاد
کو بھی بیٹا کہا جاتا ہے قال الشاعر ؎ بنونا بنو ابنائنا و بناتنا۔ بنوھن ابناء الرجال الاباعد
یعنی بیٹوں کی بیٹے ہماری ہی بیٹے ہیں البتہ ہماری بیٹیوں کی بیٹے دوسرے مردونکی
بیٹے ہیں اور دیکھو حضرت ابراہیمؑ کو حضرت یوسفؑ کا باپ فرمایا گیا ہے حالانکہ حضرت
یوسفؑ کا نسب نامہ یہ ہے یوسف بن یعقوب بن اسحاق بن ابراہیم قال اللہ تعالیٰ
کما اتمها علی ابویك من قبل ابراهیم و اسحاق ان ربك علیم حکیم علم فرائض
میں بھی صورت موجود نہ ہونے بیٹے کے پوتا قایم مقام بیٹے کا ہوجاتا ہے وہلم جرا اور
پیشین گوئی کے پورا ہونیکے یہی اصول ہے کہ جن محاورات عرب کے بموجب وہ
پیشین گوئی پوری ہوجاوے اُسکا صادق ماننا واجب التسلیم ہوجاتا ہے کما سیاتی
تفصیلہ فانتظرہ۔ تُونے تو علم ڈاکٹری بھی پورے طور پر حاصل نہیں کیا اللہ تعالیٰ کے علم
کے روبرو تیرے علم کی کیا حقیقت ہے جو اللہ تعالیٰ کے کلام پر اعتراض وارد کرتا ہے ؎
محیط است علم ملک بر بسیط۔ قیاس تو بروے نگردد محیط۔ اور الہام اریحك ولا
اجیحك واخرج منك قوماً بھی بحالہ قایم ہے حضرت اقدسؑ کا خاندان نسبی و
صہری و روحانی و جسمانی اس کثرت سے موجود ہے کہ اس الہام کی صداقت کو کامل طور سے
پورے ہونیکا یقین دلا رہا ہے جو اپنے وقت پر بکمال ظہور پورا ہوگا انشاء اللہ تعالیٰ اس الہام

کے پورا ہونیکے لیے یہ حیات دنیوی حضرت اقدسؑ کی ضروری نہیں تھی کیا تجھ کو نہیں معلوم کہ یزید اور اُس کے معاونین معاندین نے خاندان نبوت کے مٹانے کے لیے جان توڑ کوششیں کی تھیں اور وہاں خاندان نبوت حسینی ہین سے ذکور بجز سوائے ایک نفس واحد حضرت زین العابدین کے کوئی باقی نہیں رہا تھا مگر اُسی ایک نفس واحدہ سے تمام دنیا میں نبی کریمؐ کی اولاد نسبی بھی موجود ہے اور روحانی اولاد کا تو کوئی شمار ہی نہیں ہوسکتا پھر یہاں تو بفضلہ تعالیٰ اولاد ذکور اور نیز اناث اور داماد حضرت نواب محمد علیخاں صاحب اور نیز اولاد روحانی بکثرت موجود ہیں پھر کیوں ایسی صورت میں اللہ تعالیٰ کی قدرتوں کا انکار کرتے ہو اور وفات حضرت اقدسؑ کی باوجود موجود ہونے خلف صالحین کے اس الہام تعبیر کے کیونکر مخالف ہوسکتی ہے جیساکہ انا اعطیناك الکوثر ان شانئك هو الابتر باوجود اس کے کہ ما کان محمد ابا احد من رجالکم ولکن رسول اللہ وخاتم النبیین فرمایا گیا ہے صادق اور پھر صادق ہے کما مر تفصیلہ اور الہام الم ترکیف فعل ربك باصحاب الفیل الم یجعل کیدھم فی تضلیل انك بمنزلہ رحی الاسلام اثرتك واخترتك بھی بحالہ قایم ہے جیساکہ آنحضرت صلعم باوجودیکہ مسیلمہ کذاب کی حیات ہی میں وفات پاگئے انا اعطیناك الکوثر ثابت وصادق ہے اور الہام وینصرك رجال نوحی الیھم من السماء یاتون من کل فج عمیق تو اسوقت میں بعد وفات کے مثل شمس نصف النہار کی پورے طور پر ایسا صادق ہو رہا ہے کہ کوئی اندھا مادرزاد بھی اُسکی تکذیب نہیں کرسکتا جوق درجوق اور فوج در فوج لوگ حضرت اقدسؑ کی نماز جنازہ کے لیے ۲۷۔ مئی کو قادیان شریف میں حاضر ہوئے اور حضرت خلیفۃ المسیح کے ہاتھ پر بیعت کرنیکے لیے دُور دراز ملکوں سے اس موسم گرما کی شدت میں روزانہ چلے آتے ہیں اگر کسی کو شک ہو تو قادیان شریف میں حاضر ہو کر دیکھ لیوے ورنہ سٹیشن بٹالہ پر ہی اس نظارہ کو بچشم خود آکر دیکھ صدق اللہ

تعالیٰ وینصرک رجالٌ نوحی الیھم من السمآء یاتون من کل فجٍ عمیق کیا اس الہام کا
پورا ہونا اس شدت اور زور کے ساتھ جو واقع ہوا موجب اعزاز مخالفین اور اعزاز مخلصین کا
نہیں ہے صدق اللہ تعالیٰ انی انا ربک الرحمٰن ذو العزۃ و السلطان من عادا
ولیالی فکانما خرّ من السمآء انی موجود فانتظر سینالھم غضب من ربھم
وما کنا معذبین حتیٰ نبعث رسولا قد افلح من زکٰیھا و قد خاب من دسّٰھا
قل انی امرت لکم فافعلوا ما تؤمرون الیوم[2] یوم البرکات یا عبد اللہ
انی معک والضحیٰ واللیل[3] اذا سجیٰ ما ودعک[4] ربک وما قلیٰ یہ جملہ جسپر نمبر
اوّل لکھا ہے حضرت اقدسؑ کے موجود رہنے پر دنیا میں بطور مفہوم مخالف کے دلالت کر رہا ہے اور
جملہ نمبر دو بھی اُن برکات کی طرف مشعر ہے جو ہزاروں مومنین نے حاضر قادیان ہوکر حضرت
اقدسؑ کے چہرہ مبارک کی زیارت پر بشارت سے اور انحالیکہ جنازہ مبارک آپکا مکان باغ میں رکھا
ہوا تھا برکات کثیرہ حاصل کیں اللّٰھم بارک علیٰ محمّد و علیٰ ال محمد کما بارکت علیٰ
ابراھیم و علیٰ ال ابراھیم انک حمید مجید۔ اور فقرہ نمبر تین آپکی وفات پر دلالت
صریحہ کر رہا ہے کہ ہزاروں آدمیوں کے چہروں پر اُداسی اور تاریکی مثل رات اندھیری کے
چھائی ہوئی تھی کما فی الالہام اللّٰغم لیکن بااینہمہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ یہ نہ سمجھو کہ پروردگار
نے حضرت اقدسؑ کو چھوڑ دیا ہے اور یا کسی طرح سے وہ اُنسے ناخوش ہوا ہے یہ جملہ اُن
مطاعن مخالفین کا رد ہے جو حضرت اقدسؑ کی وفات کو بسبب ناراضی اور ناخوشی اللہ تعالیٰ
کی سمجھ رہے ہیں پس انکا رد اللہ تعالیٰ نے اول سے اول ہی فرمادیا اور چونکہ ہزاروں
آدمیوں نے جنکا شمار معلوم نہیں ہو سکتا قادیان میں حاضر ہوکر آپکے جنازہ کی نماز پڑھی
پس یہ کیسی بشارت اللہ تعالیٰ کے فعل سے اُسکی طرف سے اُتری جسکی نظیر دوسرے
مقدسوں میں بہت ہی کم پائی جاویگی پس یہ الہام دنیا ہی میں کیسا سچا ہوا لکم البشریٰ
فی الحیوٰۃ الدنیا۔ خیر و نصرت و فتح انشاء اللہ تعالیٰ۔ وضعنا عنک

وزرك الذی انقض ظهرك. یہ جملہ الہامیہ بھی آپکی وفات کی خبر دے رہا ہے
کیونکہ بعد وفات کے تو جملہ انبیاءؑ اس بار تبلیغ سے سبکدوش ہو جاتے ہیں ورفعنالك
ذکرك دنیا میں کوئی بلدہ اور شہر باقی نہ رہا ہوگا جو آپکی وفات کی خبر اُسی روز نہ پہنچگئی
ہو اور بڑے بڑے محققین مخالف اخباروں نے جیسا کہ پاینیر وغیرہ ہے آپکے رفیع الدرجات
ہونیکے مضمون اور آپکی تطہیر کے تذکرہ دنیا میں شایع کیے والفضل ما شهدت
به الاعداء اور آپکے اہل وعیال نے وہ صبر و استقلال اس وفات پر جتلایا
جیسا کہ خاندان نبوت اور اہل بیت رسالت کے لیے ضروری تھا اور اس لیے اس
الہام میں اس طرف اشارہ صریحہ موجود ہے انی معك ذکرتك فاذکرانی نعمتی اور
وسع مکانك مشعر ہے اس وسعۃ مکان کی طرف جو آپکی قبر کا ہونا آنحضرت صلعم کی قبر
میں حدیث میں آیا ہے کیونکہ جبکہ ادنیٰ مومن کی قبر نہایت درجہ فراخ کیجاتی ہے تو
آنحضرت صلعم کی قبر کی وسعت کا کیا ذکر ہے جس میں حضرت اقدسؑ کی قبر بھی بموجب
حدیث کے ہونی ضرور تھی جیسا کہ ہم نے ۱۹۰۷ء بدر نمبر ... میں تحت شرح حدیث یجد تهم
بدرجاتهم فی الجنة مقبرہ بہشتی کے بیان میں مفصلاً تحریر کیا ہے - اب آپکو چاہیئے کہ
یا خذک اللہ کے منتظر رہیں بشرطیکہ توبہ نہ کریں پس یہ وفات تو بموجب الہامات
مندرجہ تبصرہ کے ہی واقع ہوئی ہے - اور یہ جو الہام اُردو میں ہے کہ **میں تیری عمر کو
بھی بڑھادونگا** اسکی تصدیق ہم کانے دجال کے مقتدا ابو الوفا سے ہی کرا دیتے
ہیں انشاءاللہ تعالیٰ ہاں اولاً اس الہام کی مراد جو خود تبصرہ میں شرح کے طور پر آنحضرت اقدسؑ نے
تحریر فرمائی ہے لکھے دیتے ہیں ناظرین اُسکو خوب یاد رکھیں اور وہ بلفظہا یہ ہے
کہ "جو جھوٹ اور شوخی سے باز نہیں آتے اللہ تعالیٰ اُنکی ذلت اور تباہی ظاہر کریگا"
پس مراد عمر کے بڑھا دینے کی خود حضرت اقدسؑ نے بطور شرح کے یہ بیان فرمادی
ہے اور اہل بصیرت کے نزدیک بھی یہی اصل معنے عمر کے بڑھا دینے کے ہو سکتے ہیں

کیونکہ لو فرضنا اگر عمر دنیاوی کسی شخص کی خواہ کسیقدر ہی بڑھ جاوے لیکن بعد اُس کی موت کے کوئی نام ونشان اُسکا نہ رہے یا کوئی نام لیوا بھی اُس کا باقی نہ رہے تو اسکو کوئی عقلمند عمر کا بڑھنا قرار نہیں دے سکتا کیونکہ اصلی حیات جاودانی تو یہی ہے کما قال اللہ تعالٰی ولاتقولوا لمن یقتل فی سبیل اللہ اموات بل احیاء ولاکن لاتشعرون یعنی جو لوگ اللہ تعالیٰ کی راہ میں مارے جاویں اُنکو مرا ہوا نہ کہو وہ مرے نہیں ہیں بلکہ زندہ ہیں۔ ولنعم ماقیل سے ہرگز نمیرد آنکہ دلش زندہ شد بعشق ثبت است برجریدۂ عالم دوام ما۔ ایضاً۔ کشتگان خنجر تسلیم را۔ ہر زماں از غیب جان دیگر است۔ اور اسکی اصل وجہ یہی ہے کہ انبیا وشہدا بلکہ صالحین بھی عالم قدس کے میدان وسیع ہیں فی مقعد صدق عند ملیک مقتدر ہمیشہ حیات میں ترقی کرتے رہتے ہیں اور اُنکے حسنات کا سلسلہ منقطع نہیں ہوتا اس سبب وہ ہرگز نہیں مرتے اور وہ چشمہ خیر کہ جسکو وہ اس دنیا میں جاری کرگئے ہوتے ہیں اُس چشمہ خیر کا اجر اُنکو روز بروز موجب ترقی حیات طیبہ کا ہوتا رہتا ہے اور جس باغ اسلام کو اپنی حیات دنیوی میں وہ لگاگئے ہوتے ہیں اُسکے پھلوں اور پھولوں کا فیض جو دنیا کے لوگوں کو وقتاً فوقتاً پہنچتا رہتا ہے اسکا بھی اجر وقتاً فوقتاً اُنکو ملتا رہتا ہے جو موجب حیات طیبہ کا ہے دیکھو کلام نبوۃ میں بھی یہ وارد ہوا ہے کہ کل ابن اٰدم یختم علی عملہ اذا مات الا المجاھد فی سبیل اللہ فانہ ینمی لہ عملہ الی یوم القیامۃ متفق علیہ۔ یعنی ہر ایک انسان جب مرجاتا ہے تو اُس کے اعمال منقطع ہوجاتے ہیں مگر جو شخص اللہ تعالیٰ کی راہوں میں کوششیں کرنیوالا ہوتا ہے اُس کے اعمال کا نشوونما قیامت تک جاری رہتا ہے۔ متفق علیہ الحاصل حیات اصلی اور عمر کی ترقی تو یہی ہے جو ہم نے بیان کی اور خود حضرت اقدسؑ نے تبصرہ میں اُس کی شرح فرمادی ہے کیا معترض نے گلستان بھی نہیں پڑھی کہ نوشیرواں جیسے بادشاہ کی نسبت جو اسلام میں بھی داخل نہیں ہوا تھا شیخ سعدی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے

ہیں ؎ زندہ است نام فرخ نوشیرواں بعدل ۔ گرچہ بسے گذشت کہ نوشیرواں نماند

اب ہم کانے دجال کے گرو کے اقرار سے بھی ثابت کئے دیتے ہیں کہ حضرت اقدسؑ کی عمر ظاہری بھی بڑھادی گئی ہے چنانچہ مرقع نمبر ۹ صفحہ ۱۲ سطرہ کی یہ عبارت ہے جو بلفظہا نقل کیجاتی ہے کہ (مرزا صاحب رسالہ اعجاز احمدی میں عبداللہ آتھم عیسائی کی بابت لکھتے ہیں کہ اگر پیشین گوئی سچی نہیں نکلی تو مجھے دکھاؤ کہ آتھم کہاں ہے اسکی عمر تو میری عمر کے برابر تھی یعنی قریب چوسٹھ سال کے صفحہ ۳ اس عبارت سے صاف پایا جاتا ہے کہ عبداللہ آتھم کی موت کے وقت مرزا صاحب کی عمر چوسٹھ سال کی تھی ۔ آیئے اب ہم یہ تحقیق کریں کہ آتھم کب مرا شکر ہے کہ اسکی موت کی تاریخ بھی مرزا صاحب ہی کی تحریروں میں پائی جاتی ہے مرزا صاحب رسالہ انجام آتھم صفحہ ۱ پر لکھتے ہیں (چونکہ مسٹر عبداللہ آتھم صاحب ۲۷ - جولائی ۱۸۹۶ء کو بمقام فیروزپور فوت ہو گئے ہیں) اس عبارت سے صاف معلوم ہوا کہ ۱۸۹۶ء میں مرزا صاحب کی عمر چوسٹھ سال کے قریب تھی بہت خوب ۔ آیئے اب یہ معلوم کریں کہ آج ۱۹۰۷ء میں ۱۸۹۶ء کو گذرے ہوئے کے سال ہوئے ہمارے حساب میں (اگر کوئی مرزائی غلطی نہ نکالے تو) گیارہ سال ہوتے ہیں بہت اچھا چوسٹھ کے ساتھ گیارہ کو ملانے سے پچھتر سال ہوتے ہیں تو ثابت ہوا کہ مرزا صاحب کی عمر آج کل ۷۵ سال کی ہے) انتہی بلفظہ اب تو ناظرین کو ثابت ہو گیا ہو گا کہ جو بعض تحریروں مخالفین میں یا فرض کیا کہ بعض تحریروں موافقین میں بھی ابتدائی پیدایش سے کوئی حساب تخمینی لگا کر حضرت اقدسؑ کی عمر ۷۰ یا ۷۱ سال کی قرار دیگئی ہے لیکن وہ ٹھیک نہیں ہے

پس ابوالوفا صاحب کے حساب سے بھی بموجب اقرار خود ابوالوفا صاحب کے حضرت اقدسؑ کی ظاہری عمر بھی ایک طرح سے بڑھ گئی کما سیأتی بیانہ جس سے منشاء الہام کا پورا ہو سکتا ہے والفضل ما شہدت بہ الاعداء پھر ہم بتاتے ہیں کہ حضرت اقدسؑ کی کوئی جنم پتری بالالہام موجود نہیں ہے جس سے حضرت اقدسؑ کی عمر کی کوئی تعداد معین یقینی مانی جاوے پس یہی اقرار مخالف کا ہم کو کافی و وافی ہے ۔ جسکا بیان آگے آتا ہے ۔

۶۶ سال کی لکھتے ہیں اور چونکہ مخاطب شمسی ہی حساب کرنیوالا ہے اس لیے یہ حساب شمسی رہیگا۔

توضیح اب ہم یہاں پر حضرت اقدسؑ کی عمر کے الہامات میں جو اختلاف ڈالنا چاہتے ہیں
اُنہیں مطابقت بھی دکھائے دیتے ہیں۔ واضح ہو کہ ایک الہام میں یہ عبارت ہے ولنحیینک
حیٰوۃ طیبۃ ثمانین حولاً او قریباً من ذالک ان الہاموں میں حضرتؑ کی عمر کو اللہ تعالیٰ
نے تخمیناً بیان فرمایا ہے کوئی تعیینؔ ایسی بیان نہیں فرمائی جس سے قطعی حکم کیا جاوے
کہ اسقدر ہے یعنی مابین ستر اور اسّی کے ۔ ۔ ۔ ۔ جو عدد ہو وہ ہوسکتا ہے اور ایسا تخمینہ قرآن
مجید میں بھی استعمال فرمایا گیا ہے قال اللہ تعالیٰ وارسلناہ الیٰ مائۃ الف او یزیدون
یعنی ہم نے حضرت یونسؑ کو لاکھ آدمیوں کی طرف پیغمبر کرکے بھیجا یا لاکھ سے زیادہ ہوتے
ہیں ف۔ اس آیت کی تفسیر میں بعض مفسرین تو یہ کہتے ہیں کہ عاقل بالغ کو لو تو لاکھ
ہوتے ہیں اور چھوٹے صغیر بچے بھی اگر شمار کیے جاویں تو لاکھ سے زیادہ ہو جاتے
ہیں۔ اور بعض کہتے ہیں کہ جو لوگ اُس بستی سے بھاگ گئے تھے وہ لاکھ تھے اور داخلین
وخارجین اگر دونوں لیے جاویں تو پھر لاکھ سے زیادہ ہوتے ہیں۔ اور یونہ نبی کی کتاب
میں بھی لکھا ہے کہ ایک لاکھ بیس ہزار سے زیادہ۔ ابی بن کعب فرماتے ہیں کہ میئنے
او یزیدون کی مراد کو آنحضرت صلعم سے دریافت کیا تو آپنے ارشاد فرمایا کہ بیس ہزار
ترمذی اور بعض روایات میں آیا ہے تیس ہزار ایک لاکھ۔ غرضکہ اس آیت میں
حرف او کا تخمینہ کے لیے آیا ہے اور ایسے عدد تخمینی کا استعمال عرب کے محاورات کے
موجب بکثرت ہے نیز آیت ولبثوا فی کھفھم ثلثۃ مائۃ سنین وازدادوا تسعا
میں شمسی قمری کے حساب سے تین سو برس پہ نو برس بڑھا دیئے گئے ہیں یہ کمی بیشی شمسی
اور قمری کے حساب ہیں بھی ہوتی ہے کہ تین سو شمسی کے تین سو نو برس قمری ہوتے
ہیں کیونکہ فی صدی شمسی میں تین برس کا تفاوت پڑ جاتا ہے اور قرآن مجید نے اس کمی بیشی کا
رد نہیں فرمایا۔ لہٰذا اب ہم ان دونوں آیتوں کے لحاظ سے کہتے ہیں کہ او قریبا
من ذالک وغیرہ کی بات تخمینی ہے جسکو اللہ تعالیٰ نے بطور تخمینہ کے حسب محاورہ قرآن مجید

ص وتفسیر ذوالعمر من الالہامات ۔ جیساکہ پاکٹ بک [illegible]

ص دیکھو کلام مولوی بشیر [illegible] حضرت عیسیٰ کی عمر [illegible]

اور محاورہ عرب کے عمر تخمیناً حضرت اقدس کی بیان فرمادی ہے اور عمر کی حقیقی مدت معینہ بیان نہیں فرمائی کہ ستر اور اسّی کے درمیان میں سے کسقدر ہے اور وہ مدت صرف علم الٰہی میں البتہ متعین ہے جسکا علم الہام میں حضرت اقدس کو نہیں دیا گیا تھا مثلاً اگر ستر یا اکہتر برس کی آپکی عمر قرار دیجاوے تو اُسکی نسبت او قریباً من ذالک حسب محاورہ عرب کے کہہ سکتے ہیں لیکن اللہ تعالیٰ نے بحکم یمحو اللہ ما یشاء و یثبت کے بمقابلہ مخالفین کے چار یا پانچ برس اور بڑھا دی مثلاً پچھتر برس کر دی تو اس میں کونسا محذور ہے کہ موت کی اجل اور قیامت کی گھڑی کا علم کسی کو نہیں دیا گیا کما قال اللہ تعالیٰ ان الساعۃ اکاد اخفیھا الخ[عہ] ہاں جو مقدار عمر آنحضرت اقدس کی اللہ تعالیٰ کے علم میں تھی جسکو اجل مقدر فرمایا گیا ہے کہ قرب اجلک المقدر وہ اُسیقدر تھی جسپر آپنے وفات پائی جو درمیان ستر اور اسّی کے ہوتی ہے لیکن اس مقدار معین کا علم کسی کو نہیں ہے کیونکہ کوئی جنم پتری بھی موجود نہیں اور نہ کوئی الہام یقینی تعیین کیلئے ہی۔ اب بموجب اعتبار دیگر یعنی کمی بیشی حساب شمسی و قمری کے بھی سمجھ لو جو باعتبار لحاظ آیت ثانی کے ۳۳ برس شمسی پر ایک برس قمری زیادہ ہو جاتا ہے اور ستر سے اوپر کچھ برس زیادہ کرلو تو بھی ممکن ہے اور ہو سکتا ہے۔ اور ڈوئی کے مقابلہ میں بھی حضرت اقدس نے لکھا تھا کہ میری عمر ۶۶ برس کی ہے دیکھو ریویو پرچہ نمبر ۹ سنہ ۱۹۰۲ء کو اور اس ۶۶ برس سے مراد شمسی ہیں کیونکہ مخاطب شمسی حساب کرنیوالا ہے اگر اسکو قمری کرلو تب بھی ستر اسّی کے درمیان ہی ہوگی اُسکو قریباً من ذالک فرمایا گیا غرضکہ الہامات میں کوئی تضاد نہیں ہے فقط اذہان بشریہ کی خطا یا غلطی ہے وھذا مما الھمنی ربی فالحمد للہ۔

اور یہ تو ظاہر ہے کہ حضرت اقدس کے اہلبیت اور گھر والوں میں سے کوئی متنفس طاعون سے فوت نہیں ہوا اور انی احافظ کل من فی الدار کا الہام بالکمل درجہ صادق اور پورا ہوا جو تبصرہ کے اخیر میں لکھا ہے باوجودیکہ ہر چہار طرف حضرت اقدس کے

[illegible]

عہ ایضاً ان اللہ عندہ علم الساعۃ اور موت خود ایک قیامت ہے من مات فقد قامت قیامتہ

دار کے دیہات میں طاعون سے لوگ بکثرت فوت ہوتے رہے مگر اللہ تعالیٰ کا قول مطابق اُس کے فعل کے اور اُسکا فعل موافق اُسکے قول کے شبر بشبر مطابق رہا صدق اللہ تعالیٰ ولو کان من عند غیر اللہ لوجدوا فیہ اختلافاً کثیرا والحمد للہ ثم الحمد للہ اب یہانتک جواب تبصرہ محولہ کا پورا ہوگیا۔ اور اب ہم بعض اُن شبہات کے رد کیطرف متوجہ ہوتے ہیں جو کاسئے دجال نے اعلان الحق اور ابو الوفا صاحب نے اپنے ایک اشتہار میں شایع کیے ہیں ہم اولاً اشتہار کا جواب لکھتے ہیں سلمنا کہ حضرت اقدس نے محض دعا کے طور پر فیصلہ چاہا تھا لیکن اُس خط میں صاف لکھا ہوا ہے کہ یہ دعا کسی الہام یا وحی کی بنا پر پیشین گوئی نہیں ہے اس دعا کے وحی اور الہام نہ ہونیکا ابو الوفا صاحب کو بھی اقرار ہے آگے رہی صرف دعا بغیر وحی و الہام کے سو حضرت اقدس کا یہ دعا کرنا آپکی صداقت کی بڑی پکی دلیل ہے اگر آپکو اپنے منجانب اللہ ہونیکا قطعی طور پر یقین کامل نہ ہوتا تو ایسے الفاظ سے دعا کیوں کرتے جو اُس خط میں مذکور ہیں اور ایسی دعائیں تو حضرت سید المرسلین اور خاتم النبیین کی بھی قبول نہیں ہوی ہیں کما قال اللہ تعالیٰ لیس لک من الامر شئ او یتوب علیہم او یعذبھم فانھم ظالمون یعنی اے پیغمبر آپکے لیے یہ اختیار نہیں ہے اس امر میں کہ قوم مخالف سب کے سب آپکی دعا سے مارے ہی جاویں چاہے تو خدا اُنپر رجوع کرے یا اُنکو عذاب کرے اس لیے کہ وہ ظالم ہیں۔ صحیح بخاری میں جو اصح الکتب بعد کتاب اللہ ہے غزوہ احد کے ذکر میں اسی آیت کی تفسیر میں یہ حدیث لکھی ہوئی موجود ہے عن سالم عن ابیہ انہ سمع رسول اللہ صلعم اذا رفع راسہ من الرکوع من رکعۃ الاٰخرۃ من الفجر یقول اللھم العن فلانا و فلانا و فلانا بعد ما یقول سمع اللہ لمن حمدہ ربنا و لک الحمد فانزل اللہ تعالیٰ لیس لک من الامر شئ الیٰ قولہ فانھم ظالمون بخاری صفحہ ۵۸۲ یعنی سالم بن عبد اللہ فرماتے ہیں میں نے اپنے باپ عبد اللہ

۲ و عن حنظلہ بن ابی سفیان سمعت سالم بن عبد اللہ یقول کان رسول اللہ صلعم یدعو علی

سے کہ سُنا انہوں نے کہ آنحضرت صلعم نماز فجر کی رکعت اخیر میں جب رکوع سے سر اُٹھاتے
تو یہ دعا مانگتے تھے کہ اے بار الہا تو فلانے پر لعنت کر فلانے کو تباہ کردے فلانے کو
ہلاک کردے یہ بددعا بعد پڑھ لینے سمع اللہ لمن حمدہ ربنا و لک الحمد دعا کی آنحضرت
صلعم بددعائیں کرتے تھے پس اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی کہ لیس لک
من الامر شیٔ تا فانہم ظالمون کے اور دوسری روایت بخاری ہی میں ہے
کہ آپ یہ بددعا صفوان بن امیہ اور سہیل بن عمرو اور حارث بن ہشام پر بددعائیں
فرماتے تھے پس یہ آیت نازل ہوئی کہ لیس لک من الامر شیٔ فانہم ظالمون
تک۔ اور ظاہر ہے کہ یہ بددعائیں آنحضرت صلعم کی سخت مخالفین کے حق میں اُس وقت تو
قبول نہیں ہوئیں بلکہ اُسکے جواب میں لیس لک من الامر شیٔ نازل ہوا لہذا
اب آپسے دریافت طلب یہ امر ہے کہ کیا اس بددعا آنحضرت صلعم کے قبول نہ ہونیسے
کوئی تفاوت آپکے مرتبہ نبوت میں آپکے نزدیک آسکتا ہے کلا و حاشا۔ پس اسی طرح
پر حضرت اقدس مسیح موعود علیہ السلام کی اس بددعا کے قبول نہ ہونیسے آپکے منصب
جری اللہ فی حلل الانبیاء میں بھی فرق نہیں آسکتا۔ آگے رہی آپ کی وفات سو
حضرت اقدسؑ نے اپنے رسالہ الوصیت میں اور متعدد اشتہارات اور اخبارات
بدر و الحکم و ریویو آف ریلیجنز و تشحیذ الاذہان وغیرہ وغیرہ میں اپنی وفات کی خبر متعدد
الہامات ربانی میں دیدی تھی بلکہ ایک پہلو سے اپنی تاریخ وفات اواخر ماہ مئی میں مقرر
فرمادی تھی بلکہ ۲۷ تاریخ بھی معین کردی تھی رسالہ الوصیت ہی ملاحظہ ہو جو ۲۰ دسمبر
۱۹۰۵ء میں حضرت اقدسؑ نے شایع کیا تھا اور اسی کی بنا پر مقبرہ بہشتی طیار ہوا ہے
اور اُسکا وجود موجب تصدیق پیشین گوئی مخبر صادق صلعم کا ہے جسکو ہم نے بہ تفصیل
اخبار بدر نمبر ۵ ۱۹۰۶ء میں بیان کیا ہے چند الہامات اُسمیں سے یہاں پر نقل کیے جاتے
ہیں تاکہ ناظرین پر کالشمس فی نصف النہار واضح ہو جاوے کہ حضرت اقدسؑ کی

وفات کا اسی طرح اسیقدر عمر اور انہیں تواریخ میں واقع ہونا ضروری تھا ورنہ نعوذ باللہ تکذیب الہامات صادقہ کی لازم آتی دھو باطل (۱) قرب اجلك المقدر ولا نبقی لك من المخزیات ذکرا قل میعاد ربك ولا نبقی لك من المخزیات شیئًا واما نرینك بعض الذی نعدهم او نتوفینك تموت وانا راض منك جاء وقتك ونبقی لك الآیات باهرات جاء وقتك ونبقی لك الآیات بینات قرب ما توعدون واما بنعمت ربك فحدث انه من یتق اللہ ویصبر فان اللہ لا یضیع اجر المحسنین (دیکھو ترجمہ اسکا رسالہ الوصیت میں) اس الہام میں اللہ تعالیٰ نے واقعات وفات حضرت اقدس ؑ کے سب کچھ درج فرما دیئے ہیں اور یہ بھی بتلا دیا ہے کہ بہت سے وعد اور وعید آپکی وفات کے بعد واقع ہونگے اور حضرت اقدس ؑ انکو بعد اپنی وفات کے معائنہ فرما دیں گے جیسا کہ ہم نے اس الہامی آیت کی تفسیر میں ثابت کیا ہے کیونکہ یہی سنت اللہ ہے کہ کل پیشین گوئیاں مامور من اللہ کی حیات میں واقع نہیں ہوتیں۔ (۲) خدائے تعالیٰ نے میری وفات کی نسبت اردو زبان میں مندرجہ ذیل کلام کے ساتھ مجھے مخاطب کر کے فرمایا "بہت تھوڑے دن رہ گئے ہیں اس دن سب پر اداسی چھا جائیگی یہ ہوگا یہ ہوگا بعد اس کے تمہارا واقعہ ہوگا تمام حوادث اور عجائبات قدرت دکھلانیکے بعد تمہارا حادثہ آئیگا" چنانچہ اس اثنا میں جو مدت مابین الوصیت اور آپکی وفات کے ہے اللہ تعالیٰ نے بہت سے عجائبات قدرت دکھلائے دیکھو کتاب حقیقت الوحی اور چشمہ معرفت کو۔ (۳) اور وہ (یعنی اللہ تعالیٰ) اس سلسلہ کو پوری ترقی دیگا کچھ میرے ہاتھ سے اور کچھ میرے بعد انتہی۔ دیکھو اس کے آثار بھی اب شروع ہوگئے ہیں کہ آنحضرت اقدس ؑ کے قبل دفن ہونیکے ہی ہزاروں آدمیوں نے حضرت مولانا نور الدین صاحب ؓ کے ہاتھ پر ۲۷۔ مئی ۱۹۰۸ء کو بیعت کی اور فوج

درفوج اور جوق درجوق ہزاروں ہزار آدمی واسطے بیعت کے اس شدت گرما میں قادیان میں چلے آتے ہیں اور کوئی متنفس
اس بیعت سے آجتک مخالف نہیں ہوا۔ پس یہ سلسلہ احمدیہ اور جملہ کارخانہ متعلقہ اس کا بدستور قائم ہے بلکہ امید
قوی ہے کہ اب سلسلہ احمدیہ بہت ترقی کریگا۔ کیونکہ لوگوں کے جوش سلسلہ کی امداد اور ترقی دینے میں بہت ترقی
پذیر ہوتے جاتے ہیں۔ صدق اللہ تعالی وینصرك رجال نوحی الیھم من السماء[+] (۴) خدا فرماتا ہے
کہ یہ بیج بڑھیگا اور پھولیگا اور ہر ایک طرف سے اسکی شاخیں نکلیں گی اور ایک بڑا درخت ہو جاویگا۔ انتہی۔
آنحضرت صلعم کی وفات کے بعد بھی ایسا ہی ہوا تھا اور آنحضرت صلعم کی حیات میں یہ درخت دین اسلام کا چھوٹا سا
ایک پودے کے طور پر تھا بعد وفات بڑا ہو گیا کما مر تفصیلہ سابقا (۵) پھر بہار آئی خدا کی بات پھر پوری
ہوئی۔ چونکہ پہلا زلزلہ بھی بہار کے ایام میں آیا اس لئے خدا نے خبر دی کہ وہ دوسرا زلزلہ بھی بہار میں ہی آئیگا۔
اور چونکہ آخر جنوری میں بعض درختوں کا پتہ نکلنا شروع ہو جاتا ہے اس لئے اسی مہینہ سے خوف کے دن
شروع ہوں گے اور غالباً مئی کے اخیر تک وہ دن رہیں گے۔ انتہی عبارت الوصیت۔ واضح ہو کہ رسالہ الوصیت
میں اس زلزلہ کا تحریر فرمانا ایک بڑا قرینہ ہے اس امر کا کہ مراد زلزلہ سے آپ کی وفات ہو کما سیاتی معہذا
اس زلزلہ عظیمہ کی نسبت حضرت اقدس نے نصرت الحق وغیرہ میں بطور شرح و تفسیر کے تحریر فرما دیا ہے کہ یہ
زلزلہ یا تو اپنے حقیقی معنوں پر واقع ہوگا اور یا مجازی معنوں کی رو سے بھی واقع ہو سکتا ہے چنانچہ عبارت آپکی
یہ ہے ضمیمہ براہین احمدیہ صفحہ ۱۲۰ حاشیہ کی سطر دوم سے۔ لیکن میں ابھی اس زلزلہ کے لفظ کو قطعی یقین کے
ساتھ ظاہر پر جما نہیں سکتا۔ ممکن ہے کہ یہ معمولی نہ ہو۔ بلکہ کوئی اور آفت شدید ہو۔ جو قیامت کا نظارہ
دکھلاوے۔ حصہ دوم نصرت الحق صفحہ ۲۰۔ گو ظاہر الفاظ یہی ظاہر کرتے ہیں کہ وہ زلزلہ ہی ہوگا کیونکہ
ممکن ہے کہ وہ کوئی اور آفت شدید ہو۔ الخ۔ صفحہ ۹۶۔ مگر ممکن ہے کہ قدیم سنت اللہ کے موافق ان الفاظ
سے کوئی اور ایسی شدید اور خارق عادت اور سخت تباہی ڈالنے والی آفت مراد ہو جو زلزلہ کا رنگ اور خاصیت
اپنے اندر رکھتی ہو۔ صفحہ ۹۷۔ پھر بہار آئی خدا کی بات پھر پوری ہوئی۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ زلزلہ معہود

+ حسب الحکم آیت ذیل کے امت محمدیہ میں مدعی ماموریت من اللہ ہونیکی صداقت کیلئے تین نشان ہیں (۱) افمن کان علی بینۃ من ربہ یعنی نشانات الٰہیہ کا
مدعی کے ہاتھ سے صادر ہونا (۲) ویتلوہ شاھد منہ یعنی خلف صالح اور اسکے خلفاء کا قائم ہونا جو مویدین سلسلہ کے ہوں (۳) ومن قبلہ کتاب موسی اماما ورحمۃ
یعنی کتاب سابقہ میں اسکی پیشگوئی کا موجود ہونا یہ تینوں امور بجز سلسلہ احمدیہ کے کسی اور دوسرے فرقہ میں موجود نہیں ومن اصدق من الله قيلا — افمن ادعی فعلیہ البیان۔ منہ

کیونکہ وقت بہار کے دن ہونگے اور جیسا کہ بعض الہامات سے سمجھا جاتا ہے غالبًا وہ صبح کا وقت ہوگا یا اسکے قریب اور غالبًا وہ وقت نزدیک ہے جبکہ وہ پیشگوئی ظہور میں آجاوے آخر تک۔ اور کتب علم تعبیر میں بھی مراد زلزلہ سے حسب ذیل لکھی ہے وربما دلت الزلزلۃ علی اضطراب الناس بسبب امراض الناس بالنافض مع السلامۃ من الموت فان انهد مت الجدران کان موتا حقیقۃ وربما دلت علی ان الرائی یموت یعنی زلزلہ کا رؤیا میں دیکھنا دلیل ہے کہ بسبب لحوق امراض تپ لرزہ کے لوگ مضطرب ہونگے مگر موت سے سلامتی ہوگی لیکن اگر بسبب زلزلہ کے دیواریں گری ہوئی دیکھے تو وہ دلیل موت کی ہے حقیقتاً اور اکثر زلزلہ کا دیکھنا رائی کی موت پر دلالت کرتا ہے۔ (تعطیر الانام فی تعبیر المنام وغیرہ۔ اگر کوئی شخص یہ سوال کرے کہ حضرت اقدس کو اپنے الہام کی مراد بہ تعیین کیوں نہیں معلوم ہوئی۔ الجواب معترض منہاج نبوت سے بالکل ناواقف ہے کیونکہ مبشرات اور منذرات کی حقیقت کا علم پورے طور پر حاصل ہونا ملہم کو ہرگز ضروری نہیں ہے۔ دیکھو تفسیر آیت ذیل کو لقد صدق اللہ رسولہ الرؤیا بالحق لتدخلن المسجد الحرام ان شاء اللہ امنین محلقین رؤسکم ومقصرین لا تخافون فعلم مالم تعلموا فجعل من دون ذٰلک فتحا قریبًا یعنے تحقیق اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول کی خواب صادق کر دکھائی (یعنی اللہ صادق کر دکھاویگا) وہ خواب یہ تھی کہ البتہ تحقیق تم مسجد الحرام میں داخل ہوگے سر منڈاہنوالے ہوگے اور سر کے بال کترانے والے بیخوف ہو کر پس اسکے علم میں ہے وہ بات جس کا تمکو علم نہیں ہے اور اسکے سوائے جو ایک فتح جو نزدیک آنیوالی ہے مسلمانوں کیلئے مقرر کر دی ہے۔ یہ رؤیا جس کا ذکر اس آیت میں مشرح ہے بین المفسرین والمحدثین ایک مشہور خواب ہے کہ نبی صلعم نے ہجرت کے چھٹے سال خواب میں دیکھا تھا کہ ہم مسجد الحرام میں واسطے حج یا عمرہ کے لئے گئے ہیں اور ارکان حج و عمرہ کے اطمینان کیساتھ ادا کر رہے ہیں سر بھی منڈوا رہے ہیں اور بال بھی کتروا رہے ہیں اور ان سب ارکان کو بیخوف وخطر بجا لا رہے ہیں۔ یہ خواب آپ نے اپنے اصحاب سے بیان بھی فرمایا تھا۔ چونکہ نبی کی خواب وحی الٰہی ہوتی ہے دیکھو حضرت ابراہیم علی نبینا علیہم السلام نے صرف یہ رویا دیکھا تھا کہ انی اریٰ فی المنام انی اذبحک فانظر ماذا تریٰ اس رویا کے دیکھنے کے بعد حضرت ابراہیم اپنے فرزند ارجمند کے ذبح کرنے کے لئے تیار ہو گئے بلکہ اس رویا میں جو ایک جملہ خبریہ تھا حضرت اسمٰعیل نے اس کو جملہ انشائیہ امر الٰہی سمجھ کر عرض کیا کہ

یاایت افعل ما تؤمر ستجدنی انشاء اللہ من الصابرین اس لئے اس رویا کے بعد آنحضرت صلعم کا اراد
اتفاقاً عمرہ کرنیکا بھی ہوگیا مگر کسی روایت میں یہ نہیں پایا جاتا کہ آپ نے یہ فرمایا ہو کہ اسی رُویا کی تعمیل کے لئے
ہم اسی سال عمرہ کرنے کیلئے جاتے ہیں اور اس کا یہی وقت ہے اور جب بمقام حدیبیہ پہنچے اور کفار مکہ نے سُنا
تو انہوں نے جنگ کی تیاری کردی لعدالمثنیا والتی مسجد الحرام میں جانا اور ارکان عمرہ کا بجا لانا
جیسا کہ رُویا میں دیکھا تھا اس سال وقوع میں نہ آیا بلکہ جو صلح واقع ہوئی وہ ایسی شروط کے ساتھ ہوئی جو بظاہر
معلوم ہوتا تھا کہ بہت دبکر صلح ہوئی ہو اگرچہ علم الٰہی میں یہ صلح بڑی بڑی فتوحات کا مقدمہ تھی جسکی نسبت
سورہ فتح میں انا فتحنا لك فتحا مبینا کلام الٰہی میں ارشاد کیا گیا ہے۔ الحاصل آپ مکہ سے واپس چلے آئے
بعض لوگوں کو یہ رویا موجب ابتلا کا بھی ہوئی اور ضعیف الایمانوں کو تو سخت ابتلادات پیش آگئے اور فی الحقیقة
اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک سخت امتحان تھا کیونکہ چودہ سو آدمیوں کا ایک بڑی سفر میں آنحضرت صلعم کے ہمراہ
مکہ معظمہ کو واسطے ادائے عمرہ کے جانا اور پھر قربانیوں کو ہمراہ لیجانا اور نبی کریم کی رُویا کے بعد اس سفر عظیم کا واقع
ہونا اور صلح بھی بظاہر بہت دبکر کرنا منافقوں اور ضعیف الایمانوں کیلئے ایک بڑا موقع تکذیب کا حاصل ہو جاتا
ہے۔ مگر چونکہ اس رُویا میں العام کا لفظ نہ تھا یعنی یہ کہ اسی سال یہ رُویا واقع ہو جاویگی اس لئے قوی الایمان
لوگوں کو کوئی ابتلا پیش نہ آیا اور معترضین کو بھی جواب ملا کہ کیا اس رویا میں نبی کریم صلعم نے یہ بھی فرمایا ہے
کہ اسی سال رُویا کا مضمون واقع ہوگا لفظ لتدخلن المسجد الحرام ہے جو صیغہ استقبال کا ہے اور آئندہ
سال میں ہو سکتا ہے چنانچہ آئندہ سال میں یہ پیشین گوئی بخوبی واقع ہوئی اور اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کریم
صادق مصدوق علیہ الصلوٰۃ والسلام کو سچا کر دیا کہ اگلے سال آنحضرت صلعم بطرف مکہ معظمہ روانہ ہوئے
اور لشکر مسلمانوں کا آپ کے ہمراہ تھا اور آنحضرت صلعم نے مع جملہ ہمراہیان اصحاب کے عمرہ ادا کیا اور کوئی خطرہ
اور خوف واقع نہ ہوا۔ جیسا کہ رُویا میں دکھایا گیا تھا اسی کی نسبت اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے کہ لقد صدق اللہ
رسولہ الرؤیا بالحق صیغہ ماضی اسی لئے ارشاد فرمایا گیا کہ قرآن مجید کا خصوصاً یہ محاورہ ہے کہ جو چیز
آئندہ ہونے والی علم الٰہی میں ہوتی ہے چونکہ وہ یقینی اور قطعی ہوتی ہے اس لئے اس کو بصیغہ ماضی تعبیر
فرماتے ہیں گویا کہ وہ واقع ہو چکی لہذا اس جگہ بھی بصیغہ ماضی لقد صدق اللہ رسولہ الرؤیا ارشاد فرمایا

گیا۔ اور مراد یہ ہے کہ آئندہ ضرور بالضرور یہ رؤیا صادق واقع ہوگی جو واقع ہوئی۔ والحمدللہ۔

پس اس قصہ صلح حدیبیہ سے جو قرآن شریف اور تفاسیر معتبرہ مسلمہ اور احادیث صحیحہ اور کتب سیر معتبرہ میں مندرج ہے بخوبی ثابت ہوتا ہے کہ ملہم کو پیشین گوئی کا تفصیلی علم حاصل ہونا کچھ ضروری نہیں ہے اور اکثر پیشگوئیوں میں بمصالح الٰہیہ اکثر اجمال بھی ہوا کرتا ہے جس کا علم بالفعل ملہم کو بمصالح نہ دیا جاتا۔ پس اگر حضرت اقدس کو اس زلزلہ عظیم الشان کی نسبت یہ تعیین مراد پورا علم حاصل نہیں ہوا تو آپ کے مرتبہ مسیحی میں کیا نقص لازم آیا جس سے مراد یہ آپ کی وفات ہوسکتی ہے جو دوسرے لفظوں میں الہاماً فرمائی گئی تھی دیکھو جلد ششم بدر نمبر ۱۵ کو بخرام کہ وقت تو نزدیک رسید سنا ہیں کو ایک واقعہ (ہمارے متعلق) اللہ خیر وابقٰی اور اس زلزلہ کی نسبت جو الہام ہے کہ ربّ اخر وقت ھذا اخرہ اللہ الٰی وقت مسمّی دیکھو صفحہ ۱۰۰ حقیقۃ الوحی کو۔ ان الہاموں سے ثابت ہوتا ہے کہ آپ کی عمر بھی بڑھا دی گئی کیونکہ اگر بجائے لڑکی کے لڑکا پیدا ہوتا تو بموجب اس تعبیر کے آپ کی وفات ۷ اجولائی ۱۹۰۶ء کے قریب قریب ہو جاتی لیکن لڑکی پیدا ہونے کے سبب اس قدر عمر بڑھا دی گئی لفظ ہذا اندر کبھی دلالت کرتا ہے کہ مراد زلزلہ سے موت ہے ورنہ بصیغہ مونث آنا چاہیئے تھا۔ پھر رسالہ وصیت صفحہ ۴ اسطر تین میں یہ الہام بھی لکھا ہوا ہے زندگیوں کا خاتمہ۔ غرضیکہ اور بھی بہت سے الہامات رسالہ الوصیت وغیرہ میں لکھے ہوئے ہیں جو اُن کے دیکھنے سے ناظرین کو معلوم ہو سکتے ہیں۔ اور پھر اخبار بدر کے مطالعہ سے وہ الہامات جو وقتاً فوقتاً ہوتے رہتے ہیں اور ہفتہ وار چھپتے رہے ہیں اُن کے مطالعہ سے سب امور منکشف ہو جاوینگے چنانچہ بدر جلد ۷ نمبر ۱۵ میں یہ الہام موجود ہیں ماتم کدہ۔ دوبارہ زندگی۔ منسوخ شدہ زندگی۔ مراد اُنکی یہ ہے کہ اس موت ظاہری سے گھر ماتم کدہ ہو جاویگا۔ مگر پھر دوسری زندگی جو انبیاء وشہداء وصدیقین کو حاصل ہوا کرتی ہے وہ دوبارہ زندگی حاصل ہوگی جو بغیر وفات کے حاصل نہیں ہوسکتی۔ اور منسوخ شدہ زندگی سے مراد دُنیا کی زندگی ہے جسکی منسوخی کے بعد یہ حیات طیبہ حاصل ہوتی ہے اور جلد ۷ نمبر ۱۷ بدر میں یہ الہام موجود ہے ۔ مباش ایمن از بازئے روزگار۔ جس کے بعد یہ الہام بھی ہوا ہے کہ مکن تکیہ بر عمر ناپائیدار۔ چودھری رستم علی صاحب کورٹ انسپکٹر شہر انبالہ نے اس

مصرعہ میں آپ کی سنہ وفات ۱۳۲۶ھ ہجری بھی نکالی ہیں۔ قاضی اکمل صاحب کو بھی توارد ہوا ہے۔
اور بدر نمبر ۲۱ میں یہ الہام موجود ہے جو چند روز پیشتر وفات کے لاہور میں نازل ہوا ہے اَلرَّحِیْلُ ثُمَّ
الرَّحِیْلُ وَالْمَوْتُ قَرِیْبٌ۔ غرضکہ اس ڈھائی سال کی مدت میں یعنی جب سے کہ رسالہ الوصیت لکھا گیا ہے متواتر
الہامات وفات کے بکثرت ہوتے رہے ہیں اور وفات شریف کے قریب تک ہوتے رہے ہیں۔ پس ایسی بارش
الہامات کے وقت میں اگر ڈاکٹر صاحب نے اپنے شیطان کے تخیل سے کوئی الہام شیطانی ۴۔ اگست کو
یا ۴۔ اگست تک کا خیال شائع کیا تو اس میں کیا استبعاد ہے کیونکہ جب کسی مامور مُلہم ربانی کے وقت میں
ایسا انتشار روحانیت کا ہوا کرتا ہے اور اس وقت میں الہامات ربانی کی بارش بکثرت ہونے لگتی ہے
جیساکہ اس مدت بعثت مسیح موعود میں خصوصًا اس مدت دو نیم سال میں الہامات وفات مسیح کی بارش ہوتی
رہی تو شیاطین جن و انس پر بھی کچھ اسکا چھینٹا بطور استراق سمع کے جا پڑا جس کا ذکر اس آیت میں ہے
قال اللہ تعالیٰ وحفظنٰھا من کل شیطان رجیم الا من استرق السمع فاتبعہ شھاب مبین
یعنی ہمنے آسمانوں کی حفاظت ہر ایک شیطان مردود سے کر دی ہے یعنی آسمانوں میں فرشتوں کی مجالس علوی
میں کوئی شیطان جانے نہیں پاتا جو فرشتوں سے غیب کی باتیں سن سکے مگر چھپے چوری کوئی بات سن بھاگتا
ہے کیونکہ شہاب کا روشن انگارا جب اس کے پیچھے پڑتا ہے تب وہ عالم سفلی میں بھاگ آتا ہے ف تفسیر کبیر
میں لکھا ہے کہ حضرت ابن عباس فرماتے ہیں کہ پہلے شیاطین آسمانوں پر جا داخل ہوا کرتے تھے اور فرشتوں سے
اخبار غیب کی سن کر اپنے دوستوں اور کاہنوں سے کہدیا کرتے تھے مگر بوقت حضرت عیسیٰ کے تین آسمانوں
پر جانے سے روک دیئے گئے تھے۔ لیکن آنحضرت صلعم کے وقت میں کل آسمانوں پر جانے سے روک دیئے گئے
ہیں اور اب جو آسمانوں پر جانے کا قصد کرتے ہیں تو شہاب مبین سے کھدیڑ دیئے جاتے ہیں تاہم کسی درجہ تک
بچند مصالح الٰہیہ استراق سمع اب بھی باقی رہ گیا ہے کہ جب امور غیبیہ اور قضا و قدر کا چرچا فرشتوں میں ہوتا
ہے اور ملہم ربانی کیلئے ملائکہ الہام پہنچانے کا کچھ چرچا کرتے ہیں تو بطور استراق سمع کے کوئی بات ادھوری
یا پوری وہ بھی سن بھاگتے ہیں۔ مگر وہ بات ایسی یقینی قطعی نہیں ہوتی جیسا ملہم ربانی کے الہامات یقینی ہوتے
ہیں۔ کیونکہ جب کوئی بات فرشتوں کی شیاطین سننے لگتے ہیں تو شہاب مبین کی تاثیر سے وہ کھدیڑ دیئے جاتے

ہیں۔ اِس لئے جو شخص شیاطین کیطرف سے کوئی ملہم ہوتا ہے تو وہ قطعی اور یقینی طور پر کوئی بھی دعویٰ نہیں کر سکتا کما قال اللہ تعالیٰ یوحی بعضھم الیٰ بعض زخرف القول غرورا یعنے شیاطین باہم ملمع باتیں دھوکا دینے کی غرض سے کرتے رہتے ہیں بخلاف ملہم مامور من اللہ کے کہ وہ اُن باتوں کو جو فرشتوں کے ذریعہ سے اُس کو الہام ہوتی ہیں قطعی اور یقینی جانتا ہے اسلئے ملہم مامور من اللہ کو بڑی کثرت کے ساتھ بھی اور شدت و قوت یقین کے ساتھ بھی وہ الہامات ہوتے ہیں۔ اگرچہ یہاں پر استراق سمع کا مسئلہ ناواقفین کے لئے بڑا اشتباہ میں ڈالنے والا ہے کیونکہ الہام ملایکہ ارواح لطیفہ کا اور استراق سمع شیاطین ارواح خبیثہ کا اگر باہم مطابق ہو جاویں تو پھر ان دونوں میں مابہ الامتیاز کیا ہو سکتا ہے۔ ہاں جبکہ کسی ملہم کی صداقت دلایل قطعیہ اور براہین یقینیہ اور نشانات آسمانی اور اُسکی تعلیم حقہ روحانیہ سے محقق ہو جاوے تو پھر اُس کے الہامات اور استراق سمع میں زمین و آسمان کا فرق اہل بصیرت کو معلوم ہو جائیگا کیونکہ بقول شخصے چور کے پیر نہیں ہوا کرتے۔ استراق سمع میں وہ قوت اور شوکت حاصل ہی نہیں ہو سکتی اور نہ اسمیں روحانیت اور نورانیت ہوتی ہے نہ اُسکی تعلیم حق ہوتی ہے کہ دلائل عقلیہ اور نقلیہ سے ثابت ہو صدق اللہ تعالیٰ ان اللہ لا یھدی من ھو مسرف کذاب۔ اور دوسرا مابہ الامتیاز یہ بھی ہے کہ استراق سمع بعد نازل ہونے الہامات ملہم ربانی کے واقع ہوا کرتا ہے اور قبل اسکے کہ ملہم ربانی مبعوث ہو اور ملائکہ میں اُن الہامات کی چرچا ہو استراق سمع ہو نہیں سکتا کیونکہ چوری کسی مال کی تو اسی وقت ہو سکتی ہے جبکہ کوئی مال موجود ہووے۔ قبل موجودگی مال کے چوری کس چیز کی ہوگی۔ دیکھو یہاں پر بھی ایسا ہی حال ہے کہ قبل دعویٰ حضرت مسیح موعود کے کسی کاذب نے کوئی دعوے الہام کا نہیں کیا تھا۔ جو کوئی بھی مدعی الہام اس وقت میں اُٹھا ہے وہ بعد دعوے حضرت مسیح موعود کے اُٹھا ہے پس ثابت ہوا کہ دوسرے مدعیوں کے الہامات شیطانی بطور استراق کے ہیں اور مامور من اللہ کے الہامات وہ ہیں جو اللہ تعالیٰ کیطرف سے فرشتوں میں اُنکا چرچا ہوتا تھا اور چونکہ استراق میں استماع کامل نہیں ہوتا کیونکہ شیطان کچھ بھاگتے ہوئے سنتے ہیں اسلئے استراق سمع میں ایک بڑا خطرہ غلطی واقع ہونیکا یہ بھی ہوتا ہے کہ بعض امور جو متعلق کاذب کے ہوتے ہیں مگر اُسکو صادق کے حق میں سمجھ کر شیاطین القا کر دیتے ہیں اور بعض امور جو متعلق صادق کے ہوتے ہیں اُن کو کاذب کے حق میں سمجھ کر القا کر دیتے ہیں۔ اِس لئے شیطان الانس غلطی میں پڑ جاتا ہے

۴ اگرچہ شہاب مبین کا سقوط ہمیشہ سے ہے مگر رجم الشیاطین اس مدت معینہ سے ہوا ہے یہ مسئلہ اپنے محل پر ثابت کیا گیا ہے اور

چنانچہ یہ امر بھی اب واقعہ ہے۔ دیکھو عصائے موسیٰ اور چراغ الدین کے الہامات کو اور اس امر کا اشعار آیت ذیل میں بخوبی ہے قال اللہ تعالیٰ لقد ابتغوا الفتنۃ وقلبوا لک الامور حتی جاء الحق وظہر امر اللہ وھم کارھون ۱۳ یعنی البتہ تحقیق انہوں نے پہلے بھی فتنہ ڈالنا چاہا اور اُلٹ پلٹ باتیں اپنے اوہام سے کرتے رہے یہاں تک کہ جو امر حق اور سچا وعدہ الہامی تھا وہ آپہنچا اور مخالف کراہت کرنے والے ہی رہے۔ یہاں پر ہم بسبب طوالت کے ان مسائل استراق اور شہاب مبین کی تحقیق دلائل عقلیہ سے نہیں کر سکتے کیونکہ اپنے محل پر ایسے مسائل کی حقیت ثابت ہو چکی ہے۔ بہرحال شیاطین الانس و الجن کی طرف سے یہ تقلیب امور کی جیساکہ واقع ہو رہی ہے قرآن مجید سے بھی ثابت ہے۔ چنانچہ ڈاکٹر صاحب اپنے رسالہ اعلان میں لکھتے ہیں کہ:- ولھم عذاب الیم بما کانوا یکذبون ابتدائی الہامات مرزا کے مخالف تھے انتہٰی۔ بھلا غور کرنے کا مقام ہے کہ جن لوگوں کا اعتقاد عیسائیوں کی مذہب کی تائید کرتا ہو بلکہ اُن کے دین کے مطابق ہو اور نجات کیلئے آنحضرت صلعم پر ایمان لانیکی کوئی ضرورت نہ ہو اُن کیلئے تو عذاب الیم نہ ہو اور وہ لوگ جھوٹے بھی نہ ہوں اور جن لوگوں کا اعتقاد حقہ مذہب عیسائیوں کا دلائل یقینیہ سے ستیاناس کرتا ہو وہ جھوٹے بھی ہوں اور عذاب الیم بھی اُن کے لئے ہو تلک اذا قسمۃ ضیزیٰ باقی ان جملہ ہذیانات کا جواب کتب مصنفہ اور ہمارے سابق خطوں میں دیکھو۔ اب ڈاکٹر صاحب کے اس الہام پر بھی نظر کی جاوے کہ دجالی فتنہ تیرے ہاتھ سے پاش پاش کرایا جاویگا۔ ڈاکٹر صاحب کو یہ تو اقرار ہے کہ بیس سال تک میں حضرت مرزا صاحب کا مرید رہا یعنے حضرت مرزا صاحب کو وہی مسیح موعود جس کے ہاتھ سے کسر صلیب واقع ہوگا اور دجالی فتنہ پاش پاش کیا جاویگا۔ اور دجالی فتنہ بھی پادریوں اور عیسائیوں کا ہے جو ڈاکٹر صاحب بیس پچیس سال تک اعتقاد کرتے رہے ہیں جس کے دلائل یقینیہ اور براہین قطعیہ اب تک موجود ہیں اور کسیطرح کا نقض اُن میں ڈاکٹر صاحب وارد نہیں کر سکتے۔ معہذا اب بیس پچیس برس کے بعد ایسے احقاق حق کرنیوالے اور ابطال باطل کرنیوالے کو دجال اعتقاد کر لیا۔ یہی تو ہے وہ تقلیب امور شیاطین الانس والجن کیطرف سے جو آیت کریمہ مذکورہ میں بیان فرمائی گئی ہے۔ خلاصہ یہ کہ یہ الہام اصل میں اور نیز بموجب اعتقاد بست سالہ ڈاکٹر صاحب کے فتنہ پادریوں اور اُن کے مؤیدین کی نسبت تھا جو شیاطین کو اُس نے الٹ پلٹ کر دیا

ہے ورنہ ڈاکٹر صاحب اب بھی اُن براہین قطعیہ میں سے کسی ایک دلیل کا ہی نقض کر دیویں ورنہ بخوبی ثابت ہے کہ دجالی فتنہ کا پاش پاش کرنیوالا وہی شخص ہے جسکی نسبت آپ بھی بیس پچیس برس تک اعتقاد کرتے رہے اللہم ارنا الاشیاء کما ھی ونعوذ بک من شر الوسواس الخناس - اب اس الہام پر غور فرمایا جاوے کہ صادق کے سامنے شریر فنا ہو جاویگا اور اُسکی میعاد تین سال بتلائی گئی - اِس مقام میں شیطان الجن یا شیطان الانس یا دونوں نے جو الٹ پلٹ کیا ہے وہ ناظرین پر ظاہر ہے اور مزید لطف یہ ہے کہ صفحہ ۱۵ اعلان میں جو کچھ آپنے اُلٹ پلٹ کر کر اور حضرت اقدس کیطرف منسوب کر دکھلایا ہے پھر معہذا اصل اشتہار حضرت اقدس کا بھی نقل کر دیا ہے پس کس قدر جرأت و جالیت کی ہے کہاں حضرت کے الہامات اور کہاں ڈاکٹر صاحب کی تحریفی عبارت سے چہ دلاور ست دزدی کہ بکف چراغ دارد - ہم جواب تو اسکا پہلے لکھ چکے ہیں اب ناظرین یہاں پر کانے دجال کی دجالیت کو خود ملاحظہ فرمالیونگے کہ کس قدر دجالیت اور تحریف و تبدیل کو عمل میں لایا گیا ہے علی ہذا القیاس جو رؤیا صفحہ ششم میں لکھی ہے کہ شیطان شیطان - تعبیر اسکی ظاہر ہے کہ ایک شیطان تو ڈاکٹر صاحب ہیں اور دوسرا شیطان آپکا شیطان ہمزاد ہے اور دوسرا فقرہ آپکے شیطان کیطرف سے زخرف القول ہے کما قال تعالیٰ یوحی بعضہم الی بعض زخرف القول غرورا - اور سانپ کے رؤیا کی تعبیر بھی صاف یہی ہے کہ آپکا شیطان اور نفس امارہ ہرچند کہ ٹکڑے ٹکڑے کر دیا گیا ہے مگر پھر بھی بسبب تکبر اور عناد کے بولتا اور پھنکارتا رہتا ہے - یہ بھی وہی آپکا الٹ پلٹ کرنا اور وہی تقلیب امور ہیں جو آیت کریمہ میں مذکور فرمائے گئے ہیں اور یہ دوسری رؤیا آپ کی کہ وہی پتھر جسے معماروں نے رد کیا کونے کا سرا ہوگا بہت صاف ہے کیونکہ یہ الہام قدیم حضرت اقدس کا ہے کہ دنیا میں ایک نذیر آیا پر دنیا نے اُسکو قبول نہ کیا لیکن خدا اُسے قبول کریگا اور بڑے زور آور حملوں سے اُسکی سچائی ظاہر کر دیگا اب غور کرو کہ واقعات اور نشانہائے آسمانی سے ثابت کر دیا ہے کہ مصداق اس الہام کے حضرت اقدس ہی ہیں اور ظاہر ہے کہ معمار لوگ تو وہی بیہودہ مولوی اور نام کے علماء ہیں جو دعوی معماری اسلام کا کرتے ہیں اور اِس پتھر کو فتوہائے تکفیر شائع کر کر رد کر دیا ہے لیکن اللہ تعالیٰ نے بڑے زور آور حملوں سے اُسی پتھر کو عمارت اسلام کے کونے کا سرا گردان دیا۔ والحمد للہ - پس ڈاکٹر صاحب جب خود اپنے اقرار کے کانے دجال ہیں پھر تو آجتک علمائے زمن کے فتوی ہائے تکفیر آپتک صادر نہیں ہوئے **قولہ** مرزا کی موت نے ثابت کر دیا ہے کہ مرزا متکبر اور شیطان تھا اور میرے تمام الہامات رحمانی تھے جو لفظ بلفظ پورے ہوئے - **اقول** - اگرچہ اس کا جواب زیر تفسیر آیت لیس لک من الامر شیء کی تفسیر میں آچکا ہے مگر یہاں بھی کسی قدر لکھا جاتا ہے - واضح ہو کہ انبیاء کی بعثت اور

حیات میں انکے تمام مخالفین و مکذبین ہرگز ہلاک نہیں ہوجایا کرتے ایسا ہلاک تو آنحضرت صلعم کی بعثت و حیات میں بھی نہیں ہوا بہت سے مخالف بلکہ مدعی نبوت بھی آپکی وفات کے بعد باقی رہ گئے تھے۔ ہاں بہت سے ہلاک بھی ہوگئے تھے پیانپر بھی یہی ہونا چاہیئے تھا لہذا الناظرین حضرت اقدس کے جس قدر الہامات و وعدے پیشگوئیہ ہیں اور انہیں مثل اجیب دعوۃ الداع وغیرہ کے عبارتیں واقع ہوئی ہیں انکو ہرگز ہرگز حضرت اقدس کی حیات ہی پر یقینی محمول کرنا نہیں چاہیئے بلکہ انکی کوئی مدت مقرر کرنی چاہیئے دیکھو حضرت موسیٰ نے فرعونیوں پر یہ دعا کی تھی کہ ربنا اطمس علے اموالھم و اشدد علی قلوبھم فلا یؤمنوا حتی یروا العذاب الالیم۔ اس کے جواب میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے قال قد اجیبت دعوتکما فاستقیما و لا تتبعان سبیل الذین لا یعلمون۔ تمام مفسرین اس دعا مقبول کی نسبت تحریر فرماتے ہیں کہ یہ دعا چالیس برس کے بعد قبول کیگئی تھی چنانچہ تفسیر کبیر میں لکھا ہے۔

قال ابن جریج ان فرعون لبث بعد ھذا الدعاء اربعین سنۃ۔ والمعنی لا تتبعان سبیل الجاھلین الذین یظنون انہ متی کان الدعاء مجابا کان المقصود حاصلا فی الحال فربما اجاب اللہ تعالیٰ دعاء انسان فی مطلوبہ الا انہ یوصلہ الیہ فی وقتہ المقدر والاستعجال لا یصدر الا من الجھال۔ آخر تک۔ ترجمہ امام ابن جریج فرماتے ہیں کہ تحقیق فرعون اس دعا کے بعد چالیس برس تک اپنی عیش و عشرت اور بادشاہت میں بنا رہا ہے اور یہ مسلک جب حکم اللہ تعالیٰ کے جاہلوں کا ہے جو یہ سمجھتے ہیں کہ جب اللہ تعالیٰ کے یہاں دعا قبول ہوگئی تو مقصود اسی وقت حاصل ہو جاویگا حالانکہ اکثر ایسا ہوتا ہے کہ کسی انسان کی دعا اسکے مطلوب میں قبول ہوجاتی ہے مگر اللہ تعالیٰ اُس مطلوب کو اپنے وقت مقدرہ پر ہی پہنچاتا ہے لاغیر اور جلدی کرنا صرف جاہلوں کا ہی کام ہے جسکی نسبت فرمایا و لا تتبعان سبیل الذین لا یعلمون پس بالفرض اگر حضرت اقدس نے بھی کسی ایسی دعا کیلیے جو الہاماً قبول فرمائی گئی ہے اپنے فہم سے کوئی وقت یا کوئی مدت مقرر فرمادی ہو تو پھر بھی جو حکم حضرت موسیٰ اور ہارون کے لیے جس طرح قرآن مجید میں ارشاد ہوا ہے کہ و لا تتبعان سبیل الذین لا یعلمون وہی حکم قرآنی حضرت اقدس کے لیے بعینہ اسی طرح موجود ہے۔ آیت کے نظم سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت موسیٰ اور ہارون کا کچھ خیال ایسا ہی ہوگا کہ ہماری دعا فرعونیوں کے حال میں ہی قبول کیگئی کیونکہ ماضی کا لفظ قد کے ساتھ موجود ہے اس لیے اس وہم کے رفع کرنے کیلیے فرمایا گیا

ولا تتبعان سبیل الذین لا یعلمون۔ ناظرین اس گر کو یاد رکھیں انسے فہم سے حضرت اقدسؑ کے منصب میں کچھ نقص لازم نہیں آتا ورنہ تمام انبیاؤں کی نبوت سے ہاتھ دھونا پڑیگا ع۔ بر رسولاں بلاغ باشد وبس۔
اب اولاً ہم چند ہلاک شدہ لوگونکے اسماء دکھاتے ہیں جو حضرت اقدسؑ کے مباہلہ یا سخت مقابلہ میں آکر ہلاک اور تباہ ہوگئے ہیں تاکہ ناظرین پر واضح ہوجاوے کہ بموجب آیت لیس لک من الامر شیٔ کہ حضرت اقدسؑ کی دعا سے ڈاکٹر صاحب وغیرہ کا حضرت کی حیات ہی میں ہلاک ہوجانا کچھ ضروری نہیں تھا۔ چند اسمائے ہلاک شدہ یہ ہیں۔
دیکھو حقیقۃ الوحی کی صفحات نمبر کردہ کو۔ [ص ۲۲۸] مولوی غلام دستگیر قصوری۔ [ص ۲۲۸] مولوی محمد حسن۔ [ص ۲۸۱] پنڈت لیکھرام [ص ۲۹۶] سہج رام امرتسری۔ [ص ۳۲۹] مولوی اسمٰعیل علیگڈھی۔ [ص ۳۶۶] فقیر مرزا ساکن دوالمیال ضلع جہلم۔ [ص ۳۸۱] فضل داد خان نمبردار چنگا ضلع راولپنڈی۔ [ص تتمہ ۴] سعد اللہ لدھیانوی۔ [ص تتمہ ۴۸] عبد القادر ساکن طالب پور پنڈوری ضلع گورداسپور۔ [ص تتمہ ۵۱] حافظ محمد دین ساکن موضع ننگر تحصیل لاہور۔ [ص تتمہ ۷۹] بابو الٰہی بخش اکونٹنٹ پنشنر لاہور۔ [ص تتمہ ۱۵۲] سوم راج قادیان [ص تتمہ ۱۵۲] اچھر چند بھگت رام قادیان [ص تتمہ ۱۵۹] مولوی عبد المجید ساکن دہلی۔ [ص تتمہ ۱۵۹] محمد جان المعروف مولوی محمد ابو الحسن ساکن بنجگرائیں ضلع سیالکوٹ۔ [ص ۲۱۴] عبد اللہ آتھم۔ [ص ۲۱۶] آتما رام کی اولاد کی موت۔ [ص ۲۱۶] ڈوئی امریکہ۔ [ص ۲۲۰] چراغ دین۔ [ص ۲۲۱] پنڈت دیانند۔ [ص ۲۲۴] مولوی رسل بابا امرتسری۔ [ص ۲۲۵] محمد بخش ڈپٹی انسپکٹر بٹالہ۔ [ص ۲۲۶] نور احمد موضع بھری چٹھہ تحصیل حافظ آباد۔ [ص ۲۲۶] مولوی زین العابدین لاہوری۔ [ص ۲۲۷] حافظ سلطان سیالکوٹی۔ [ص ۲۲۷] مرزا سردار بیگ سیالکوٹی۔ [ص ۲۲۷] مولوی رشید احمد گنگوہی جو سانپ کے کاٹنے سے مرگئے۔ [ص ۲۲۸] مولوی شاہ دین لدھیانوی۔ [ص ۲۲۸] مولوی عبد العزیز [ص ۲۲۸] مولوی محمد۔ [ص ۲۲۸] مولوی عبد اللہ لدھیانوی۔ [ص ۲۲۸] عبد الرحمٰن محی الدین لکھوکے والے وغیرہ وغیرہ۔ غرضیکہ بہت کثرت سے ایسے ہلاک شدہ لوگ ہیں۔ جنکے تمام اسماء لکھنے سے رسالہ طویل ہوجاویگا۔ پھر جبکہ اس کثرت سے مخالفین مکذبین مباہلہ میں آکر یا سخت مقابلہ حضرت اقدسؑ سے کرکر ہلاک اور تباہ ہوگئے۔ تو پھر کیا حضرت اقدسؑ حی وقیوم تھے بشر نہ تھے۔ جو انکی وفات کبھی نہ ہوتی۔ پس جبکہ رسول کریمؐ نے مخالفین کے لیے دعائے ہلاکت کی اور وہ بحکم آیت لیس لک من الامر شیٔ ہلاک نہ ہوئے لہذا آپ کی صداقت میں کچھ فرق نہیں آیا تو پھر حضرت اقدسؑ نے بھی اگر ایک دو کاذب کے لیے دعائے ہلاکت کی اور وہ ہلاک نہ ہوئے۔ تو آپکی صداقت میں کیونکر فرق آسکتا ہے جبکہ مکذبین کثرت سے ہلاک ہوچکے ہیں اور آپ بشر رسول ہیں۔ بشر کیلیے وفات ضروریات سے ہے

وما جعلنا لبشر من قبلک الخلد - اور اصل بات تو یہ ہے کہ آپکی وفات کا ایسے وقت غیر مترقب میں ہی ہونا ضروری تھا بلکہ الہام شیطانی کا مطابق الہام ربانی کے ہو جانا بھی خواہ ہم - اگست لفظ کو سے ساتھ ہو یا ہم - اگست لفظ تک کے ساتھ ہو - جسے بعد کو اسنے بنایا ہے ضروری تھا - کیونکہ آپکی مماثلت اور مشابہت حضرت عیسیٰ بن مریم کے ساتھ علاوہ الہامات جری اللہ فی حلل الانبیاء وغیرہ کے بہت شدت کے ساتھ تھی سے

چوں مرا نوری پئے قوم مسیحی دادہ اند ❊ ابن مریم مصلحت را نام من بنہادہ اند - اور یہ شدت مشابہت اس امر کیلئے مقتضی تھی کہ آپکی وفات ایسی طرح سے واقع ہو - کہ ابن مریم کی وفات کے ساتھ ضرور مشابہ ہو جاوے - اب سنو کہ یہود مخالفین کے نزدیک حضرت عیسیٰؑ کی وفات سولی کی موت کے ساتھ مشتبہ کیگئی تھی کما قال اللہ تعالیٰ وما قتلوہ وما صلبوہ ولٰکن شبہ لھم یعنی یہود مخالفین نے حضرت عیسیٰؑ کو نہ تو اور کسی طرح سے قتل کیا اور نہ اسکو سولی دیکر قتل کیا لیکن قتل صلیبی کے ساتھ انکی موت یہود کے نزدیک مشتبہ کر دیگئی اس لیے اسوقت کے یہود مخالفین کے لیے بھی مسیح موعودؑ کی وفات مطہر اسی طرح سے وفات غیر مطہرہ کے ساتھ مشتبہ کر دیگئی دیکھو اسوقت کی یہود نے بھی اپنی شرارت سے ایک جنازہ لعنتی شخص کا نکالا - کیا بعید ہے کہ ان اصلی یہود نے بھی کسی شخص کو بطور سوانگ کے سولی پر چڑھایا ہو - اور یہ سوانگ رفتہ رفتہ کتب اہل اسلام میں داخل ہو گیا ہو - نعوذ باللہ منہ - اور کانے دجال کا شیطانی الہام اگرچہ بصورت لفظ کو کے محض کذب اور غلط ہے تاہم مگر اسی کے لیے بصورت تسلیم لفظ تک ہونیکی جو بسبب استراق سمع کے ان الہامات کثیرہ ربانی کے ساتھ جو مذکورہ وغیر مذکورہ ہیں مطابق ہو گیا اگر آجکل کی یہود کے نزدیک موت مشتبہ نہ ہوتی - اور یہ امر آپکی وفات میں موجود نہ ہوتا تو مماثلت میں کمی واقع ہو جاتی اس لیے حکمت الٰہی واسطے اثبات پوری مماثلت کے مقتضی ہوئی کہ شیطان الجن یا شیطان الانس کا وسوسہ بطور استراق سمع کے عند الیہود مطابق آپکے الہامات وفات کے ہو جاوے - لیکن کجا استراق سمع شیاطین کا اور کجا استماع ملائکہ حاملین وحی الٰہی کا جو الہام ربانی ہے ع بہ بیں تفاوت راہ از کجا ست تا بکجا + اور الہام قدیم ایلی ایلی لما سبقتنی جو حضرت اقدسؑ کو ہوا تھا وہ بھی آخر مرض الموت میں پورا ہو گیا صرف فرق یہ ہے کہ حضرت عیسیٰؑ نے ایلی ایلی لما سبقتنی ”اے میری خدا اے میرے خدا مجھ کو تو نے کیوں چھوڑ دیا“ کہا تھا اور حضرت اقدسؑ نے ”اے میری پیاری خدا اے میرے پیاری خدا“ فرمایا - جس سے حضرت اقدسؑ کا اللہ تعالیٰ کے ساتھ

ایک محبت اور پیار زیادہ حضرت عیسیٰؑ سے ثابت ہوا۔ کیونکہ مادہ حلت دبت الہام نے اللہ تعالیٰ کی محبت ثابت کر کے لما سبقتنی کو منسوخ فرما دیا تھا اور یہ الہام شیطانی کہ مرزا پھیپھڑے کی مرض سے ہلاک ہو گیا۔ سراپا جھوٹ اور غلط ہے اغلیکہ یہ الہام شیطانی بھی اس تقلیب امور میں داخل ہے جو آیت مذکورہ میں مندرج ہے کہ آپ یا آپکا کوئی ہم مسلک دوست مرض پھیپھڑے سے ذلت کے ساتھ ہلاک ہو جاویگا باقی ہفوات کا جواب ہم پہلے خط مندرجہ بدر میں دے چکے ہیں تو اعادہ بے طوالت ہوگی۔ ناظرین اس خط کو ملاحظہ فرمالیں۔ اور بیان آپکی غلط فہمی الہامات حضرت اقدسؑ کا ظاہر ہے کہ آپ حقیقی عبد الحکیم عند اللہ کب ہیں۔ جیسا کہ ابو جہل ابو الحکم نہ تھا آپنے تو خود اپنا نام اپنے قلم سے کانا دجال لکھا ہے صدق اللہ تعالیٰ الیوم نختم علی افواھھم و تکلمنا ایدیھم و تشھد ارجلھم بما کانوا یکسبون۔ ہاں جو فی الحقیقت عبد الحکیم تھے انکو اللہ تعالیٰ نے اندھا ہونے مفلوج ہونے سے ضرور بچا دیا۔ آیندہ دیکھئے آپکا کیا حال ہوتا ہے باقی الہامات مثلاً "اے سیٹھ تو اپنا رخ پھیرلے" یہ آپکی تنبیہ کیلئے اور اتمام حجت کے لئے کیونکہ آپکی سیف زبان کے دفع کرنیکے لیے یہ الہام ربانی بھی تو ہوا ہے "فرشتوں کی کھینچی ہوئی تلوار تیرے آگے ہے" لہٰذا اب بھی آپ تو بہ کرلیویں۔ ورنہ کشتی کا بیڑا غرق ہی ہوا سمجھیئے ثم رددناہ اسفل سافلین کیونکہ یہاں تو حضرت اقدسؑ کی وفات کے رونق ہی روز افزوں ترقی ہو رہی ہے۔ کیونکہ اب تو بموجب ارشاد آنحضرت کے جو الوصیۃ کے صفحہ پنجم وغیرہ میں لکھا ہوا ہے۔ دوسری مرتبہ اللہ تعالیٰ کی زبردست قدرت کے ظہور کا وقت آگیا ہے جسکے علامات اور آثار بینہ شروع ہو چکے ہیں۔ اور درصورت عدم توبہ کے مت ایھا الخوان کے بھی منتظر رہیو اور انشاء اللہ دونوں پل یعنی مرقع اس کانا دجال بھی قریب ٹوٹ جاوینگے والعاقبۃ للمتقین کو خوب یاد رکھیو اور الہام ربانی ان خبر رسول اللہ واقع تو ڈاکٹر صاحب جیسے کی فہمائش کیلیے ہی واقع ہوا تھا کہ ڈاکٹر صاحب مبارکسکی وفات پر کوئی اعتراض نہ کریں۔ کیونکہ انکی وفات کی نسبت تو پہلے ہی سے فرستادہ خدا کو الہام ہو چکا ہے اور اس خبر کا واقع ہونا ضروریات سے ہے۔ کیونکہ وہ خبر فرستادہ الٰہی کی ہے۔ مگر افسوس کہ آپکو پھر بھی ہدایت نہ ہوئی اور اسکی وفات تو آپنے تصدیق صادق کا سبق حاصل کیا۔ اور آپنے جو صفحہ ۹ سطر ۹ سے الہامات شیطانی لکھے ہیں وہ سب کے سب تلبیس الشیاطین میں داخل ہیں۔ جو استراق سمع کے ذریعہ شیاطین الجن والانس نے دسا دس کو القا کیا کرتے ہیں۔ پیشین گوئی نکاح کا جواب شافی و کافی خود حضرت اقدسؑ

نے حقیقۃ الوحی صفحہ ۱۹۰ اور تتمہ صفحہ ۱۳۲ میں لکھا ہے اسکو دیکھو۔ اور چونکہ اصول علم تعبیر الرؤیا کا دروازہ بند نہیں ہوا۔ لہٰذا اگر اس پیشگوئی نکاح کو بموجب اصول علم رؤیا کے بنظر غور دیکھا جاوے تو بالکل مطلع صاف ہے۔ کسی طرح کا شبہ باقی نہیں رہ سکتا۔ کتب تعبیر رؤیا میں لکھا ہوا ہے النکاح ھو فی المنام یدل علی المنصب الجلیل۔ دیکھو! تصدیق اسکی اخبارات دنیا میں کی اخبار متعلقہ وفات حضرت مسیح موعودؑ میں آپکے منصب جلیل کی عظمت کو کس تعظیم سے اہل اخبار بیان کرتے ہیں والفضل ما شہدت بہ الاعداء۔ ایضاً و من نکح عدوہ فانہ یقہرہ۔ کل خاندان اس لڑکی کا آپکا دشمن تھا۔ معہذا بموجب اس تعبیر کے اللہ تعالیٰ نے آپکو انپر ایسا غلبہ عنایت فرما دیا کہ جو اس خاندان کے ممبر دار تھے۔ وہ بیعت میں داخل ہو گئے۔ ایضاً و من نکح احدا من اخوانہ وصلہ ببر و احسان۔ کون نہیں جانتا کہ آپنے اپنی بنی اعمام اور اخوان کے ساتھ باوجود انکی سخت مخالفت کے کسقدر نیکیاں اور احسان کیے ہیں۔ ایضاً و من رائی انہ نکح من نساء الجنۃ فانہ ینال من امور الدین علی قدر جمالھا۔ چونکہ جنتیں آسمانوں پر ہیں۔ یعنی عالم بالا میں ہیں۔ لہٰذا مراد آسمان پر نکاح کی ہو یہی جنت کی عورت ہو سکتی ہے اور یہ تو ظاہر ہے کہ امور دین میں جسقدر ترقی کی کامیابی آپکو حاصل ہوئی ہے۔ وہ اس تیرہ سو برس میں کسی کو بھی حاصل نہیں ہوئی۔ حضرت اقدسؑ نے جو تفسیر اس نکاح کی بابت فرمائی ہے وہ بھی نہایت درجہ پر مبرہن ہے مگر جبکہ اصول علم تعبیر سے دوسری مراد بھی ہو سکتی ہے تو پھر کونسا امر مانع ہے کہ یہ مراد نہ لیجاوے مبشرات اور منذرات کا یہی قاعدہ ہے کہ جب ظاہراً مطلب نہ ہو سکیں تو پھر بموجب قواعد و اصول کتاب و سنت کے اور موافق محاورات عرب کے جو معنی اسکو صادق آ سکتے ہوں وہی مراد الٰہی ضرور ہوتی ہیں دیکھو کتاب الرؤیا کو دواوین حدیث میں اور نیز ان رؤیا کی تعبیر دیکھو جو قرآن مجید میں مذکور ہیں کما قال اللہ تعالیٰ انی رایت احد عشر کوکبا والشمس و القمر رایتہم لی ساجدین۔ اور پھر دیکھو اس قول حضرت یوسفؑ کو کہ ایک مدت کے بعد اسکو وقوع پر فرماتے ہیں کہ ھذا تاویل رؤیای قد جعلھا ربی حقا۔ اول حصہ اعلام الناس میں اسکے شواہد عشرہ احادیث سے بیان کیے گئے ہیں اسکی طرف رجوع کرو۔ براہین احمدیہ کے بارہ میں جو اعتراض ہے وہ بھی مبنی بر عناد و تعصب ہے۔ چونکہ تین سو

دلایل نمبر ۱ اگرچہ حضرت اقدس کے خاص قلم سے تحریر میں نہیں آئی۔ مگر جسقدر حضرت اقدس کی شایع شدہ کتب اور غیر شایع شدہ کتب زیر طبع ہیں۔ انہیں سے اگر حقیت کتاب اللہ اور نبوت محمدیہ کے براہین یقینیہ کوئی صاحب جمع کرنا چاہیں۔ تو تین سو براہین سے المضاعف جمع کر سکتے ہیں کیا بعید ہے کہ اللہ تعالیٰ جماعت میں سے کسی کی قلم سے انکو جمع کرا دیوے۔ کیونکہ حضرت اقدس نے استدلال کا علم کلام اور اس کے اصول ایسی کتابوں میں ایسے مضبوط اور منضبط فرما دئیے ہیں کہ اب اسکی طرف صرف ایک توجہ نظر قلب کے درکار ہے اللّٰھم اھدنا الصراط المستقیم و یسر لنا سلوک نھجہ القویم۔ امین یا رب العلمین واجعلنا التوفیق لنا خیر رفیق اور مصلحت الٰہی اس میں یہی تھی کہ کسی دوسرے کو بھی اس ثواب میں شریک کر لیا جاوے اور اس بارہ میں خود حضرت اقدس نے آخر کتاب براہین میں بھی ایک اشارہ لطیفہ فرمادیا ہے دیکھو عنوان آخر کتاب کو دہم اور ہماری کتاب) اسمیں تحریر فرماتے ہیں اور سچ تو یہ ہے کہ جسقدر اُسنے جلد چہارم تک انوار اسلام کے ظاہر کئے ہیں۔ یہ بھی اتمام حجت کے لئے کافی ہیں اور اُسکے فضل و کرم سے امید کیجاتی ہے کہ وہ جبتک شکوک اور شبہات کی ظلمت کو بکلی دُور نہ کرے اپنی تائیدات غیبیہ سے مددگار رہیگا اگرچہ اس عاجز کو اپنی زندگی کا کچھ اعتبار نہیں لیکن اس سے نہایت خوشی ہے کہ وہ حی و قیوم کہ جو فنا اور موت سے پاک ہے ہمیشہ تا قیامت دین اسلام کی نصرت میں ہے آخر تک اور آپنے جو صفحہ ۱۴ سطر ۷ میں لکھا ہے کہ مولوی محمد احسن امروہی نے ۱۲۔ اگست ۱۹۰۶ء کو بدر میں بالفاظ ذیل مجھکو دھمکایا تھا لہٰذا آپ خبردار رہیں کہ میں اب بھی وہی شعر بطور تہدید آپکے لیے پڑھتا ہوں سے حملہ بر خود مے کنی ایسادہ مرد + ہمچو آں شیرے کہ بر خود حملہ کرد۔ اور الحمد للہ ثم الحمد للہ کہ آپکی ہفوات اور ہذیات کے استیصال کرنیکے لیے اللہ تعالیٰ نے یہاں ایسے اصول تحریر کرادیئے ہیں کہ جنسے آپکے ہفوات اور ہذیات سابقہ لاحقہ آیندہ کا استیصال بخوبی ہو گیا ہے اور وہ جملہ اصول اور سب قواعد کلیہ بفضلہ تعالیٰ اس رسالہ میں تحریر ہو گئے ہیں۔ جنسے تمام ہذیانات سابقہ لاحقہ اور آیندہ مثل نسیج العنکبوت کے مستاصل ہو گئے اور ہو جاوینگے اور ان اوھن البیوت لبیت العنکبوت کا نظارہ ناظرین پر منکشف ہو جاویگا

سوال (۱) منارہ بھی ویسا ہی ناتمام رہ گیا۔ صرف بیچ سے کسیقدر اونچا اُٹھا ہے اور روپیہ اُس کے چندہ کا اِدھر اُدھر صرف کردیا گیا۔ **۱۔ الجواب**۔ کیا سائل کو نہیں معلوم کہ بیت المقدس کی تعمیر

حضرت داؤد نے شروع کی تھی۔ پھر حضرت سلیمان اسکی تعمیر میں مصروف رہے۔ پھر بھی اسکی تعمیر کو مکمل نہ کر سکے اور بیت المقدس انکی وفات کے بعد طیار ہوا۔ دیکھو تفاسیر کو زیر تفسیر آیت فلما قضینا علیہ الموت کے۔ پس ایسے اعتراض بیہودہ کرنا اپنی سفاہت کا اظہار کرنا ہے۔ اور اگر فرض کیا جاوے کہ کسیقدر روپیہ دوسرے مصارف تائید اسلام میں صرف کیا گیا تو اس سے کیا محذر شرعی لازم آتا ہے الاہم فالاہم۔ اسلام میں ایک قاعدہ کلیہ ہے تنظیم مسجد کیلیے اگر ایک وقت میں مینارہ مہم معلوم ہوا مگر دراصل مینارہ کونسا ایسا اہم امر تھا جو تمام ضروریات دین سے مقدم کیا جاتا۔ اگر اللہ تعالی نے چاہا تو وہ بھی اپنے وقت پر طیار ہو جاویگا۔

سوال (۲) مکان خواجہ کمال الدین صاحب میں یہ الہام ہوا تھا کہ انی احافظ کل من فی الدار پھر خود ہی وہاں پر انکی وفات ہوگئی۔ تو یہ الہام کیونکر صادق تسلیم کیا جاوے۔ الجواب۔ معترض کو عجیب جہالت ہر چہار طرف سے گھیرے ہوئے ہے۔ کیا اس الہام کے یہ معنی ہیں کہ جو کوئی اس مکان میں ہوگا اسکی موت مقدر کبھی نہیں آئیگی اول تو یہ مخصوص ساتھ عذاب طاعون کے ہے۔ پھر اس مکان میں طاعون کب واقع ہوا۔ دوسرے حضرت اقدس کی وفات شریف محبی ڈاکٹر محمد حسین شاہ صاحب کے مکان میں واقع ہوئی ہے۔ نہ خواجہ کمال الدین صاحب کے مکان میں۔ تیسری یہ کہ حضرت اقدس اپنی وفات شریف کی خبر چار پانچ روز پیشتر وفات کے الہاماً فرما رہے ہیں الرحیل ثم الرحیل والموت قریب۔ پھر کیا یہ الہام الرحیل اسکو مستثنی نہیں کر رہا۔ چوتھی یہ کہ جب ہم سب لوگ ہمرکاب حضرت اقدس کو لاہور میں داخل ہوئے۔ خصوصاً جبکہ ان مکانوں میں نازل ہوئے۔ تو وہاں پر مچھروں کی اسقدر کثرت تھی۔ کہ الاماں! الاماں! اسلیے اکثر احباب کو یہ خیال آیا کہ آجکل کے ڈاکٹروں نے یہ خیال کیا ہے کہ مادہ طاعون کا مچھروں میں بھی ہے۔ پس اس خیال کو رد کے لیے یہ الہام ہوا کہ انی احافظ کل من فی الدار جو صاف قرینہ اس امر کا ہے کہ مراد حفاظت سے کیوقت مقدر تک طاعون سے حفاظت ہے لا غیر قید وقت کے ساتھ مقدر کے اسلیے کیگئی ہے کہ ان اللہ لا یغیر ما بقوم حتی یغیروا ما بانفسھم وارد ہے۔

سوال (۳) مرزا صاحب کا تو ایک یہ بھی الہام تھا کہ تمھاری جوانی پھر لوٹ کر آویگی۔ یہ کیسی جوانی

لوٹ کر آئی کہ وفات پا گئے۔ یہ الہام کیونکر صادق ہو سکتا ہے۔ **الجواب** افسوس کہ مخالفین اسی حیات
دنیا کو حیات سمجھ رہے ہیں اور نہیں جانتے کہ ایک حیات طیبہ مومنین مخلصین کے لیے ایسی آنیوالی ہے کہ جس میں ایک عمدہ
جوانی بھی لوٹ کر آجاویگی قال اللہ تعالیٰ انا انشأنٰھن انشاءً فجعلنٰھن ابکارا عربا اترابا
لاصحاب الیمین یعنی تحقیق ہم نے وہ عورتیں اٹھائیں ہیں۔ ایک عمدہ اٹھان پر پھر کر دیا ہے
ہم نے انکو کنواریاں پیار دلاتیاں اور ہم عمر کر دیا واسطے اصحاب یمین کے۔ پس یہ الہام حضرت کو بشارت
دیتا ہے کہ آپ اصحاب الیمین ہی ہیں جو آپکے انوار شباب کے لوٹ کر آجاویں گے اور ظاہر ہے کہ یہ امر
بغیر وفات کے ممکن نہیں۔ دوسرا دنیا ہمیشہ رہنے کی جگہ نہیں ہے اور دوبارہ زندگی آنیوالی ایسی نہیں ہے
کہ انہیں بڑھاپا اور اسکی تکالیف میں مومن مبتلا ہو گا۔ کیا کیجیے کہ تمہاری نظر صرف اسی دنیا پر ہے
واطمئنوا بہا یعنی بالحیوٰۃ الدنیا کے یہ مصداق ہیں جو ایسے بیہودہ اعتراض کرتے ہیں افسوس
ہے آجکل کے یہودی مولویوں پر کہ ایسے بیہودہ اعتراض جنکا جواب کتاب سنت میں موجود ہے
بسبب اپنی جہالت کے ابتک کیے جاتے ہیں۔ غیر اہل اسلام جو منصف اور محقق ہیں حضرت اقدس کی ان کارروائیوں
پر نظر کر کے کہ جو انہوں نے مانند انبیاء اولوالعزم کے تائید دین اسلام کے لیے کیں یہ مدح و ثنا کرتے ہیں چنانچہ پائونیر
کا ایڈیٹر محقق بعد مدح و ثنا حضرت اقدس کے آخر میں لکھتا ہے کہ "بہر حال قادیان کا نبی ایک ایسا
انسان تھا جو دنیا میں ہر روز نہیں آیا کرتے۔ اسکی قبر پر رحمت ہو" (دیکھو پائونیر نمبر ۱۴۴ مورخہ ۲۹ مئی ۱۹۰۸ء
وغیرہ اخبار) اور اگر اسی طرح ریویو میں گاہ گاہ یا شوق بقیہ وساوس مندرجہ المسیح الدجال اور کانے
دجال کا بھی استیصال ہمیشہ کر دیا جاتا۔ جب تک رمق حیات فانی باقی ہے قل اعوذ برب الناس
ملک الناس الٰہ الناس من شر الوسواس الخناس الذی یوسوس فی صدور الناس
من الجنۃ والناس پڑھتا رہوں گا کیونکہ ایسا مجھکو بخوبی ثابت ہو گیا ہے کہ آپکا الٰہ دیر اسوقت کے
مسیلمہ کذاب ہیں جس طرح پر مسیلمہ کذاب کا لقب جو آنحضرت صلعم کی زبان مبارک سے نکلا تھا وہ لقب قیامت تک
باقی رہا آپکے لیے لقب کانے دجال کا جو خود آپکے ہی ہاتھ اور قلم سے نکلا ہے قیامت تک باقی رہیگا ؎
بو مسیلم را لقب کذاب ماند ۔ مر محمد را اولوالالباب ماند ۔ محررہ ہفتم جون ۱۹۰۸ء (باقی آیندہ) کتبہ السید محمد احسن امروہی

وفات مسیح موعودؑ

(از خلیفہ مسیح موعودؑ حضرت مولوی نورالدین صاحب)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نحمدہٗ و نصلی علیٰ رسولہ الکریم و اٰلہٖ مع البرکات و التسلیم

اما بعد

فاشھد ان لا الٰہ الا اللہ وحدہٗ لا شریک لہٗ و اشھد ان محمداً عبدہٗ و رسولہٗ

ثم اعوذ باللہ من الشیطان الرجیم

۱- ما المسیح ابن مریم الا رسول قد خلت من قبلہ الرسل ۔

۲- ما محمد الا رسول قد خلت من قبلہ الرسل - افان مات او قتل انقلبتم علیٰ اعقابکم - ومن ینقلب علیٰ عقبیہ فلن یضر اللہ شیئاً وسیجزی اللہ الشاکرین -

ان دونوں آیتوں پر غور کریں - کیا فرماتی ہیں - اگر پہلی آیت کریمہ مسیح ابن مریم کو رسول فرما کر اسکے گذر جانیکا ذکر فرماتی ہے - تو دوسری آیت بینہ کیا ہی دلربا تعلیم دیتی ہے - کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جیسے خاتم النبیین رسول رب العالمین کو اگر موت آجاوے یا وہ بالفرض قتل کیے جاویں تو کیا تم لوگ اُلٹے پاؤں اپنی ایڑیوں پر لوٹ جاؤ گے؟ اور جو کوئی اُلٹا پھرا اپنی ایڑیوں پر پس وہ ہرگز ضرر نہ دے سکیگا اللہ تعالیٰ کو کچھ بھی - اور عنقریب ہی اللہ بدلہ دیگا ان قدر کرنیوالوں کو - کیا معنے حضرت نبی کریمؐ کے اللہ نے تمکو جن بد اعتقادیوں اور بد چلنیوں سے - ایک پاک روح کی طفیل

نکالا۔ کیا اسکے مرجانیکے بعد تم ان عقاید غیر صحیحہ اور اقوال و افعال و اعمال باطلہ کیطرف پھر رجوع کرجاؤ گے؟ ایسا نہ کرنا کیونکہ وہ اعمال و افعال و اقوال بہر حال گھنونے اور اسی لائق تھے کہ انکو ترک کیا جاوے۔ وہ تو کسی طرح بھی قابل عملدرآمد نہیں تھے۔ رہے تمھارے مشکلات اور وہ ابتلا جو تمکو اپنے ہادی کے بعد آئیں گے سو انکی پروا مت کرنا تم نے اس پاک وجود کی اور اسکی پاک تعلیم کی قدر کی اور اسکے شکر گذار ہوئے تو اللہ تعالیٰ بھی جو حقیقی شکور ہے۔ بڑا قدردان۔ اور بڑے بدلے دینے والا ہے۔ کیا معنے تمکو بڑھ چڑھ کر ضرور اس قدر کا بدلہ دیگا۔ جب اس نے بدلہ دیا تو کیا وہ تمکو تباہ کردیگا؟ ایسا ہرگز نہیں ہوگا پس تم ہرگز تباہ نہ ہوگے۔ حضرت امام خود اپنی الوصیۃ کے صفحہ نمبر ۵ میں اپنی وفات کا ذکر فرماتے ہوئے اور مخالفوں کی دو جھوٹی خوشیوں کو جناب الٰہی سے پامال کر دکھانیکا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔ اور قوم کو مخاطب فرماکر ارشاد کرتے ہیں۔ ”غمگین مت ہو اور تمھارے دل پریشان نہ ہو جائیں۔ کیونکہ تمھارے لیے دوسری قدرت کا دیکھنا بھی ضرور ہے۔ اور اسکا آنا تمھارے لیے بہتر ہے کیونکہ وہ دائمی ہے جسکا سلسلہ قیامت تک منقطع نہیں ہوگا۔ اور وہ دوسری قدرت نہیں آسکتی جب تک میں نہ جاؤں“۔ موت کا آنا سب کے لیے جو مخلوق ہوا ضروری ہے کل نفس ذائقۃ الموت بلا استثنا یہ ایک عام قاعدہ اول تو منصوص پھر موجود و مشہود ہے۔ اس سچے قاعدہ کے مطابق قرآن کریم ہمیں تعلیم دیتا ہے کہ موت جب سامنے حاضر ہو تو وصیت کا کرنا تمھارے لیے ایک ضروری اور فرض کام ہے اس پر اس امام نے کیسا عمل کیا ہے! اس نص کو سن لو۔ اور پھر اس عمل و درآمد کو دیکھ لو۔ نص یہ ہے

کتب علیکم اذا حضر احدکم الموت ان ترک خیرا الوصیۃ*

اور اسپر جو عمل و درآمد اس کامل انسان نے فرمایا وہ رسالہ الوصیۃ میں ملاحظہ کرو۔ صفحہ نمبر ۲ سطر ۴ سے فرماتے ہیں ”میرا زمانہ وفات نزدیک ہے“ (یہ حضر احدکم الموت

* لکھا گیا ہے تمپر جب حاضر ہو تم میں سے کسی کی موت اگر چھوڑا کسی خیر کو ایک وصیت۔ منہ

کا بیان ہے) اور اس بارہ میں اس کی وحی اسقدر تواتر سے ہوئی کہ میری ہستی کو بنیاد سے ہلا دیا۔ قرب اجلک المقدر الیٰ آخرہ۔ قل میعاد ربک الیٰ آخرہ۔ جاء وقتک الیٰ آخرہ۔" اور صفحہ نمبر ۳ سطر ۱۱ میں ہے" بہت تھوڑے دن رہ گئے ہیں۔ اُس دن سب پر اُداسی چھا جائیگی" ان الہامات پر ایک سعادتمند دل غور کریں۔ پھر صفحہ نمبر ۹ کی سطر ۵ اسے فرماتے ہیں۔" اور راستباز جس راستبازی کو دنیا میں پھیلانا چاہتے ہیں اسکی تخمریزی اُنہیں کے ہاتھ سے کردیتا ہے۔ لیکن اسکی پوری تکمیل انکے ہاتھ سے نہیں کرتا بلکہ ایسے وقت میں اُنکو وفات دیکر جو بظاہر ایک ناکامی کا خوف اپنے ساتھ رکھتا ہے مخالفوں کو ہنسی اور ٹھٹھے اور طعن و تشنیع کا موقع دیدیتا ہے" اس آپکے پاک کلام سے کیسا واضح ہوتا ہے کہ آپ کو قرب اجل کی خبر دیگئی اور آپنے الوصیۃ لکھدی اور اس حالت کا ایسا نقشہ کھینچا کہ گویا آپ دیکھ رہے تھے۔ کہ ایک طرف موت ہے۔ دوسری طرف دشمن ہنستا ہے۔ سامنے قوم ہے۔ ان کلمات طیبات اور اس نظارہ کو جو آپکی وفات کے بعد لاہور میں ہمنے دیکھا ہے کوئی عقلمند سعید دیکھے۔ اور بے باک مرتد کا ٹریکٹ اسپر طرہ اور امرتسری مولوی کا اشتہار علاوہ بریں ہو۔ تو قدرت کا مشاہدہ ہوجاتا ہے کہ خدا کی باتیں کیسی سچی ہوتی ہیں جو وہ اپنے بندوں سے فرماتا۔ اور انکے مُنہ سے نکلواتا ہے۔ اب آپکی وفات تو ہوچکی۔ اور ہم نے دیکھ لی اور وہ صداقت بھی ظاہر ہوچکی جسکا ذکر فرمایا کہ لوگ ہنسی۔ ٹھٹھا کریں گے تو اب الوصیۃ کے صفحہ نمبر ۵ سطر اول میں جو ارشاد فرماتے ہیں۔ اسکو پڑھیں" (نبی کی وفات کے بعد مشکلات کا سامنا پیدا ہوجاتا ہے اور دشمن زور میں آجاتے ہیں (جیسے ہم کو لاہور میں ایسا تنگ کرنا چاہا کہ گویا اب ہم کو کھالیں گے۔ اُسوقت ابر رحمت کی طرح پولیس آگئی اور مسخرے خائب و خاسر بھاگے) اور خیال کرتے ہیں کہ اب کام بگڑ گیا اور یقین کرلیتے ہیں کہ اب یہ جماعت نابود ہوجائیگی اور خود جماعت کے لوگ بھی تردد میں پڑجاتے ہیں اور

انکی کمریں ٹوٹ جاتی ہیں۔ اور کئی بدقسمت مرتد ہونیکی راہیں اختیار کر لیتے ہیں۔ تب خداتعالیٰ دوسری مرتبہ (پہلی مرتبہ تو اس امامؑ کے وقت میں ان لوگوں نے ناخنوں تک زور لگایا اور جہانتک انسے ہوسکا جان و دل سے سرتوڑ کوششیں کیں پر الٰہی قدرت نے آخر ایک ممتاز جماعت قایم کردی) اپنی زبردست قدرت ظاہر کرتا ہے اور گرتی ہوئی جماعت کو سنبھال لیتا ہے پس وہ جو آخر تک صبر کرتا ہے خداتعالیٰ کے اس معجزہ کو دیکھتا ہے جیسا کہ حضرت ابوبکر صدیقؓ کے وقت میں ہوا۔"

عزیزان غور کرو! آپکے بعد معاً۔ دفن سے پہلے۔ جماعت میں بلا اختلاف شمال سے جنوب اور مغرب سے مشرق تک وحدت کی روح اللہ قادر و مقتدر نے کسطرح پھونک دی۔ ع اے خدا قربان احسانت شوم۔ اب ایک مسلمان۔ ایک مدبّر۔ ایک عاقبت اندیش اور ایک دنیا کے حوادث کو دیکھنے والا غور کرے حضرت میرزا کا ایک کیا چار بیٹے اور پوتا موجود۔ میرزا کا داماد محمد و علی نام کا مجموعہ قابل قدر اور لائق موجود۔ میرزا کا خسر بجائے باپ موجود ہے۔ اور تمام قوم نے ایک اجنبی کے ہاتھ پر بیعت کرلی۔ اب خدا را اس آیت کریمہ کو پڑھو۔

وَاِنْ يُّرِيْدُوْٓا اَنْ يَّخْدَعُوْكَ فَاِنَّ حَسْبَكَ اللّٰهُ ۗ هُوَ الَّذِيْٓ اَيَّدَكَ بِنَصْرِهٖ وَبِالْمُؤْمِنِيْنَ ۝	اور اگر چاہیں گے وہ کہ دھوکہ دیں تجھو۔ تو بس بے ریب اللہ ہی بس ہے تجھو۔ وہ وہی ہے جس نے تائید کی تیری اپنی نصرت سے اور مومنوں کے ساتھ۔
وَاَلَّفَ بَيْنَ قُلُوْبِهِمْ ۭ لَوْ اَنْفَقْتَ مَا فِي الْاَرْضِ جَمِيْعًا مَّآ اَلَّفْتَ بَيْنَ قُلُوْبِهِمْ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ اَلَّفَ بَيْنَهُمْ ۭ اِنَّهٗ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ۔	اور الفت ڈالدی انکے دلوں میں اگر خرچ کرتا تو جو کچھ اس زمین میں ہے سب کا سب الفت دیسکتا تو انکے دلوں میں۔ لاکن اللہ نے الفت دی انکے درمیان تحقیق اللہ غالب حکمت والا ہے۔

اس آیت کریمہ کو عملی رنگ میں کوئی دکھائے کہ جن مشکلات میں ہم کو ہمارے گدی نشینوں

اور علما - پھر چلتے پرزوں اور مرتدوں نے ڈالنا چاہا ہمیں ہمارے مولیٰ ہمارے ناصر ہمارے ہاتھ اور ہماری کمروں کو تھامنے والے الحیّ القیوم نے کیسا بچایا - الحمد للہ رب العٰلمین - الرحمٰن الرحیم - مالک یوم الدین -

ہمارے ملک ہیں - یا ہمارے ملک میں سے سید محمد جونپوری - علی متقی شیخ شیخ عبدالحق محدث دہلوی - الشیخ المجدد الالف الثانی - شاہ ولی اللہ - اور سید احمد بریلوی یہ لوگ ہیں جنہوں نے دعاوی مجددیت کیے اور لوگوں نے بھی انکو مجدد مانا - انکے کارنامے بحمد اللہ ہم سے مخفی نہیں مگر جو کچھ اس شخص مغفور ۱۳۲۶ نے کرکے دکھایا اسکا مقابلہ سوائے عقلمندوں کے کون کرے - اللہ تعالیٰ کو توفیق ہے کہ آنکھیں کھولدے کیونکہ

۱ - اوّل آپنے تمام دنیا کو دعوت کی اور انگریزی واردو میں بیس ہزار اشتہار سے اعلان کیا کہ الاسلام حق ۲ دہریہ - کیواسطے قرآنی صدہا پیشین گوئیوں اور اپنے متعلق ایک بڑا مجموعہ بشارات کا اور قبل از وقت اخبار کا پیش کرکے معرفت الٰہیہ کا دروازہ کھولدیا ہے گو ہمارے مخالف خدا کے ماننے والے اس راہ میں مشکلات ڈالتے رہے اور ڈالتے ہیں کہ بعض بشارات پوری نہیں ہوئیں - مگر عقلمند جانتے ہیں کہ مفید و راحت بخش تدابیر اپنی کثرت کے لحاظ سے مفید بقین کیجاتی ہیں نہ اس لیے کہ وہ کبھی مستثنیات بھی رکھتی ہیں - ۳ - پھر آریہ کے لیے براہین - سرمہ چشم آریہ شحنہ حق آریہ دھرم قادیان کے آریہ اور ہم - چشمہ معرفت وغیرہا کتابیں لکھکر اہل اسلام کو انکے شر سے آگاہ فرمایا -

۴ - اور سکھوں کے لیے ست بچن - ہی پر بس نہ کی بلکہ چولہ صاحب ایک اور قرآن کریم کو منجملہ تبرکات بابا نانک جی ثابت کرکے جنم ساکھی بھائی بالا سے قوم سکھ کو جگایا اور خوب جگایا انپر حجت قایم کردی ۵ - پھر برہمو دھرم کو براہین احمدیہ لکھ کر بیدار فرمایا کہ الہام کیا ہے اور اسکی لامحدودیت کیا ہے اور کسطرح ہوتا ہے اور خدا سے تک وہ کیوں قدم نہیں اٹھاتے - اگرچہ ہونا چاہیئے تک وہ پہنچ گئے ہیں - ۶ دارالسلطنت

لاہور۔ میں اول تو فیصلہ آسمانی خود سنایا۔ جلسہ اعظم مذاہب ہوتو ہوا میں کیسا جامع دمانع عظیم الشان خطبہ سنا کہ اپنے کام سے سبکدوش ہو چکے پھر ایک اور لیکچر تیسری بار۔ اس کے بعد پھر اسلیے کہ آخر دار السلطنت ہے آریہ کے جلسہ میں اپنی جماعت کو ایک مضمون دیکر بھیجا اور آخری اُنکا حملہ جو بڑے ہی زور شور سے ہوا اسکا بذاتِ خود جواب دیکر چشمۂ معرفت کا مُنہ کھول دیا۔ پھر اسپر بس نہ کی۔ وہاں کے عمائد و اراکین کو اپنے مکان پر بلایا اور دعوت دی اور اپنی تعلیم و دعویٰ کو نہایت ہی مدلل پیش کیا اور آخری پیغام صلح اسی لاہور میں دیکر اپنے فرائض منصبی کو پورا کر دیا جزاہ اللہ عنا احسن الجزاء۔ ۷۔ مسیحی لوگوں کی مذہبی لڑائی میں تو آپکا عہدہ ہی آپکو شامل کر چکا تھا۔ اس لیے اول تو دعاؤں سے کام لینا اُنکا اصل فرض تھا کیونکہ یہی ایک ہتھیار خصوصیت سے انکو دیا گیا تھا۔ کوئی غور کرے کہ اِن تیس پینتیس برس میں اس قوم کے اندر کیسا خطرناک کیڑا لگا ہے۔ کہ تثلیث یا ثالوث اور کفارہ اور الوہیت مسیح کا پہاڑ گرا کہ گرا۔ اسقدر اعلان و اشتہار شایع کیے کہ اس گانوں میں ایسے عظیم الشان کام پر تعجب آتا ہے۔ پھر اقوال موجہ و اصول صادقہ کا وہ مستحکم پہاڑ بنایا ہے کہ اس ذوالقرنینی سد کو اب یاجوج ماجوج نہیں توڑ سکیگا۔ انشاء اللہ تعالیٰ۔ سعدی علیہ الرحمۃ تو ۔ع تر اسد یاجوج کفر از زرست۔ لکھکر اسلامیوں کی کمزوری ظاہر کرکے اپنے ممدوح کو جزبہ دینوالا کفار کا باجگزار بناتا ہے۔ مگر اس امام نے واقعی ایک ایسی سد بنادی ہے کہ اسکا توڑنا اب انسانی کام نہیں رہا۔ مثلث مثلاً میں ایک اینٹ اس دیوار کی پیش کرتا ہوں۔ جنگ مقدس میں آپ فرماتے ہیں۔

آسمانی کامل کتاب کا ایک نشان یہ ہے۔ کہ وہ اپنے دعاوی اور ان دعاوی کے دلایل خود پیش کرے تاکہ اُس حیّ قیوم کے کلام کو دوسرے کا سہارا نہ لینا پڑے۔ اگر وہ کتاب اعلیٰ صداقتیں پیش کرے تو ان صداقتوں کے دلایل بھی آپ ہی دے۔

اور اگر کسی بطلان کا بیان کرے۔ تو وجوہ بطلان بھی اپنے دلایل نیرہ سے بتادی۔ پھر آپنے قرآنی تعلیمات کو اس طرح تمثیلات سے دکھایا۔ نیز مرزا صاحب نے بتایا کہ کامل کتاب اللہ تعالیٰ کے قرب کی راہیں بتاکر کل کو نہ سہی بعض متبعین کو تو مکالمات الٰہیہ کے شرف سے مشرف فرماوے۔ ایسا خدا تو نہ بتادے جیسا یہود کی ملامت کا باعث انکا بچھڑو معبود خدا ٹھہرایا گیا جسپر اللہ فرماتا ہے انہ لا یکلمھم و لا یھدیھم سبیلا۔ ترجمہ بچھڑے کو کیونکر معبود بناتے ہیں۔ تحقیق وہ تو انسے کلام نہیں کرتا اور انکو نیک راہ نہیں بتاتا۔ ۸۔ سید احمد خانی جماعت کو رو باصلاح لانیکے لیے برکات الدعا۔ اور آئینہ کمالات اسلام میں ایک چٹھی لکھی۔ اور انکے فلسفیانہ خدا اور فلسفیانہ الہام کے بدلہ اسلامی قادر مقتدر اپنے پیاروں سے کلام کرنیوالے خدا کی طرف راہ نمائی فرمائی بہت متصوف گدی نشینوں۔ اور بہی علما کو اقسام مواعظ و تعلیمات صحیحہ۔ دعاؤں کے طریق بتاکر بہی راہ دکھائی۔ اور بقیۃ السیف کو اعجازی تحریر۔ اور سیفیوں کو بیکار دکھاکر اندر ہی اندر نادم کردیا۔ ۹۔ مسئلہ حیات و ممات مسیح اسرائیلی پر جو آپکے دعاوی کی اصل بنیاد اور ابطال مذہب مسیحی کے لیے بے نظیر حربہ تھا۔ وہ بسط کیا ہے کہ اسپر اب بحث کا موقع ہی نہیں رہا۔ ۱۰۔ اپنے مقناطیسی جذب سے جو حقیقۃً بالکل الٰہی فضل تھا۔ وہ طاقت دکھائی کہ مخالفوں نے بہیئت اجماعیہ ناخنوں تک زور لگایا۔ مگر آپکی روزانہ روز افزوں ترقی کو کوئی روک نہ سکا۔ ۱۱۔ زندگی میں سر الخلافہ لکھ کر۔ اور وفات میں قوم کی روحانی ترقی کا معجزہ دکھاکر ثابت کردیا کہ حضرت نبی کریمؐ کی وفات پر خلافت کا کوئی جھگڑا نہیں ہوا۔ دیکھتے نہیں کہ نبی کریمؐ کے ایک غلام اور اس کے جانشین کے روبرو آپکے چار بیٹے۔ دو پوتا اور ایک لائق داماد اور ایک سید خسر موجود ہے۔ اور وہ ہمہ تن اس آدمی کے ماتحت جو نہ مغل اور نہ ترک اور نہ انکا رشتہ دار جتنا قرشیت کے لحاظ سے صدیق اکبرؓ کو حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے تعلق حاصل تھا۔ اس موجودہ اتفاق و وحدت سی ہمارے

احباب فایدہ اُٹھائیں۔ ۱۲۔آدم سے لیکر حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تک کسی نبی کو یہ کامیابی نصیب نہ ہوئی جو ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو ہوئی۔ عیسائیوں کے خدا صاحب عیسائیوں کے نزدیک حتیٰ کہ اپنی زندگی میں کامیاب ہوئے اور انکے مطاع مکرم جسطرح ہولی لینڈ میں جا براج اُنپر طاہر ہے۔ گو ہم مسلمان انکی وجاہت و کامیابی کے قائل ہیں مصلحان ملک نے کبھی ایسی کامیابی کا مُنہ نہ دیکھا اگر آخر آپکے جانشینوں نے ہی بتدریج تمام مراکز مذاہب یروشلم اور آتش کدہ آزر وغیرہ کو فتح کر لیا۔ پھر اصلی آیت کریمہ کا آخری حصہ لیتے ہیں پس کیا آپکی وفات پر (صلی اللہ علیہ وسلم) بلکہ فرض کرلیں کہ اگر آپ قتل بھی ہو جاتے۔ تو کیا آپکے تعلیم یافتہ لوگ شرک و کفر اور اُن بداعمالیوں کو جنمیں ملک گرفتار تھا پھر اختیار کرتے۔ نہیں اور ہرگز نہیں۔ ایسا ہی اسوقت دنیا نے دنیا کو دین پر مقدم کر لیا تھا اور حیات مسیح کے مسئلہ نے مسیحی مذہب کی کمر کو مضبوط کر دیا تھا۔ اور آپکے نزول جسمانی کے توہمات نے مسیحیوں کے ساتھ مسلمانوں کو بولنے کے قابل نہ رکھا تھا۔ رؤیا۔ کشوف وحی کا مسئلہ ہنسی و تمسخر میں اڑایا جاتا تھا۔ اور مسیح کا بت ایسا قایم کیا گیا کہ کروڑوں روپیہ سالانہ اس بت کی خاطر پانی کی طرح بہایا جاتا تھا۔ اور شراب خواری۔ جوا بازی۔ اور قسم قسم کی سود خواری جسنے مسلمانونکی زمینیں اور وجاہت کو کھا لیا۔ اور شریعت کے ناواقفوں نے مسئلہ ربا میں یہاں تک بیحیائی سے کام لیا کہ ربا کے معنے ہی گویا کسی کو نہیں آتے۔ ربا جیسا خطرناک گناہ جسکی نسبت حرم الربا اور فاذنوا بحرب من اللہ کا فتویٰ موجود ہے ہر روز مسلمانوں پر ربا کے باعث ڈگریاں ہوں اور انکے اموال و زمینیں تباہ ہوں اور ہمارے محقق الربا کہتے جاویں کہ ربا کے معنے تو حضرت عمرؓ کو بھی معلوم نہ تھے ایک دوکاندار ایک ادنیٰ بے پاری تو اسکے معنے جانتا ہو مگر عمر رضی اللہ عنہ اسکے معنے سے بیخبر ہوں دینی غفلت کا یہ حال ہو گیا تھا کہ ایک ریفارمر نوجوان نے مجھے فرمایا کہ کوشش کرو کہ لوگ صرف مردم شماری میں اپنے آپ کو مسلمان لکھوا دیں اور بس۔ کسی عمل و اعتقاد کی ضرورت نہ رہے۔ اور دعا

کی تاثیرات دعا کی حقیقت اور دعا جیسے عظیم الشان سبب حصول مرادات کو محض لغو قرار دیا جارہا تھا۔ یہ ایسے وقت ایک نور اترا اور اس نے علاوہ مکارم اخلاق اور معاشرت و تمدن و اطاعت اولوالامر اور تمام خوبی بھری تعلیموں کے ہمکو اعلیٰ اصل یہ سکھایا کہ ہم گندی زندگی سے توبہ کریں۔ اور آیندہ دین کو دنیا پر مقدم رکھیں۔ اور سیکڑوں ہزاروں نہیں بلکہ لاکھوں روحوں کو اس تعلیم کے ساتھ نجات دیدی۔ اور اس تعلیم کی قریبًا پینتیس برس آبپاشی کرکے آخر اذا حضر احدکم الموت ان ترک خیرا الوصیة کا سبق دیکر قریب تھا کہ رخصت ہوجاتا مگر صرف مولیٰ کا احسان ہوا۔ کہ حقیقۃ الوحی۔ چشمہ معرفت اور پیغام صلح لکھ کر اور لاہور میں امراکو بلاکر حجت قایم کرکے اس دنیا سے حسب بشارات چلدیا۔*

(۱) بخرام کہ وقت تو نزدیک رسید دبدر ۱۹۔ دسمبر ۱۹۰۵ء (۲) ڈرومت مومنو (۱۵۔ مئی ۱۹۰۸ء) (۳) تیری خوش زندگی کا سامان ہوگیا ہے۔ (۴) سو تم خدا کی قدرت ثانی کے انتظار میں اکٹھے ہوکر دعا کرتے رہو۔ الوصیة

اب وہ اس دنیا میں رہکر کیا کرتے۔ کیا تمام مخالفوں۔ مرتدوں۔ دشمنوں کا قلع و قمع کرکے اپنے جانشینوں کو مساعی جمیلہ اور کوشش و اجتہاد سے محروم کرکے جاتے۔ اور جو ترقیات ابتلاؤں محنتوں سے ہوتی ہیں اور جو جو نیک بدلے اور صلوات و رحمتیں و برکات صبر پر ملتی ہیں۔ انسے ہم لوگوں کو محروم کرجاتے۔ عزیزان! یہ لوگ دنیا کے لیے نور۔ رحمت اور برکت ہوتے ہیں جب دنیا روحانی دکھوں میں مبتلا ہوکر تباہ ہونیکو ہوتی ہے جیسا ظھر الفساد فی البر والبحر بما کسبت ایدی الناس لیذیقھم بعض الذی عملوا لعلھم یرجعون سے ظاہر ہے۔ کہ ایک وقت ہوتا ہے کہ حضرت حق سبحانہٗ کا رحم۔ کرم۔ ستاری۔ غنائے ذاتی اور بے پروائی کام کرتی ہے اور بدکار کو اسکی بدکاری پر عفو و درگذر سے کام لیتا ہے۔

* انکے علاوہ چشمہ مسیحی اور قادیان کے آریہ اور ہم۔ عیسائیوں اور آریوں کے لیے قلم برداشتہ لکھیں منہ

اور پھر ایک اور وقت آتا ہے کہ چور پکڑا جاتا ہے ڈاکو کو سزا ملتی ہے اور ظالم اپنے ظلم کا پھل کھاتا ہے۔ سزا کا زمانہ آنیسے کچھ طبائع میں نئے زمانہ کا شوق پیدا ہوجاتا اور اپنے موجودہ حالات سے گونہ سیر ہی نہیں ہوجاتے بلکہ تنگ آجاتے ہیں۔ ادھر حق کی تڑپ بعض نفوس میں پیدا ہوجاتی ہے دنیا کی بے ثباتی کثرت اموات اور دنیا کے مشکلات کی حقیقت قحطوں اور جنگوں سے سامنے آجاتی ہے۲؎۔ آپکے زمانہ کو دیکھو۔ قحط کے علاوہ جنگ ٹرنسوال و برطانیہ اور روس و جاپان نے کیسی جوانوں کے اقارب واحباب میں دنیا کی بے ثباتی کے نقشہ کو پیش کیا اور قحط نے کنبہ والوں کو کن مشکلات کا نظارہ دکھایا۔ پھر طاعون نے بقیۃ السیف اور بقیۃ القحط لوگوں کو کیا وعظ کیا۔ بائبل کا مجموعہ صدہا تراجم کے ذریعہ خدا کے نام سے آگاہ کر کر لوگوں کو ملزم کرچکا اور پھر قرآن کریم اپنے تراجم کے ساتھ اور اس ملک میں بہر بھر کر انکے بعد آریہ نے بھی اوم نام پیش کر کے ہندوستان کو بہت وعظ کیا یہ تو عام کارروائی اور حجت ملزمہ تھی مگر پنجاب میں خصوصیت سے ایک اس انسان حضرت میرزا نے پیدا ہو کر تمام دنیا میں ایک انقلاب ڈال دیا اور اسطرح ولقد ارسلنا الی امم من قبلک فاخذنا اھلھا بالباساء والضراء لعلھم یضرعون۔ کی تصدیق کردی۔ غرض یہ لوگ قسم قسم کی بداعمالیوں اور روحانی بیماریوں میں مخلوق کو گرفتار دیکھ کر انکے لیے کبھی تڑپتے اور گاہے خفا ہو کر بداعتقادوں شوخوں پر بددعائیں کرتے ہیں کبھی مدلل کلام سے ایک حصہ ملک اور سعادتمند انسانوں کو آگاہ فرماتے اور کبھی اس جمالی رنگ سے جلالی رنگ میں جھڑکیاں دیتے ہیں۔ یہانتک کہ اس مزرعۃ الآخرت میں جنتی طوبے کا بیج بو دیتے ہیں اور اس پاک درخت کو بو کر اپنی پاک توجہات۔ دعاؤں۔ عقد ہمت سے اپنے اقوال واحوال اور اعمال وافعال سے اسکی آبپاشی کرکے اسکی جڑھیں مضبوط پاکر ملاء اعلیٰ سے جا ملتے ہیں۔ کزرع اخرج شطأہ فآزرہ فاستغلظ فاستوی علیٰ سوقہ

۲؎ اس سنت اللہ پر غور کرو اور پھر غور کرو

یعجب الزراع۔ اور سورہ اذا جاء نصر اللہ والفتح پر تدبر کرو۔ یہ آیۃ اور سورہ کریمہ دو بڑی گواہ میرے اس کلام پر ہیں۔ ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم متمم مکارم اخلاق اور انسانی شخصی اصلاح۔ معاشرت و خانہ داری۔ اپنے و بیگانے سے تعلقات کیسے چاہیئے۔ عبادات و معاملات سیاست و تمدن اور اطاعت اولی الامر وغیرہ وغیرہ کی اصلاحات کیلیے دنیا میں رونق افروز ہوئے۔ مگر اصل اصول آپ کی تعلیمات کا اشھد ان لا الٰہ الا اللہ وحدہٗ لاشریک لہٗ و اشھد ان محمدا عبدہٗ و رسولہٗ تھا۔ جب یہ مضمون مکہ و مدینہ اور انکے نواحی میں قایم ہوگیا۔ تو داعی اجل کو لبیک کہدی۔ ایک لاکھ چالیس ہزار کے مجمع حجۃ الوداع میں الاھل بلغت پکار کر۔ ۸۱ روز بعد اس دنیا سے کوچ کردیا۔ مگر جو بیج بویا تھا اسکا وہ درخت بنا جس نے پہلے تمام عرب پر اپنا سایہ کردیا اور یہ واقع دنیوی تاریخ میں سپر نیچر کا رنگ رکھتا ہے کیونکہ تاریخ کے صفحہ پر ایسا عملی رنگ کسی مصلح کے زمانہ کا نظر نہیں آتا۔ خیر بہرحال اب دشمن جلسے کریں اور خوشیاں منائیں۔ پہلی زبردست قدرت الٰہیہ اور نصرت الٰہیہ کو تو دیکھ چکے ہیں۔ اور دوسری قدرت کا تماشا دیکھیں۔ اب یہ درخت محض اللہ تعالیٰ کے فضل سے جیسے محفوظ رہا ہے ویسا ہی اب پھولیگا اور پھلے گا اگر ہم میں انکو کارکن لوگ تھوڑے نظر آتے ہیں۔ تو امام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ کے مذاہب کے رو سے صحابہ کرامؓ میں فقہا کتنے تھے انکی تعداد دکھائیں۔ اور خالد بن ولید جیسے سپاہی کتنے تھے انکی تعداد پیش کریں۔ اور قدرت کا نمونہ دیکھیں۔

برادران۔ وفات مسیح کا مسئلہ بھی منجملہ عجائبات الٰہیہ و اسرار خداوندی کے ہے کیونکہ ہمارے امام علی نبینا محمد و علیہ الصلوٰۃ و السلام ہمیشہ اپنے ایام زندگی میں مسئلہ وفاتِ مسیح علیہ السلام پر اپنی تعلیمات میں زور دیتے ہی رہے۔ اور اپنی پُرزور تقریر و تحریر و عقد ہمت سے اس مسئلہ کو اجلے بدیہیات سے کرکے دکھایا۔ اور ہزارہا قلموں اور تقریروں کے

سامنے یہ جری اللہ آخر فتح مند ہوا۔ جزاہ اللہ احسن الجزاء آمین۔ اور آپکی وفات کے بعد معاً آپکے احباب پر اسی مسئلہ وفات مسیح کے بارہ میں ہی دشمن نے حملہ کر دیا۔ الٰہی تیری پاک ذات بڑے بڑے عجائبات کا سرچشمہ ہے۔ ایک عقلمند۔ عاقبت اندیش اور خدا ترس دنیا کی بے ثبات ایام زندگی کو دیکھنے والا کیسے کیسے سبق سیکھ سکتا ہے اگر توفیق بھی اسکی دستگیر ہو۔ ہمارے مخالف جلد بازو! کچھ تو صبر سے بھی تم کام لیتے۔ تم نے پہلی قدرت کا نمونہ دیکھا تھا۔ دوسری کیلیے صبر کرتے۔ مگر اللہ تعالیٰ نے ہمارے لیے آپ صبر کے اجر انشاء اللہ تعالیٰ رکھے ہیں۔ والحمد للہ رب العالمین۔ کیا تمھیں خبر نہیں کہ ہمارے امام نے انتقال کیا اور ظاہر ہے کہ رئیس جماعت اور انکا امام جب انتقال کرتا ہے تو اسکی جماعت کو نفس اس واقع سے کیا ابتلا آتا ہے۔ اور دشمن بھی مانتا ہے۔ کہ یہ واقعہ بے ریب ہمارے لیے رنج دہ واقعہ ضرور ہے۔ مگر ہم نے اسپر صبر سے کام لیا۔ انا للہ و انا الیہ راجعون۔ اللّٰھم اجرنا فی مصیبتنا و اخلف لنا خیراً منھا و عضنا خیراً منھا۔ مگر تم نے ہماری تعزیت پر سوانگ بھرے۔ تمہاری پروفیسر اور صوفی نے سوانگ بھرنے والوں کو اعزازی خطاب خادم دین کا دیا۔ تمام دنیا میں بُرے یا بھلے مرے ہیں اہل اسلام کی تعلیمات میں کیا تم نے یہ تعلیم کہیں پڑھی ہے؟ کہ یہ طریق تعزیت کب سے معمول اہل اسلام ہوا؟ اللہ کس نے اسکی ابتدا کسے من سن سنۃ سیئۃ کا تمغہ لیا؟ عزیزان۔ اللہ تعالیٰ کے تمام کام بے ریب حق و حکمت سے بھرے ہوئے ہوتے ہیں۔ اور اس کے ہر ایک کام میں اسکی ربوبیت و رحمانیت و رحیمیت اور مالکیت جوش زن رہتی ہے۔

ہر بلا کایں قوم را حق دادہ است زیر آں گنج کرم بنہادہ است۔ ہاں تعلیم۔ در عمل در آمد۔ اور متبعین پر جو اثر اس تعلیم و عمل و در آمد کا ہونا ہے وہی عاقبت اندیش انسان کے لیے آخری کامیابی کا معیار ہوا کرتا ہے۔ بہرحال پہلے مسیح علیہ السلام کی وفات کے مسئلہ کی طرح یہ مسئلہ وفات الامامت صحیحہ اور رسالہ الوصیۃ سے تکمیل کو پہنچ چکا تھا

بدر ۲۹- دسمبر ۱۹۰۷ء- "بخرام کہ وقتِ تو نزدیک رسید" "ستائیس کو ایک واقعہ (ہمارے متعلق) اللہ خیرٌ و ابقیٰ" "خوشیاں منائیں گے"

بدر- ۲۶- مئی ۱۹۰۸ء- (۲ مئی ۱۹۰۸ء کا الہام ہے) "الرحیل ثم الرحیل والموت قریب" ۱۵ مئی ۱۹۰۸ء- "ڈر و مت- مومنو!"

۱۰- نومبر ۱۹۰۷ء "موت قریب ہے، ان اللہ یحمل کل حمل"

قادیان کے آریہ اور ہم

وہ دن گئے کہ راتیں کٹتی تھیں کر کے باتیں ؛ اب موت کی ہیں گھاتیں غم کی گھٹا یہی ہے

جلد آ پیارے ساقی اب کچھ نہیں ہے باقی ؛ دے شربتِ تلاقی حرص و ہوا یہی ہے

حقیقۃ الوحی صفحہ اخیر

چہرہ دکھلا کر مجھے کر دیجیے غم سے رہا ؛ کب تلک لمبے چلے جائیں گے ترسانیکے دن

بدر نمبر ۱۸ جلد ۲ "دشمن کا بھی ایک وار نکلا۔ و تلک الایام نداولھا بین الناس" پھر خدا تعالیٰ فرماتا ہے۔ "ہماری عادت ہے کہ کبھی ہم دشمن دین کو بھی خوش کر دیا کرتے ہیں" ۲۶- اپریل ۱۹۰۸ء "ماتم کدہ۔ منسوخ شدہ زندگی" ۲۶- اپریل ۱۹۰۸ء مباش ایمن از بازیٔ روزگار"

اور امام نے الوصیۃ کو لکھ کر اپنے ایسے بہت سے الہامات کی عملاً تصدیق فرما دی۔ اب الوصیۃ کو دیکھ کر کب قابلِ وقعت ہے، وہ جو اپنے منہ سے کہہ چکا ہے کہ وہ بیس برس متواتر اسکا متبع رہا جسکو وہ خود خاک بدہنش کہتا ہے۔ جو کہتا ہے اور جس کی اتباع میں وہ بیس ہزار روپیہ برباد کر چکا ہے (گو اسکا یہ خرچ میرے جیسے انسان کے لیے تامل کا مقام ہے کیونکہ میں بھی تجربہ کار ہوں) اور جس نے بار بار کہا ہے کہ یا تینی صادق و کاذب۔ اور جس نے دیکھ لیا کہ صدق کی عمارت قایم ہے۔ اس لیے وہ راستباز ہلاک نہیں ہوا اور جسکی نزدیک

کسی راستباز کا ماننا ضروری ہی نہیں۔ کیونکہ نجات کی راہیں بے انت ہیں۔ اور جس کے شہر میں ایک نے حضرت خاتم النبیین رسول رب العالمین صلی اللہ علیہ و آلہ الی یوم الدین کو مسیح الدجال کہکر ایک کتاب لکھی جسکا نام مسیح الدجال تھا اور اب خود اپنا نام الذکر الحکیم معروف کانا دجال کہکر اپنے آپکو پہلے کا جانشین بنایا۔ اللّٰھم انا نجعلك فی نحور الاعداء ونعوذ بك من شرور الاعداء۔ اللّٰھم اکفنا شرھم بما شئت۔ ہمیں اپنے اعدار پر تعجب بھی آتا ہے۔ کیونکہ عبدالحکیم بھی اپنی نسبت انك لمن المرسلین اور انا ارسلناك بالحق بشیرًا و نذیرًا۔ اور مسیح۔ و محمد و ابراہیم۔ موسیٰ و عیسیٰ بننے کا مدعی ہے۔ پھر پیسہ اخبار۔ اور مولویصاجبان کا اس کی نسبت کوئی جوش نہیں اسکا کیا بھید ہے؟

بہرحال حضرت مرزا کی وفات پر جن مشکلات کا ہمیں خیال ہو سکتا تھا کہ ہمارے سامنے ہونگی ان کے علاوہ لاہور کے عوام کا وہ شور و غل تھا جسکا مجھے وہم و گمان بھی نہ تھا۔ قریب تھا کہ وہ لوگ ہمیں گاڑی تک بھی نہ پہنچنے دیتے کہ معًا اللہ تعالیٰ نے ابر رحمت کی طرح پولیس ہمارے لیے بھیجدی۔ اور گورنمنٹ کا دل سے شکریہ کرتے ہوئے ہم پلیٹ فارم پر آرام سے سوار ہو گئے۔ اگر مرزا صاحب اپنے امن اور سامان اشاعت اور ہر طرح کے شکھوں کے باعث اس گورنمنٹ کے شکرگذار تھے اور قوم کو اطاعت کی تاکید کرتے گئے تو اسکی وفات نے اور بھی اسکی قوم کو امن پسند گورنمنٹ کا شکرگذار بنادیا۔ مَیں خوشامد سے نہیں کہتا کسی غرض سے نہیں میرا مطلع اس دنیا سے کوچ کر گیا اور مَیں بوڑھا ہو گیا ہوں اور میرا زمانہ بھی کچھ بہت بڑا نہیں میرے دل میں یہ سطور لکھنے کا جوش تھا جو قلم سے نکلا۔ ایاکم و الظن فان الظن اکذب الحدیث ہماری قوم اس آرام کی قدردان ہو۔ آمین یارب العالمین۔

اب میں ان حملونکا ذکر کرتا ہوں جو ہم پر ہو چکے ہیں اور تمام حملوں میں زبردست

حملہ جسکو دشمن یقین کرتا ہے کہ اس سے ہمکو پاش پاش کر دیگا۔ اور اس حملہ سے ثابت کرتا ہے کہ اس نے مرزا کو ہلاک کر دیا۔ اور اس کا نام و نشان نہیں چھوڑا۔ وہ یہ حملہ ہے کہ میرزا صاحب قبل از وقت انتقال کر گئے۔ اور انکے الہامات کی رو سے جو انکی عمر چاہیئے تھی اسمیں سے چار یا پانچ برس تو ضرور ہی کم ہو گئے۔ کیونکہ عمر کی نسبت اصل الہام یہ تھا کہ "تیری عمر اسّی برس کی ہوگی یا پانچ کم یا پانچ زیادہ" اس الہام میں علیم و خبیر کی طرف سے یا یا کا لفظ بعض ایسی طبایع کو جو سماوی کتب کے محاورات سے نابلد ہیں تعجب میں ڈالتا ہے مگر اسکا سر ہم انشاء اللہ تعالیٰ بیان کر دینگے۔

سو یاد رہے کہ یہی اعتراض مخالفوں کے اعتراضات کا سرچشمہ ہے باقی تمام اعتراضات اس اعتراض کے باعث پیدا ہوتے ہیں اس اعتراض کے لیے کوئی بر ہمو۔ اور شریف و متین مسیحی اور فلسفی تیار نہیں ہوا اور نہ ایسے گروہ سے خیال ہو سکتا ہے کہ توجہ کرے۔ اس اعتراض کے جوشیلے معترض اڈیٹر اہل حدیث اور امرتسر کے نرم دل۔ مرنج و مرنجان مرحوم و مغفور انسان عبد اللہ الغزنوی رحمۃ اللہ۔ کی طرف تلمذ کا مدعی عبد الحق ہے۔ ہاں۔ ایک امرتسری وکیل بھی ہیں جو ایک طرف تو ہمیں متانت و بردباری کی تعلیم دیتے ہیں اور دوسری طرف علمائے کرام اور اپنے خطبائے عظام کو ہماری مخالفت میں تیز قلمیں اُٹھانیکی ترغیب دیتے ہوئے ہیں اور ہمارے امام کو جتنا بُرا کہنا اسکی ابتدائی کارروائی میں جسقدر زور لگانا اسکو مناسب تھا اس سے بہت زیادہ زور لگایا۔ اللہ تعالیٰ ہی اسکو اسکا بدلہ دے۔ اللّٰھم انا نجعلک فی نحورھم و نعوذ بک من شرورھم۔ اللّٰھم اکفنا شرھم بما شئت۔

مرزا صاحب مغفور کی کیا عمر تھی جب آپکا انتقال ہوا اسکے لیے میں کوشش میں ہوں کہ پتہ لگے مرزا سلطان احمد نے تولد کا سنہ ۳۶ و ۲۷ بتایا ہے پس اس شمسی حساب سے آپکی عمر قمری حساب میں ۰۰ مگر قبل از اطلاع تام خواہ مخواہ اگر مان لیں کہ آپنے کچھ عمر کم پائی ہے،

تو ایڈیٹر اہل حدیث اور عبدالحق کا علاج ایک حدیث شریف کے نسخہ سے شروع کرتا ہوں۔ والشافی ہو اللہ تعالیٰ۔ ہو الشافی۔ ترمذی شریف کی تفسیر سورۃ الاعراف اور خلاصۂ مشکوٰۃ باب القدر میں ہے حدثنا عبد بن حمید نا ابونعیم نا هشام بن سعد عن زید بن اسلم عن ابی صالح عن ابی هریرۃ قال قال رسول الله صلی الله علیه وسلم لما خلق الله اٰدم مسح ظهرہ فسقط من ظهرہ کل نسمة هو خالقها من ذریته الی یوم القیامة وجعل بین عینی کل انسان منهم وبیصا من نور ثم عرضهم علی اٰدم فقال ای رب من هؤلاء قال هؤلاء ذریتك فرای رجلا منهم فاعجبه وبیصًا ما بین عینیه فقال ای رب من هذا قال هذا رجل من اٰخر الامم من ذریتك یقال له داؤد قال رب وکم جعلت عمرہ قال ستین سنة قال ای رب زدہ من عمری اربعین سنة۔

فلما انقضی عمر اٰدم جاءہ ملك الموت فقال اولم یبق من عمری اربعون سنة قال اولم تعطها ابنك داؤد قال فجحد اٰدم فجحدت ذریته ونسی اٰدم فنسیت ذریته وخطی اٰدم فخطئت ذریته۔

هذا حدیث حسن صحیح وقد روی من غیر وجه عن ابی هریرۃ عن النبی صلی الله علیه وسلم۔

تفسیر درّ منثور میں ابن ابی حاتم و ابن منده و ابوالشیخ و ابن عساکر سے اس مضمون کی روایات کثیرہ اس کی تائید میں موجود ہیں اور ان میں یہ لطیفہ قابل قدر ہے کہ جملہ نسی آدم ونسیت ذریتہ وجحد آدم فجحدت ذریتہ کو ابوہریرہ کا قول بتایا ہے۔ اور و اذ اخذ ربك من بنی اٰدم کے نیچے بیان کیا ہے۔

اس حدیث سے ثابت ہوا کہ ایک عظیم الشان انسان کی عمر سے چالیس برس

کم ہوگئے۔ اور ہمارے امام مرزا جی کو میں آج نہیں کہتا۔ براہین احمدیہ کے لکھتے وقت یا آدم اسکن انت وزوجک الجنۃ کا الہام ہوچکا تھا۔ اور اسے آدم کہا گیا۔ پھر اگر یہاں مانا جاوے کہ چار یا پانچ برس کی کمی ہوئی اگرچہ واقع میں کمی نہیں ہوئی تو آپ لوگوں نے کیوں حُسن ظن سے کام نہ لیا۔ احادیث صحیحہ سے ایاکم و الظن فان الظن اکذب الحدیث ثابت ہے۔

اس میرے بیان کی تصدیق اول ان صدہا بلکہ ہزارہا الہامات سے ہوتی ہے جنکی صداقت مرزا صاحب مغفور کی زندگی میں ہم دیکھ چکے۔ پھر آپکی کامیابیوں کو آخر آپکی بعد الوفات کامیابی اور وحدت سے ہم دیکھ چکے ہیں۔ فجزاہ اللہ عنا احسن الجزاء۔ عبد الحکیم اگر اس حدیث کا انکار کرے تو تعجب نہیں کیونکہ اس کے نزدیک نجات کی بے انت راہیں اتنی وسیع ہیں کہ انبیاء پر ایمان بلکہ ایمان باللہ بھی ضروری نہیں۔ مگر وہ ابتک قرآن کریم سے تمسک پکڑتا ہے۔ اس لیے اسکو ہم یہ آیت کریمہ سناتے ہیں ما ننسخ من اٰیۃ او ننسھا نأت بخیر منھا او مثلھا الم تعلم ان اللہ علی کل شیءٍ قدیر۔ یہاں آیت کا لفظ ایک وسیع لفظ ہے انسانوں پر بھی بولا جاتا ہے دیکھو اللہ تعالیٰ ایک ویران بستی پر گذرنے والے کو مخاطب کرکے فرماتا ہے ولنجعلک اٰیۃ للناس۔ یہاں اس گذرنے والے کو آیت فرمایا ہے جو لوگ دنیا میں مامور ہوکر آتے ہیں وہ بھی آیت اللہ ہوتے ہیں اور انکا اس دنیا سے کوچ کرجانا انکے عنصری وجود کی نسخ ہوتی ہے۔ بلکہ ایک زمانہ ایسا بھی آتا ہے کہ بعض آیات بھول بھی جاویں۔ لاکن رحمت الٰہیہ نأت بخیر منھا او مثلھا ہمکو عمدہ تسلی بخش ہے۔ جسپر ہم ایمان لاکر یقین کرتے ہیں کہ آپکی اولاد سے آپسے خیر کان اللہ نزل من السماء یا کم سے کم آپکی مثل آنیوالا ہے اور نسخ کے ایسے وسیع معنے لینے میں السید عبد القادر الجیلانی جیسے بزرگ ہمارے ساتھ ہیں۔

مسیح کی وفات کا مسالہ آپکی زندگی میں مہتم بالشان مسالہ تھا۔ اور یہی مسالہ ہم لوگوں کے لیے ہماری زندگی میں بھی دوفات المسیح کا مسالہ مہتم بالشان ہوگیا۔ یاد رکھو کبھی دعاؤں ۔ صدقہ وخیرات وعلاج ومعالجہ سے قضا و قدر ٹلتی ہے۔ اور گاہے صبر وشکر اور ولنبلونّ کی حکومت سے ہماری تدابیر ٹل جاتی ہیں۔ اور اس عجیب قدرت سے اللہ تعالیٰ کے ساتھ ہمکو الایمان بین الخوف والرجاء کا مسالہ سکھایا گیا ہے اور یہ خوف ورجا ہمارے لیے دو پر عطا کیے گئے جیساکہ سید عبدالقادر الجیلی نے فتوح الغیب میں اس کا بسط فرمایا ہے۔

ایک صوفی اور اسکا معظم ومکرم قادری بھی خوشیاں کرتے ہیں اور وہ یقین کرتے ہیں کہ عمر والے الہام میں وہ جیت گئے انکو میں حضرت السید عبدالقادر الجیلی کا ایک قول سناتا ہوں اور دیکھتا ہوں کہانتک وہ قادری اور صوفی مشرب ہیں اگر یہ دوائی ان کے لیے مفید نہ ہوئی تو سلاسل اربعہ کے اقوال بطور حجۃ انکے پیش کرونگا۔ انشاء اللہ تعالیٰ وما توفیقی الا باللہ۔ اور اس آپکے بیان سے میری تحریر بالا کو صفائی سے تائید ملتی ہے۔ جسکا مینے نسخ کے معنے میں ذکر کیا ہے۔ حضرت السید الجیلی مقالہ ۶ میں عبودیت کا ذکر فرماتے ہوئے اور اس کے انعامات کی تفصیل کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔

	ترجمہ
فیختار العبد ح اللّٰہ عز وجل ویرید بارادتہ عز وجل ویدبر بتدبیرہ ویشاء بمشیتہ ویرضیٰ برضاہ ویمتثل امرہ دون غیرہ ولا یری لغیرہ عز وجل وجوداً ولا فعلاً فی	کامل عبودیت کے بعد بندہ اللہ تعالیٰ کو پسند کرلیتا ہے اور اللہ ہی کے ارادہ و تدبیر ومشیت ورضا کے ساتھ اپنے ارادہ و تدبیر ومشیت ورضا کو وابستہ کرلیتا ہے اور اُسی کا حکم مانتا ہے نہ غیر کا اور اللہ کے سوا کسی کا حقیقی وجود وفعل نہیں مانتا پس ایسے

يجوز ان يَعِدَهُ اللهُ الوَعدَ وَلَايُظهِرَ لِلعَبدِ وَفاءً بذٰلك ولا يبلغه ما قد توهم من ذٰلك لان الغيريّةَ قد زالت بزوال الهوى والارادة وطلب الحظوظ وصار في نفسه فعل الله عز وجل وارادته ومراداً له عز وجل فلا يضاف اليه وعد ولا خلف لان هٰذه صفة من له هوى وارادة فيصير الوعد ح في حقه مع الله عز وجل عزم على فعل شئ في نفسه ونواه ثم صرفه الى غيره كالناسخ والمنسوخ فيما اوحى الله عز وجل الى نبينا محمد صلى الله عليه وسلم

ما ننسخ من اٰية او ننسها ناتِ بخير منها او مثلها الم تعلم ان الله على كل شئً قدير۔

وقت میں ہوسکتا ہے کہ اللہ تعالےٰ اپنے بندہ سے کوئی وعدہ کرے اور ظاہر نہ کرے بندہ کے لیے اس وعدہ کی وفا کو۔ اور پہنچاتا ہی نہیں اس بات پر جسکا اس بندہ کو خیال تھا۔ کیونکہ اس بندی اور اس کے معبود میں غیریت اسلیے دُور ہوگئی کہ بندی کی خواہش دُور ہوگئی۔ اور اسکا ارادہ اور طلب حظوظ بھی تو اس لیے اس بندہ کے افعال افعال الٰہیہ ہوجاتے ہیں تو وہ وعدہ اور اس کے خلاف کا معاملہ اللہ تعالیٰ کی ذات سے وابستہ ہوگیا۔ کیونکہ وعدہ اور اسکا خلاف تو غیریت سے وابستہ تھا پس اسوقت عبودیت میں جو وعدے اس بندے سے ہوئے ایسے ہوجاتے ہیں کہ گویا کسی بندہ نے آپ ہی ارادہ کیا اور پھر اس ارادہ اور اس نیت کو کسی دوسرے کام میں لگا دیا اور یہ معاملہ ناسخ ومنسوخ کی طرح ہوجاتا ہے اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب ..... میں جو ہمارے نبی کریم محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے وحی فرمائی اس میں فرمایا ہے کہ

اگر ہم منسوخ کردیں کسی بات کو یا بھلا دیں تو لاتے ہیں بہتر اس سے یا اسکی مثل کیا تو نہیں جانتا کہ اللہ تعالیٰ ہر ایک چیز پر قادر ہے۔

اس تعلیم پر قادری ہونے کے مدعی۔ اور السید عبد القادر جیلانی کے معتقد توجہ فرماویں۔ اگر حضرت مرزا صاحب کا کوئی ارادہ اور خواہش تمہارے لیے ٹھوکر کا باعث ہو تو اسی مقالہ میں غور کریں حضرت جیلانی فرماتے ہیں لما کان النبی صلی اللہ علیہ وسلم منزوع الھویٰ والارادۃ سوی المواضع التی ذکرھا اللہ عزوجل فی القرآن۔ یہاں سوے المواضع کے مقام میں مرتبہ خاتم النبیین و رسول رب العالمین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور مرتبہ غلام احمدؑ کا مدنظر رکھ لیں تو انشاء اللہ تعالیٰ.... اُنکا بھلا ہوگا۔

اب میں اس اپنی پہلی تحریر میں مسئلہ وفات مسیح کو ان اشعار پر جو ایک صوفی اور انکے متبعین کے لیے انشاء اللہ مفید ہونگے لکھتا ہوں۔ یہ نظم حضرت کی ہے۔ اور ایک احمدی خلیفہ رشید الدین نے ۲۵ مئی کو لکھی اور ۲۶۔ کو بمقام قادیان ۱۰ بجے خوش قلم لکھوائی۔ حالانکہ واقع وفات ۱۰½ بجے کو ہوا۔

آنانکہ گشت کوچۂ جاناں مقام شان ∴ ثبت ست بر جریدۂ عالم دوام شان

ہرگز نمیرد آنکہ دلش زندہ شد بعشق ∴ میر د کسیکہ نیست مرامش مرام شان

اے مردہ دل بکوش پئے ہجو اہل دل ∴ جہل و قصور تست نفہمی کلام شان

ایک لڑکی کے متعلق کہ اس سے آپکی شادی ہوگی۔ اور ایک عورت سے زلازل کے پہلے ایک لڑکا ہوگا۔ اور پانچویں اولاد کی بشارت پر جو اعتراض ہیں۔ انکا للہ و باللہ قرآنی جواب یہ ہے کہ کتب سماویہ کا طرز ہے کہ مخاطب ہے گا ہے خود مخاطب ہی مراد ہوتا ہے اور گاہے وہ اور اسکا جانشین اور اسکی اولاد بلکہ اسکا مثیل مراد ہوتا ہے مثلاً۔ اللہ تعالیٰ زمانہ نبوی میں فرماتا ہے اقیموا الصلوٰۃ وآتوا الزکوٰۃ اس حکم الٰہی میں۔ خود مخاطب اور انکے مابعد کے لوگ شامل ہیں جو ان مخاطبین کی مثل ہیں۔ اور جعلکم ملوکاً میں مخاطب تو مراد ہی نہیں مگر اور

انکے پس ماندوں میں بھی بعض ہی مراد ہیں۔ کیونکہ بنی اسرائیل اس خطاب کے وقت بادشاہ نہ تھے بلکہ اس خطاب کے بعد چالیس برس جنگل میں بھٹکتے پھرے ہلاک ہوئے اور اس نسل میں سوائے دو کے کسی کا پتہ نہیں لگتا۔ اور حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ کے بنی اسرائیل کو ارشاد ہوتا ہے۔ حالانکہ وہ مرتکب نہیں۔

۱۔ اِذْ اَنْجَیْنَا کُمْ مِنْ اٰلِ فِرْعَوْنَ یَسُوْمُوْنَکُمْ سُوْٓءَ الْعَذَابِ یُذَبِّحُوْنَ اَبْنَآءَ کُمْ وَیَسْتَحْیُوْنَ نِسَآءَ کُمْ۔	۱۔ یاد کرو جب ہم نے بچایا تمکو فرعونیوں سے تمکو برا دکھ دیتے اور تمھارے بیٹوں کو ذبح کرتے اور تمھاری عورتوں کو زندہ رکھتے۔
اور فرماتا ہے۔ اِذْ فَرَقْنَا بِکُمُ الْبَحْرَ فَاَنْجَیْنَا کُمْ۔	۲۔ اور جب فرق ڈالدیا ہم نے تمھارے لیے دریا میں اور پھر بچا لیا تم کو۔
پھر فرماتا ہے۔ ثُمَّ اتَّخَذْتُمُ الْعِجْلَ مِنْ بَعْدِہٖ وَاَنْتُمْ ظَالِمُوْنَ۔	۳۔ پھر بنا لیا تمنے بچھڑے کو معبود پیچھے اس کے اور تم ظالم ہو۔
وَاِذْ قُلْنَا ادْخُلُوْا ھٰذِہِ الْقَرْیَۃَ فَکُلُوْا مِنْھَا۔	۴۔ اور جب کہا ہم نے داخل ہو تم اس بستی میں پس کھاؤ تم اس سے۔
وَاِذْ قُلْتُمْ یٰمُوْسٰی لَنْ نَّصْبِرَ عَلٰی طَعَامٍ وَّاحِدٍ فَادْعُ لَنَا۔	۵۔ اور جب کہا تم نے اے موسیٰ ہم صبر نہ کرینگے ایک طعام پر پس دعا مانگ ہمارے لیے۔

اور کثرت سے یہ طرز قرآن مجید میں ہے کہ مخاطب کوئی ہوتا ہے اور مراد گاہی وہی اور گاہے اس کا مثل ہوتا ہے۔ اسی طرح ضمیر غائب میں کبھی خود مرجع مراد ہوتا ہے اور گاہے اسکا مثل۔ نحو میں اَخَذْتُ الدِّرْھَمَ وَنِصْفَہٗ کی مثل دیتے ہیں کیونکہ اس سے منشاء عرب ڈیڑھ درہم ہوتا ہے نہ ایک درہم اور قرآن کریم کی بہت جگہ میں سے ایک جگہ لکھتا ہوں وَمَا یُعَمَّرُ مِنْ

معمر ولا ینقص من عمرہ - اور نہیں عمر دیا جاتا بڑا بوڑھا اور نہ کچھ کم کیا جاتا ہے بوڑھے کی مثل اور کم عمر کی عمر سے۔ اس آیت میں عمرہ کی ضمیر معمر کی طرف تو جا نہیں سکتی اس لیے معمر کی مثل اور انسان مراد ہے۔

ضمیر متکلم میں بھی ایسا ہی ہوتا ہے چند مثالیں سُن لو۔ لو کان لنا من الامر شیئ ما قتلنا ھٰھنا۔ ترجمہ۔ اگر اس حکومت میں ہمارا تعلق و دخل ہوتا تو ہم یہاں نہ مارے جاتے۔

اب یہاں ایک مسلمان غور کرے کہ قتلنا کہنے والے کیا مقتول اور جنگ احد کے شہید مراد ہیں یا انکے زندہ بھائی بند مراد ہیں۔

ایک جگہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے

انا انزلناہ فی لیلۃ القدر۔ ہم نے اس قرآن کو لیلۃ القدر میں اُتارا ہی اور اللہ تعالیٰ نے اپنے آپ کو تعظیماً یا جمع ہو قرآن کریم کا منزل بیان فرماتا ہے۔

پھر اپنے خادم کو فرماتا ہے۔ نزل بہ الروح الامین۔ اس قرآن کو روح الامین نے نازل کیا ہے۔ بلکہ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم یا جبرئیل کی نسبت فرماتا ہے انہ لقول رسول کریم۔ یہ قرآن رسول کریم کا قول ہے۔

اسماء ظاہر میں بھی جب وہ فاعل واقع ہوں ایسا ہی قاعدہ قرآن کریم میں پایا جاتا ہے اللہ تعالیٰ ایک جگہ فرماتا ہے۔ ۱۔ اللّٰہ یتوفی الانفس حین موتھا۔ اللہ تعالیٰ روح کو قبض کرتا ہے موت کے وقت۔ اور پھر فرماتا ہے ۲۔ قل یتوفکم ملک الموت الذی وکل بکم ملک الموت جو تم پر وکیل ہے وہ تمہاری روح کو قبض کرتا ہے۔ اور پھر فرماتا ہے۔ ۳۔ ان الذین توفٰھم الملائکۃ ظالمی انفسھم۔ ان ظالموں کی روح کو ملائکہ قبض کرتے ہیں۔

ان آیات کریمہ میں ایک جگہ اللہ تعالیٰ ہی کو متوفی فرمایا ہے اور پھر ملک الموت کو اور پھر اور اور ملائکہ کو۔

اب تمام اہل اسلام کو جو قرآن کریم پر ایمان لائے اور لاتے ہیں۔ ان آیات کا یاد دلانا مفید سمجھ کر لکھتا ہوں۔ کہ جب مخاطبۃ میں مخاطب کی اولاد۔ مخاطب کے جانشین اور اسکے مماثل داخل ہو سکتے ہیں تو احمد بیگ کی لڑکی یا اس لڑکی کی لڑکی۔ کیا داخل نہیں ہو سکتی اور کیا آپکے علم فرائض میں بنات البنات کو حکم بنات نہیں مل سکتا؟ اور کیا مرزا کی اولاد مرزا کی عصبہ نہیں میں نے بارہا عزیز میاں محمود کو کہا کہ اگر حضرت کی وفات ہو جاوے اور یہ لڑکی نکاح میں نہ آوے تو میری عقیدت میں تزلزل نہیں آسکتا پھر یہی وجہ بیان کی والحمد للہ رب العالمین۔ اسی طرح مبارک احمد کے بدلہ میں اگر اللہ تعالیٰ اسکا نعم البدل عطا کرے جس کا ہم کو یقین ہے کیونکہ اللہ و رسول کا ہم سے وعدہ ہے۔ کہ اگر ہر ایک ہم سے انا للہ وانا الیہ راجعون۔ اللھم اجرنی فی مصیبتی واخلف لی خیرا منہا دل سے پڑھے تو اسے نعم البدل عطا ہوتا ہے پس ہم نے ایمان سے اسکو پڑھا۔ اور جس دن پانچواں مبارک احمد کا بدلہ دنیا میں آیا۔ اور علم فرائض کے موافق و لابن الابن حکم الابن موجود ہے تو آپ لوگ کیا کرینگے۔ پس یہ تمام پیشگوئیاں اگر بظاہر منسوخ ہوں تو ہمیں حرج نہیں اور اگر اپنے شرعی رنگ میں اللہ تعالیٰ سے پوری ہوئیں اور ہونگی تو تم کیسے خطرہ میں ہو اس لئے ہم بہر حال جیت اور فتح میں ہیں۔ مرزا صاحب کی اولاد میں چھ موجود ہیں والحمد للہ رب العالمین۔ پس انہیں سے ایک بھی اولوالعزم ہوا یا انکی اولاد سے وہ عمانوئیل عظیم الشان ولد طیبہ پیدا ہوا تو اسوقت آپ خود اور آپکی اولاد دنیا کو کیا منہ دکھاسکے گی اگر تم مر گئے تو تم کو کیا کہینگے مولوی ثناء اللہ نے زنگارنگ کی احتیاط سے کام لیا ہے اور اخبار وکیل نے بھی

کارسپاڈنٹ میں ہماری نسبت تائیدی فقروں کے لکھنے سے دریغ نہیں کیا۔ اور گوجرانوالہ کے شریف الطبع خالصہ نے جو شرافت کا نمونہ دکھایا اور اسی طرح ریاض لکھنؤ کے ایڈیٹر نے جو شرافت بھرے کالم سے کام لیا ہے۔ اس کے ہم سب احمدی شکر گذار ہیں اور ایڈیٹر مسلم کرانیکل کلکتہ کی تار کا خصوصیت سے شکریہ کرتے ہوئے جزاہ اللہ احسن الجزاء کہتا ہوں۔

بعض جگہ دیسی عیسائیوں نے خوشیوں کے نعرے مارے اور جلسے بھی کئے ہیں کیے مگر وہ غالباً معذور ہیں کہ اگر ایسا نہ کریں تو اپنی خوش اعتقادی کا اور کیا ثبوت دیں انکی کتاب مقدس نیو ٹسٹمنٹ علت و حرمت سے ساکت ہے احکام شرائع کی پابندی سے پولس نے روک دیا تو اپنی خوشی و نیکی کا اب اور ثبوت کیا دیں۔ وہ پہلی انجیل میں ہی دیکھ سکتے تھے۔ کہ یسوع کا مرنا ایسا ہوا بارہ داروں میں سے ایک نے پکڑوایا اور پتھر نے اپنے مقتدا پر لعنت کا پتھر پھینکا اور تتر بتر ہو گئے۔ مگر آخر ان کے نزدیک وہ کامیاب ہوا۔ تو یہاں جو نمونہ ان لوگوں نے دیکھا کیا اس سے ایک عاقبت اندیش عقلمند کچھ اندازہ نہیں لگا سکتا

کم عمری کا اعتراض ہمارے زیر نظر ہے۔ مگر اس ملک پنجاب میں خاص گاؤں میں افراتفری سکھوں کے عہد میں آئی ہو اس سے اور جو خاندانوں اور شرفا میں کالیف پڑی اور انکا ذکر حضرت مہدیؑ نے اپنی تصانیف میں بھی مفصل فرمایا ہی ایسے وقت میں گاؤں کے لوگ نہیں تاریخ تولد کا پتہ لگنا ایک مشکل کام ضرور ہی اور الٰہی مصلحت بھی معلوم ہوتی ہی کہ آپ ہی سے تو دشمن ذرہ ٹھٹھا کرے اسی لیے ہمیشہ حضرت مرزا صاحب نے تخمیناً سے اس معاملہ میں کام لیا ہی۔ اظہار نہیں کی آخر تخمیناً ہی سے کام لینا پڑا اس لیے کسی قدر اختلاف ہوا۔ نصرة الحق کے صفحہ ۹۶ میں ارقام فرماتے ہیں (اور جو ظاہر الفاظ وحی کے وعدہ کے متعلق ہیں وہ تو چوہتر اور چھیاسی کے اندر اندر عمر کی تعیین کرتے ہیں۔ ور صفحہ ۹۷ میں ارقام فرمایا ہی عمر کا اصل اندازہ تو خدا کو معلوم ہے مگر جہانتک مجھے معلوم ہی اب اسوقت کہ جو ۱۳۲۳ھ ہی میری عمر ستر کے قریب ہے واللہ اعلم اسکو ایک عقلمند غور سے دیکھے

اب میں جماعت احمدیہ کو نصیحت کرتا ہوں۔ کہ وہ تحمل بردباری و عاقبت اندیشی اور تقویٰ و طہارت سے کام لیں اور دعا و نہیں گڑ گڑائیں ابتداءً دشمن سے مقابلہ کریں کیونکہ اسلام دفاعی مقابلہ کی اجازت دیتا ہی پس جب ہو دشمن مخالفانہ بات کہے۔ تو اسوقت جناب الٰہی میں تضرع سے دعا کرکے جواب دیں اور یاد رکھیں کہ اللہ تعالیٰ بہت ہی جلد تمہارے لیے تائیدی راہیں کھولنے والا ہو۔ والسلام

نور الدین

۱۴ جون ۱۹۰۸ء

حضرت مسیح موعود کے وصال پر چند مختصر نوٹ

مَنْ شَاءَ بَعْدَكَ فَلْيَمُتْ
فَعَلَيْكَ كُنْتُ أُحَاذِرُ

آہ! صحابہ رضی اللہ عنہم پر وہ کیسا غم کا دن تھا جس دن اُن کا آقا اور محبوب اُن سے جدا ہو کر اپنے محبوب حقیقی سے جا ملا - اس کا کسی قدر اندازہ اس شعر سے ہوتا ہے جو مینے اس عنوان میں لکھا ہی آج تیرہ سو سال بعد اپنے ایک دوسرے محبوب اور آقا کی جدائی پر جو درحقیقت اُسی پہلے محبوب کا ہی بروز تھا اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْن پڑھنے کے بعد ہم اپنے دل کے غم کے اظہار کیلئے اسی شعر مذکورۃ الصدر کو پڑھتے ہیں - جو شخص یہ کہتا ہے کہ ہم لوگ اپنے پیارے امام کی ہمسے اتنی جلدی جدا ہونیکی توقع نہ رکھتے تھے وہ غلطی کرتا ہے اپنی جدائی کا پیغام تو ہمارا پیارا آقا ہمین آج سے قریب اڑھائی سال پیشتر دے چکا تھا جب دسمبر ۱۹۰۵ء کے جلسہ مین **الوصیت** کو شائع کر کے اور پھر زبانی تقریروں میں اپنے دوستوں کو یہ سنایا تھا کہ اب میرا کام پورا ہو چکا ہے اور میرے خدا کی طرف سے مجھے خبر ملگئی ہے کہ میں عنقریب اُس سے جا ملنے والا ہوں - اور پھر اسکے بعد متواتر الہامات آپ کی وفات کے دلوں کو ہلا دیا کرتے تھے - مگر ہم آپ کی جدائی کے خیال کو برداشت نہ کر سکتے تھے - اور جبتک خدا تعالیٰ نے اس واقعہ کو وارد کر کے ہمیں اُسکی برداشت کیلئے خود اپنی طرف سے طاقت نہیں دیدی اُس وقت تک بیشک ہمارے دل اس خیال سے کپکپا جایا کرتے تھے - دُنیا میں عموماً ایک شخص کا دوسرے سے ایک ہی قسم کا تعلق ہوتا ہے پھر کس قدر اُسکی خواہش ہوتی ہے کہ اسکی جدائی پیچھے ہی پیچھے ہٹتی جائے اور جب وہ واقع ہو جاتی ہے تو کس قدر اُس کے دل کو اس سے غم پہنچتا ہے - اِسی سے ہماری خواہش اور ہمارے غم کا اندازہ کر لو جن کا

وہ جدا ہونے والا محبوب بھی تھا اور محبوب بھی ایسا کہ لایؤمن احدکم حتی اکون احب الیہ من والدہ وولدہ کا مصداق اور پھر وہ ہمارا آقا بھی تھا۔ پھر وہ ہمارا ہادی اور ہمارا رہنما بھی تھا جس نے ہمین خدا کی راہین دکھائیں۔ پھر وہ ہمارا دوست اور غمخوار بھی تھا ایسا غمخوار کہ دوسرا ایسا ہو نہیں سکتا۔ پھر وہ ہمارا باپ بھی تھا ایسا باپ کہ جس سے ہمین روحانی زندگی ملی اور ہم ایک مُردگی کی حالت سی باہر نکالے گئے پھر وہ ہر مصیبت کے وقت میں ہمارا تسلی دینے والا بھی تھا۔ اور ہر غم کے وقت ہمین خوش کرنے والا تھا۔ ہزارہا غموم اور ہموم کے وقت مین اُسکے نورانی چہرہ پر ایک نظر یا اسکی آنکھ کی ایک نظر یا اُسکی مبارک زبان سے ایک لفظ غموں کی گھٹاؤں کو پاش پاش کر دیتا تھا۔ وہ ایک ایسا سورج تھا جسکی شعاعوں کے سامنے کوئی بادل آ نہ سکتا تھا۔ پس ہمارے دل اِس خیال کو کیونکر برداشت کر سکتے تھے کہ وہ بھی ہمسے جدا ہونیوالا ہے حالانکہ ہم جانتے تھے کہ یہ بات ٹلنے والی بھی نہین۔ یہ وہ دلوں کی کیفیت ہے جس کو غلطی سے ان الفاظ سے تعبیر کیا جاتا ہے کہ آپ کے مریدین کیلئے آپ کی موت غیر متوقع تھی۔

حضرت مرزا صاحبکی وفات کا نتیجہ حضرت میرزا صاحب کی وفات سی جو غم ہمین پہنچا ہے یا جو خوشی ہمارے دشمنون کو ہوئی ہے وہ اسی سنت اللہ کے مطابق ہے جس کا ذکر خدا کی پاک کتاب مین اِن الفاظ میں ہوا ہے اِنْ یَّمْسَسْکُمْ قَرْحٌ فَقَدْ مَسَّ الْقَوْمَ قَرْحٌ مِّثْلُہٗ وَتِلْکَ الْاَیَّامُ نُدَاوِلُھَا بَیْنَ النَّاسِ" یعنی اگر تم (مومنوں کی جماعت) کو کوئی دکھ اور تکلیف پہنچی ہے تو تمہارے مخالفوں کو بھی اسی قسم کے دُکھ اور تکلیفین پہلے پہنچ چکی ہیں۔ اور ہماری سنت یہی ہے کہ ہم خوشی اور غم کے دن نوبت بنوبت لوگوں میں پھیرا کرتے ہیں اسی سنت اللہ کے مطابق ۲۹۔ اپریل ۱۹۰۶ء کو الہام الٰہی "دشمن کا بھی ایک وار نکلا وتلک الایام نداولہا بین الناس" کے عنوان سے حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے ایک اشتہار شائع کیا تھا۔ سو آج آپ کی وفات سی یہ الہام الٰہی پورا ہوا۔ مگر یہ نہ سمجھنا چاہئیے کہ مومنو

اور اُن کے مخالفوں میں اِس خوشی اور غم کی پوری مساوات ہوتی ہے۔ خدا تعالیٰ مومنوں کو غم پہنچاتا ہے مگر اِس غم کی تہ میں ایک خوشی ہوتی ہے اور مخالفوں کو جو خوشی پہنچاتا ہے وہ ایک جھوٹی خوشی ہوتی ہے جس کا انجام رنج اور دُکھ ہوتا ہے عاقبت صرف متقین کے لئے ہوتی ہے۔ سو اگرچہ ہمارے امام کی وفات بظاہر ہمارے مخالفون کیلئے خوشی اور ہمارے لئے غم کا موجب ہے لیکن اگر واقعات پر غور کر کے دیکھا جاوے تو اِس خوشی اور غم میں وہ باریک فرق نظر آتا ہے جو سچے مومنوں اور اُنکے مخالفون کے غم اور خوشی میں ہوا کرتا ہے۔ ہمارے مخالفوں کو ساری عمر انتظار کرتے کرتے یہ خوشی کا موقعہ ملا تھا مگر کیا حضرت مرزا صاحب کی وفات سے انکو واقعی خوشی ہوئی؟ میںنے اہل فقہ میں ایک مضمون حضرت اقدس کی وفات پر پڑھا ہے جسمیں مضمون نویس لکھتا ہے کہ ہمین تو اُمید تھی کہ احمدی مرزا صاحب کی لاش کو چھوڑ کر بھاگ جائینگے میں پوچھتا ہوں پھر تمہاری امیدوں کو خدا نے خاک میں ملایا یا نہیں؟ یتربصون بکم الدوائر علیہم دائرۃ السوء۔ مخالفین کو جو حضرت صاحب کی وفات کا انتظار تھا تو صرف اسلئے تھا کہ اُن کو یہ یقین تھا کہ بس مرزا صاحب کے مرنے سے یہ تمام سلسلہ درہم برہم ہو جائیگا اور ساری عمر وہ یہی انتظار کرتے تھک گئے کہ کب مرزا صاحب انتقال کریں اور کب یہ سلسلہ ٹوٹے۔ آخر جب وہ موقعہ آیا اور اونہوں نے سمجھا کہ ہماری خوشی کے دن آئے تو معًا اللہ تعالےٰ نے اپنی قدرت کا ایک ہاتھ دکھا کر ان سب امیدوں پر پانی پھیر دیا اِس میں کچھ شک نہیں کہ اگر اس سلسلہ پر کوئی بڑی سی بڑی مصیبت آسکتی تھی تو وہ یہی اسکے بانی کا اس دنیا سے رخصت ہونا تھا اور اگر کبھی اسکے ٹوٹنے کا اندیشہ ہو سکتا تھا تو اسی موقعہ پر ہو سکتا تھا مگر قربان جائیں اس خدا کے جس نے اسے قایم کیا کہ اُس نے اس نازک موقعہ پر کیسا دست قدرت دکھایا اور کیسا عجیب تصرف دلوں پر کیا۔ میں اپنے دوستون کو یقین دلاتا ہوں کہ اس واقعہ نے ہمارے دشمنوں کی کمریں توڑ دی ہیں اور اُنکی ساری آرزوؤں کو خاک میں ملا دیا ہے جس واقعہ کو وہ مدت سے اِس سلسلہ کی تباہی کا موجب سمجھ رہے تھے وہی آج اُسکی تقویت کا باعث ہو گیا۔ یہ ہے

خدا کی نصرت - مصائب کا آنا تو ضروری ہے اور جس طرح وہ خدا تعالیٰ کے قایم کردہ سلسلہ میں شامل ہونیوالوں پر آتے ہیں اسی طرح اُن کے معاندین پر بھی آتے ہیں مگر یہاں بھی اللہ تعالیٰ مساوات نہیں رہنے دیتا بلکہ اپنے تصرف کا ہاتھ کھلا کھلا کام کرتا ہوا دکھا دیتا ہے پس حضرت مرزا صاحب کی وفات کا سب سے بڑا اور کھلا کھلا نتیجہ تو یہی ہے کہ اس سلسلہ کے دشمن سمجھ گئے ہیں کہ اب اس سلسلہ کے پانوں مضبوط ہو گئے اور یہ کسی طرح ٹوٹ نہیں سکتا - یہ تو ہماری باری تھی کہ ہمپر ایک مصیبت آئی اور اللہ تعالیٰ نے اس مصیبت میں اِس سلسلہ کو اور مستحکم فرمایا اور اِسکے پانوں کو اور بھی مضبوط کر دیا اور جو لوگ اسمیں داخل ہیں اُنکی ہمتوں کو اور بھی بڑھا دیا - اور دوسری طرف ہماری مخالفین کی کمروں کو توڑ دیا اور اُن کی بساطوں کی آرزؤں اور امیدوں کو ایک مرتبہ خاک میں ملا دیا - غرض جب یہ خدا کا فضل ہمپر اس وقت ہوا جب اس نے اپنے قانون کے مطابق ہمپر ایک مصیبت بھیجی تھی - پھر جب ہمارے مخالفوں کی باری آئیگی اور تلک الایام ندا ولها بین الناس کے مطابق وہ ضرور آنی چاہیئے تو اُس وقت ہمیں اپنے مولا سے کیا کیا امیدیں نہ رکھنی چاہئیں - ربنا افتح بیننا و بین قومنا بالحق وانت خیر الفاتحین

درخت اپنے پھل سے پہچانا جاتا ہے یہ ایک خدا کے صادق نبی کا قول ہے اور درحقیقت ایک بہت سچی بات ہے اگر ایک شخص میں خود راستی نہیں بلکہ وہ کذاب اور مفتری ہے اور اسمیں خود قوت قدسی نہیں بلکہ وہ ایک گندہ آدمی ہے جو مکر و فریب سے لوگوں کے مال کھاتا ہے اور خدا پر افترا کے گند پر منہ مارتا ہے تو وہ دوسروں میں راستی کی روح کیونکر پھونک سکتا ہے اور اُن کو گندوں سے کیوں کر پاک کر سکتا ہے - مرزا صاحب کی صداقت یا غیر صداقت کے پرکھنے کے لئے آسان سے آسان یہی راہ ہے کہ جس جماعت کو وہ تیار کر کے چھوڑ گئے ہیں اِس جماعت کو دیکھو کہ اُسکی کیا حالت ہے - سیکڑوں نہیں ہزاروں آدمی قسم کھا کر شہادت دے سکتے ہیں کہ اُنہوں نے اپنے ہادی و مرشد کے پاک انفاس کی وجہ سے

ایک گندی زندگی سے نکل کر ایک پاکیزہ زندگی حاصل کی ہے مگر میں اس وقت اس بات کو پیش نہیں کرتا۔ بلکہ اس سے بھی زیادہ وہ لوگ جن کو اس سلسلہ سے تعلق نہیں مگر اس سلسلہ کے وابستگان سے انہیں اکثر تعلق پڑا ہے وہ بھی ایمانی شہادت دے سکتے ہیں کہ جو خضوع خشوع انکی نمازوں میں دیکھا گیا ہے جس طرح کی عملی حالتیں انکی دیکھی گئی ہیں جو محبت قرآن کریم سے ان لوگوں میں پائی جاتی ہے جو سچی عظمت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی انکے دلوں میں پائی جاتی ہے وہ عام طور پر دوسرے لوگوں میں نہیں پائی جاتی مگر میں اس بات پر بھی اس وقت بحث نہیں کرونگا۔ میں احمدی جماعت کی ایک خاص اور امتیازی خصوصیت کو اس وقت پیش کرتا ہوں اور خدا ترس دلوں سے یہ سوال کرتا ہوں کہ وہ خدا کے لئے اسکا سچا جواب دیں۔ میں یہ پوچھتا ہوں کہ بحیثیت ایک جماعت کے جو جوش دین کی تبلیغ اور خدمت کا اور اسلام کی اشاعت کا احمدیوں کے دلوں میں ہے کیا وہ اس وقت کسی اور جماعت میں بھی ہے ؟ جس طرح بحیثیت ایک جماعت کے (میں افراد کا ذکر نہیں کرتا) احمدیوں نے اپنے مال نہیں بلکہ اپنی جانیں اسلام کی اشاعت اور خدمت کیلئے قربان کی ہیں اور اپنے آپ کو گویا اس راہ میں وقف کر دیا ہے کیا اسکی دوسرے مسلمانوں میں کوئی نظیر بھی ہے ؟ پھر میں یہ دریافت کرتا ہوں کہ یہ جوش اسلام کے لئے اور خدا اور اسکے رسول کا نام بلند کرنے کے لئے کس نے اس جماعت کے دل میں ڈالا ؟ اگر خود اسکے امام اور ہادی کے دل کے اندر یہ جوش دوسرے تمام جوشوں پر غالب نہ تھا تو اس کے پیرووں کے دل میں کہاں سے آ گیا ؟ وہ نام جو آپ لوگوں نے مرزا صاحب کے لئے تجویز کئے مکار اور فریبی اور مال مردم خور اور نفس پرست اور کذاب اور مفتری اور دجال۔ خدا کے لئے ایک لمحہ کے واسطے ان کے مفہوم پر بھی غور کرو۔ اور دوسری طرف احمدیوں کے دل میں جو جوش اعلائے کلمۃ اللہ اور خدمت اسلام کا تم دیکھتے ہو جس کا ثبوت انہوں نے

اپنے مال اور اپنی جانین اس راہ کیلئے قربان کرکے دیدیا ہے - اِس پر بھی غور کرو اور پھر خود ہی بتاؤ کہ کیا تمہارے نزدیک ایک مفتری کذاب - دجال - مکار - فریبی نفس پرست کی تعلیم کا یہی اثر ہونا چاہیئے؟ اور کیا تمہارے پاس اس قسم کی کوئی اور مثال بھی ہے؟ جس بات کیلئے تم خود عیسائیون کو ملزم قرار دیتے ہو کہ اگر ایک صادق اور راستباز صحابہ کا معلم نہ ہوتا تو ان میں صداقت اور راستبازی کی روح کہاں سے آجاتی - آج اسی بات کے لئے حضرت مرزا صاحب کے معاملہ میں تم خود ملزم ٹھیرتے ہو - ہاں اِن باتوں پر اچھی طرح غور کرلو اور سوچ لو کہ کہیں تمہارے اعتراضوں کا نشانہ خود اسلام ہی تو نہیں بنتا؟ وہ بیج تو تم نہیں دیکھ سکتے جس سے یہ درخت اُگا تھا مگر اسکے پھل کو دیکھ کر تم اُسکے بیج کو بھی پہچان سکتے ہو -

اَيُّ الْفَرِيْقَيْنِ اَحَقُّ بِالْاَمْنِ ہم اللہ تعالیٰ کو ایک جانتے ہیں اور اُسکو موصوف بجمیع صفات کاملہ مانتے ہین - ہم اُسکی وحی پر ایمان لاتے ہیں اور اُسکے تمام رسولوں کو منجانب اللہ مانتے ہین - ہم قرآن کو خدا کا کلام یقین کرتے اور حضرت محمد مصطفٰے صلی اللہ علیہ وسلم کو خدا کا سچا رسول اور خاتم النبیین مانتے ہیں - ہم اسلامی شریعت کو تا ابد زندہ مانتے ہیں اور اُسکے کسی حصّہ کو منسوخ قرار نہیں دیتے - ہم کوشش کرتے ہیں کہ ان راہوں پر چلین جو خدا کے پیارے رسول محمد مصطفٰے احمد مجتبےٰ صلی اللہ علیہ وسلم نے دکھائیں - ہم اسلام کے فرائض کو فرائض جانتے ہیں اور حتی الوسع اُن پر عمل کرتے ہیں - قرآن کریم نے جو اوامر اور نواہی بیان کئے ہین ہم اُن سے سر مو نہین پھرتے ایک ہمارا مخالف بھی زیادہ سے زیادہ یہی کچھ کہہ سکتا ہے - ہاں ہم میں ایک اور بات ہے کہ ایک شخص نے عین اسوقت میں جب خدا کی طرف سے کسی کے آنے کا انتظار تمام روحوں کو تھا یہ دعوے کیا کہ میں خدا کی طرف سے ہوں اور تمہاری اصلاح کے لئے آیا ہوں چنانچہ ہمنے اُسے جہاں تک ہمارے قُوٰے اور فہم اور عقل کام دیتے تھے ایسا ہی پایا اور اُس پر ایمان

لائے مگر دوسرے فریق نے نہ اسکا انکار کیا اور نہ صرف انکار کیا بلکہ اُسے کذاب اور مفتری اور دجال کہا اور گندی گالیاں نکالیں یا گالیاں نکالنے والوں کو اچھا سمجھا اور استہزا کیا اب ہر ایک مسلمان خود غور کرے کہ ان دونوں فریقوں میں سے احق یا الامن کون سا فریق ہے۔ ہمنے مرزا صاحب کو مسیح موعود مان کر اسلام کا کچھ حصہ چھوڑا نہیں اس پاک شریعت میں کچھ گھٹایا بڑھایا نہیں بلکہ اسلام کی صداقت ہمارے دلوں کے اندر اور بھی مضبوط ہو گئی اور اُسکی خدمت کیلئے ایک جوش ہمارے دلوں میں پیدا ہو گیا۔ پس ہمنے کچھ گنوایا نہیں بلکہ حاصل ہی کیا ہے۔ کاش ہمارے مخالف کبھی اتنا ہی غور کریں کہ جسکی مخالفت پر وہ اڑے ہوئے ہیں۔ اگر وہ سچا ہو تو پھر وہ کن لوگوں میں داخل ہونگے۔ ہم بالفعل کچھ نہیں کہتے صرف یہ کہتے ہیں کہ امن کا طریق اختیار کرو۔ مان لینے میں بہر حال تمہارا کوئی نقصان نہیں مگر رد کرنے میں ایک صورت یقینی نقصان کی ہے۔

پیشگوئیوں کی حقیقت

حضرت مسیح موعود پر سب سے بڑا بھاری اعتراض کیا جاتا ہے کہ آپکی بعض پیشگوئیاں اس طرح واقع نہیں ہوئیں جس طرح آپ نے خود اُن کے معنے کئے تھے۔ ابتدا سے لیکر آج تک جس قدر اعتراض آپ کی پیشگوئیوں پر ہوئے ہیں میں دعوے کے ساتھ کہہ سکتا ہوں کہ ان میں سے ایک بھی ایسا نہیں جس میں وحی یا الہام کے الفاظ پر اعتراض وارد ہوتا ہو بلکہ جو اعتراض کیا جاتا ہے وہ صرف اس وجہ پر ہے کہ فلاں الہام یا وحی کے جو یہ معنے اجتہاداً مورد وحی نے کئے تھے اُن کے مطابق پیشگوئی کا وقوع نہیں ہوا۔ اب جو لوگ انبیا علیہم السلام کی پیشگوئیوں کو ماننے والے ہیں وہ اس بات سے انکار نہیں کر سکتے کہ نبی کے اجتہاد میں غلطی واقع ہونا دوسری بات ہے اور وحی یا الہام کا پورا نہ ہونا اور بات ہے۔ ہاں خود بعض قسم کی پیشگوئیوں کے پورا ہونے میں ایک اور امر ملحوظ رکھنا ضروری ہوتا ہے جسکا میں ابھی ذکر کرونگا۔ پیشگوئی کی اصل حقیقت یہ ہے کہ خدا تعالی کی طرف

سے بعض الفاظ ملہم کو بتائے جاتے ہیں جو کسی امر غیبی پر مشتمل ہوتے ہیں مگر ان الفاظ کے معنے کی پوری حقیقت خود ملہم اور مورد وحی پر بھی کھولی نہیں جاتی۔ سو سوائے اسکے کہ کبھی وحی خفی سے اُس پر الفاظ وحی کے معنے کھولے جائیں وہ اپنے خیال کے مطابق ان الفاظ کے معنے کرتا ہے اور ضروری نہیں ہوتا کہ پیشگوئی انہی معنوں کے رو سے پوری ہو۔ کیونکہ پورا ہونا ان الفاظ کا ضروری ہوتا ہے جو منجانب اللہ ہوں ورنہ ملہم کسی دوسرے انسان کی طرح معنے کرنے میں غلطی بھی کھا سکتا ہے۔ کسی نبی کی زندگی ایسی مثالوں سے خالی نہیں ہے۔ بائیبل کو پڑھ لو۔ حضرت عیسیٰ کی زندگی کے حالات کو دیکھ لو۔ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی زندگی کے حالات کو مطالعہ کرو۔ تمام نبیوں کی پیشگوئیوں میں یہی بات پائی جائیگی۔ چونکہ میرے مخاطب اس مضمون میں بالخصوص اہل اسلام ہیں اس لئے نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں ایک دو مثالیں کافی ہونگی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی ازواج مطہرات کی وفات کے متعلق یہ پیشگوئی کی اسرعکن لحوقًا بی اطولکن یدًا اسکے معنے یہ سمجھے گئے کہ لمبے ہاتھوں والی بیوی سب سے پہلے فوت ہوگی۔ چنانچہ آنحضرت کی موجودگی میں ہاتھ ماپے گئے۔ معلوم ہوتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا بھی اس وقت یہی خیال تھا کہ یہ پیشگوئی انہی معنوں کی رو سے پوری ہوگی۔ کیونکہ آپ اس وقت خاموش رہے۔ پھر جب پیشگوئی پوری ہوئی تو اُس وقت معلوم ہوا کہ اطولکن یدًا کے لفظی معنے درست نہ تھے بلکہ اس جگہ مراد زیادہ سخاوت سے تھی۔ جیسا کہ عرب میں یہ محاورہ آتا ہے۔ ایسا ہی حدیبیہ کا واقعہ ہے جو اسی رسالہ میں دوسری جگہ بسط کے ساتھ مذکور ہے۔ اور اسی کی ایک مثال آنحضرت کا وہ رؤیا ہے کہ آپ کو ہجرت کی زمین دکھائی گئی۔ تو آپ نے فرمایا میرا خیال اس طرف گیا کہ اس سے مراد یمامہ ہے۔ اور پھر پیشگوئی کے پورا ہونے پر معلوم ہوا کہ آپ کا خیال غلط تھا۔ در اصل اس میں نبی کی کسر شان نہیں۔ کہ اُس کا خیال کبھی غلط بھی ہو جاتا ہے۔ بلکہ اس کلام کے جو وہ پیش کرتا ہے

منجانب اللہ ہونے پر ایک دلیل ہے کیونکہ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ نبی یہ الفاظ خود نہیں بناتا۔ ورنہ اُن کے معنی کرنے میں وہ غلطی نہ کھائے۔ غرض اگر حضرت مسیح موعود کی کوئی پیشگوئی ایسی ہو جو اجتہادی معنوں کی رو سے پوری نہ ہوئی ہو خواہ اِن معنوں پر کتنا زور آپ نے دیا ہو تو اس پیشگوئی کو غلط نہیں کہا جا سکتا جبتک کہ یہ نہ دکھایا جاوے کہ الہام کے الفاظ کے رو سے بھی وہ غلط ثابت ہوتی ہے۔

ایک دوسرا اصل پیشگوئیوں کے متعلق یاد رکھنے کے قابل یہ ہے کہ انذاری پیشگوئیاں بعض وقت ٹل بھی جاتی ہیں ایک نہائت کھلی کھلی مثال یونس نبی کی پیشگوئی ہے اور اللہ تعالیٰ قرآن شریف میں بھی فرماتا ہے کہ ان یک صادقا یصبکم بعض الذی یعدکم۔ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ بعض پیشگوئیاں بظاہر پوری نہیں بھی ہوتیں اس لئے قرآن شریف یہ اصول قائم کرتا ہے کہ مدعی نبوت کے متعلق دیکھنا یہ چاہیئے کہ اسکی اکثر پیشگوئیاں پوری ہوتی ہیں یا نہیں ؂

ایک تیسرا اصل یاد رکھنے کے قابل یہ ہے کہ پیشگوئی میں بعض وقت ایک شخص کا ذکر ہوتا ہے اور مراد اس سے دوسرا ہوتا ہے جیسے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ابوجہل کے متعلق دیکھا اور مراد اس سے عکرمہ کا اسلام لانا تھا۔ پھر آپ نے دیکھا کہ آپ کے ہاتھوں میں دو کنگن ہیں جنکو آپ نے پھونک مار کر اُڑا دیا جسکی تاویل آپنے یہ کی کہ دو جھوٹے پیغمبر اُٹھیں گے جو ہلاک ہو جائینگے مگر آپ فوت ہو گئے۔ حالانکہ مسیلمہ ابھی زور پر تھا۔ پھر حضرت ابو بکرؓ نے اُسکو ہلاک کیا۔ حالانکہ رویا میں پھونک آپنے ماری تھی۔ ایسا ہی آپ نے دیکھا کہ قیصر و کسریٰ کے خزانوں کی کنجیاں میرے ہاتھوں میں دی گئی ہیں مگر وہ خزانے نہ آپ کے ہاتھ سے فتح ہوئے نہ حضرت ابو بکرؓ کے ہاتھ سے بلکہ حضرت عمرؓ کے ہاتھ میں وہ کنجیاں آئیں۔

میں پیشگوئیوں کی تفصیل میں داخل ہونا نہیں چاہتا۔ اسی مضمون پر اس رسالہ میں دوسری جگہ ایک مبسوط مضمون درج ہے اور عنقریب تشحیذ الاذہان میں صاحبزادہ

مرزا بشیر الدین محمود احمد صاحب کی قلم سے ایک اور مفصل مضمون شایع ہو گا میں صرف اس قدر کہنا چاہتا ہوں کہ ایک کثیر حصہ پیشگوئیوں کا ابھی ایسا ہے جن کے پورا ہونے کا انتظار باقی ہے کیونکہ یہی سنت اللہ ہے کہ ایک نبی کی پیشگوئیاں اسکی موت تک ہی ختم نہیں ہو جاتی ہیں بلکہ جیسا عظیم الشان نبی ہو اسی طرح اسکی پیشگوئیوں کا زمانہ بھی لمبا ہوتا ہے جیسا کہ ہمارے نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کی پیشگوئیاں قیامت تک پوری ہوتی رہنگی۔ اس لئے ہمیں بہت تاویلیں کرنیکی ضرورت نہیں۔ یہ الہام امّا نرینک بعض الذی نعدھم او نتوفینک بہت دفعہ حضرت صاحب کو ہوا ہے۔ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے بھی یہی وحی موجود ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ بہت سی باتیں جنکے دکھانے کا وعدہ کیا گیا تھا اب آپ کی وفات کے بعد دکھائی جائینگی۔ مگر خدا کے فضل کو جلد باز نہیں پاتے بلکہ یہ صبر سے انتظار کرنے والوں کا ہی حصہ ہے۔ الہام الٰہی میں اللہ تعالےٰ نے یوں فرماتا ہے کہ بہت سی پیشگوئیاں جو مخالفوں پر واقع ہونے والی ہیں۔ ہم یا تو ان میں سے بعض تیری زندگی میں ہی پورا کر دینگے اور یا تجھے وفات دیکر ان کو پیچھے پورا کرینگے۔ پھر ایک جگہ اللہ تعالیٰ قرآن شریف میں یوں فرماتا ہے۔ قل ارءیتم ان اھلکنی اللہ ومن معی او رحمنا فمن یجیر الکافرین من عذاب الیم یعنی بتاؤ کہ اگر اللہ تعالےٰ مجھے اور میرے ساتھ والوں کو موت بھی دیدے تو کافروں کو دردناک عذاب سے کون بچائیگا یعنی منکروں پر جو عذاب آنے والا ہے وہ تو بہر حال آہی رہیگا۔ خواہ نبی صلے اللہ علیہ وسلم اور اونکے ساتھی نہ بھی رہیں۔ اب دیکھو کہ یہہ سورت مکی ہے اور مکہ میں کافروں کی ہلاکت کے بڑے بڑے وعدے دیئے گئے۔ مگر اللہ تعالیٰ کی ذات میں غنا بھی ہے اسی لئے فرمایا کہ وہ چاہے تو یوں بھی کر سکتا ہے کہ وہ وعدے جن کا نبی کریم کی زندگی میں پورا ہونیکا وعدہ دیا گیا ہے الخ آپ کے اور آپ کے ساتھیوں کے بعد پورا کرے۔ انبیاء اللہ تعالیٰ کے اس غنائے ذاتی پر اسی طرح ایمان لاتے ہیں جس طرح اسکے دوسرے صفات پر۔ چنانچہ مذکور ہے کہ بدر کے

دن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم رو رو کر خدا تعالیٰ سے دعائیں کر رہے تھے۔ حضرت ابوبکرؓ نے عرض کیا کہ اللہ تعالیٰ کا تو آپ سے وعدہ ہے کہ وہ کفار کو ہلاک کریگا اور مومنوں کو فتح دیگا۔ تو آپ نے فرمایا کہ ہاں وعدہ تو ہے مگر وہ غنی بھی ہے۔ پس اس آیت قرآنی اور ان واقعات کو جاننے کے بعد یہ کوئی مستبعد امر نہیں اگر ایک نبی کو خدا کی طرف سے یہ وعدہ دیا جائے کہ فلاں شخص تیری زندگی میں ہلاک ہوگا اور پھر خدا اس وعدہ کو اسکی زندگی کے بعد پورا کرے یا ایک نبی ایک شخص کیلئے بد دعا کرے کہ وہ اسکی زندگی میں ہلاک کیا جائے اور پھر خدا تعالےٰ کسی مصلحت سے اسکو نبی کے بعد تک مہلت دیدے۔ مگر ہمارے حضرت مسیح موعود کی پیشگوئی میں الہامی عبارت میں یہ لفظ ہرگز موجود نہیں کہ فلاں شخص تیرے سامنے ہلاک ہوگا۔ ہاں یہہ الگ بات ہے کہ حضرت صاحب کو یہ خیال تھا کہ فلاں آدمی میری زندگی میں ہی ہلاک ہونگے دیکھو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تو صاف رؤیا تھی کہ آپ نے پھونک مار کر دو کنگن اڑا دیئے یعنی دو جھوٹے نبیوں کو ہلاک کر دیا۔ پس ہمارے معترض اگر منہاج نبوت کو چھوڑ نہیں چکے تو ذرا خیال کریں کہ کیا مسیلمہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات پر آج کل کے اسکے مثیلوں کی طرح جو اشتہار بازی کر رہے ہیں اور ڈینگیں مار رہے ہیں یہ نہ کہتا ہوگا کہ جو پھونک مار کر ہمیں اڑاتا تھا وہ چلدیا اور میں ابھی زندہ ہوں۔ پھر گویا اسکی طاقت کا بڑھ جانا بتا رہا ہے کہ اسکو ایک اور ایسے فخر کا موقعہ بھی تھا جو اسکے مثیلوں کو حاصل نہیں ہے کیونکہ اسکے ساتھ تو بہت لوگ ہو گئے تھے مگر اسکے مثیل باوجود اپنی اشتہار بازی کے اسی طرح مخذول اور مردود ہیں۔ اور کوئی گروہ ہمیں ایسا نظر نہیں آتا جس نے انہیں پیشوا بنا لیا ہو *

پھر ایک اور بات بھی یاد رکھنے کے قابل ہے اور وہ یہ کہ پیشگوئی بعض وقت منجم اور رمال بھی کر دیتے ہیں۔ اور عام لوگوں کو بھی بعض وقت آئندہ کے متعلق کوئی سچی خواب آجاتی ہے بلکہ فاسقوں اور فاجروں کو بھی آجاتی ہے کیونکہ وہ مادہ تو

فطرت انسانی میں موجود ہے پس کسی کی ایک آدھ بات پوری ہو جانے سے جو اُس نے پیش از وقت بتائی ہو- وہ مامور من اللہ یا نبی نہیں کہلا سکتا جیسا کہ کوئی شخص ایک پیسہ یا دو پیسے رکھنے کی وجہ سے بادشاہ یا دولتمند نہیں کہلا سکتا ۰

مابہ الامتیاز کیا ہے - اب جب یہ تمام امور ایسے ہیں جن کا منہاج نبوت کی رو سے انکار نہیں ہو سکتا اور حضرت مسیح موعود پر اگر کوئی مطالبہ ہو سکتا ہے تو منہاج نبوت کے رو سے ہی ہو سکتا ہے تو اب سوال یہ پیدا ہو گا کہ پھر مابہ الامتیاز کیا ہے جس سے جھوٹے اور سچے میں شناخت ہو کیونکہ ایک طرف تو یہ ماننا پڑتا ہے کہ سچے نبی کے اجتہاد میں بھی کبھی غلطی ہو جاتی ہے اور کہ سچی پیشگوئی میں بعض وقت ایک کے ذکر سے کوئی دوسرا مراد ہوتا ہے اور علاوہ بریں وعید کی پیشگوئیاں ٹل بھی جاتی ہیں اور دوسری طرف یہ بھی تسلیم کرنا پڑتا ہے کہ ایک فاسق فاجر کو بھی سچی خواب آسکتی ہے بلکہ شیاطین کے متعلق بھی اللہ تعالیٰ فرماتا ہے الامن استرق السمع یعنی ایک بات جو ملاء اعلیٰ میں قرار پاتی ہے بعض وقت شیاطین بھی اسکو سن پاتے ہیں اور پھر وہ اپنے مظاہر کو اسکی اطلاع دیدیتے ہیں - اور حدیث میں بھی ابن صیاد کے متعلق ہے کہ یاتینی صادق و کاذب - سو جواب اسکا یہ ہے کہ اول تو خود پیشگوئیوں میں کثرت اور کیفیت کو دیکھنا چاہئیے کیونکہ قرآن شریف سے ہمیں معلوم ہوتا ہے کہ اظہار علی الغیب کو اللہ تعالیٰ انبیاء اور رسل کیلئے مخصوص کرتا ہے یعنی کثرت سے غیب کی اطلاع دینا - پس پہلی بات دیکھنے والی یہ ہوتی ہے کہ ایک مدعی کی پیشگوئیوں میں سچی پیشگوئیوں کی کثرت پائی جاتی ہے کہ نہیں - سو اس معیار کی رو سے پرکھ کر دیکھ لو تو حضرت مسیح موعود کو اپنے دعویٰ میں سچا پاؤ گے اور باقی جس قدر لوگ اٹھے ہیں وہ اس معیار کی رو سے جھوٹے ثابت ہوں گے - پھر پیشگوئی کی کیفیت کو بھی دیکھنا چاہئیے کیونکہ جو پیشگوئی اللہ تعالیٰ کیطرف سے ہو اسمیں ایک قدرت اور شوکت پائی جاتی ہے اور اسمیں ایک اقتدار کا رنگ ہوتا ہے جو اوسے منجموں کی پیشگوئیوں سے یا

استغراق شیاطین سے یا عامیانہ خوابوں سے بالکل ممیز کر دیتا ہے۔

علاوہ ازیں خالی پیشگوئی کوئی چیز نہیں جب تک کہ اسکے ساتھ ایک اعلیٰ درجہ کی تعلیم نہ ہو جو اس پر چلنے والوں کی زندگیوں میں ایک نمایاں تبدیلی پیدا کرے اور ایسی قوت قدسی نہ ہو جو دوسروں کے اندر ایک پاکیزگی کی روح پھونک دے اور ایسی کشش نہ ہو جو ایک عالم کو ان کیطرف کھینچ لاوے اور ایسا جذب نہ ہو جو دلوں کو اخلاص اور محبت کے ساتھ انکا مطیع کر دیوے اور ایسے اخلاق فاضلہ نہ ہوں جو اپنے اندر ایک معجزانہ رنگ رکھتے ہوں۔ اور سب سے بڑھ کر یہ کہ ایک ایسی نصرت اور تائید منجانب اللہ نہ ہو جس سے باوجود تمام مخالفتوں کے اور ہر قسم کی روکیں اُنکی راہ میں ڈالے جانیکے اُن کے سلسلہ کی ترقی روز افزوں ہوتی چلی جائے اور تند سے تند باد مخالفت کا جھونکا اُن کے پودے کو کچھ نقصان نہ پہنچا سکے۔ یہ تمام باتیں ہرگز ہرگز کسی کاذب میں جمع نہیں ہو سکتیں تمام دُنیا کو تلاش کر لو۔ تاریخ کے ورقوں کو ایک ایک کر کے اُلٹ ڈالو مگر ان سب باتوں کا مجموعہ سوائے خدا کے برگزیدہ نبیوں کے ہرگز کہیں نہ پاؤ گے۔ اس بات کو یاد رکھنا چاہیئے کہ کسی امر کیلئے جو شہادت ہو اسپر بحیثیت مجموعی غور کرنا چاہیئے۔ دانا آدمی کا یہ کام نہیں کہ ایک ادنےٰ سی مشابہت دیکھ کر گھبرا جائے بلکہ اسے ایک امر کے تمام پہلوؤں پر نگاہ کرنی چاہیئے۔ نبوت کے امر کو خدا تعالیٰ کبھی مشتبہ نہیں چھوڑتا مگر غور اور تدبر ضروری ہے جسکو خدا تعالیٰ دُنیا میں کسی کام کیلئے بھیجتا ہے اس سے وہ کام کروا کر ہی ثابت کر دیتا ہے کہ یہ میرا بھیجا ہوا تھا۔ ہزار روکیں اسکی راہ میں ڈالو لاکھ مخالفت کرو مگر وہ کام رکتا نہیں۔ اور پھر خدا تعالیٰ نے اُسکی کامیابی کی خبر ایسے وقت میں اسکو دیتا ہے جب کوئی شخص اُنکی حالت کو دیکھ کر ایک لمحہ کیلئے بھی اس خیال کو دل میں جگہ نہیں دیسکتا کہ یہ بھی کبھی کامیاب ہو سکتا اور مخالفتوں اور مشکلات کے پہاڑوں کو پاش پاش کر سکتا ہے مگر چونکہ خدا کا چھپا ہوا ہاتھ اسکے ساتھ ساتھ کام کرتا ہوتا ہے اس لئے ایسا ہوتا ہے کہ زمین و آسمان ٹل جائیں مگر وہ خدا کی باتیں ہرگز نہیں ٹلتیں۔ یوں تو دنیا میں سب لوگ

کچھ نہ کچھ کام کرتے ہیں تو بعض ان میں کامیاب ہو جاتے ہیں اور بعض کامیابی کے سچے اصول پر نہ چلنے کی وجہ سے ناکام رہ جاتے ہیں اور اسی طرح بعض شخص جو مذہب کے رنگ میں سوسائیٹیاں قایم کرتے ہیں وہ بھی کامیاب ہو جاتے ہیں۔ مگر اُن لوگوں کے متعلق جو خدا تعالیٰ سے الہام اور وحی پانیکے مدعی ہو کر ایک مذہب یا ایک سلسلہ کی بنیاد رکھتے ہیں اُن کے متعلق خدا نے واضح الفاظ میں دو قانون اپنی پاک کتاب میں بیان فرمائے ہیں۔ ایک یہ کہ ولقد سبقت کلمتنا لعبادنا المرسلین۔ انھم لھم المنصورون۔ وان جندنا لھم الغالبون اور ہمارے بندوں کے حق میں جو ہمارے بھیجے ہوئے ہوتے ہیں ہماری طرف سے یہ بات پہلے سے قرار پا چکی ہے کہ اُن ہی کی مدد کی جاتی ہے اور خدائی گروہ آخر کار ضرور غالب آکر رہتا ہے۔ اور پھر دوسری جگہ فرمایا۔ انا لننصر رسلنا والذین اٰمنوا فی الحیوٰۃ الدنیا۔ یعنی اس دُنیا کی زندگی میں ہی ہم ضرور اپنے بھیجے ہوؤں کی اور اُن لوگوں کی جو ان پر ایمان لاتے ہیں مدد کرتے ہیں۔ اور دوسرا قانون یہ ہے لو تقول علینا بعض الاقاویل لاخذنا منہ بالیمین ثم لقطعنا منہ الوتین۔ فما منکم من احد عنہ حاجزین جس سے معلوم ہوتا ہے کہ جھوٹے مدعی نبوت کو نصرت نہیں دی جاتی بلکہ اسے ہلاک کر کے نیست و نابود کر دیا جاتا ہے۔ اب مجھے زیادہ اس مضمون کو طول دینے کی ضرورت نہیں پڑھنے والے خود غور کر لیں کہ آیا خدا نے اسی طرح حضرت مرزا صاحب کے ساتھ کامیابیوں اور نصرتوں کے وعدے قبل از وقت نہیں کئے اور پھر اسی طرح انکو آپ کی زندگی میں بلکہ آپ کی وفات کے بعد بھی پورا کر کے نہیں دکھایا جس طرح وہ اپنے صادق بندوں کے ساتھ وعدے کیا کرتا اور پھر انکو پورا کر کے دکھایا کرتا ہے؟ اور جس طرح وہ جھوٹے کو جلدی ہی ہلاک کر کے نیست و نابود کر دیا کرتا ہے اس طرح مرزا صاحب کے ساتھ نہیں کیا۔ پس جس شخص کے ساتھ خدا تعالیٰ اپنی کتاب کے مقرر کردہ قوانین کی رو سے جھوٹوں والا سلوک نہیں کرتا بلکہ صادقوں اور اپنے سچے رسولوں والا سلوک کرتا ہے اسکی صداقت پر شبہ کرنا خدا تعالیٰ سے جنگ کرنا اور اسکی کلام کی خلاف ورزی کرنا ہے

اس سے بڑھ کر اور کوئی ثبوت کسی کی صداقت کا نہیں ہوسکتا۔ اور اگر یہ ثبوت کافی نہیں تو پھر کسی نبی کی نبوت ثابت نہیں ہوسکیگی ۔

زمانہ نزول وحی ۔ آپ کی عمر کے متعلق اسی میگزین میں دوسری جگہ یہ لکھا جاچکا ہے کہ ۷۴ یا ۷۵ سال قمری تھی۔ اور یہی آپ کی پیشگوئی ثمانین حولاً او قریباً من ذٰلك کا منشا تھا۔ آپ کا زمانہ نزول وحی چالیس سال ثابت ہوتا ہے کیونکہ ۱۸۶۸ء یا ۱۸۶۹ء تک آپ کے ان عظیم الشان الہامات کا پتہ چلتا ہے جن میں آپ کو آئندہ کی کامیابیوں اور برکتوں اور نصرتوں کے وعدے دئیے گئے تھے چنانچہ براہین احمدیہ کے صفحہ ۵۲۰ پر یہ تحریر فرمایا ہے کہ "اس برکت کے بارہ میں ۱۸۶۸ء یا ۱۸۶۹ء میں بھی ایک عجیب الہام اردو میں ہوا تھا ۔ ۔ ۔ ۔ فرمایا۔ تیرا خدا تیرے اس فعل سے راضی ہوا اور وہ تجھے بہت برکت دیگا یہاں تک کہ بادشاہ تیرے کپڑوں سے برکت ڈھونڈ ینگے" اس طرح پر ۱۹۰۸ء تک پورے چالیس سال کے عرصہ تک آپ پر وحی الٰہی نازل ہوتی رہی۔

ثناءُ اللہ اور عبد الحکیم ۔ ان دونوں کا کچھ الگ ذکر کرنا بھی مناسب معلوم ہوتا ہے کیونکہ یہ خیال کیا جاتا ہے کہ حضرت مسیح موعود کی زندگی میں ان دونوں کا ہلاک ہونا ضروری تھا۔ یاد رکھنا چاہئیے کہ ایک مثال سے صدق اور کذب نہیں پرکھا جاتا بلکہ ہمیشہ کثرت کو دیکھنا چاہئیے جنہوں نے حضرت مسیح موعود کے خلاف مباہلے کئے یا بددعائیں کیں یا جن کے خلاف حضرت مسیح موعود نے بددعا کی اُنمیں سے کتنے اب نظر آتے ہیں۔ جہاں بیسیوں مثالیں ایسی موجود ہیں کہ معاندین خدا کے برگزیدہ کا مقابلہ کرکے ہلاک ہوئے وہاں ایک یا دو مثالیں بچ رہنے والوں کی النادر کالمعدوم کے حکم میں سمجھنی چاہئیں۔ کیونکہ اعتبار ہمیشہ کثرت کا ہوتا ہے تعجب ہے کہ ایک ثناء اللہ اور عبد الحکیم کو تھوڑی سی مہلت ملجانے سے حضرت مرزا صاحب کے خلاف نتیجہ نکالا جاتا ہے مگر آپ کے بالمقابل ہلاک شدگان کی کثیر تعداد سے کوئی نتیجہ نہیں نکالا جاتا۔ جہاں اللہ تعالیٰ مقابل پر

آنیوالوں کو بار بار حضرت موعود کے سامنے ہلاک کر کے آپ کی صداقت کو آفتاب کیطرح روشن کر چکا ہے وہاں ایک دو شخصوں کو مہلت ملجانے سے پہلے سارے ثابت شدہ نتیجوں کو کالعدم سمجھ لینا پرلے درجہ کی حماقت اور جہالت ہے۔ ہاں یہ بیشک دیکھنا ضروری ہے کہ اللہ تعالیٰ کی جو سنت اپنے انبیاء کے ساتھ ہے اُسمیں اسکی کوئی نظیر بھی ملتی ہے یا نہیں۔ اب دیکھو حضرت عیسیٰ کے لئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا لُعِنَ الذین کفروا من بنی اسرائیل علیٰ لسان داؤد و عیسیٰ ابن مریم یعنی عیسیٰ بن مریم کی زبان سے بنی اسرائیل کے ان لوگوں پر جنہوں نے حضرت عیسیٰ کا انکار کیا لعنت کی گئی مگر تاریخ سے ثابت ہے کہ یہ لعنت حضرت عیسیٰ کے واقعہ صلیب کے بہت مدت بعد پڑی جب یروشلم تباہ ہوا۔ بہرحال لعنت کرنیوالے تو تھے حضرت عیسیٰ اور انہی کو بزعم خود یہود نے صلیب سے مار ڈالا۔ حالانکہ لعنت کا اثر یہ ہونا چاہیئے تھا کہ یہود پر عذاب حضرت عیسیٰ کے سامنے آتا مگر ایسا نہ ہوا۔ پھر دیکھو حدیث قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بینا انا نائم فاتیت بخزائن الارض فوضع فی کفی سواران من ذھب فکبرا علی فاوحی الیّ ان انفخھما فنفختھما فذھبا فاولتھما الکذابین اللذین انا بینھما صاحب صنعاء و صاحب الیمامہ صحیح البخاری یعنی رویا میں دو سونے کے کنگن آپ کے ہاتھوں میں ڈالے گئے جو آپ کو بہت بُرے معلوم ہوئے پھر آپ کی طرف وحی کی گئی کہ آپ دونوں کو پھونک ماریں چنانچہ آپ نے دونوں کو پھونک ماری تو وہ دونوں گم ہو گئے۔ اسکی تاویل آپ نے دو کذابوں سے کی یعنی اسود عنسی اور مسیلمہ۔ اب دیکھو یہاں آنحضرت کیطرف وحی کی گئی اور اس وحی کے مطابق آپکی پھونک سے دونوں گم بھی ہو گئے جسکا مطلب یہ تھا کہ دونوں آپ کے ہاتھ سے ہلاک ہونگے۔ مگر اسود عنسی تو عین آپ کی وفات کیوقت ہلاک ہوا اور مسیلمہ پیچھے تک زندہ رہا اور ضرور ثناء اللہ اور عبد الحکیم کی طرح ڈینگیں مارتا رہا ہو گا کہ دیکھو آنحضرت میرے سامنے فوت ہو گئے۔ پھر وہ صدیق کے ہاتھ سے ہلاک ہوا۔ اسی دقت کو محسوس کر کے صاحب فتح الباری لکھتے ہیں واما مسیلمۃ فکان القائم علیہ حتی قتلہ ابوبکر الصدیق فقام مقام النبی صلی اللہ علیہ وسلم فی ذالک یعنی اس پیشگوئی میں صدیق آنحضرت صلعم کے قائم مقام ہو گئے ؂

پس منہاج نبوت کے رو سے کوئی امر مشتبہ باقی نہیں رہتا۔ ہمارے مخالف ایک لمحہ کے لیے غور کریں کہ جس استدلال سے وہ حضرت مسیح موعودؑ کے ثناء اللہ اور عبدالحکیم کی زندگی میں فوت ہو جانیسے جھوٹا ہونے کا نتیجہ نکالنا چاہتے ہیں اسی استدلال سے اس کثیر تعداد کی ہلاکت سی جو حضرت مسیح موعودؑ کی زندگی میں ہلاک ہوئے آپ کی صداقت کا کھلا کھلا نتیجہ نکلنا ہے یا نہیں؟ پھر کیا انکا فرض نہیں کہ ایسی صورت میں سنت اللہ کو دیکھیں اور منہاج نبوت پر غور کریں۔ اگر اسی بات کو اُلٹا کر وہ ہمارے سامنے پیش کریں یعنی یہ کہیں کہ جسطرح ہم اُن مخالفین کی ہلاکت سے جو حضرت مسیح موعودؑ کے مقابل پر آئے تھے آپ کی صداقت کا نتیجہ نکالتے تھے اب آپکے ثناء اللہ اور عبدالحکیم کے سامنے فوت ہو جانیسے انکے جھوٹے ہونیکا نتیجہ نکالیں تو ہمارا جواب یہی ہے کہ ہم منہاج نبوت سے باہر نہیں جاتے۔ بلکہ ہم کثرت کو دیکھیں گے کہ کس طرف ہے اور جب کثرت شہادت سے ایک نتیجہ پر پہنچ جاویں تو جو مثال اس کثرت کے خلاف پیش کیجاویگی اس کے لیے منہاج نبوت اور سنت اللہ پر غور کریں گے اگر اسکی نظیر وہاں ملے جیسا کہ معاملہ زیر بحث میں ہم نظیریں دکھا چکے ہیں تو پھر شبہ اور اعتراض کوئی باقی نہیں رہتا۔ اور اگر نظیر نہ بھی ملے تو بھی پیشگوئیوں اور دعاؤں کے متعلق خدا کی پاک کتاب سے ہمیں یہ قانون معلوم ہوتا ہے کہ کثرت کو دیکھنا چاہیئے کیونکہ ایک طرف پیشگوئی کے متعلق یہ قانون بیان فرمایا کہ ان یك صادقا یصبکم بعض الذی یعدکم اور دوسری طرف ادعونی استجب لکم کے ساتھ یہ بھی فرمایا کہ ولنبلونکم بشئ من الخوف الی آخرہ اور تمام دنیا بھی اسی اصول کو مانتی ہے کہ استثناء سے قاعدہ نہیں ٹوٹتا۔ اب ہمارے مخالف بتائیں کہ وہ کیا جواب اسکا دیتے ہیں کہ جس صورت میں وہ ایک مثال کو لیکر کہ حضرت مرزا صاحب اپنے فلاں مخالف کی زندگی میں فوت ہو گئے جسکے لیے انہوں نے بددعا کی تھی اتنا شور دنیا میں ڈال رہے ہیں۔ اور بھولے نہیں سماتے تو اسی قسم کی ان بہت سی مثالوں سے جن میں حضرت کے مخالف آپکے مقابلہ میں آکر آپ کی زندگی میں ہلاک ہو گئے وہ کیوں آنجناب کی صداقت کا نتیجہ نکالنے میں متامل ہوتے ہیں؟ اب تک تو وہ اس اصل کو ہی تسلیم

نہ کرتے تھے اور اسطرح سے گریز اختیار کر لیا کرتے تھے مگر اب جبکہ وہ خود اپنی اشتہار بازی میں
اس اصل کو تسلیم کر چکے ہیں تو اب ہمارے اس مطالبہ کا جواب دیں کہ کثیر تعداد مخالفین کی ہلاکت
سے اسی اصول کی بنیاد پر جو نتیجہ نکلتا ہے اس سے اب گریز کر نیکی کونسی راہ انکے پاس باقی ہے؟
اللہ تعالیٰ اپنے مصالح کو آپ ہی خوب جانتا ہے مگر میری سمجھ میں تو اس طریق میں یہ بھی ایک مصلحت
الٰہی تھی تا یہ لوگ پوری پورے ملزم ٹھہریں اور انکی زبانوں سے وہ اقرار کرایا جائے جس کے رو سے حضرت
مسیح موعودؑ کی صداقت ایک ثابت شدہ امر ٹھہرتا ہے۔ اب انکے ہاتھ میں انکی اپنے اقرار کر رو سے
اس سے زیادہ کوئی بات نہیں کہ تائیدی شہادت کے ایک عظیم الشان مجموعہ کے مقابلہ میں انکے پاس
ایک آدھ بات مخالفانہ شہادت کی ہے اسکا جواب ہم تو دے چکے اور منہاج نبوت سے اپنے جواب
کی سچائی ظاہر کر چکے اب اُنکا جواب سننے کے لیے منتظر ہیں کہ آیا یہ لوگ منہاج نبوت کو قایم
رکھیں گے یا اپنی ضد اور ہٹ دھرمی اور مخالفت کو قایم رکھکر دہریہ پن کیطرف جھک جائیں گے۔

یہ جواب ہمارا صرف ایک پہلو سے ہے۔ اور اس کے ساتھ بعض اور امور بھی قابل
غور ہیں اول یہ کہ ثناء اللہ نے پہلے مباہلہ سے انکار کیا اور اس بد دعا کو جو حضرت صاحب نے
اسکے لیے کی تھی مباہلہ ہونیسے انکار کیا اور اب خود اسکا نام مباہلہ رکھتا ہے جو ایمانداری نہیں
ہے حقیقت الامر یہی ہے کہ مباہلہ نہیں ہوا[*] دوسری یہ کہ جب حضرت صاحب نے
اس کے لیے بد دعا کی تو اس نے اس بات سے بھی اپنا انکار شایع کر کے لکھدیا کہ میں اس طریق فیصلہ کو
منظور نہیں کرتا جیسا کہ اس کے اخبار اہل حدیث سے ظاہر ہے بعض لوگوں کا یہ اعتراض ہے کہ اس کے
انکار سے کیا ہو سکتا ہے۔ وہ نہیں سوچتے کہ حضرت مسیح موعودؑ تو کسی طرح سے اس سے فیصلہ کرنا
چاہتے تھے۔ اور جب دوسرا فریق ہی اس طریق فیصلہ سے انکاری ہے تو فیصلہ کہاں ہوا۔
تیسری یہ کہ ہم تو اس بات کو اب بھی مانتے ہیں کہ حضرت صاحب کی بد دعا اس کے حق میں منظور
ہوئی اور وہ اس کا نتیجہ بھی انشاء اللہ دیکھ لیگا یہ بات ہم تجربہ کی بنا پر کہتے ہیں۔ ہاں جس طرح
خدائے تعالیٰ نے مسیلمہ کذاب کو آنحضرتؐ کے بعد تک زندہ رکھا اسی طرح کسی مصلحت کی وجہ سے ان

[*] یاد رہے کہ حضرت صاحب کا یہ مذہب ہرگز نہ تھا کہ ایک مامور کے تمام مخالف اس کی زندگی میں ہلاک ہو جایا کرتے ہیں بلکہ یہ صرف اُن
مخالفین کے لیے تھا جو بالمقابل مباہلہ کریں اور یہ بات کئی دفعہ کھولکر آپنے بیان فرمائی تھی۔ منہ

دونوں کو بھی حضرت مسیح موعودؑ کے بعد تک زندہ رکھا۔ اگر یہ سوال کیا جائے کہ حضرت مسیح موعودؑ نے کیوں ایسی بد دعا کی یا کیوں ایسا خیال ظاہر کیا جس میں ان دونوں کی اپنے سامنے موت کو معیار صداقت قرار دیا؟ یہ اس لیے کہ آپ اسقدر مخالفوں کی ہلاکت کو جو آپکے مقابل پر آئے تھے دیکھ چکے تھے کہ آپ اپنے رب سے پورا یقین رکھتے تھے کہ وہ ایسا ہی کریگا۔ مگر خدائے تعالیٰ غنی بھی ہے وہ جسطرح چاہتا ہے ایک کام کو کرتا ہے کسی کا مطیع نہیں ہے۔ خدائے تعالیٰ نے تو آخر اس سلسلہ کو کامیاب کرکے دکھانا ہے سو اس نے تو حضرت مسیح موعودؑ کی وفات سے بھی اسکی کامیابی کا ثبوت دیدیا ہے اور ابھی خدا جانے اور کیا کیا ہاتھ اپنی نصرت کے دکھائیگا۔ خود اسکی تائید غیبی جو آپکی وفات کے وقت میں اس سلسلہ کے شامل حال ہوئی اور پہلے سے شایع شدہ وعدوں کے مطابق ہوئی بتا رہی ہے کہ تمام اعتراض ہیچ ہیں۔ اور یہ بھی محض یاوہ گوئی ہے کہ حضرت صاحب پر وہ بد دعا پڑی آپکے الفاظ تو یہ ہیں کہ میں یہ دعا اس لیے کرتا ہوں "کیونکہ میں جانتا ہوں کہ مفسد اور کذاب کی بہت عمر نہیں ہوتی اور وہ ذلت اور حسرت کے ساتھ اپنے اشد دشمنوں کی زندگی میں ہی ناکام ہلاک ہو جاتا ہے" سو ان باتوں میں سے کوئی بات بھی آپکے لیے واقع نہیں ہوئی بلکہ حسرت اور ناکامی وہ اپنے دشمنوں کے لیے چھوڑ گئے ہیں کیونکہ دشمنونکی ساری آرزوئیں آنجناب کی وفات کے ساتھ ہی خاک میں مل گئیں۔ اور سلسلہ اسی طرح کا اسی طرح قایم رہا۔ بلکہ پہلے سے بھی زیادہ مضبوطی کے ساتھ قایم ہو گیا۔

یہ امر یاد رکھنا چاہیئے کہ آپکے کسی الہام یا وحی میں ہرگز یہ لفظ نہ تھے کہ ثناء اللہ یا عبد الحکیم آپکی زندگی میں فوت ہونگے۔ ہاں آپ کی وحی کے رو سے دونوں کے لیے ہلاکت ضرور مقدر ہے سو خدائے تعالیٰ جب چاہیگا اپنے کلام کو پورا کرکے دکھا دیگا۔ باقی رہی عبد الحکیم کی پیشگوئی سو خدائے اسکو ایسا جھوٹا کرکے دکھایا ہے کہ اسکو شرم کے مارے اس کا نام بھی نہ لینا چاہیئے تھا اس نے اپنی پہلی پیشگوئی کو جسمیں تین سال کی میعاد بتائی تھی اور حضرت صاحب کی وصیت کے بعد شایع ہوئی تھی دوسری پیشگوئی سے منسوخ کر دیا اور یہ اعلان کیا کہ ۴۔ اگست کو

آپ کی وفات واقع ہو گی پس اس پیشگوئی کو جھوٹا کہنے کیلیے یہ ضروری نہ تھا کہ آپ ۴. اگست سے بعد فوت ہوتے بلکہ جب ایک دن معین کر دیا گیا تو اب جب جبتک پیشگوئی اسی دن واقع نہ ہو جھوٹی ہو گی بلکہ حضرت مسیح موعودؑ کی وفات ۴۔ اگست سے پہلے واقع ہونے میں ایک مصلحت الٰہی یہ بھی تھی کہ کذاب کو کسی تاویل کی گنجایش نہ رہے کیونکہ ۴۔ اگست سے بعد واقع ہوتی تو وہ کہہ سکتا تھا کہ انذاری پیشگوئی میں میعاد کی مہلت مل سکتی ہے۔ مگر خدا نے نہ چاہا کہ اسے راستبازوں کے ساتھ کوئی بھی مشابہت حاصل ہو اس لیے اپنی مصلحت سے ایسے وقت میں اس نے حضرت مسیح موعودؑ کو وفات دی جس سے وہ اس قابل بھی نہیں رہا کہ اسقدر فخر کرے جسقدر شیاطین استراق سمع سے کر سکتے ہیں۔

جماعت کو نصیحت } اخیر میں مَیں اپنے احمدی احباب کی خدمت میں یہ عرض کرتا ہوں کہ وہ ایسی ہمت دکھائیں جس سے مخالفوں کی کمر ہمت ٹوٹ جائے۔ اور ایسی نیک اور پاک زندگی کا نمونہ دکھا دیں جس سے دانشمندوں کے نزدیک مخالفین کے اعتراضوں کی ساری وقعت جاتی رہے۔ میرے دوستو! اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ ہم جو مصائب مومنوں پر بھیجتے ہیں تو اس لیے کہ انکو پاک کریں اور انکو انعام دیں اور خود حضرت مسیح موعودؑ کے الہامات میں بھی یہی غرض آپ کی وفات کی بیان کی ہے جیسے فرمایا یرید اللہ لیذھب عنکم الرجس اھل البیت و یطھرکم تطھیرا۔ اور اسی کے ساتھ فرمایا انت الذی طار الی روحہٗ۔ پس اسوقت اپنی زندگیوں میں ایک نئی تبدیلی پیدا کر کے دنیا کو دکھا دو کہ اس ابتلا کے نیچے بھی احمدی جماعت ایک سچے مومنوں کی جماعت ثابت ہوئی ہے۔ کیونکہ ابتلا کے نیچے ترقی کرنا یہ بھی مومنوں کا ہی حصہ ہے۔ بہت سے مسائل پر گفتگو اور بحث کی نسبت یہ بہتر ہے کہ تم اپنا نیک نمونہ دکھا کر انکو مسخر کر لو۔ یاد رکھو کہ اگر تم دوسرے لوگوں پر غالب آسکتے ہو (اور خدا کا وعدہ ہے کہ تم غالب کیے جاؤ گے) تو اس کا یہی طریق ہے۔ تمت

آؤ لوگو کہ یہیں نورِ خدا پاؤ گے ۔ لو تمہیں طور تسلی کا بتایا ہم نے

ریویو آف ریلیجنز

یعنی

دنیا کے مذاہب پر نظر

جلد ۷ | بابت ماہ اگست سنہ ۱۹۰۸ء | نمبر ۸

فہرست مضامین

قادیان ضلع گورداسپور سے ۲۰ - اگست ۱۹۰۸ء کو مینجر میگزین کے اہتمام سے شائع ہوا ۔ چندہ سالانہ عہ

"شیخ غلام احمدؐ صاحب نومسلم"

صدر انجمن احمدیہ کے حکم سے واعظ مقرر کیئے گئے ہیں۔ اور وہ سردست جالندھر۔ ہوشیارپور۔ راہوں اور کانگڑہ کے اضلاع میں دورہ کرنیکو لیے قادیان سے روانہ ہو گئے ہیں۔ انکو بموجب قواعد واعظین سلسلہ عالیہ احمدیہ کے تمام مدات کیلیے چندہ فراہم کرنے اور جہاں انجمن احمدیہ قایم نہ ہو وہاں انجمن قایم کرنے کی اجازت ہے۔ جہاں شیخ صاحب جائیں وہاں کے احمدی احباب انکی اغراض کے پورا کرنے میں ہر طرح سے مدد کریں اور عند اللہ ماجور ہوں۔ والسلام

خلیفہ رشید الدین

اسسٹنٹ سکرٹری صدر انجمن احمدیہ - ۱۵- اگست ۱۹۰۸ء

چکی آٹا پیسنے کی یا لوہے کا خراس

بس میں فی گھنٹہ ۳۰ سیر پختہ آٹا پستا ہے۔ دانہ بھی دلتی ہے۔ اسے طاقتور ایک بیل ورنہ دو بیل بخوبی چلا سکتے ہیں۔ وزن تخمیناً سات من ۲۷ سیر پختہ ہوگا قیمت اول درجہ معہ فی من دوم درجہ ؎ فی من۔ دس روپے پیشگی بیعانہ آنے پر خراس بذریعہ وی پی کیا جا سکتا ہے۔ ہمارے ہاں ہر قسم کی ڈھلائی کا کام عمدگی سے ہوتا ہے کرایہ مال وغیرہ بذمہ خریدار ہے۔

المشتہران

مستریان مولا بخش و غلام حسین مالکان آیرن فیکٹری بٹالہ ضلع گورداسپور (پنجاب)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نحمدہ و نصلی علیٰ رسولہ الکریم

ہندوستان میں مرتدین کے احکام

(گذشتہ اشاعت سے آگے)

گذشتہ اشاعت میں اس مضمون کے متعلق یہاں تک بحث ہو چکی ہے کہ مرتدین کے متعلق قرآن کریم اور احادیث صحیحہ کا فتویٰ کیا ہے۔ ہم دکھا چکے ہیں کہ قرآن شریف میں مرتدین کے قتل کا کوئی حکم نہیں۔ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے عمل میں بھی جہانتک معتبر روایتیں ملتی ہیں ایسے واقعات کہیں نہیں پائے جاتے جہاں کسی شخص کو محض ارتداد یعنی تبدیلی مذہب کی وجہ سے قتل کیا گیا ہو۔ ہاں حدیث صحیح میں یہ ضرور آیا ہے کہ من بدل دینہ فاقتلوہ۔ مگر یہ حکم ایسے وقت کا ہے جب مسلمانوں اور انکے مخالفین کے درمیان جنگوں کا سلسلہ اسطرح پر شروع تھا کہ گویا ہر وقت ہی حالت جنگ میں تھے اور ایسے وقت میں تبدیلی مذہب یعنی اسلام کو چھوڑنے کا نتیجہ یہ تھا کہ مرتد اسلام کے دشمنوں کے ساتھ ملکر اسلام اور مسلمانوں کو سخت نقصان پہنچا سکتا تھا۔ اور ایسی حالت میں قتل کے حکم کو ہر ایک دانشمند جایز ہی نہیں بلکہ ضروری سمجھے گا۔ ہم یہ بھی دکھلا چکے ہیں کہ یہ حکم قتل مرتد کا آنحضرت صلی اللہ وسلم نے مکی زندگی میں یا ابتدائی مدنی زندگی میں نہیں دیا۔ بلکہ اسوقت دیا جب جنگوں کا سلسلہ شروع

ہو چکا تھا۔ اور پھر اس حالت میں بھی عورتیں چونکہ جنگوں میں شریک نہ ہوتی تھیں اس لیے وہ اس قتل کے حکم میں شامل نہ تھیں۔ علاوہ ازیں یہ بات بھی پایۂ ثبوت کو پہنچ چکی ہے کہ سلب حقوق زوجیت وملکیت فتوائے قتل کی وساطت سے ارتداد کا نتیجہ تھا یعنی چونکہ مرتد کے لیے قتل کیے جانے کا حکم تھا اس لیے یا تو ضروری تھا کہ وہ قتل ہو جائے اور اس کے حقوق زوجیت اور ملکیت کا اس طرح موت کے ساتھ خاتمہ ہو جائے اور یا اگر وہ بھاگ کر یا دشمن سے ملکر اپنی جان بچالے تو اس پر وہی فتوائے قتل جاری ہو کر اس کو کالمقتول سمجھا جاوے اور اس کے حقوق زوجیت وملکیت سلب ہو جاویں۔ پس اگر موجودہ حالات کے ماتحت ہندوستان میں اسلامی شریعت کا فتویٰ مرتدین کے بارے میں دریافت کیا جاوے اور اس فتویٰ کی بنا قرآن اور حدیث پر رکھی جاوے جو اسلامی شریعت کے اصل ماخذ ہیں۔ تو چونکہ ان حالات میں ارتداد کی وجہ سے قتل کا فتویٰ جاری نہیں ہو سکتا۔ اس لیے حقوق زوجیت وملکیت بھی اس وجہ پر تلف نہیں ہو سکتے اور کسی وجہ پر ہو جائیں تو ہو جائیں۔ مثلاً اسلامی شریعت کی رو سے بعض وقت اختلاف مذہب کی وجہ سے دو شخصوں کا نکاح نہیں ہو سکتا تو ارتداد سے بھی اگر اسی قسم کے اختلافِ مذہب کی صورت پیدا ہو جائے تو نکاح ٹوٹ جائیگا۔ مگر سوائے اس کے نہیں۔

یہ تو قرآن و حدیث کا منشاء ہے مگر فاضل ججان چیف کورٹ پنجاب نے اس رائے کا اظہار کیا ہے کہ وہ کسی مقدمہ میں اسلامی شریعت کے اصل ماخذ یعنی قرآن واحادیث کی طرف رجوع نہیں کر سکتے۔ چنانچہ مقدمہ زیر بحث کے فیصلہ میں وہ تحریر کرتے ہیں کہ "اسلامی قانون خدا کی طرف سے مقرر کیا ہوا سمجھا جاتا ہے اور اپنی موجودہ صورت تک تدریجاً یہ قانون اس طرح پہنچا ہے کہ بڑے بڑے فاضل فقہاء نے اجتہاد اور تفسیر کے خاص خاص طریقوں سے ان مسائل کا قرآن اور ان احادیث سے جو پیغمبر (صلی اللہ علیہ وسلم) کے

اقوال و سُنّت کے متعلق ہیں استخراج کیا ہے۔ مسلمانوں کے نزدیک بادشاہ وقت کو کوئی حق حاصل نہیں کہ وہ اس قانون میں کوئی ترمیم کریں یا اسے کسی طرح تبدیل کریں اس لیے یہ امر انگریزی عدالتوں کے اختیارات سے باہر ہے کہ وہ انہی طریقوں سے اصل عبارتوں اور ماخذوں سے کسی قانونی مسئلہ کا استخراج کریں" پس اب ہم اس بات پر غور کریں گے کہ کتب فقہ میں مرتدین کے لیے کیا احکام درج ہیں۔ مگر یہ یاد رکھنا چاہیئے کہ بہت سے مسائل ایسے ہیں جن میں مختلف اسلامی فرقوں یا مختلف اماموں یا علماء کے اجتہاد میں فرق ہے اور ایسی صورت میں انگریزی عدالتوں کا بھی یہ فرض ہونا چاہیئے کہ وہ اصل مسئلہ کی تہ تک پہنچنے کے لیے قانون کے اصل ماخذوں یعنی قرآن شریف و حدیث پر غور کریں۔ مسلمانوں کا یہ اعتقاد تو ہے کہ قرآن شریف خدا کا کلام اور خدا کی طرف سے ہے لیکن جو مسئلہ قرآن کریم کے بعض الفاظ سے اپنے اجتہاد سے کوئی شخص نکالتا ہے اس میں غلطی کا ہو جانا بھی ممکن ہے اور اسے خدا کی طرف سے نہیں کہا جا سکتا۔ اسلامی اعتقاد کے مطابق لاتبدیل قرآن شریف اور آنحضرت صلی اللہ علیہ سلم کی صحیح حدیث اور سنت معتبرہ ہیں مگر جو رائے کسی آیت قرآنی یا کسی حدیث کے متعلق کسی مفسر یا مجتہد نے قایم کی ہو وہ لاتبدیل نہیں اور وہ غلط ہو سکتی ہے اور اس لیے اس کی تصحیح بھی ہو سکتی ہو۔ بلکہ خود یہی بات کہ بعض مسائل میں علماء اور مجتہدین کا اختلاف ہے بتاتی ہے کہ علماء اور مجتہدین کے اجتہاد اور رائیں منجانب اللہ نہیں سمجھنی چاہییں۔ کیونکہ خدائے تعالی کی طرف کوئی اختلاف منسوب نہیں کیا جا سکتا۔ جیسا کہ فرماتا ہے کہ لو کان من عند غیر اللہ لوجدوا فیہ اختلافاً کثیراً۔

قبل اس کے کہ ہم احکام مرتدین مندرجہ کتب فقہ پر غور کریں ایک اور ضروری امر کی طرف ناظرین کو توجہ دلانی ضروری ہے۔ فقہاء یا علمائے اسلام نے جو ابتدا میں

مسائل شرعیہ کو بیان کیا یا مسائل کا استخراج قرآن و حدیث سے کیا تو خاص حالات کے ماتحت کیا۔ اور اس خصوصیت کا اثر ان تمام مسائل میں کھلا کھلا نظر آتا ہے۔ بالفاظ دیگر ان میں یہ بات نہیں پائی جاتی کہ یہ مسائل انسانی زندگی کے مختلف پہلوؤں پر حاوی ہوں حالانکہ احادیث نبوی میں ایسی وسعت اور عمومیت موجود ہے۔ اسکی وجہ ظاہر ہے ملکی طور پر اسلام کو ابتدا میں ہی غلبہ حاصل ہو گیا تھا اور جس وقت فقہاء کو مختلف قوانین تجویز کرنیکی ضرورت پیش آئی تو انکے سامنے اسلامی زندگی کا صرف ایک ہی پہلو تھا یعنی اہل اسلام کی حکومت اور انکا ملکی غلبہ۔ اور اس لیے اسی کے مطابق انکے سب قوانین بھی ہیں یہی وجہ ہے کہ بعض وقت انکو دوسرے مذاہب کے ساتھ تعلقات میں غلطی لگی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ سلم کی مدنی زندگی کا آخری حصہ جیسا کہ ہم پہلے بیان کر چکے ہیں مخالفین اسلام کے ساتھ جنگوں اور لڑائیوں کا زمانہ تھا۔ اور اسوقت بعض احکام ایسے دیے گئے جو خاص انہی حالات کے ماتحت قابل عملدرآمد تھے۔ ان احکام کو بعض وقت دیگر حالات پر چسپاں کیا گیا حالانکہ خود نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں دوسری قسم کی مثالیں موجود تھیں۔ پس اسلامی قانون جس صورت میں ابتدائی زمانہ میں مسلمان بادشاہوں کے ماتحت تجویز کیے گئے انکو مسلمانوں کی موجودہ حالت پر لگانے کے لیے ان دو باتوں کو جو اوپر بیان کی گئی ہیں مدنظر رکھنا ضروری ہے۔

اب ہم فقہ کی سب سے مشہور کتاب اور انگریزی عدالتوں کے نزدیک بھی سب سے معتبر کتاب ہدایہ کو لیتے ہیں۔ کہ اس میں مرتدین کے متعلق کیا احکام دیے گئے ہیں یہ احکام باب احکام المرتدین میں مذکور ہیں۔ سب سے پہلے جو حکم مذکور ہے وہ قتل مرتد کا ہے یہ حکم ابن عباس کی حدیث من بدل دینہ فاقتلوہ پر مبنی ہے۔ مگر جو کچھ اس باب میں لکھا گیا ہے۔ اور جو فرق مرد اور عورت کے درمیان رکھا گیا ہے اس سے اسی بات کی تائید ہوتی ہے جسکا ذکر اوپر ہو چکا ہے۔ چنانچہ اما المرتدۃ فلا تقتل کی وجہ ہدایہ

میں ان الفاظ میں بیان کی ہے - ولنا ان النبی علیہ السلام نہی عن قتل
النساء ولان الاصل تاخیر الاجزیۃ الی دار الاٰخرۃ اذ تعجیلھا
یخل بمعنی الابتلاء وانما عدل عنہ دفعا لشر ناجز وھو الحراب
ولا یتوجہ ذٰلک من النساء لعدم صلاحیۃ البنیۃ بخلاف الرجال
خلاصہ مطلب اس عبارت کا یہ ہے کہ مرتدہ کے نہ قتل کیے جانیکی وجہ یہ ہے کہ نبی
علیہ السلام نے عورتوں کے قتل کرنیسے منع فرمایا ہے اور یہ بھی کہ اصل بات تو یہی ہے
کہ عقائد کے معاملہ میں جزا و سزا دار آخرت میں ہی مقدر ہے مگر مرتد کو سزائے قتل
اس لیے دیجاتی ہے کہ فی الحال جو اس سے فساد اور شر پیدا ہونیوالا ہے وہ رک
جائے اور وہ حراب یعنی جنگ کرنا ہے - اور عورتوں سے انکی بناوٹ میں ہی
اسکی صلاحیت نہ ہونیکی وجہ سے اسکی امید نہیں رکھی جاسکتی - اور اسی موقعہ پر حاشیہ
بھی دیا ہے - فکذا یجب القتل بالردۃ لدفع شر الحرابۃ لا جزاء علی فعل الکفر
لان جزاءہ اعظم عند اللہ فیختص بمن یاتی منہ الحرب وھو الرجال
ولھذا نہی رسول اللہ عن قتل النساء وعللہ بانہ لم تکن تقاتل
علی ما صح من الحدیث ولھذا قلنا لو کانت المرأۃ ذات رای
وتبع تقتل لا لردتھا بل لانھا تسعی فی الارض بالفساد - اس حاشیہ
میں بھی اس بات کو کھولکر بیان کیا ہے کہ اصل وجہ قتل مرتد کی اسکا ارتداد نہیں بلکہ جو شر اور
فساد اس سے پیدا ہوتا ہے اس کے لیے اسے قتل کر دینے کا حکم تھا - جیسا کہ حاشیہ مذکورہ
کے آخری الفاظ سے ظاہر ہے - کہ تقتل لا لردتھا بل لانھا تسعی فی الارض بالفساد
پس جو وجہ مرتد اور مرتدہ میں فرق کی بیان کی گئی ہے اس سے صاف معلوم ہوتا ہے - کہ
مرتد کے قتل کا صرف اس لیے حکم دیا گیا تھا کہ اس سے جنگوں میں فریق مخالف کے ساتھ
ملکر نقصان پہنچنے کا اندیشہ تھا - اور چونکہ عورت ایسا نقصان نہ پہنچا سکتی تھی اس لیے

اس کے قتل کا حکم بھی نہیں دیا گیا۔ ہدایہ کی اس عبارت سے اس بات پر روشنی پڑتی ہے جسکو مینے اس سے پہلے پیرا گراف میں بیان کیا ہے۔ یعنی ایک طرف تو صاف اس بات کا بھی اقرار ہے جسکو ہم پہلے قرآن شریف اور حدیث سے ثابت کر چکے ہیں کہ مرتد کے قتل کے حکم کی وجہ اس کا ارتداد نہیں بلکہ جنگوں میں جو اس کے سبب سے شر کا اندیشہ تھا اس کی وجہ سے اس کے قتل کا حکم دیا گیا تھا۔ اور دوسری طرف عورتوں کے سوا اس کے قتل کے حکم کو عام بھی کرنا چاہا ہے۔ یعنی اس حکم کو صرف ان صورتوں سے مخصوص نہیں رکھا جہاں واقعی فساد اور شرارت کا اندیشہ ہو جیسا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے آخری ایام میں کفار کے ساتھ جنگوں کی وجہ سے تھا بلکہ مرد کے مرتد ہونیکی صورت میں حکم کو عام کر دیا ہے حالانکہ وہی دلیل جس سے عورتوں کو قتل سے مستثنیٰ کیا گیا ہے اس بات کو بھی چاہتی ہے کہ اگر کوئی ایسی صورت ہو جہاں مرد کے مرتد ہونیسے کسی فساد اور شرارت کا اندیشہ نہیں جیسا کہ مثلاً اسوقت مسلمانوں کو جو برٹش گورنمنٹ کے نیچے رہتے ہیں ایسا اندیشہ نہیں وہاں مرتد مرد کے قتل کا بھی حکم نہیں دیا جا سکتا۔ اس کی وجہ اسلام کا اُسوقت میں غلبہ اور اسلام کی قہری حکومت تھی۔ جسکی وجہ سے ایک خاص حکم کو عام کر دیا گیا۔ حالانکہ اس کی خصوصیت کو خود ہی تسلیم بھی کیا ہے۔ یہ وہ غلطی ہے جسکا ذکر مینے اوپر کیا ہے۔

پس اسقدر تو ہدایہ سے بھی ثابت ہوتا ہے کہ مرتدین کے قتل کی وجہ انکا ارتداد نہ تھا بلکہ انکے جنگوں میں شریک ہونے اور فساد اور شرارت کا اندیشہ اصل وجہ اس حکم کی تھی۔ اور یہ اسی نتیجہ کا مؤید ہے جسپر ہم اسلامی شریعت کے اصل ماخذوں یعنی قرآن اور حدیث پر غور کرکے پُہنچے ہیں۔ دوسرا حکم جو مرتدین کے بارہ میں ہدایہ کے باب احکام المرتدین میں مذکور ہے وہ یہ ہے کہ مرتد کی ملک اپنے مال میں زائل ہو جاتی ہے۔ بعض کے نزدیک تو بمجرد اسکے مرتد ہونیکے ہی ملک اسکی زائل ہو جاتی ہے۔ لیکن اگر اس مہلت کے بعد جو اسے اسلام لانیکے لیئے دیجاتی ہے وہ اسلام لے آوے تو اسکی ملکیت اپنے

مال میں پھر لوٹ آتی ہے۔ اور بعض کے نزدیک اس مہلت کے عرصہ میں اسکی ملک زائل نہیں ہوتی۔ بہر صورت اسکی ملکیت قطعی طور پر اسوقت زائل ہو جاتی ہے جب اسپر قتل کا فیصلہ قطعی ہو کر یا اسے قتل کر دیا جاوے یا وہ بھاگ کر دار الحرب میں دشمن کے ساتھ جا ملے اور یا حالت ارتداد میں ہی مر جاوے۔ ملکیت کے زائل ہونیکی بحث میں بھی ہدایہ میں پھر اس اصول کو تسلیم کیا گیا ہے کہ مجرد ارتداد مبیح قتل نہیں بلکہ مرتد کا حربی ہونا ضروری ہے۔ جیسا کہ اس جملہ ولا قتل الا بالحراب میں اسکو تسلیم کیا گیا ہے جسکی تشریح حاشیہ میں یوں کیگئی ہے کہ فکان القتل ھٰھنا مستلزما للحراب لان نفس الکفر لیس بمبیح للقتل حتی لا یقتل الا عمیٰ والمقعد والشیخ الفانی۔

ان تمام باتوں پر غور کرنیسے یہ صاف معلوم ہوتا ہے کہ باوجودیکہ ہدایہ اور دیگر کتب فقہ میں مرتد کے قتل کو سوائے عورتوں کے ہر صورت میں جائز رکھا گیا ہے اور بعض اوقات بے احتیاطی سے ان احکام کو جو خاص حالات کے ماتحت دیئے گئے تھے عام حالات پر لگایا گیا ہے مگر تاہم اس اصول کو ہاتھ سے نہیں چھوڑا گیا کہ مرتد کے قتل کی وجہ خالی ارتداد نہیں بلکہ فساد یا شرارت کی قابلیت ہے جس کے روکنے کے لیے اسکا قتل کرنا جائز رکھا گیا ہے۔ اور ہم پہلے یہ دکھا چکے ہیں کہ اگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی وقت مرتدین کو قتل کرایا یا انکے قتل کیے جانیکا حکم دیا تو اس کی وجہ بھی محض ارتداد نہ تھی بلکہ فساد یا جنگ کے وقت دشمن کے ساتھ جا ملنا یا اور کوئی ایسی وجہ تھی جسکی وجہ سے ارتداد سے علاوہ بھی ایسے شخص کا قتل جائز تھا۔ جو احکام ہدایہ سے ہم نے اوپر بیان کیے ہیں انہیں کی تفصیل کرتے ہوئے یہ بھی تسلیم کیا گیا ہے کہ ارتداد بمنزلہ موت کے ہے لان الردۃ بمنزلۃ الموت اور جو شخص اس سارے باب کو غور سے پڑھیگا اسپر یہ بات پوشیدہ نہیں رہ سکتی کہ جسقدر قوانین یا احکام اس باب میں بیان کیے گئے ہیں وہ

سب کے سب اس ایک ہی بات پر مبنی ہیں کہ مرتد کو مردہ کے حکم میں سمجھا گیا ہے یعنی اگر وہ فی الواقع ارتداد کے بعد سزائے قتل سے بچ بھی جاوے تاہم اسکو قانوناً زندہ کے حکم میں نہیں رکھا گیا اور اس کے کُل حقوق ملکیت وغیرہ کو زائل شدہ قرار دیا گیا ہے۔ بالفاظ دیگر جو احکام کتب فقہ میں مرتدین کے بارہ میں موجود ہیں وہ اسی صورت میں قرآن شریف یا حدیث میں کہیں موجود نہ پائے گئے تھے بلکہ وہ سب اسی بنا پر قائم کیے گئے ہیں کہ مرتد میت کے حکم میں ہے اور پھر جو حکم میت پر لگتا تھا وہی مرتد پر لگایا گیا۔ تعجب کی بات یہ ہے کہ احکام المرتدین کے باب میں مرتد یا مرتدہ کے نکاح فسخ ہو جانیکا کوئی ذکر نہیں (اگرچہ اس میں شک نہیں کہ ہدایہ میں دوسرے موقع پر یہ ذکر ہے) مگر مرتد اگر طلاق دے تو اسے نافذ بالاتفاق قرار دیا گیا ہے۔

غرضکہ ہدایہ اور دیگر کتب فقہ میں احکام المرتدین پر غور کرنے سے یہی بات پایۂ ثبوت کو پہنچتی ہے کہ مرتد کے جسقدر حقوق کو زائل قرار دیا گیا ہے اس کی بنا صرف یہ ہے کہ قانونی طور پر اسے کالمیت قرار دیا گیا ہے کیونکہ قتل کا فتویٰ اسپر جاری ہو چکا ہے۔ گویا حکم قتل ایک بنیاد ہے۔ اور دوسرے حقوق کا زائل ہونا اسی بنیاد پر ایک عمارت ہے۔ یا یوں کہو کہ حقوق کے زائل ہو جانیکی وجہ حکم قتل ہے جو مرتد پر جاری ہو چکا ہے۔ پس اگر کوئی حالات ایسے ہوں اور ہم دکھا چکے ہیں کہ خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی کے بڑے حصہ میں ایسے ہی حالات تھے جن کے ماتحت مرتد پر حکم قتل جاری نہ ہوا اور ہمارے فقہاء نے بھی اس بات کو تسلیم کیا ہے کہ سوائے دفع فساد اور شر کے اندیشہ کے حکم قتل مرتد پر جاری نہیں ہوتا تو ضرور ہے کہ ان حالات کے نیچے دیگر حقوق بھی زائل نہ ہوں کیونکہ جب بنیاد ہی نہ ہوئی تو عمارت کہاں ہو گی اور جب سبب ہی موجود نہیں تو نتیجہ کسطرح پیدا ہو گا؟ اسی بات کو میں دوہرا کر بیان کرتا ہوں۔ کتب فقہ میں اس اصل کو تسلیم کیا گیا ہے کہ مرتد کے قتل کی وجہ اسکا ارتداد یعنی تبدیل مذہب نہیں بلکہ کچھ

اور وجہ ہے اور پھر اس بات کو بھی تسلیم کیا ہے کہ مرتد کے حقوق کے زائل کیے جانیکی وجہ یہ ہے کہ اسے مردہ کے حکم میں سمجھا گیا ہے کیونکہ اسپر قتل کا حکم جاری ہوگیا ہے۔ ان اصول کو ماننے کے بعد اس نتیجہ سے ہم گریز نہیں کرسکتے کہ اگر کسیوقت اسلامی سوسائٹی میں ایسے حالات پیدا ہوجائیں کہ مرتد میں وہ وجہ موجود نہ ہو جس کی بناپر قتل کا حکم جاری ہوتا تھا تو نہ قتل کا حکم جاری ہوگا اور نہ ہی دوسرے حقوق مرتد کے زائل ہونگے جنکی بنا حکم قتل کے جاری ہونے پر تھی۔

اب جو کچھ اوپر بیان کیا گیا ہے اسے مدنظر رکھکر ہندوستان کی حالت پر غور کرو۔ ظاہر ہے کہ ہندوستان میں مرتد پر حکم قتل جاری نہیں ہوسکتا۔ اور نہ ہی دراصل وہ حالات یہاں موجود ہیں جنکی بناپر نہ صرف قرآن و حدیث کے مطابق بلکہ اصول کتب فقہ کے مطابق بھی مرتد پر حکم قتل جاری ہوتا تھا۔ پس جو حقوق حکم قتل کے نتیجہ کے طور پر زائل ہوتے تھے وہ بھی یہاں زائل نہیں ہوسکتے۔ بالفاظ دیگر اگر انگریزی عدالتیں جو ہندوستان میں قایم ہیں ایک شخص کو جو اسلام سے مرتد ہوکر کسی دوسرے مذہب کو قبول کرتا ہو سزائے قتل کا مستحق قرار نہیں دیتیں تو انہیں یہ بھی حق حاصل نہیں کہ اسکے ارتداد کو دوسرے حقوق کے زائل کرنے میں موثر سمجھیں۔ کیونکہ جس بناپر مسلمان مقننین نے مرتد کے دوسرے حقوق کو زائل کیا تھا وہ بنا اسجگہ موجود نہیں۔ اسجگہ گورنمنٹ نہ تو مرتد پر واقعی حکم قتل جاری کرسکتی ہے اور نہ ہی اسے قانونی طور پر کالمیت قرار دے سکتی ہے۔ اور جب یہ دونوں صورتیں موجود نہیں تو ہماری سمجھ میں نہیں آتا کہ پھر کس بناپر اسکے حقوق زوجیت کو سلب کیا جاتا ہے۔ پس محض ارتداد یا تبدیلی مذہب حقوق زوجیت پر بذاتہ کچھ اثر نہیں ڈال سکتی۔ بلکہ اسکا اثر ایک اور رنگ میں پڑ سکتا ہے۔ اور وہ اسطرح پر کہ اسلامی شریعت کے رو سے ایک مسلمان عورت کا نکاح کسی غیر مسلم سے جائز نہیں۔ اور اسی طرح ایک مسلمان مرد کا نکاح کسی غیر مسلم عورت سے جائز نہیں بشرطیکہ وہ عورت ان غیر مسلموں میں سے نہ ہو جن پر

اہل کتاب کا لفظ اطلاق پا سکتا ہے۔ پس اس اصل کی بنا پر ارتداد کے وقت یہ دیکھا جاوے گا
کہ اگر خاوند نے اپنا مذہب تبدیل کر لیا ہے تو اسکا نکاح اسکی مسلمان بی بی سے باقی نہیں رہ
سکتا اور اگر عورت نے اپنا مذہب تبدیل کیا ہے تو پھر یہ دیکھنا ضروری ہوگا کہ نیا مذہب جو
اس نے اختیار کیا ہے وہ اہل کتاب کے مفہوم میں داخل تو نہیں اگر ہے تو نکاح نہیں ٹوٹا اور
اگر نہیں تو نکاح ٹوٹ جائیگا۔ ہاں ہماری رائے میں اس صورت میں یعنی بصورت ارتداد
زوجین کے حقوق متعلق بہ حفاظت اولاد پر ایک اثر پڑیگا اور وہ یہ کہ جو فریق مرتد ہوا ہے
وہ کسی صورت میں اولاد کا جائز ولی شریعت اسلامی کے رو سے نہیں ہو سکتا کیونکہ
نکاح شریعت اسلامی کے نیچے ہوا ہے اور اگر وہ نکاح احد الزوجین کی تبدیل مذہب سے
فسخ ہو گیا ہے تو وہ اولاد جو شریعت اسلامی کے مطابق نکاح سے پیدا ہوئی ہے اسکی
ولایت بھی اس شریعت کی رو سے ہوگی۔ پس یہ وہ قانون ہے جس کے مطابق انگریزی
عدالتیں بروئے انصاف اسوقت فیصلہ کر سکتی ہیں اور ایسا قانون نہ صرف مسلمانوں
کی موجودہ حالت کے مطابق ہی ہوگا بلکہ شریعت اسلامی کے اصول کے مطابق اور اصل
احکام شرعی کے بھی زیادہ قریب ہوگا بہ نسبت ان احکام کے جو کتب فقہ میں مرتدین کے
متعلق درج ہیں اور جو اسلامی دنیا کی موجودہ حالت میں کسی ملک میں بھی قابل عملدرآمد
نہیں۔ بہر حال جہانتک ہم سمجھتے ہیں مسلمانوں کو مجبوراً ان احکام کے ماتحت کرنا جو
اُسوقت وضع کیے گئے تھے جبکہ سلطنت اسلام کی تھی تقاضائے انصاف نہیں۔ ہم
اس بات کو تسلیم کرتے ہیں کہ انگریزی عدالتیں صرف اسی حد تک شریعت اسلامی پر کاربند
ہو سکتی ہیں جس حد تک انکے اپنے قوانین انہیں اجازت دیں اور اس لیے وہ مجبور ہیں کہ
بعض احکام کی پابندی کریں اور بعض کو چھوڑ دیں۔ اس حد تک کوئی شخص عدالت کو ملزم
نہیں کر سکتا مگر مرتدین کے احکام کی صورت بالکل الگ ہے۔ اسجگہ انگریزی عدالتوں نے
اس وجہ کو تو تسلیم نہیں کیا جس وجہ سے مرتد کے حقوق ملکیت کو کتب فقہ نے زائل کیا تھا

مگر جو نتایج اس سے پیدا ہوتے ہیں انپر ایک حد تک کاربند ہونا (ایک حد تک سے جو کہا ہے اسکی تشریح اگلے پیرے میں کرونگا) ایسا ضروری خیال کیا ہے کہ اسکے خلاف کو خلاف شریعت اسلامی سمجھا جاتا ہے۔ اگر مرتد کے حقوق ملکیت کے زائل ہونے اور اسپر حکم قتل جاری ہونے میں کتب فقہ ہیں کوئی تعلق نہ دکھایا جاتا اور اس بات کو تسلیم نہ کیا جاتا کہ حکم قتل کے جاری ہونیکی وجہ سے ہی حقوق زائل ہوتے ہیں تو انگریزی عدالتیں حکم قتل کو رد کرکے حقوق کے زائل ہونیکو قایم رکھ سکتی تھیں مگر جس صورت کو اوپر کھولکر دکھایا گیا ہے اس صورت میں وجہ کا انکار کرکے نتیجہ کو قایم نہیں رکھا جا سکتا۔

لیکن انگریزی عدالتوں کے رویہ میں سب سے عجیب بات جو ہے وہ یہ ہے کہ ایک طرف تو کتب فقہ کے احکام پر جو متعلق بہ حقوق زوجیت ہیں اسقدر زور دیا جاتا ہے اور دوسری طرف انہی احکام کا باقی تمام قسم کے حقوق پر کچھ بھی اثر نہیں سمجھا جاتا۔ سب سے بڑی بات جسپر کتب فقہ نے زور دیا ہے وہ حقوق ملکیت کا زائل ہونا ہی ہے۔ چنانچہ کسی کتاب کو کھولکر دیکھ لو حکم قتل کے بعد اسی بات پر زور دیا گیا ہے اور اسی کے متعلق زیادہ بحث کیگئی ہے۔ کیونکہ اس میں شک نہیں کہ مرتد کو قانونی طور پر مردہ کے حکم میں رکھنے کا پہلا لازمی نتیجہ یہی تھا کہ اس کے حقوق ملکیت زائل سمجھے جاویں۔ اب حالانکہ انگریزی عدالتیں مسلمانوں میں اسلامی قانون وراثت کے مطابق ہی فیصلہ کرتی ہیں مگر مرتد کے لیے جو قانون وراثت اسلام نے قرار دیا ہے اسکی خاک بھی پروا نہیں کیجاتی۔ اور نہ ہی مرتد کے حقوق ملکیت کو زائل قرار دیا جاتا ہے۔ اگر عدالتیں کتب فقہ کے سارے احکام کو سوائے قتل کے جائز رکھتیں تو بھی کسی قدر قرین انصاف ہوتا مگر یہ عجیب بات ہے کہ ان ساری احکام میں سے ایک نکاح کے فسخ ہونیکو ہی قایم رکھا گیا ہے۔ اس امتیاز کی کوئی وجہ معلوم نہیں ہوتی۔ کتب فقہ کے احکام کے مطابق مرتد کی کل جائداد فوراً اس کے وارثوں کا حق ہو جاتی ہے اور ایسا ہی مرتد کسی کا وارث نہیں ہو سکتا۔ پھر باوجود اس کے کہ شریعت اسلام

کے احکام وراثت کے مقدمات میں لگائے جاتے ہیں مرتد کی وراثت یا اس کے
حقوق وراثت میں احکام متعلقہ کجب انثر خیال کیا جاتا ہے۔ اور آجا کر صرف اس ایک
بات پر زور دیا جاتا ہے کہ مرتد کے حقوق و فرائض زوجیت باقی نہیں رہتے اصل منشاء
احکام مرتدین کا تو اسکو سزا دینا تھا مگر انگریزی عدالتیں سزا کی بجائے اسے کچھ فایدہ پہنچانے
کے لیے تیار ہیں۔ کیونکہ حقوق زوجیت کا زائل ہونا تو الگ بات تھی یہاں تو زوجیت کے
فرائض سے آزادی دیجاتی ہے۔ دراصل جو عملدرآمد انگریزی عدالتوں کا ہے وہ
حقوق کا زائل کرنا نہیں بلکہ حقوق کا دینا ہے۔ مثلاً ایک عورت مرتد ہو کر اپنے خاوند سے
گویا طلاق حاصل کرلیتی ہے جو اسکو کسی اور طرح پہ نہ مل سکتی تھی۔ اسکا بگڑا کچھ نہیں کوئی
حق زائل نہیں ہوا بلکہ اسکو ایک یہ فایدہ یا حق حاصل ہوگیا کہ ایک شخص کی قید نکاح سے
آزاد ہو کر اب کسی دوسرے سے نکاح کرنیکی حقدار ہوگئی۔ اگر یہ کہا جائے جیسا کہ مقدمہ بحث
میں ججوں نے کہا ہے کہ اگر یہ مسلمانوں پہ سختی ہے تو اسکا الزام خود شریعت اسلامی یا احکام
مندرجہ کتب فقہ پر ہے تو میں کہتا ہوں کہ یہ بالکل غلط بلکہ جھوٹ ہے۔ اسلامی شریعت
یا احکام مندرجہ کتب فقہ کے منشاء کو دیکھنا چاہیئے کہ آیا انکا منشاء مرتد کے لیے سزا تجویز کرنیکا
تھا یا اسکو کچھ فایدہ پہنچانیکا۔ پس جس صورت میں انگریزی عدالتیں اس بات کو جائز
سمجھتی ہیں کہ شریعت اسلامی میں اسقدر تصرف کرلیں کہ جسقدر امور متعلق سزا کے یا
حقوق ملکیت وغیرہ کے زائل ہونیکے تھے انکو رد کردیں تو کیا وجہ ہے کہ وہ مرتد کے فایدہ
کی صورت کو باقی رکھ لیں؟ وہ کونسا امر مانع ہے کہ اسقدر بڑے حصہ کو رد کر کے اس ایک
چھوٹی سی بات کو باقی چھوڑ دیا جاوے جس سے ارتداد میں روک پیدا ہونیکی بجائے
باریک طور پر ایک تحریک موجود ہے۔ بفرض محال ہم تسلیم کرلیتے ہیں کہ انگریزی عدالتوں
کے نزدیک حقوق ملکیت وغیرہ کا زائل ہونا حکم قتل کا نتیجہ نہیں بلکہ یہ دونوں الگ الگ
باتیں ہیں۔ مگر فاضل ججوں نے اس امر پر کوئی روشنی نہیں ڈالی کہ حقوق مرتد کو زائل

کرتے کرتے انہوں نے مسلمانوں کے حقوق کو تلف کرنا کس بنا پر شروع کیا ہے۔ مثلاً زوجین میں سے جب خاوند مسلمان رہتا ہے اور عورت مرتد ہوتی ہے تو عورت کے ارتداد کا نتیجہ انگریزی عدالتوں کے رویہ کے مطابق یہ نہ ہوا کہ عورت کا کوئی چھوٹے سے چھوٹا حق بھی زائل ہو بلکہ اس کے خاوند کا حق زائل ہوا کہ اسکی عورت اس سے چھین لی گئی۔ کیا یہ بھی کسی کتاب فقہ میں لکھا ہوا ہے کہ مرتدہ کا کوئی حق زائل نہ ہو بلکہ عورت کے ارتداد کی سزا اس کے مسلمان خاوند کو ملے۔ ہم حیران ہیں کہ فاضل ججوں نے کیا سمجھکر یہ فیصلہ کیا ہے؟

مختصراً ہماری سمجھ میں یہ نہیں آتا کہ کس انصاف کس قانون کس شریعت کی رو سے انگریزی عدالتیں شریعت اسلامی کے سارے احکام متعلقہ مرتدین منسوخ قرار دیکر ایک نکاح پر ارتداد کا اثر ڈالنے کی مجاز ہیں اور وہ بھی اس طرح پر کہ ارتداد کی سزا مرتد کو نہ ملے بلکہ ایک دوسرے بے گناہ شخص کے حقوق زائل کیے جاویں۔ اسکا جواب سوائے اسکے کچھ نہیں دیا جائیگا کہ انگریزی عدالتوں کا ہندوستان میں آجتک یہی عملدرآمد رہا ہے کہ انہوں نے تمام احکام شرعیہ متعلقہ مرتدین مندرجہ کتب فقہ کو رد کر کے صرف ایک نکاح پر ارتداد کے اثر کو جائز قرار دیا ہے۔ اور کہ اب وہ اپنے پُرانے رویہ کو بدل نہیں سکتیں مگر اسکو بھی بفرض محال تسلیم کر کے ہم یہ کہیں گے کہ جس صورت میں خود مسلمانوں میں اس امر میں اختلاف موجود ہے کہ آیا عورت کے ارتداد کا نتیجہ وہی ہوتا ہے یا نہیں یعنی اس سے اسی طرح نکاح فسخ ہوتا ہے یا نہیں جیسا مرد کے ارتداد سے۔ تو اس صورت میں انگریزی عدالتوں کا یہ فرض ہے کہ وہ دیکھیں کہ اختلافی راؤں میں سے کونسی رائے اس ملک کے حالات کے زیادہ مناسب ہے۔ اس مقدمہ میں جس کا ذکر ہمنے ابتدا میں کیا ہے فاضل ججان چیف کورٹ نے فیصلہ دیتے وقت خود اس امر کو تسلیم کیا ہے کہ اس معاملہ میں فقہا کے درمیان اختلاف موجود ہے مگر اس اختلاف پر غور کرنے سے یا کم از کم مقابل کی رائے کو وقعت دینے سے دو وجوہ پر انکار کیا ہے اول یہ کہ عورت کے ارتداد اور مرد کے ارتداد سے حقوق زوجیت پر ایک سا ہی اثر واقع ہونا نکلی

رائے غالب ہے یعنی زیادہ لوگوں نے قبول کی ہے بہ نسبت اس کی بمقابل رائے کے اور کہ خود امام ابو حنیفہؒ کی بھی یہی رائے ہے اور دوسرے یہ کہ عدالت میں یہ ثابت نہیں کیا گیا کہ ہندوستان میں حنفی مسلمان مقابل رائے کو تسلیم کرتے ہیں اور کہ انگریزی عدالتوں کا یہ فرض نہیں کہ وہ یہ فیصلہ کریں کہ قانون کیا ہونا چاہیئے بلکہ انہوں نے قانون کو صرف واقعات پیش آمدہ پر لگانا ہے جیسا کہ وہ قانون ملک میں مروج ہو۔

ان میں سے پہلی وجہ بالکل کمزور ہے۔ زیادہ آدمیوں کے ایک رائے کو قبول کرنے سے کسی عقلمند کے نزدیک اسکی صحت پر ایسی مہر نہیں لگ جاتی کہ اسکی مقابل رائے پر کوئی غور ہی نہ کیا جاوے۔ علاوہ ازیں جس اصل کو قایم کرکے وہ رائے قایم کی گئی ہے جسپر چیف کورٹ نے عمل کیا ہے۔ وہ اصل خود دوسری رائے کا مؤید ہے جیسا کہ ہم اوپر دکھا چکے ہیں۔ مخالف راؤں میں سے ایک ضرور ہے کہ غلط ہو اور یہ فیصلہ کرنے کیلئے کہ غلط کونسی ہے اس سے بڑھکر قطعی فیصلہ کوئی نہیں ہو سکتا کہ جن اصول کو دونوں فریق نے قبول کیا ہے ان کے رو سے کونسی رائے غلط ٹھہرتی ہے۔ سو اگر اس راہ پر چلکر فاضل ججان چیف کورٹ فیصلہ کرتے تو وہ ضرور اس نتیجہ پر پہنچتے جسکو اب انہوں نے اپنے فیصلہ میں ردّ کیا ہے۔ مگر انہوں نے ہماری رائے میں ایک غلط راہ کو اختیار کیا یعنی رائے دینے والوں کی تعداد کی کمی بیشی پر اسکا فیصلہ کیا۔

دوسری وجہ کہ عدالت میں یہ ثابت نہیں کیا گیا کہ ہندوستان کے علماء دونوں مخالف راؤں میں سے کس رائے کو قبول کرتے ہیں۔ اس پہلو سے کمزور ہے کہ ایسے اختلاف اور بے اطمینانی کی صورت میں جہاں قیاس ہو سکتا تھا کہ ممکن ہے کہ ہندوستان کے علمائے اسلام مقابل کی رائے کو ہی صحیح مانتے ہوں۔ چیف کورٹ کا فرض تھا کہ فیصلہ دینے سے پہلے اس کے متعلق شہادتیں اور فتوے لیتی۔ یہ قیاس کر لینا کہ جو کچھ فتاویٰ عالمگیری میں لکھا گیا ہے وہی صحیح ہے اور اس کے برخلاف ہند کے مسلمان علمائے

کوئی رائے نہیں رکھ سکتے بالکل غلط ہے۔ چنانچہ اس معاملہ میں لاہور کی ایک انجمن بنام انجمن مستشار العلماء نے چیف کورٹ کے فیصلہ کے خلاف فتوےٰ دیا ہے اور دوسری رائے کو ہی صحیح تسلیم کیا ہے۔ بہر حال اگر فریقین سے یہ غلطی ہوگئی کہ انہوں نے خود علماء کے فتوے حاصل کر کے پیش نہیں کیے تو بھی چیف کورٹ کا یہ فرض تھا کہ پوری تحقیق کرنے کے بعد کوئی فیصلہ دیا جاتا۔ جب عدالت کے علم میں یہ بات آچکی تھی کہ یہ مسئلہ اختلافی ہے تو ضروری تھا کہ علمائے ہند کی رائے دیکھی جاتی کہ وہ کس طرف کو ترجیح دیتے ہیں۔ یہ کہنا کہ اس سے پہلے فیصلے اسی کے مؤید ہیں ایک غلطی کی تائید میں دوسری غلطی کو پیش کرنا ہے۔ تعجب ہے کہ مسلمان اس فیصلے پر شور مچا رہے ہیں۔ حالانکہ چیف کورٹ کی رائے میں ہندوستان کے مسلمانوں کے نزدیک یہی رائے مسلّم ہے۔

ایسے اختلاف کے ہوتے ہوئے یہ کہنا کہ قانون کی اصلیت تک پہنچنے کی ضرورت نہیں معقول بات نہیں۔ ضروری تھا کہ خواہ ایک طرف رائے کا غلبہ ہی تھا (اور اختلاف کی صورت میں ایک نہ ایک طرف غلبہ ہوگا ہی) صحیح نتیجہ پر پہنچنے کے لیے مسئلہ کی اصلیت دریافت کی جاتی۔ اور یہ بھی دیکھا جاتا کہ کونسی رائے حالات موجودہ کے ماتحت اس قوم کے لیے جس کے لیے قانون بنایا جاتا ہے انصاف اور نرمی کا پہلو لیے ہوئے ہے۔ یہ اعتراض کہ عورت اور مرد کے ارتداد سے جو نتائج پیدا ہوتے ہیں ان میں فرق کرنا عورتوں پر ایک گونہ ظلم ہے کسی وقعت کے قابل نہیں۔ تمام قوموں اور ملکوں میں خاوند کو ایک قسم کا اختیار عورت پر دیا گیا ہے اور ان کے متعلق جو قوانین ہیں ان میں بھی کچھ نہ کچھ فرق نظر آتا ہے۔ مثلاً انگلستان میں بھی اگر عورت زنا کرے تو خاوند طلاق کے لیے دعویٰ کر سکتا ہے مگر خاوند کے صرف زنا کی وجہ پر عورت طلاق کے لیے نالش نہیں کر سکتی۔ پس ایسے فرق جب اور جگہ موجود ہیں تو اسلامی شریعت پر اس وجہ پر

اعتراض کرنا کسی طرح درست نہیں ہو سکتا۔

چیف کورٹ کا فیصلہ ایک ایسا دروازہ کھولتا ہے جس سے اہل اسلام کی مشکلات بیحد بڑھ جاتی ہیں۔ مثلاً زنا کے مقدمہ میں ایک عورت کہہ سکتی ہے کہ اس نے مذہب بدل لیا ہوا ہے۔ ایسا ہی اغوا کے مقدموں میں بھی یہی جواب ہو سکتا ہے۔ اور بازو دعوے کے مقدموں میں تو ایسے جواب کی صحت کا خود چیف کورٹ نے فیصلہ کر دیا ہے۔ مسلمان گھروں کے لیے کونسی امن کی صورت باقی ہے۔ کیا فیصلہ کرتے وقت فاضل ججان چیف کورٹ کا یہ فرض نہ تھا کہ وہ غور کرتے کہ وہ ایک قوم کو کن مشکلات میں ڈال رہے ہیں۔ اور کس طرح ان کے گھروں کے امن کو خطرہ میں ڈال رہے ہیں۔

ایسے مقدمات اس فیصلہ کے بعد اور بھی ہوئے ہیں اور چیف کورٹ کے فیصلہ نے بہت سی ناجائز کارروائیوں کی جرأت بعض لوگوں کو دلا دی ہے۔ تبدیل مذہب کے معاملہ میں چیف کورٹ کو یہ خیال رکھنا ضروری تھا کہ ایسا قانون نہ بنایا جائے کہ تبدیل مذہب حقوق کے تلف کرنے کے لیے بہانہ ہو جائے۔ ہم امید کرتے ہیں کہ ایسے مقدمات کے پھر اعلیٰ عدالتوں تک پہنچنے پر اس فیصلہ کی اصلاح کی جاوے گی یا گورنمنٹ ہند اپنی مجالس واضع قوانین کے ذریعہ سے اس فیصلہ کی غلطی کا علاج کر کے مسلمانوں پر احسان کریگی۔
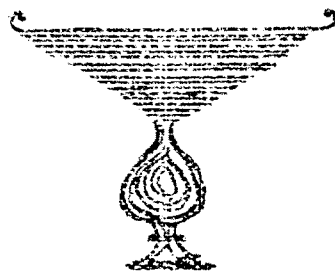
جاپان میں اسلام

قریب دو سال کا عرصہ گذرتا ہے کہ اخباروں میں پہلے اس بات کا چرچا شروع ہوا کہ جاپان اسلام قبول کرنیکے لیے تیار ہے وہاں مسلمان واعظین بھیجنے چاہییں۔ اور وہاں ایک مذہبی کانفرنس منعقد ہونیوالی ہے جسکی غرض یہ ہوگی کہ تمام مذاہب کے مقابلہ پر اس مذہب کو جسے وہ سب سے اعلیٰ سمجھے اپنا شاہی مذہب قرار دے۔ پھر تھوڑے ہی دن بعد ان سب باتوں کی بعض اخباروں میں تردید کی گئی اور یہ لکھا گیا کہ نہ جاپان اسلام کی قبولیت کی طرف کوئی میلان رکھتا ہے نہ ہی کوئی مذہبی کانفرنس ہوئی ہے یا ہونیوالی ہے اور نہ ہی وہاں واعظین اسلام بھیجنے کی کوئی ضرورت ہے۔ مسلمانوں کا عزم اور ہمت اس زمانہ میں اسی حد تک محدود ہو رہا ہے کہ تھوڑی سی رکاوٹ سے ایک امر کو جسے اہم سمجھکر شروع کیا ہو چھوڑنے کے لیے تیار ہو جاتے ہیں۔ ہم نے نہیں سُنا کہ صحابہ رضی اللہ عنہم یا اُنکے بعد جن باہمت لوگوں نے دین اسلام کو افریقہ یورپ اور چین تک پھیلایا وہ پہلے اس بات کی تحقیق کر لیا کرتے تھے کہ فلاں ملک اسلام قبول کرنے کو تیار ہے یا نہیں؟ وہ جب عزم کر کے ایک طرف رُخ کر لیتے تھے تو پھر مشکلات کے کیسے ہی پہاڑ انکے سامنے کیوں نہ آجائیں اُنکی کچھ بھی پروا نہ کرتے تھے۔ اسی طرح ایک ایک آدمی نے تنہا ایسے لوگوں کے درمیان جا کر اسلام پھیلایا جہاں پہلے اس کی کوئی خبر نہ تھی۔ انہی کی مساعی جمیلہ کا نتیجہ ہے کہ آج دنیا کے چاروں کونوں میں ہم مسلمانوں کا نام پاتے ہیں اور دُور دُور کے جزیروں اور بیابانی ملکوں میں لا الٰہ الا اللہ کی آواز سُنائی دیتی ہے۔ مگر اس وقت اپنے اپنے اشتغال سے کہاں فرصت ہے کہ مسلمان اشاعتِ اسلام کی طرف توجہ کریں اور اسے ایک فرض سمجھکر تمام مشکلات کا مقابلہ کریں۔

حال میں ایک کتاب بنام الرحلۃ الیابانیہ یعنی سفر جاپان مصر سے شائع ہوئی ہے جس کے مصنف علی احمد جرجاوی صاحب جریدۃ الارشاد ہیں۔ اس فاضل مصنف نے اس کتاب میں اپنے سفر جاپان کے حالات درج کیے ہیں۔ جو انھوں نے ۱۹۰۶ء میں کیا۔ اور اس میں اس مذہبی کانفرنس کا ذکر بھی کیا ہے جسکی تردید ہندوستان کے بعض اخبارات نے کی تھی۔ مصنف مذکور کہتا ہے کہ وہ پہلا مصری سیاح تھا جس نے سرزمین جاپان میں قدم رکھا۔ ہنغ کونغ (ہانگ کانگ) میں پہنچکر مصنف کی ملاقات سید سلیمان مشہور چینی مسلمان سے ہوئی جو مصنف کے ہمراہ جاپان میں بھی گیا۔ کسی قدر حالات مسلمانان چین کے بھی اس کتاب میں درج کیے گئے ہیں۔ چین میں مسلمانوں کی تعداد پانچ کروڑ بتائی گئی ہے اگرچہ بعض نے سات کروڑ مسلمان چین میں لکھے ہیں اور ایک عیسائی واعظ نے ساڑھے پانچ کروڑ بتائے ہیں۔ چین کے مسلمانوں کی عام حالت بہ نسبت دیگر چینیوں کے بہت اچھی ہے وہ افیون وغیرہ منشیات سے پرہیز کرتے ہیں۔ انکے لباس اور ظاہری صورت میں دوسرے چینی لوگوں سے کوئی فرق نہیں جس سے کوئی شخص دیکھکر تمیز کر سکے کہ یہ مسلمان ہے یا بدھ مذہب کا پیرو۔ یہ مسلمان چین کے ہر حصہ میں پھیلے ہوئے ہیں بڑی شہروں اور قصبوں میں وہ عموماً الگ محلوں میں رہتے ہیں۔ وہ ان عام فسادوں اور فتنوں میں شریک نہیں ہوتے جو حکومت کے خلاف دوسرے چینی لوگ کرتے رہتے ہیں اور گورنمنٹ کا پورا احترام کرتے ہیں۔ چینی مسلمان اپنے آپ کو اہل چین کے اشرف لوگوں میں سے شمار کرتے ہیں حتیٰ کہ معاملات میں بھی وہ پورا اعتبار اپنے ہی ہم مذہبوں پر کرسکتے ہیں۔ وہ عموماً صفائی پسند ہیں اور اپنی عبادات وغیرہ میں دوسرے لوگوں سے جن میں کیتھولک اور پراٹسٹنٹ عیسائی بھی شامل ہیں ڈکھ بھی اٹھاتے ہیں۔ مسلمانوں میں اکثر اہل صنعت ہیں اور انکی صنعت ایسی اعلیٰ درجہ کی ہے جسپر چینی قدیم سے فخر کرتے ہیں۔ اور اگرچہ حکومت میں وہ بڑے بڑے عہدے بھی رکھتے ہیں مگر اصلی میلان ان کا

صنعت کی طرف ہی ہے۔

مصنف بڑے افسوس سے اس بات کو ظاہر کرتا ہے کہ چینی مسلمان مذہب اسلام سے بہت ناواقف ہیں اور اعلیٰ طبقہ کے علماء ان کے اندر نہیں پائے جاتے۔ اور دوسرے مسلمانوں پر افسوس کرتا ہے کہ وہ اپنے بھائیوں کی بہتری کے لیے کچھ نہیں کرتے۔

ہانگ کانگ سے سوار ہوکر مصنف ٹوکیو میں پہنچا۔ جہاں مسلمانان ہند میں سے ایک عالم کی ملاقات ہوئی اور اس طرح تینوں نے اکٹھے ہوکر مذہب اسلام پر لیکچروں کا ایک سلسلہ شروع کیا۔ ان لیکچروں کو جاپانی زبان میں ادا کرنیکے لیے شروع میں ہی ایک فاضل جاپانی بھی ان کے ساتھ مل گیا۔ جس کا نام حاجی نیف تھا۔ اس شخص کی ملاقات اتفاقاً ان واعظین سے ہوگئی اور انکے حالات معلوم ہونے پر اسے تحقیق اسلام کا شوق پیدا ہوگیا۔ چونکہ وہ انگریزی بھی جانتا تھا اس لیے نہایت آسانی سے گفتگو ہوتی رہی جسکا نتیجہ یہ ہوا کہ وہ اسلام لے آیا اور اسی کی مدد سے یہ لوگ اپنی باتیں جاپانیوں کو سناتے رہے۔ مصنف کتاب کے بیان کے مطابق انکے وعظ کا یہ اثر ہوا کہ بارہ ہزار (۱۲۰۰۰) جاپانیوں نے اسلام قبول کیا۔ جن میں بہت سے حاکم۔ تاجر اور بڑی بڑی حیثیت کے آدمی تھے۔ مصنف نے یہ خیال بھی ظاہر کیا ہے کہ جاپانی اسلام قبول کرنیکے لیے بہت تیار ہیں اور اگر انہیں کچھ مدت اور رہنے کا اتفاق ہوتا تو بہت سے اور لوگ اسلام قبول کر لیتے۔ چونکہ مختلف اخباروں اور مختلف لوگوں کے بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ ایک طرف تو جاپانی اب عیسائی مذہب کے شائق نہیں رہے اور دوسری طرف وہ اپنے آبائی مذہب پر بھی قائم نہیں بلکہ ایک سچے مذہب کی تلاش میں ہیں لہٰذا جو کچھ مصنف کتاب نے اسلام قبول کرنیوالوں کی تعداد کے متعلق لکھا ہے اس کا صحیح ہونا بعید از قیاس نہیں واللہ اعلم بالصواب۔

مصنف کتاب نے اس مذہبی جلسہ کا ذکر بھی کیا ہے جس میں مختلف مذہب کے حامی میکاڈو شاہ جاپان نے خود مختلف ممالک سے بلائے تھے۔ اس جلسہ کے ممبروں کی تعداد ۱۲۰ بتائی ہے اور مصنف لکھتا ہے کہ میں خود بھی اس میں موجود تھا اس مجلس کے دو اجلاس ہوئے جن میں پریزیڈنٹ خود شاہ جاپان تھے۔ وکیل اسلام نے اسلام کی خوبیوں کو بہت عمدہ پیرایہ میں بیان کیا اور اگرچہ جیسا کہ مصنف بیان کرتا ہے اس کے لیکچر کا اثر بہت عمدہ ہوا۔ مگر اس کانفرنس کا یہ نتیجہ نہیں ہوا کہ جاپان کے لیے کوئی اور شاہی مذہب تجویز کیا گیا ہو۔ کتاب میں اور بھی بہت سے دلچسپ حالات جاپان اور دوسرے شہروں کے لکھے ہیں جہاں جہاں مصنف ٹھہرا۔

حضرت مسیح موعودؑ کی وفات پر بعض انگریزی اخباروں کی رائیں

نوٹ:۔ ذیل میں ہم چند مشہور انگریزی اخباروں کی رائے جو انہوں نے حضرت مسیح موعودؑ کی وفات پر ظاہر کی ہے درج کرتے ہیں۔ ان میں کئی ایک غلط بیانیاں بھی ہیں جیسے عمر کے متعلق۔ یا تعداد مریدین کے متعلق۔ مگر ہم اسجگہ انکی تردید نہیں کرتے کیونکہ نہ تو گنجایش ہی ہے۔ اور نہ ہی ان راؤں کے درج کرنے سے ہمارا سوائے اسکے کچھ اور مطلب ہے کہ ناظرین کو یہ معلوم ہو کہ دوسرے لوگوں نے خیالات ہمارے متعلق کیا ہیں۔ اخبار ٹائمز لنڈن کے مضمون کی بنا چونکہ ڈاکٹر گرسوولڈ ایک پادری کے رسالہ پر ہے۔ لہٰذا اس میں غلط بیانی زیادہ ہے۔ اس کی تردید کی ضرورت ہوئی تو ہم کسی دوسرے وقت کریں گے۔

سول اینڈ ملٹری گزٹ لاہور ۔ مرزا غلام احمد خان جو قادیان ضلع گورداسپور کے

رہنے والے تھے اور جو منگل گذشتہ کو لاہور میں ۶۹ سال کی عمر میں وفات پا گئے ایک مشہور و معروف مسلمان واعظ اور قادیانی فرقہ کے بانی تھے جس کی تعداد بیس ہزار بتائی جاتی ہے۔ مرزا صاحب جنکا بہت ادب اور عزت کی جاتی تھی بہت سال ہوئے گورنمنٹ کی ملازمت میں تھے مگر انہوں نے اس ملازمت سے اس لیے استعفا دیدیا کہ وہ اپنے آپ کو ہمہ تن مذہبی اور تعلیم کے کام میں لگادیں۔ مرزا صاحب جاگیر دار اور زمین کے مالک تھے اور انہوں نے گورنمنٹ کے قانون اور انتظام کی تائید میں اپنا نیک اثر اپنے ہم مذہبوں پر ڈالا۔ لاہور میں وہ ایک صلح کا پیغام لیکر آئے تھے اور انکی غرض ایک ایسی سوسائٹی قایم کرنیکی تھی جو ہندوؤں اور مسلمانوں کے درمیان صلح اور اتحاد کو بڑھائے۔ اپنی وفات سے دو دن پہلے انہوں نے لاہور کے چند معزز ہندوؤں سے ملاقات کی اور اپنی تجویز کو عملدر آمد میں لانیکے لیے انکی مدد چاہی۔"

پایونیر - الہ آباد "اگر پچھلے زمانے کے اسرائیلی نبیوں میں سے کوئی نبی عالم بالا سے واپس آکر دنیا میں اسوقت تبلیغ کرے تو وہ بیسویں صدی کے حالات میں اس سے زیادہ غیر موزون معلوم نہ ہوگا جیسے کہ مرزا غلام احمد خاں قادیانی معلوم ہوتے تھے جن کی وفات حال میں ہی پنجاب میں اپنے وطن میں واقع ہوئی ہے۔ چند سال گذشتہ سے مرزا صاحب نے بڑھی ہوئی عمر کے اثر کے نیچے خاموشی اختیار کر لی تھی لیکن ایک وقت تھا کہ انکا نام لوگوں میں اسی طرح مشہور تھا جس طرح ڈاکٹر ڈوئی کا ہے۔ ہم یہ قابلیت نہیں رکھتے کہ انکی عالمانہ حیثیت پر کوئی رائے لگا سکیں۔ مگر یہ یقینی بات ہے کہ انکی جماعت ایک وقت بہت بھاری جماعت ہوگئی تھی جو انکی ذاتی اثر اور تعلیم کا نتیجہ تھا۔ مرزا غلام احمد صاحب کو اپنے متعلق یا اپنے دعوی کے متعلق کبھی کوئی شک نہیں ہوا۔ اور وہ کامل صداقت اور خلوص سے اس بات کا یقین رکھتے تھے کہ انپر الہام الٰہی نازل ہوتا ہے اور کہ انکو خارق عادت طاقت بخشی گئی ہے۔ مگر وہ مسیح سے سات یا آٹھ صدیاں پہلے پیدا ہونیکی بجائے انیسویں [۱۹۰۰] صدی عیسوی میں

پیدا ہوئے اور اپنے گردوپیش کے حالات کے مطابق ہی انہوں نے اپنا کام بھی کیا بجائے اس کے کہ وہ جنگلوں میں چلے جاتے (جیسا گذشتہ انبیاء کے قصوں میں موجود ہے) اور کسی شجرہ تقطین کے نیچے یا کسی غار میں اپنا مقام بناتے انہوں نے اخباروں کے ذریعہ اپنا کام شروع کیا اور مروجہ مباحثات میں حصہ لیا۔ اور گورنمنٹ انگریزی کی نیک رعیت اور وفادار حامی رہے۔ مگر بعض اوقات انکی فطرت کا دوسرا پہلو غالب آجاتا تھا جیسا کہ اس موقع پر ہوا جب انہوں نے حیرت زدہ بشپ ویلڈن کو چیلنج دیا کہ نشانوں میں انکا مقابلہ کرے جیسا کہ الیاس (نبی) نے بعل کے پروہتوں کو دیا تھا۔ اور اس مقابلہ کا یہ نتیجہ قرار دیا کہ تا فیصلہ ہو کہ سچا مذہب کونسا ہے۔ مگر اُسوقت بھی مرزا صاحب اس بات کے لیے تیار تھے کہ حالات موجودہ کے مطابق جسطرح پادری صاحب چاہیں اپنا اطمینان اس بات کا کریں کہ نشان کے دکھانے میں کوئی دھوکہ یا فریب استعمال نہیں کیا گیا۔...... وہ لوگ جنہوں نے مذہب کے رنگ میں دنیا میں ایک حرکت پیدا کی ہے وہ اپنی طبیعت میں مرزا غلام احمد صاحب سے بہت زیادہ ملتے جلتے ہیں بہ نسبت ایک ایسے شخص کے جیسا آجکل کا کنٹربری (انگلستان) کا لاٹ پادری۔ اگر ارنسٹ رینن (مشہور فرانسیسی مورخ) گذشتہ بیس سال کے اندر ہندوستان میں ہوتا تو وہ یقیناً مرزا صاحب کے پاس جاتا اور ان کے حالات کا مطالعہ کرتا اور اسکا نتیجہ یہ ہوتا کہ انبیائے بنی اسرائیل کے عجیب وغریب حالات پر ایک نئی روشنی پڑتی۔ مگر ہمارے محدود اور تنگ خیالات ایسے مقابلہ سے رُکتے ہیں اور اس کا نتیجہ یہ ہے کہ ہمارا مذہبی لٹریچر ایسا تنگ اور محدود ہے۔ بہرحال قادیان کا نبی ایک ایسا انسان تھا جو ہرروز دنیا میں نہیں آیا کرتے انپر سلامتی ہو۔

ٹائمز لنڈن - مرزا صاحب جو کہ ستر سال کی عمر کو پہنچ چکے تھے قصبہ قادیان ضلع گورداسپور کے مالک یا جاگیردار تھے اور مغل خاندان میں سے تھے اور انکے آبا واجداد بابر کی عہد حکومت میں سمرقند سے یہاں آئے تھے۔ پہلے وہ گورنمنٹ کی ملازمت میں تھے لیکن کئی سال ہوئے

اس غرض سے گورنمنٹ کی ملازمت چھوڑ دی تھی کہ تا اپنی پوری توجہ اپنے دعاوی کی اشاعت میں لگا سکیں۔ لاہور کے پادری گرسوولڈ نے سلسلہ احمدیہ کے حالات کا بڑی غور سے مطالعہ کیا ہے اور اپنی تحقیق کو ایک کتاب کی صورت میں شایع کیا ہے جس میں وہ مرزا صاحب کو شکل و شباہت میں معزز اپنے وجود میں ایک خاص کشش رکھنے والے اور قوائے ذہنی میں تیز بیان کرتے ہیں۔ ایک چھاپہ خانہ اور ایک ڈپو قایم کر کے اس عجیب اعتقادات کے معلم نے بہت سی مذہبی کتابیں لکھیں اور دو اخبار ایک انگریزی میں اور ایک اُردو میں اپنے اعتقادات کی تائید میں جاری کیں۔ انکا یہ دعویٰ تھا کہ اگرچہ یسوع کو فلسطین میں صلیب پر چڑھایا گیا تھا مگر وہ وہاں فوت نہیں ہوئے بلکہ مشرق کی طرف سفر کر کے آخر کار شہر سری نگر دارالخلافہ کشمیر میں رحلت فرما ہوئے۔ مسیح کے بار بار ظہور کے عقیدہ کو اختیار کر کے انہوں نے یہ تعلیم دی کہ جس طرح یسوع مسیح موسوی تھا میں محمدی مسیح ہوں اور یہ دعویٰ کرتے تھے کہ خدا نے مجھے اس لیے بھیجا ہے کہ تا اس سچے دین کو از سر نو دنیا میں قایم کروں جسے یہودیوں عیسائیوں اور مسلمانوں نے بگاڑ دیا ہے۔ انکا دعویٰ تھا کہ انکی بہت سی پیشگوئیاں پوری ہو چکی ہیں۔ اور یسوع سے بھی بڑھکر عجیب نشانات وہ دکھا چکے ہیں۔ عام مسلمان اس عقیدہ کو بدعت اور کفر قرار دیتے تھے مگر مرزا صاحب کے پیرووں میں صرف اَن پڑھ لوگ ہی نہ تھے۔ بلکہ بہت سے آدمی اعلیٰ حیثیت اور اعلیٰ تعلیم والے بھی تھے۔

مرزا صاحب کا یہ دعویٰ کہ انکے ستر یا اسی ہزار پیرو ہیں مبالغہ آمیز بیان ہے اور اگرچہ مردم شماری میں جو تعداد دکھائی گئی ہے وہ غالباً اصل تعداد سے بہت کم تھی مگر ڈاکٹر گرسولڈ کا تخمینہ جو سرکاری رپورٹ کے جلد ہی بعد کیا گیا ہے جس میں پیرووں کی کل تعداد دس ہزار بتائی گئی ہے بخل سے کیا گیا معلوم نہیں ہوتا۔ ہاں گذشتہ دو تین سال میں جو تحریکات ہندوستان میں رہی ہیں وہ صرف پولٹیکل نہ تھیں بلکہ تمدنی اور مذہبی رنگ بھی رکھتی تھیں۔ اور اغلب ہے کہ ان سالوں میں قادیانی فرقہ نے بہت کچھ ترقی کی ہو گی۔ اگر اب جو

اسکا ہی گذر گیا ہے یہ فرقہ زوال پذیر ہو کر نابود ہو جائے تو اسکا افسوس نہ مسلمان قوم کو ہوگا اور نہ ہی گورنمنٹ کو۔ اگرچہ مرزا صاحب اس بات پر بہت زور دیتے تھے اور اس بیان میں وہ سچے بھی تھے کہ اس فرقہ کی تعلیمات اور عقاید انگریزی حکومت کی پوری وفاداری کے ساتھ مطابقت رکھتی ہیں تاہم ایسے نئے نئے فرقوں کی حالت میں دونوں امکان موجود ہیں۔ یعنی یہ کہ یا وہ اندرونی جھگڑوں اور خونریزی کا باعث ہو جائیں اور یا پولیٹکل شورش کا موجب بنجائیں۔ یہ امر کہ یہ فرقہ بالکل صلح پسند اور پابند قانون رہا ہے اس کے بانی کے لیے باعث فخر ہے جن کے متعلق ڈاکٹر گرسولڈ کا یہ خیال صحیح معلوم ہوتا ہے کہ وہ مفتری نہ تھے بلکہ فریب خوردہ تھے۔ اپنی وفات کے وقت وہ لاہور میں ایک سوسائٹی قایم کرنا چاہتے تھے جس کی غرض ہندوؤں اور مسلمانوں میں صلح اور اتحاد کا بڑھانا تھا

مہدی آخر زمان

الحمد للہ رب العلمین والصلوٰۃ والسلام علی خاتم الانبیاء وسید المرسلین وعلی خلفائہ الراشدین المہدیین۔

اما بعد۔ آخر زمانہ میں ایک حامی دین اسلام کے آنے کی پیشگوئی دنیا بھر میں مشہور ہے جسکا لقب مہدی ہے۔ اسلامی تاریخ میں کوئی ایسا زمانہ نہیں گذرا جسمیں کوئی مدعی مہدویت پیدا نہ ہوا ہو۔ مہدی ایک پاک اور مقدس نام ہے۔ اس کے معنے ہیں ہدایت یافتہ۔ لیکن اس بات کو دیکھکر سخت درد پہنچتا ہے کہ جاہل لوگوں نے اور پرجوش ملاؤں نے مہدی موعود کو ایسے تاریک رنگ میں پیش کیا ہے اور مدعیان مہدویت نے ایسی خونریزی کی کارروائیاں کی ہیں کہ اب مہدی کا لفظ ایک خوفناک لفظ سمجھا جاتا ہے یہانتک کہ حکومتیں بھی اس نام کو

سُنکر ڈر جاتی ہیں اور وہ جو ایک پاکیزہ اور پیارا نام تھا اب ایک خونی نام سمجھا جاتا ہے۔ اور اسلامی واعظ اور ملاں مہدی کو ایک خونریز سپاہی کے رنگ میں پیش کرتے ہیں جو دنیا میں خون کی ندیاں بہا دیگا۔ ان کے نزدیک اسلام کے پھیلانے کا سوائے تلوار کے اور کوئی ذریعہ نہیں۔ افسوس اس پاک نام سے بڑی بے انصافی کی گئی ہے۔ اور ایک معصوم اور پُر امن نام ایک خون کے پیاسے مردم کُش ظالم کو دیا گیا ہے۔ میرا مدعا اس مضمون کے لکھنے سے یہ ہے کہ اُن غلطیوں کو صاف کیا جاوے جنہوں نے اس پاک نام کی حقیقت کو چھپا دیا ہے اور سچے اور اصل مہدی کو ناظرین کے آگے پیش کیا جاوے۔

(۱) احادیث متعلقہ مہدی

مہدی پر بحث کرتے ہوئے پہلی مشکل جو انسان کو پیش آتی ہے یہ ہے کہ مہدی کے متعلق ایک کثیر تعداد ایسی احادیث اور روایات کی ہے جو اعتبار کے درجہ سے بہت گری ہوئی ہیں۔ نواب صدیق حسن خاں نے بڑی محنت سے مہدی کے متعلق احادیث اخبار و آثار کو اپنی کتاب حجج الکرامہ میں جمع کیا ہے اور انکی صحت کے متعلق بحث کرتے ہوئے صفحہ ۲۶۵ پر لکھتا ہے۔ لیکن شک نیست دراں کہ اسانید اکثر طرق وے معلول است بغفلت رجال اسانید و سوء حفظ یا ضعف یا سوء رائے وغیر ذٰلک۔

پھر اسی صفحہ پر صدیق حسن خاں لکھتے ہیں۔ ومجموع ایں روایات ضعیفہ و مطعونہ افادہ صحت و شہادت وجود وے در آخر زمان میکنند اگر خالص ازآنہا از نقد اقل قلیل باشد۔ اس عبارت سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ صدیق حسن کی رائے میں یقینی طور پر جو امر احادیث سے ثابت ہوتا ہے وہ صرف اتنا ہی ہے کہ مہدی ضرور آئیگا۔ کوئی تفصیلی امر یقینی اور قطعی طور پر قبل از وقت بیان نہیں کیا جا سکتا۔ فاضل مصنف اسی رائے کو اور جگہ بھی ظاہر کرتا ہے۔ چنانچہ وہ صفحہ ۳۸۴ پر لکھتا ہے۔ اما شک نیست کہ مجموع اخبار و آثار کہ درباره وجود وے و وقائع و حوادث و فتن و فتوح وغیر ہا وارد شده افادہ

صحت ظہور وسے میکند کیف ما کان۔ یعنی جسقدر روایات مہدی موعود کے آنے اور اُس کے زمانہ کے واقعات اور فتوحات کے متعلق ہیں انسے اتنا فایدہ ہوتا ہے کہ مہدی ظاہر ہوگا جس رنگ میں اس کا ظہور ہو۔ یعنی احادیث و روایات سے ظہور کا یقین حاصل ہوتا ہے۔ یہ نہیں کہا جا سکتا کہ کس رنگ میں ظاہر ہوگا۔

ایک فاضل مصنف کے مندرجہ بالا بیان سے ناظرین نتیجہ نکال سکتے ہیں کہ احادیث و آثار متعلقہ مہدی کس حد تک معتبر ہیں۔ نیز ان احادیث کے معتبر یا غیر معتبر ہونے کے متعلق اس امر سے بھی نتیجہ نکالا جا سکتا ہے کہ صحیحین میں مہدی کا کوئی باب نہیں رکھا گیا۔ اس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ امام بخاری اور امام مسلم رحمۃ اللہ علیہما نے ان احادیث کو اس درجہ صحت پر نہیں پایا کہ انکو اپنی تصانیف میں جگہ دیتے۔ جس پایہ و مقام کے یہ ہر دو امام ہیں وہ سب پر روشن ہے۔ ان کے سکوت کی ایک اور غرض بھی معلوم ہوتی ہے جو مَیں آگے جا کر انشاء اللہ تعالیٰ ذکر کروں گا۔ صرف راویوں کے لحاظ سے ہی احادیث مہدی مجروح نہیں بلکہ خود احادیث اور روایات بھی اس امر کی گواہی دے رہی ہیں کہ وہ اس قابل نہیں کہ انکو بغیر تامل کے قبول کر لیا جاوے۔ کیونکہ وہ اختلافات سے بھری ہوئی ہیں۔ مہدی کے نام کے متعلق اختلاف ہے۔ اس کے نسب کے متعلق اختلاف ہے۔ اُس کے مقام و زمان ظہور کے متعلق اختلاف ہے۔ اور اُس کے زمانہ خلافت کے متعلق اختلاف ہے۔ کچھ احادیث ذیل میں درج کرتا ہوں جس سے معلوم ہو جائیگا کہ احادیث میں کسقدر اختلاف ہے۔ (۱) احادیث دربارہ اسم مہدی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ لو لم یبق من الدنیا الا یوم لطول اللہ ذٰلک الیوم حتّٰی یبعث فیہ رجلاً منی و من اھل بیتی یواطئ اسمہ اسمی و اسم ابیہ اسم ابی۔ (ابو داؤد)۔ یعنی اگر دنیا کی عمر میں ایک دن بھی باقی رہ گیا۔ خدا تعالیٰ اس دن کو لمبا کر دیگا یہانتک کہ وہ مبعوث فرماوے ایک شخص مجھ میں سے یا میرے اہل بیت میں سے

جسکا نام میرے نام کے مطابق ہوگا اور اس کے باپ کا نام میرے باپ کے نام کے مطابق ہوگا۔

ایک اور روایت میں ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اپنے بیٹے حسن کی طرف دیکھ کر فرمایا۔ ان ابنی ھٰذا سید کما سماہ النبیؐ سیخرج من صلبہ رجل یسمی باسم نبیکم یشبھنی فی الخُلق ولا فی الخَلق (ابوداؤد)

ان احادیث اور ایسی ہی اور احادیث کی بنا پر کہا جاتا ہے کہ مہدی موعود کا نام محمد بن عبداللہ ہوگا اسی طرح بعض روایات میں مہدی موعود کا نام احمد بن عبداللہ رکھا گیا ہے۔ اقتراب الساعہ صفحہ ۶۶ پر لکھا ہے۔ آسمان سے ایک پکارنیوالا کہیگا۔ ایھا الناس ان اللہ قد قطع عنکم الجبارین والمنافقین واشیاعھم وولاکم خیر امۃ محمد صلی اللہ علیہ وسلم فالحقوہ بمکہ فانہ المھدی واسمہ احمد بن عبداللہ۔

پھر۔ مہدی کا نام عیسیٰ بھی رکھا گیا ہے چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا لاالمھدی الا عیسیٰ (ابن ماجہ وحاکم) شیعہ کا اعتقاد ہے کہ مہدی کے باپ کا نام عبداللہ نہیں ہے بلکہ حسن ہے۔

(۲) احادیث درباره نسب مہدی۔ اس امر میں بھی احادیث وروایات میں سخت اختلاف ہے۔ بعض روایتوں میں اُسکو فاطمہ کی اولاد بیان کیا گیا ہے۔ ابوداؤد ام سلمہ سے روایت کرتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا المھدی من عترتی من ولد فاطمہ۔ اب یہ دیکھنا ہے کہ مہدی حضرت فاطمہ کے کسی لڑکے کی اولاد میں سے ہوگا۔ اس بارے میں پھر روایتوں میں پھوٹ پڑی ہوئی ہے بعض میں اُسکو حسن کی اولاد میں سے بیان کیا گیا ہے اور بعض میں حسین کی اولاد سے۔ میں ابھی ایک روایت درج کرچکا ہوں جس میں لکھا ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اپنے لڑکے حسن کی طرف دیکھ کر کہا کہ میرا یہ بیٹا سردار ہے جیسا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے

اسکو کہا اور اس کی پشت سے ایک آدمی پیدا ہوگا جسکا نام تمھارے نبی کا نام ہوگا اور جسکے باپ کا نام تمھارے نبی کے باپ کا نام ہوگا۔ وہ تمھارے نبی سے خُلق میں مشابہ ہوگا مگر خَلق یعنی ظاہری شکل میں مشابہ نہیں ہوگا۔ اسی مضمون کی ایک روایت یہ ہے ابن عمرو نے کہا یخرج رجل من ولد حسن من قبل المشرق لو استقبل به الجبال یهدها واتخذ فیها طرقا (اخرجه تمام فی فوایده وابن عساکر فی تاریخه) یعنی حسن کی اولاد سے مشرق کی طرف سے ایک شخص نکلے گا جو ایسا عالی ہمت ہوگا کہ اگر اس کے سامنے پہاڑ آجائیں تو انکو بھی ہٹا کر انمیں سے رستہ بنا لیگا۔ ان روایات کی بنا پر کہا جاتا ہے کہ مہدی حسن کی اولاد میں سے ہوگا۔

ان روایات کے مقابل پر ایسی روایتیں بھی ہیں جنمیں مہدی کو حسین کی اولاد میں سے ظاہر کیا گیا ہے نہ حسن کی اولاد سے۔ مثلاً ایک روایت یہ ہے ان المهدی من ولد الحسین (رواه ابن عساکر عن جابر) یعنی مہدی حسین کی اولاد سے ہوگا۔ شیعہ ایسی روایات پر زور دیتے ہیں جن سے ظاہر ہوتا ہے کہ مہدی حسین کی اولاد سے ہوگا۔ بعض روایات میں حسن وحسین دونوں کو ملا دیا گیا ہے۔ طبرانی وابو نعیم علی ہلالی سے روایت کرتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فاطمہ کو فرمایا والذی بعثنی بالحق ان منهما یعنی من الحسن والحسین مهدی هذه الامة۔ یعنی اس اُمت کا مہدی حسن وحسین دونوں کی اولاد ہوگا۔

اگر یہ اختلاف حسن وحسین پر ہی بس ہو جاتا تب بھی خیر تھی لیکن مہدی کی نسب کے متعلق اور بھی روایات ہیں جو مہدی کو بنی فاطمہ اور حسن یا حسین کی اولاد سے نہیں ٹھہراتیں بلکہ اُس کے لیے اور ہی نسب تجویز کرتی ہیں۔ مثلاً بہت سی ایسی احادیث ہیں جنمیں مہدی کا بنی عباس سے ہونا بیان کیا گیا ہے نعیم بن حماد کعب احبار سے روایت کرتا ہے کہ المهدی من ولد عباس۔ یعنی مہدی موعود عباس کی اولاد سے ہوگا۔ دارقطنی

اور ابن عساکر حضرت عثمان بن عفان سے روایت کرتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا المھدی من ولد عباس عمی۔ یعنی مہدی میرے چچا عباس کی اولاد سے ہے۔ ایک اور حدیث میں ہے۔ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عباس کو فرمایا۔ یا عباس ان اللہ بدأبی ھٰذا الامر و یختمہ بغلام من ولدك یملاھا عدلا کما ملئت جورًا۔ (اخرجہ الدارقطنی والخطیب وابن عساکر) ایسا ہی اس مضمون کی اور بھی احادیث ہیں۔ مثلاً ابن عساکر میں ایک حدیث ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عباس رضی اللہ عنہ کو مخاطب کرکے فرمایا یا عم اما شعرت ان المھدی من ولدك۔ یعنی اے چچا۔ کیا تجھے معلوم نہیں کہ مہدی تیری اولاد میں سے ہوگا پھر ایک اور حدیث ابن عساکر اور دیگر کتب میں درج ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا الا ابشرك یا عم ان من ذریتك الاصفیاء و من عترتك الخلفاء و منك المھدی فی اٰخر الزمان۔ یعنی تیری اولاد میں سے کئی پاک لوگ اور خلفاء ہونگے اور مہدی آخر الزمان بھی تیری ہی اولاد میں سے ہوگا۔ علیٰ ہذا القیاس مہدی بنو امیہ میں سے بھی بیان کیا گیا ہے چنانچہ جلال الدین سیوطی اپنی کتاب تاریخ الخلفاء صفحہ ۵۸ پر وہب بن منبہ کا قول درج کرتے ہیں کہ ان کان فی ھٰذہ الامۃ مھدی فھو عمر بن عبد العزیز۔ یعنی اگر اس اُمت میں کوئی مہدی ہے تو وہ عمر بن عبد العزیز ہے جو بنو امیہ میں ایک بزرگ اور صالح بادشاہ تھے۔ ایسا ہی ایک روایت ہے جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ مہدی حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی اولاد سے ہوگا۔ چنانچہ وہ روایت یہ ہے اخرج ابن عساکر کان عمر بن خطاب یقول من ولدہ رجل بوجہ شجۃٌ یملأ الارض عدلًا۔ یعنی حضرت عمر بن خطاب فرمایا کرتے تھے کہ میری اولاد میں ایک ایسا شخص پیدا ہوگا جس کے چہرہ پر نشان ہوگا اور وہ زمین کو عدل سے بھر دیگا۔ اور زمین کو عدل سے بھر دینا صفات مہدی میں سے ہے

غرض مہدی موعودؑ کی نسب کے متعلق مختلف اقوال ہیں۔ اوّل یہ کہ وہ حسن کی اولاد سے ہوگا۔ دوم یہ کہ وہ حسین کی اولاد سے ہوگا۔ سوم یہ کہ وہ بنی عباس میں سے ہوگا۔ چہارم یہ کہ وہ بنو امیہ میں سے تھا اور وہ عمر بن عبدالعزیز تھا۔ پنجم یہ کہ وہ حضرت عمرؓ کی اولاد سے ہوگا۔

ان احادیث کے علاوہ جن میں مہدی کسی خاص خاندان کی طرف منسوب کیا گیا ہے ایسی احادیث بھی ہیں جنہیں مہدی کا افراد اُمّت میں سے ایک فرد ہونا بیان کیا گیا ہے اور کسی خاص خاندان کی تعیین نہیں کی گئی بلکہ صرف ایک اُمتی ظاہر کیا گیا ہے۔ چنانچہ ابوداؤد میں ایک حدیث ہے جسکے الفاظ یہ ہیں ابوسعید خدری بیان کرتا ہے کہ مَیں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سُنا یخرج رجل من امتی یقول بسنتی ینزل اللہ عز وجل لہ القطر من السماء وتخرج الارض برکتھا وتملأ الارض منہ قسطا وعدلاً کما ملئت ظلما وجورًا یملک سبع سنین۔ ایسی ہی اور احادیث بھی جن میں مہدی کی نسبت صرف من اُمّتی یا فی اُمّتی کا لفظ آیا ہے اور مہدی کو عام اُمّتی بیان کیا گیا ہے چنانچہ ابوسعید سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ابشرکم بالمھدی یبعث فی امتی علی اختلاف من الناس وزلازل فیملأ الارض قسطا وعدلاً کما ملئت ظلما وجورًا رضی اللہ عنہ وساکن السماء وساکن الارض الخ۔ کذا فی المیزان۔ یعنی مَیں تمکو مہدی کی خوشخبری دیتا ہوں جو میری اُمّت میں مبعوث کیا جائیگا جب لوگوں میں اختلافات ہوں گے اور زمین میں زلزلے آویں گے اور وہ زمین کو عدل و انصاف سے بھر دیگا اور خدا اور آسمان کے فرشتے اور زمین کے لوگ اُس سے خوش ہوں گے۔

یہ عجیب بات ہے کہ صرف بعض بڑے بڑے خاندانوں نے ہی دعویٰ نہیں کیا کہ

مہدی ہم میں سے ہوگا بلکہ مذہبی فرقوں نے بھی ایسے ہی دعوے پیش کیے ہیں شیعہ اعتقاد رکھتے ہیں کہ مہدی شیعہ مذہب کا حامی ہوگا اور سُنّیوں کو تہ تیغ کردے گا۔ معتزلہ مہدی کے وجود سے ہی منکر ہیں۔ حنفی اعتقاد رکھتے ہیں کہ مہدی امام ابوحنیفہ علیہ الرحمۃ کا پیرو ہوگا۔ وہابی حنفیوں کا یہ دعویٰ سُنکر سخت طیش میں آجاتے ہیں اور کہتے ہیں کہ مہدی فرقہ اہل حدیث کا سخت حامی ہوگا۔ ان فرقوں کو آپس میں جھگڑتے ہوئے دیکھکر ہنسی آتی ہے۔ حدیث الغاشیہ کے مصنف کی عبارت جو فرقہ اہل حدیث میں سے ہے۔ میں ذیل میں درج کرتا ہوں تا ناظرین کو معلوم ہوجائے کہ کسطرح اسلام کے مختلف فرقے مہدی کے متعلق باہم جھگڑتے ہیں۔ حدیث الغاشیہ کا مصنف یہ لکھتا ہے "بعض جہلہ حنفیہ نے یہ گپ لگائی ہے کہ عیسیٰ مقلد مذہب حنفیہ ہونگے علی قاری نے اسکا خوب ردّ کیا ہے۔ جزاہ اللہ خیرا۔ اشاعہ میں بھی تقلید عیسیٰ و مہدی بر مذہب حنفی کے لیے نہایت غصہ ظاہر کرکے یہ بات ثابت کی ہے کہ سوا قرآن و حدیث کے کسی مذہب کے موافق حکم نہ دیں گے ..... اگر ہم اُسوقت تک جیئے کہ مہدی آجاویں یا عیسیٰ علیہ السلام اُتریں تو ہم ان حضرات کو سلام کریں گے کہ اب کہو تم سچے تھے یا ہم۔ انکو بھی اسوقت آٹے دال کا بھاؤ معلوم ہوجائیگا۔" (حدیث الغاشیہ صفحہ ۳۵۲)

(۳) اختلاف احادیث دربارہ مولد و جائے ظہور مہدی۔

جو احادیث و روایات دربارہ مولد و جائے ظہور مہدی آئی ہیں اُنمیں بھی ایسا ہی اختلاف پایا جاتا ہے جیسا احادیث و روایات دربارہ نسب مہدی میں اختلاف ہے مندرجہ ذیل مختلف مقامات مہدی کے مولد یا جائے ظہور بیان کیے گئے ہیں۔

اوّل۔ ایک قریہ کدعہ نامی۔ اس بارہ میں جو حدیث آئی ہے اُسکو میں انشاءاللہ آگے جاکر بیان کروں گا۔

دوم۔ مدینہ مولد اور مکہ جائے خروج۔ چنانچہ ابو داؤد میں ایک لمبی حدیث ہے جسمیں لکھا ہے

یکون اختلاف عند موت خلیفة فیخرج رجل من اہل المدینة ہاربا الی مکة فیخرجونه وهو کاره فیبایعونه بین الرکن و المقام الحدیث یعنی ایک خلیفہ کی وفات پر اختلاف ہوگا اُسوقت ایک شخص مدینہ سے بھاگ کر نکلیگا اور مکہ کی طرف جائے گا وہاں لوگ اُسکی مرضی کے برخلاف رکن ومقام کے درمیان بیعت کرینگے۔" اسی حدیث کی بنا پر یہ یقین کیا جاتا ہے کہ مہدی کا مولد مدینہ ہے اور جائے ظہور مکہ معظمہ۔ چنانچہ صدیق حسن خاں اس حدیث کو درج کرکے لکھتا ہے مراد بایں رجل مہدی است وحدیث دال است برآنکہ برآمدن او ہم از مدینہ باشد چنانکہ تولدش آنجا بود پس مصیر بسوئے ایں حدیث واجب است و باقی اقوال ساقط وظہورش بالاتفاق در مکہ مکرمہ باشد۔ (حجج الکرامہ صفحہ ۱۸۱)

سوم۔ مکہ میں ہی مہدی پیدا ہوگا اور مکہ ہی میں ظاہر ہوگا۔ علی متقی نے اپنے رسالہ مہدی میں لکھا ہے بدانکہ در قصص الانبیاء و در کتاب اخبار است از آیات واحادیث و اولیاء اللہ وارد شدہ کہ از سیادت حسین باشد و نام پدر او موافق حضرت رسول صلی اللہ علیہ وسلم باشد یعنی ابن عبداللہ و تولد او در مکہ معظمہ باشد و ہماں جا بمرگ خود بمیرند۔

چہارم۔ المغرب میں ظاہر ہوگا۔ صدیق حسن خاں لکھتا ہے۔ قرطبی در تذکرہ خود گفتہ کہ مولدش ببلاد مغرب است و وے از آنجا براہ دریا بیاید۔ حجج الکرامۃ صفحہ ۳۵۰

پنجم۔ بمسجد اقصیٰ میں ظاہر ہوگا۔ صدیق حسن خاں لکھتا ہے و برآمدن وے از مسجد اقصیٰ ہم گفتہ اند۔

ششم۔ مہدی مشرق میں ظاہر ہوگا۔ ابونعیم و ابن عساکر عبداللہ بن عمر سے روایت کرتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یخرج رجل من ولد حسن بن علی من قبل المشرق لو استقبل به الجبال یهدها و یتخذ فیها طرقا۔

ہفتم - خراسان کی طرف سے مہدی ظاہر ہوگا۔ مسند احمد میں ہے۔ اذا رأیتم الرایات السود قد جاءت من قبل خراسان فاتوھا فان فیھا خلیفۃ اللہ المھدی۔ یعنی جب تم سیاہ جھنڈے خراسان سے آتے ہوئے دیکھو تو انکی طرف جاؤ کیونکہ اُنہیں خدا کا خلیفہ مہدی ہے۔

مندرجہ بالا روایات سے ظاہر ہے کہ مہدی کے مولد اور جائے ظہور کے بارہ میں کسقدر اختلاف ہے۔

(۴) روایات در بارہ عہد خلافت مہدی - مدت خلافت میں سخت اختلاف ہے چنانچہ مہدی کی خلافت کیلیے مندرجہ ذیل مختلف عرصے بیان کیے گئے ہیں۔

۵ سال - ۷ سال - ۹ سال - ۱۹ سال چند ماہ - ۲۰ سال - ۲۴ سال - ۳۰ سال - ۴۰ سال

ان مختلف روایتوں کو یہاں بیان کرنے کی ضرورت نہیں۔ صدیق حسن خان کی کتاب حجج الکرامہ میں سے مندرجہ ذیل عبارت کافی ہوگی۔ صدیق حسن خاں لکھتا ہے۔

روایات در مُدّت ملک مہدی مختلف آمدہ - در بعض پنج یا ہفت یا نہ بتردید آمدہ و در بعض ہفت و در بعض اگر کم ماند پنج سال و اگر دیر ماند نہ سال و در بعض نوزدہ سال و چند ماہ و در بعض بست سال و در بعض بست و چہار سال و در بعض سی سال و در بعض چہل سال و نہ سال منجملہ ایں چہل سال بارومر مصالحہ ماند۔ (حجج الکرامہ صفحہ ۳۸۰)

(۵) احادیث در بارہ زمان ظہور مہدی - اگرچہ عام طور پر احادیث کی بنا پر یہ یقین کیا جاتا ہے کہ مہدی اور مسیح ایک ہی وقت میں ظاہر ہوں گے مگر ایک روایت سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ مہدی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم و حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام سے وسط زمانہ میں پیدا ہوگا چنانچہ اصل عبارت یہ ہے۔ لن تھلک امۃ انا فی اولھا والمھدی فی اوسطھا وعیسٰی فی اٰخرھا۔ ملاحظہ ہو حجج الکرامہ صفحہ ۳۸۴۔

جسقدر میں اوپر لکھ آیا ہوں اُس سے صاف طور پر ظاہر ہوتا ہے کہ احادیث دربارہ مہدی میں بہت اختلاف ہے۔ نہ صرف راویوں کے لحاظ سے اکثر انہیں مجروح ہیں بلکہ انکے اختلافات ظاہر کر رہے ہیں کہ سب حدیثیں ماننے کے قابل نہیں یا یوں کہو کہ سب کو مہدی موعود پر چسپاں کرنا غلطی ہے۔

غازی مہدی کا اعتقاد

نہایت افسوس کی بات ہے کہ ہمارے علماء ایسے عقائد کی عام طور پر اشاعت کرتے ہیں جنکی بنا کسی صحیح حدیث پر نہیں اور علاوہ اس کے وہ عقائد اسلام کے لیے مضر اور امن عامہ میں خلل انداز ہیں۔ وہ روایات جنکی بنا پر ایک غازی مہدی کا وعظ کیا جاتا ہے بالکل پایۂ ثبوت سے گری ہوئی ہیں یا ایسی ہیں جن کے غلط معنے کیے گئے ہیں یا ایسی ہیں جو مہدی موعود کے متعلق نہیں بلکہ اور لوگوں کے متعلق ہیں اور انکو غلطی سے مہدی موعود پر لگایا گیا ہے پُر جوش ملاؤں کی کارروائی قابل درگذر ہوتی اگر وہ روایتیں صحیح ہوتیں جن کی بنا پر یہ وعظ کیا جاتا ہے کہ مہدی تلوار کے ساتھ ظاہر ہوگا اور دنیا میں خون کی ندیاں بہا دے گا۔ مگر جب دیکھا جاوے کہ ایسا وعظ بالکل غیر صحیح روایتوں پر کیا جاتا ہے اور ہندوستان کے علماء مقر ہیں کہ یہ روایتیں معتبر نہیں تو اسوقت ہم مجبور ہیں کہ ایسے واعظوں کو قصوروار ٹھہرائیں جو باوجود علم ضعف روایات عوام الناس کے دل میں یہ بٹھاتے ہیں کہ ایک خونی مہدی آئیگا اور ہر ایک شخص کو جو اسلام قبول کرنے سے انکار کریگا تہ تیغ کریگا۔ ایسے لوگ اسلام کے لیے عار ہیں اور اسلام جیسے پاک اور روشن مذہب کے چہرہ پر خون کا داغ لگاتے ہیں اور عوام الناس میں غلط خیالات بٹھا کر جہاد کا سبق دیتے ہیں اور امن عامہ میں خلل انداز اور گورنمنٹ کے لیے بے حد تکلیف اور بے فائدہ اخراجات کا آئے دن موجب ہوتے ہیں۔ اگر ایسے واعظوں کی نیت صاف ہوتی تو انکو چاہیے تھا کہ

صاف طور پر عام لوگوں کو کہدیتے کہ کوئی پختہ روایت اور صحیح حدیث ایسی نہیں جس سے معلوم ہو کہ مہدی تلوار کے زور سے اسلام کو پھیلائیگا بلکہ برخلاف اسکے ایسی احادیث بھی ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ سونیوالوں کو بھی نہیں جگائیگا اور نہ خون بہائیگا اگر یہ واعظ اسلام کے خیرخواہ اور محسن گورنمنٹ کے بہی خواہ ہوتے تو انکو چاہیے تھا کہ اشتہاروں اور رسالوں کے ذریعہ شائع کرتے کہ خونی مہدی کا خیال ایک غلط خیال ہے جسکی بنا کسی صحیح حدیث پر نہیں اور اسطرح لوگوں کے جوشوں کو ٹھنڈا کرتے اور غلط خیالات اُنکے دلوں سے نکالتے۔ اس صورت میں وہ صرف محسن گورنمنٹ سے ہی بھلا نہ کرتے بلکہ خود اسلام کی ایک خدمت کرتے اور ایک بدنما داغ کو مٹاتے اور اسلام اور قرآن مجید کی اصل تعلیم کے ظاہر ہونے کا ذریعہ بنتے۔ مگر اس بات کو ظاہر کرنیکے لیے کہ کس قسم کے خیالات عوام الناس میں بے دھڑک پھیلائے جاتے ہیں میں ذیل میں اقتراب الساعہ سے کچھ عبارت نقل کرتا ہوں۔ اگرچہ بظاہر یہ کتاب صدیق حسن خاں کے بیٹے کی طرف منسوب کیجاتی ہے مگر عام طور پر یقین کیا جاتا ہے کہ یہ کتاب اس فاضل مصنف کی اپنی تصنیف ہے صفحہ ۹۴ پر لکھا ہے "خدا کی طرف تلوار کے ذریعہ سے بلائیں گے جو نہ مانے گا مار ڈالا جاوے گا" پھر صفحہ ۹۶ پر لکھا ہے۔ "انکے ہاتھ پر لڑائیاں ہونگی یہ خزانے نکالیں گے شہر کے شہر فتح کرینگے۔ مشرق سے مغرب تک لے لینگے۔ ہندوستان کے بادشاہوں کو گردن میں طوق ڈالکر اُنکے سامنے لادینگے...... پھر اسی صفحہ پر لکھا ہے۔ ہند میں اب تو کوئی بادشاہ بھی نہیں ہے یہی چند رئیس ہنود یا مسلمان ہیں سو کچھ حاکم مستقل نہیں بلکہ برائے نام ہیں بڑے بادشاہ اس ولایت کے یورپین ہیں غالباً اُس وقت تک بھی یہی حاکم یہاں کے رہیں گے انہی کو اُن کے روبرو لیجائیں گے۔ ایسے ہی خیالات صدیق حسن خاں نے حجج الکرامہ میں ظاہر کیے ہیں ملاحظہ ہو صفحہ ۴۲

میں پہلے حجج الکرامہ کے حوالے سے دکھا آیا ہوں کہ صدیق حسن خاں مانتا ہے
کہ کل روایات دربارہ ظہور و حوادث و فتوحات مہدی سے یقینی طور پر صرف
اتنا ہی ثابت ہوتا ہے کہ مہدی آئیگا کیف ما کان یعنی تفصیل کی تعیین نہیں ہوسکتی۔
ایک طرف تو صدیق حسن لکھتا ہے کہ کیف ما کان یعنی مہدی آئے گا جس صورت
میں آئے دوسری طرف بڑے وثوق سے یہ شائع کیا جاتا ہے کہ وہ تلوار لے کر
ظاہر ہوگا اور اُس دن اہل دنیا کے لیے ایک مصیبت کا دن ہوگا۔ لوگوں کی
گردنوں پر تلوار رکھی جاوے گی اور جو اسلام کا اقرار نہیں کرے گا اس کا
سر اُتار دیا جاوے گا۔ اگر ایسے اعتقادات صحیح احادیث کی بنا پر شائع کیے جاتے
پھر بھی یہ لوگ قابل معافی ہوتے مگر ایک طرف تو ان احادیث اور روایات کے
ضعیف اور غیر معتبر ہونے کے قائل ہیں دوسری طرف اسلام کو بدنام کرنے
والے عقائد انہی غیر معتبر احادیث اور روایات کی بنا پر شائع کیے جاتے ہیں۔
جبتک خونی مہدی کا عقیدہ دلوں سے نہ نکالا جاوے تب تک جہاد بالسیف
کا عقیدہ دُور نہیں ہوسکتا۔ خفیہ طور پر محمد حسین بٹالوی کی طرح گورنمنٹ کے
کان میں کہنا کہ خونی مہدی کی حدیثیں سب کی سب نادرست اور غلط ہیں کچھ
مفید نہیں جب تک زور کے ساتھ عام طور پر عوام الناس کے سامنے خونی
مہدی کے عقیدہ کا ابطال نہ کیا جاوے اور ان غلطیوں سے عوام الناس کے
دلوں کو پاک نہ کیا جاوے۔ میں انشاء اللہ تعالیٰ خونی مہدی کے عقیدہ پر مضمون
کے آخر میں بحث کروں گا فی الحال اسی پر بس کرتا ہوں۔ باقی آیندہ انشاء اللہ تعالیٰ

(نامہ نگار)

مندرجہ ذیل کتب موجودہ بک ڈپو کی طرف ہم شائقین کو خاص توجہ دلاتے ہیں۔

یہ کتابیں بذریعہ وی پی (مفصل فہرست اور قیمتوں کیلیے دیکھو دوسری طرف) مینجر میگزین قادیان سے طلب کرو۔

(۱) صداقت و فلسفۂ اسلام پر۔ براہین احمدیہ۔ جس میں نہایت پُرزور دلایل کے ساتھ صداقت اسلام اور آنحضرت صلعم کے منجانب اللہ ہونیکو ثابت کیا گیا ہے۔ مکمل کتاب جس میں حصہ چہارم وہ اصل نسخہ ہے جو حضرت اقدس نے ۱۸۸۴ء میں چھپوایا تھا ۴ روپے رکھی ہے۔ اسلام کا فلسفہ وہ لطیف لیکچر جو پانچ سوالوں کے جواب میں جلسۂ اعظم مذاہب میں حضرت اقدس کی طرف سے پڑھا گیا جیبی تقطیع قیمت ۴ر۔ رپورٹ جلسۂ اعظم مذاہب۔ علاوہ مذکورہ بالا لیکچر کے دیگر مذاہب کے جواب بھی ہیں ۴۷۲ صفحے قیمت ۸ر۔ ریویو آف ریلیجنز کی پچھلی جلدیں جن میں علاوہ دیگر مذاہب جیسے عیسائیت آریہ مذہب وغیرہ کی تردید کے بعض مفصل اور مبسوط مضامین صداقت اسلام پر لکھے گئے ہیں جیسے جلد ۱۹۰۲ء میں عصمت انبیاء پر۔ جلد ۱۹۰۴ء میں دعا کی حقیقت اسلام کی حقیقت اور برکات روح القدس ملائکہ۔ وحی الٰہی کی ضرورت۔ جلد ۱۹۰۵ء میں۔ پردہ۔ تعدد ازدواج۔ طلاق۔ غلامی پر جلد ۱۹۰۶ء میں۔ سود۔ قانون وراثت اور احادیث کی صداقت پر۔ جلد ۱۹۰۷ء میں۔ قرآن کریم کی حفاظت اور جمع۔ قرآنوں اور ناسخ و منسوخ پر۔ فی جلد عا ر۔ (۲) عیسائی مذہب پر۔ سراج الدین عیسائی کے چار سوالوں کا جواب ۲ر۔ جنگ مقدس قابل دید کتاب ہے ۸ر۔ نور القرآن حصہ اول ۲ر حصہ دوم ۴ر۔ ابطال الوہیت مسیح ار۔ (۳) آریہ مذہب پر۔ سرمہ چشم آریہ۔ جو آریہ مذہب کے اعتراضوں کے جواب ہیں اور انکے اصول کی تردید میں ایک لاثانی کتاب ہے ۲۵۰ صفحے قیمت ۱۲ر۔ نور الدین ترک اسلام کے ۱۴۸ سوالوں کا لاجواب جواب ہے جو علامہ حکیم نور الدین صاحب کی تصنیف ہے ۲۵۶ صفحے قیمت ۸ر۔ آریہ دھرم جس میں نیوگ پر بحث ہے ۴ر۔ نسیم دعوت ۳ر۔ (۴) شیعہ مذہب پر۔ خلافت راشدہ حصہ اول ۱۸۰ صفحے ۸ر حصہ دوم ۸۰ صفحے ۴ر مولوی عبدالکریم صاحب مرحوم کی لطیف تصنیف جس میں شیعہ مذہب کی ایسی تردید کیگئی ہے جسکا جواب کسی شیعہ سے بن نہیں سکا بحث کا اسلوب بالکل نیا ہے۔ خطوط شیعہ کا جواب ۲ر (۵) سکھ مذہب پر۔ ست بچن ۲۰۰ صفحے قیمت ۱ر اس کتاب میں یہ ثابت کیا گیا ہے کہ باوا نانک صاحب اسلامی طریق کے پیرو تھے سکھ مذہب پر حجت قاطع ہے۔ (۶) سلسلہ احمدیہ کی حقیقت میں عسل مصفّٰی ایک قابل دید کتاب ۸۲۸ صفحوں کی ہے جو بسبب ایک جامع کتاب ہونیکے ہر ایک احمدی کے ہاتھ میں ہونی چاہیئے سلسلہ احمدیہ کے متعلق ہر ایک مسئلہ پر اور احادیث تفاسیر وغیرہ کے تمام اقوال پر سیر کن بحث ہے۔ باقی کیلیے دیکھو مفصل فہرست۔ (۷) لغات القرآن ایک نہایت قابل قدر لغات قرآن شریف کی ہے جسمیں بالمقابل کالموں میں معتبر لغات عربی اور اسکا اردو ترجمہ دیئے گئے ہیں قرآن شریف کا ترجمہ سیکھنے کیلیے ازبس ضروری ہے حصہ اول ۳۸۴ صفحے قیمت عہ حصہ دوم ۶۰۰ صفحے قیمت ۱۲ر (۸) یسرنا القرآن یہ اگرچہ بچوں کا قاعدہ ہے مگر ایک نہایت مفید چیز ہے جس سے بچوں کو قرآن شریف کے پڑھنے میں اعلیٰ درجہ کی سہولت ہوگی ہے چھ ماہ میں بچہ قرآن شریف پڑھ لیتا ہے تین حصہ میں ہے فی حصہ ار (۹) مکتوبات و خطبات محمدیہ آنحضرت۔

آؤ لوگو کہ یہیں نورِ خدا پاؤ گے ۔ لو تمہیں طورِ تسلی کا بتایا ہم نے

ریویو آف ریلیجنز

یعنی

دنیا کے مذاہب پر نظر

جلد ۷ — بابت ماہ ستمبر سنہ ۱۹۰۸ء — نمبر ۹

فہرست مضامین

قادیان ضلع گورداسپور سے ۲۰ ستمبر ۱۹۰۸ء کو مینجر میگزین کے اہتمام سے شائع ہوا۔ چندہ سالانہ ... طلبا سے ...

بک ڈپو میں تین نئی کتابیں

تمام خط و کتابت بنام مینیجر میگزین ہو۔

عمدۃ الاحکام ۔ اس کتاب میں صحیح بخاری اور صحیح مسلم کی وہ تمام متفقہ حدیثیں جمع ہیں۔ جو احکامات کے متعلق ہیں۔ عربی عبارت پر اعراب دیئے ہوئے ہیں۔ اور بین السطور اردو میں ترجمہ کیا ہوا ہے۔ امامنا حضرت خلیفۃ المسیح والمہدی مولنا مولوی نور الدین صاحب نے اس کتابت کو بہت پسند کیا ہے۔ ۱۰۱ صفحے کی کتاب ہے۔ قیمت صرف عہ فی جلد ہے۔ کُل ۲۴ جلدیں باقی ہیں۔ یہ کتاب پھر اس قیمت پر نہ مل سکیگی کیونکہ اصل شایع کنندہ ۱۲ عہ فی جلد کے حساب سے فروخت کرتا ہے۔

اسلام کی پہلی کتاب ۔ سلسلہ عالیہ احمدیہ پر عام طور پر جو اعتراض کیے جاتے ہیں انکے جواب ماسٹر عبد الرحمن صاحب نومسلم نے بڑی خوبی سے دیئے ہیں۔ اور ان سوالات وجوابات کو ماسٹر صاحب نے ایک کتاب کی صورت میں ۲۹×۲۲/۱۶ سائز کے عمدہ سفید کاغذ پر چھپوایا ہے کتاب عام طور پر پسند کیگئی ہے۔ طالبعلموں کے لیے نہایت ضروری کتاب ہے۔ ۱۳۰ صفحے کی کتاب ہے۔ قیمت صرف ۴۔ر فی جلد ہے۔

التبیان ۔ حضرت اقدس ؑ کے حکم سے حضرت مولوی سید محمد احسن صاحب نے لکھی ہے جسکا اکثر حصہ آپکی زندگی میں چھپ چکا تھا۔ اور آپکے وصال کے بعد شایع ہوئی ہے اس کتاب میں مس شیطان والی حدیث پر بڑی بسوط بحث کیگئی ہے۔ ۳۸۔ صفحے کی کتاب ہے۔ قیمت صرف ۱۔ر ہے۔

نوٹ ۔ بعض احباب کتابیں منگوانیکے وقت انکی قیمت کے ٹکٹ بھیجدیتے ہیں۔ وہ خیال رکھیں کہ ان قیمتوں کے علاوہ محصولڈاک کے لیے بھی ٹکٹ بھیجا کریں۔ کیونکہ یہ اصل قیمتیں ہیں۔ محصولڈاک انہیں شامل نہیں

مینیجر

صحیفہ :۔ انجمن معارف حیدرآباد دکن (چادرگھاٹ) کا علمی اخلاقی۔ تاریخی۔ تمدنی۔ ادبی ماہواری رسالہ ایک عمدہ فرانسیسی ناول کا ترجمہ لیے ہوئے ۵۲ صفحوں کے حجم سے بالالتزام شایع ہوتا ہے ایک لایق و فاضل ڈگری یافتہ جماعت اسکو دلچسپ بنانے کی کوشش میں مصروف ہے علاوہ نثر کے دلچسپ نظمیں جس سے اردو لٹریچر میں تازہ روح پھونکی جاتی ہے زیب اوراق ہوتی ہیں ملک کے مشہور معروف رسائل و اخبارات نے نہایت

خریدو۔ المشتہر :- احمد نور کابلی مہاجر از قادیان ضلع گورداسپور۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

نَحْمَدُهٗ وَنُصَلِّيْ عَلٰى رَسُوْلِهِ الْكَرِيْمِ

مہدی آخر زمان

سلسلہ کے لیے ملاحظہ ہو ریویو آف ریلیجنز

بابت اگست ۱۹۰۸ء

منکرین مہدی

مَیں پہلے ذکر کر آیا ہوں کہ معتزلہ مہدی کے وجود سے منکر ہیں۔ علاوہ اُن کے دوسرے مسلمانوں میں بھی ایسے لوگ پائے جاتے ہیں۔ جو مہدی کو نہیں مانتے۔ انکے انکار کا باعث زیادہ تر احادیث کا غیر معتبر ہونا ہے۔ اِن منکرین میں سب سے زیادہ نامور ابن خلدون ہے۔ بڑے بڑے دلائل جن کی بنا پر مہدی موعود کے وجود سے انکار کیا گیا ہے حسب ذیل ہیں۔ اوّل۔ احادیث و روایات کا باہمی اختلاف۔ دوّم۔ راویوں کے سلسلہ میں ایسے اشخاص کا ہونا جن کی روایت قابل قبولیت نہیں۔ تیسری وجہ اُن کے انکار کی یہ ہے کہ ابتدائے اسلام میں مختلف فریق پیدا ہو گئے تھے اور اُن میں سے ہر ایک فریق یہ خواہش کرتا تھا کہ وہ سلطنت کا مالک ہو۔ یہ لوگ دُور دُور بلاد میں اپنی تائید میں روایات گھڑ کر شائع کرتے تھے۔ ملک گیری کے خواہاں زیادہ تر تین قومیں تھیں۔ بنو فاطمہ۔ بنو عباس اور بنو امیہ۔ خلفائے اربعہ کی وفات کے بعد جلدی ہی سلطنت بنو امیہ کے ہاتھ میں آگئی۔ لیکن

بنو فاطمہ اور بنو عباس بنو امیہ کی خلافت پر راضی نہ تھے۔ اسواسطے ان میں سے ہر ایک پوشیدہ طور پر اس کوشش میں لگا ہوا تھا کہ جسطرح ہو بنو امیہ کو ہٹا کر سلطنت پر خود قابض ہو جاوے۔ اس غرض کے حاصل کرنیکے لیے ایک ذریعہ یہ اختیار کیا گیا تھا کہ دور دراز ملکوں میں آدمی بھیجے جاتے تھے اور ان آدمیوں کا یہ کام تھا کہ لوگوں کو بنو امیہ سے منحرف کریں اور اس مضمون کی روایتیں شایع کریں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک خلیفہ کی پیشگوئی کی تھی۔ جسکا نام مہدی ہوگا۔ اس خلیفہ کی نسبت بنو فاطمہ کہتے تھے کہ وہ ہم میں سے ہوگا اور بنو عباس کہتے تھے کہ وہ بنی عباس میں سے ہوگا۔ اور نیز یہ ظاہر کیا جاتا تھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا کہ ہر ایک مسلمان کا فرض ہوگا۔ کہ اس خلیفہ کی مدد کریں۔ یہی وجہ ہے کہ بعض روایتوں میں ہے کہ مہدی بنو فاطمہ میں سے ہوگا اور بعض میں ہے کہ مہدی بنی عباس میں سے ہوگا۔ اس کے بعد دوسرا قدم یہ تھا کہ مہدی کا ایسا نقشہ کھینچا جاتا تھا جو کسی ایسے شخص پر چسپاں ہو جسکی نسبت یہ منظور ہوتا تھا کہ وہ خلیفہ بنایا جاوے۔ چنانچہ جن احادیث میں لکھا ہے کہ مہدی کا نام میرے نام کے مطابق ہوگا اور مہدی کے باپ کا نام میرے باپ کے نام کے مطابق ہوگا منکرین مہدی کے خیال میں یہ احادیث حسن بن علی کے پڑوتے محمد بن عبد اللہ کے لیے تجویز کی گئی تھیں جسکی نسبت زید شہید نے وصیت کی تھی کہ خلیفہ بنایا جاوے۔ زید شہید نے جو حسین بن علی کے پوتے تھے خود خلافت کے لیے کوشش کی تھی مگر کامیابی نہ ہوئی اور آخر محمد بن عبد اللہ کے لیے وصیت کر گئے اور منکرین مہدی کے خیال میں اسی محمد بن عبد اللہ پر چسپاں کرنیکے لیے ایسی احادیث بنائی گئیں جن میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کی گئی کہ مہدی کا نام میرے نام کے مطابق ہوگا اور اس کے باپ کا نام میرے باپ کے نام کے مطابق ہوگا چنانچہ محمد بن عبد اللہ کو مہدی کا خطاب بھی دیا گیا لیکن خلیفہ منصور کے لشکر کے ہاتھ سے مقتول ہوا۔ بنو عباس کی طرف سے بھی

اسی قسم کی کوششیں کی گئیں۔ ابومسلم خراسان میں عباسیوں کا ایک قسم کا ایجنٹ تھا جو کوشش کرتا تھا کہ لوگوں کو بنی عباس کی طرف مائل کرے چنانچہ اس نے خراسان میں تھوڑی سی جمیعت بھی بہم پہنچائی اور اُن سب کے لیے سیاہ لباس تجویز کیا چنانچہ انکے جھنڈے بھی کالے تھے اور بنوعباس کی تائید میں روایتیں شایع کی گئیں اور یہ ظاہر کیا گیا کہ وہ خلیفہ جسکا نام مہدی ہے وہ بنی عباس میں سے ہوگا نہ بنی فاطمہ سے بقول منکرین مہدی یہی وجہ ہے کہ جیسا کہ بنی فاطمہ نے دعویٰ کیا کہ مہدی ہم میں سے ہوگا ایسا ہی بعض روایتیں ایسی بھی پائی جاتی ہیں جن میں لکھا ہے کہ مہدی بنی عباس میں سے ہوگا چنانچہ ایک حدیث میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اذا رأیتم الرایات السود قد جاءت من قبل خراسان فاتوھا فان فیھا خلیفۃ اللہ المھدی۔ یعنی جب تم سیاہ جھنڈے خراسان سے آتے ہوئے دیکھو تو اُنکی طرف آؤ کیونکہ اُن میں خدا کا خلیفہ مہدی ہے۔

اور روایات سے بھی ثابت ہوتا ہے کہ مہدی کے متعلق عباسیوں اور بنو فاطمہ میں ایک قسم کی حرافت تھی چنانچہ ایک حدیث میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ نحن ولد عبد المطلب سادۃ اھل الجنۃ انا وحمزۃ وعلی وجعفر والحسن والحسین والمھدی ۔ہم بنو عبد المطلب اہل جنت کے سردار ہیں۔ مَیں۔ حمزہ۔ علی۔ جعفر۔ حسن۔ حسین۔ اور مہدی۔ (ابن ماجہ) اس فہرست میں حضرت عباس کا نام داخل نہیں کیا گیا حالانکہ وہ بھی بنی عبد المطلب میں سے تھے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے جاں نثار خدام میں سے تھے۔ اس فہرست میں حضرت عباس کا ذکر نہ کرنا صاف طور پر ظاہر کر رہا ہے کہ بنو فاطمہ اور بنو عباس میں باہم حرافت تھی جسکی وجہ سے اس روایت کے بیان کرنیوالے نے عمداً حضرت عباس کے نام کو چھوڑ دیا۔

یہ ہیں دلایل مختصراً اُن لوگوں کے جو مہدی کے وجود سے منکر ہیں۔ ان دلایل کو

خواہ ہم صحیح بھی مان لیں۔ ان سے یہ نتیجہ ہرگز نہیں نکلتا کہ مہدی کا وجود ایک خیالی چیز ہے۔ ان دلائل سے تو اتنا ہی ثابت ہوتا ہے کہ مختلف لوگوں نے اپنے اپنے مطلب کے مطابق مہدی کے متعلق حدیثیں وضع کر لی تھیں۔ اس سے یہ نتیجہ نکالنا کہ مہدی کوئی نہیں اور سارا مہدی کا قصہ ایک افسانہ ہے بڑی غلطی ہے۔ اگر مختلف قوموں نے مہدی کے متعلق یہ دعویٰ کیا کہ مہدی ہم میں سے ہوگا تو اس سے مہدی کا عدم وجود لازم نہیں آتا۔ برخلاف اس کے یہ دعاوی اس امر کی شہادت ہیں کہ مہدی کے آنیکے متعلق پیشگوئی کی گئی تھی۔ اگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی مہدی کے آنیکی پیشگوئی نہ کی ہوتی تو اگر ایک فریق نے یہ دعویٰ کیا تھا کہ مہدی ہم میں سے ہوگا تو چاہیئے تھا کہ دوسرا فریق بڑی زور سے اس امر کی تردید کرتا کہ مہدی کی پیشگوئی کہاں ہے اور کب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی خلیفہ مہدی نامی کی خبر دی تھی۔ یہ تمہارا افترا ہے نہ یہ کہ اُنکے دعوے کے مقابل میں یہ کہتے کہ مہدی تم میں سے نہیں ہوگا بلکہ ہم میں سے ہوگا۔ سب فریق مہدی کے وجود کو تسلیم کرتے ہیں صرف اختلاف نسب میں ہے بعض کہتے ہیں کہ مہدی ہم میں سے ہوگا۔ اور دوسرے کہتے ہیں کہ نہیں مہدی ہم میں سے ہوگا۔ اگر کسی مہدی کی پیشگوئی نہ ہوتی تو جھگڑا اس امر کے متعلق نہ ہوتا کہ مہدی کس خاندان میں سے ہوگا بلکہ جب ایک فریق نے دعویٰ کیا تھا کہ مہدی ہماری نسب میں سے ہوگا تو دوسری پارٹیوں کو چاہیئے تھا کہ یک زبان ہوکر مہدی کے وجود سے ہی انکار کرتے اور مدعی فریق سے مطالبہ کرتے کہ مہدی کی پیشگوئی کس نے کی اور کب کی۔ اگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی مہدی کی پیشگوئی نہیں کی تھی تو مہدی کا خیال ہی کس طرح پیدا ہوا غرض اگر مان بھی لیا جاوے کہ مہدی کے متعلق مختلف خاندانوں نے اپنے اپنے مطلب کے مطابق تخت حاصل کرنیکی غرض سے روایتیں گھڑ لی تھیں اور اُن میں اختلاف تھا تو بجائے اس کے کہ ہم اس اختلاف سے یہ نتیجہ نکالیں کہ سرے سے مہدی کے وجود سے ہی انکار کریں۔ ہمیں یہ نتیجہ

نکالنا چاہیئے کہ ضرور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مہدی کے آنیکی پیشگوئی کی تھی جس کے متعلق خودغرض لوگوں نے اپنے اپنے ڈھب کی روایتیں بنالیں۔ غرض یہ اختلاف مہدی کے وجود کو قطعی ثابت کرتا ہے اور اس امر کی ایک شہادت ہے کہ ضرور مہدی کے آنیکی خبر دی گئی تھی۔ مگر اس امر سے انکار نہیں ہوسکتا کہ واقعات کے ساتھ بہت کچھ زائد باتیں ملا دی گئی ہیں اور مہدی کی پیشگوئی پر غور کرتے وقت احتیاط سے کام لینا چاہیئے۔

اب یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ جب روایات متعلقہ مہدی میں اس قدر اختلاف ہے، تو ہمارے پاس کیا ذریعہ ہے کہ ہم حق اور کذب میں تمیز کرسکیں؟ وہ کونسا معیار ہے جس کے ذریعے ہم یہ معلوم کرسکیں کہ فلاں حدیث آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مُنہ کی بات ہے اور فلاں حدیث کسی کا افترا ہے۔ یا ایک روایت کا کونسا حصہ اصلی ہے اور کونسا حصہ اُس میں زائد کیا گیا ہے؟ بظاہر ایک شخص اس اختلاف کو دیکھکر کہیگا کہ یہ ایک ایسی اُلجھن ہے جسکو سلجھانے کا کوئی ذریعہ نہیں اور مایوسی کے ساتھ اس بحث سے دست بردار ہوگا۔ مگر خوش قسمتی سے یہ امر ایسا نہیں ہے کہ ہم مایوسی کے ساتھ اسکو چھوڑ دیں بلکہ ہمارے پاس ایسا ذریعہ ہے جس سے ہم ایک صحیح اور یقینی نتیجہ تک پہنچ سکتے ہیں۔ یاد رکھنا چاہیئے کہ ان روایات میں کسی گذشتہ تاریخی واقعہ کا ذکر نہیں کہ ہم اس اختلاف کو دیکھکر گھبرا جائیں اور نہ کہہ سکیں کہ اصل واقعہ کیا تھا بلکہ ان روایات اور احادیث میں ایک آئندہ واقعہ کا بیان ہے اس لیے یہ دیکھنے کے لیے کہ کونسی روایت درست ہے اور کونسی نادرست۔ ہمیں راویوں کی طرف رجوع کرنے کی چنداں ضرورت نہیں تا دیکھیں کہ آیا راوی معتبر تھے یا غیر معتبر۔ ان روایات مختلفہ میں جو خدا کے رسولؐ کا کلام ہیں وہ خود وقوع میں آکر اپنی سچائی کا ثبوت دیدیں گی۔ اگر ایک روایت کا مضمون واضح طور پر پورا ہو جائے تو وہ یقیناً نبوت کے سرچشمہ سے نکلی ہوئی روایت ہی۔ اور ہمیں اس

روایت کو قبول کرنا چاہیئے خواہ وہ محدثین کے اصول کے لحاظ سے کیسی ہی ضعیف کیوں نہ ہو۔ اگر چند روایات ایسی ہیں جن میں باہم اختلاف ہے اور ان روایات میں سے ایک روایت کا مضمون پورا ہو گیا ہے اور واقعات اُس کی تصدیق کرتے ہیں تو وہ حدیث درست ماننی پڑے گی اور جو روایات اس کے مخالف پڑی ہوئی ہیں جو نہ صرف راویوں کے لحاظ سے اعتبار کے قابل نہیں بلکہ انہوں نے پورا ہو کر اپنی سچائی کا ثبوت نہیں دیا اور ایک واقع شدہ حدیث کے مخالف ہیں ایسی روایات کو ہمیں مجبوراً رد کرنا پڑے گا۔ اور اگر ایسی روایات ہیں جو باہم مختلف تو نہیں مگر محدثین کے قواعد کے رو سے انکو صحیح نہیں کہہ سکتے۔ اور ایسی روایات پوری ہو جاویں تو وہ قابل قبول اور سچی ہونگی اور اگر وہ واقع ہو کر اپنی تصدیق نہیں کرتیں تو ہمیں ایسی روایات کو نظر انداز کرنا چاہیئے۔ یہ ایک سلامتی کی راہ ہے اور اس میں کوئی خطرہ کی بات نہیں جو احادیث پوری ہو جاویں وہ یقیناً سچی ہیں اور اس میں کچھ شک نہیں کہ وہ خدا کے نبی کا کلام ہیں اور جو احادیث ایسی ثابت شدہ احادیث کے مخالف پڑی ہوئی ہیں اور اُن میں باہم کسی طرح تطبیق نہیں ہو سکتی اور محدثین کے معیار سے بھی اعلیٰ طبقہ کی احادیث نہیں ہیں تو ہمیں چاہیئے کہ ایسی مخالف احادیث کو چھوڑ دیں اور اُن احادیث کو لے لیں جنہوں نے پورا ہو کر اپنی تصدیق آپ کی ہے۔ اُن کے قبول کرنے میں ہمیں کوئی خطرہ نہیں اور دوسری احادیث میں سے جو باہم مختلف تو نہیں مگر محدثین کے معیار کے رو سے ضعیف یا مطعون ہیں ایسی احادیث میں سے جو پوری ہو جائیں انکو ضرور قبول کر لینا چاہیئے اور جو پوری نہ ہوں انکو نظر انداز کر دینا چاہیئے اگر احادیث اور روایات کا ایک کثیر حصہ ایک مدعی کی تصدیق کر رہا ہے تو ہمیں اس حصہ کو قبول کرنا پڑیگا خواہ ایسی روایتیں بھی موجود ہوں جو اُس کے زمانہ میں پوری نہیں ہوئیں خصوصاً جب ایسی روایتیں جو پوری نہیں ہوئیں خود مجروح اور ضعیف اور غیر صحیح مانی گئی

ہیں اور ہمارا فرض ہے کہ جو ایک بڑا حصہ احادیث کا پورا ہوگیا ہے اُسکی بنا پر مدعی کی تصدیق کریں اور اس بات پر نہ اڑیں کہ سب روایات کیوں پوری نہیں ہوئیں جب احادیث میں آپس میں اختلاف ہے اور نیز روایات ضعیف مجروح۔ مطعون اور غیر صحیح ہیں اور بہت سی موضوع بھی ہیں تو پھر کس طرح ممکن تھا کہ سب کی سب پوری ہوتیں۔ ایسی صورت میں کل احادیث اور روایات واقعات کے پورا ہونیکی امید کرنا ایک خیال خام ہے۔ ایسی صورت میں انصاف ہمیں اس امر پر مجبور کرتا ہے کہ جب ایک بڑا حصہ احادیث اور روایات کا پورا ہوگیا ہے تو اُنکی بنا پر ہم مدعی کی تصدیق کریں۔ جو احادیث پوری ہوگئی ہیں وہ یقیناً سچی تھیں خواہ اُنہیں محدثین کی اصطلاح کی رو سے ضعیف احادیث بھی شامل ہوں۔ کیونکہ سچی احادیث ہی پوری ہوسکتی تھیں۔ اس اصول کو مد نظر رکھکر میں مہدی کے مضمون پر بحث کرونگا۔ اس اصول کے اختیار کرنیکے سوا اور کوئی راہ نہیں۔ یہی سلامتی کی راہ ہے۔ مگر میں یہاں یہ بیان کردینا بھی ضروری سمجھتا ہوں کہ مہدی کے بارہ میں ایک بڑی غلط فہمی واقع ہوئی ہے جسکی وجہ سے بعض مشکلات پیدا ہوگئے ہیں۔ اگر اُس غلط فہمی کو دور کردیا جاوے تو مہدی کا مسئلہ بہت صاف ہوجاتا ہے اور جو غبار اور دُھند روایات پر پھیل رہا ہے اُسکا ایک بڑا حصہ نابود ہوجاتا ہے اور بہت سے اختلافات دُور ہوجاتے ہیں۔ ایک خطرناک غلطی کی گئی ہے جس نے مہدی کی احادیث کو بہت پیچیدہ کردیا ہے اور جب اُس غلطی کو دُور کردیا جاوے گا تو یہ مسئلہ ایسا صاف ہوجائے گا کہ ایک بچہ بھی اسکو سمجھ سکیگا انشاء اللہ تعالیٰ۔

قائلین مہدی

مگر پیشتر اس کے کہ میں اُس غلطی کو ظاہر کروں میں یہ بیان کرنا ضروری سمجھتا ہوں

کہ جو لوگ مہدی کے آنے کے قایل ہیں انکا مذہب مہدی کے متعلق کیا ہے ۔ مہدی کے قائل زیادہ تر تین قسم کے لوگ ہیں ۔ اول شیعہ جو محمد بن حسن عسکری کو مہدی خیال کرتے ہیں ۔ وہ بیان کرتے ہیں ۔ کہ محمد بن حسن عسکری جو امام حسین رضی اللہ عنہ کی اولاد سے تھے بچپن میں ہی غار سامرہ میں غایب ہو گئے تھے اور جب انکے ظہور کا وقت آئیگا تو وہ غار سے نکلیں گے ۔ شیعہ ہر وقت اُنکے خروج کے انتظار میں لگے ہوئے ہیں ہر روز کوتل گھوڑے لیکر غار کے دروازہ پر جاتے ہیں اور پکار پکار کر کہتے ہیں اُخرج یا مولٰنا اُخرج یا مولٰنا مگر اب تک اُنکے خیالی مہدی نے اُنکی پکار کا کوئی جواب نہیں دیا ۔ شیعہ یہ اعتقاد رکھتے ہیں کہ جب مہدی غار سے ظاہر ہوگا تو شیعوں کے سوا سب کو قتل کر دیگا بلکہ صحابہ کرام بھی اُس کے زمانہ میں قبروں سے زندہ کیے جاویں گے اور حضرت علی اور چند اور شخصوں کے سوا کل صحابہ کو بھی قتل کر دیگا اور خدا تعالیٰ صحابہ کو دوبارہ اس لیے زندہ کریگا کہ مہدی اُن سے انتقام لے ۔ دوسرا گروہ وہ ہے جنکا اعتقاد ہے کہ مہدی بنی فاطمہ میں سے امام حسن یا امام حسین کی اولاد سے ہوگا ۔ تیسرا گروہ وہ ہے جنکا اعتقاد ہے کہ مہدی مسیح موعود کا ہی دوسرا نام ہے ملاحظہ ہو حجج الکرامہ صفحہ ۲۸۷ ۔ پہلے گروہ یعنی شیعہ کا اعتقاد تو اس قابل ہی نہیں کہ اُسکی کوئی تردید کیجاوے اُسکی لغویت اُسکی تردید کے لیے کافی ہے اور مَیں نہیں چاہتا کہ اس بحث میں پڑکر اپنا اور اپنے ناظرین کا وقت ضائع کروں ۔ مَیں صرف باقی دو گروہ کے عقائد پر بحث کروں گا اور یہ دکھانے کی کوشش کرونگا کہ ان دو میں کون حق پر ہے وما توفیقی الا باللہ العلی العظیم ۔ ان دو گروہوں میں سے پہلے گروہ کا یہ عقیدہ ہے کہ مسیح موعود اور شخص ہے اور مہدی اور شخص ہے ۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام جو بجسمہ العنصری قریباً انیس سَو (۱۹۰۰) برس سے دوسرے آسمان پر بیٹھے ہوئے ہیں وہ آخر زمانہ میں فرشتوں کے کاندھوں پر ہاتھ رکھے ہوئے آسمان سے اتریں گے

اور مہدی بنی فاطمہ میں سے حسن یا حسین کی اولاد میں سے پیدا ہوگا اور تلوار کے زور سے اسلام کو زمین میں پھیلائے گا۔ یعنی ایک آسمان سے اُترے گا دوسرا زمین سے حسن یا حسین کی اولاد میں سے پیدا ہوگا۔ گویا انکے نزدیک آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے دو مختلف پیشگوئیاں کیں جو دو مختلف اشخاص کے متعلق تھیں۔ دوسرا گروہ بھی پہلے گروہ کی طرح یہ یقین کرتا ہے کہ مسیح موعود آسمان سے ہی اُتریں گے مگر اُنکا اعتقاد ہے کہ اُسی آسمان سے اُترنیوالے کا نام مہدی بھی ہے مہدی کوئی شخص نہیں ہوگا۔ میرا یقین ہے کہ مسلمانوں میں یہ اختلاف دربارہ مہدی و مسیح واقع نہ ہوتا اگر مسلمان ایک قابل افسوس غلطی میں نہ پڑتے۔

مسیح کی آمد ثانی

افسوس ایک سخت غلطی کی گئی جسکی وجہ سے مسلمانوں کو مہدی کی پیشگوئی کے سمجھنے میں بڑا مغالطہ ہوا۔ مسیح کو مہدی سے الگ کیوں سمجھا گیا۔ اس لیے کہ مسیح کی نسبت مسلمانوں کا یہ غلط خیال تھا کہ وہ آسمان پر زندہ بیٹھا ہوا ہے۔ اس لیے یہ اُنکے وہم و گمان میں بھی نہیں آسکتا تھا کہ مسیح اور مہدی ایک ہی ہو سکتے ہیں اگر مسلمانوں کو معلوم ہوتا کہ مسیح کبھی اس جسم کے ساتھ آسمان پر نہیں چڑھا بلکہ دوسرے آدمیوں کی طرح فوت ہوا اور زمین میں دفن کیا گیا تو وہ کبھی یہ خیال نہ کرتے کہ مسیح موعود آسمان سے آئیگا اور مہدی زمین سے ظاہر ہوگا۔ اصل وجہ اس غلطی کی یہی باطل خیال ہے۔ مسیح فوت ہوگئے جیسا کہ ہر ایک شخص جو ماں کے پیٹ سے پیدا ہوتا ہے فنا ہو جاتا ہے[1] مجھے یہاں وفات مسیح کے دلائل پیش کرنے کی ضرورت نہیں کیونکہ اُس کے متعلق سیرکن بحثیں ہو چکی ہیں۔ میں صرف

[1] ہر آنکہ زاد بناچار بایدش نوشید ٭ ز جام دہر مے کل من علیھا فان

اتنا ظاہر کرنا چاہتا ہوں کہ یہی غلط خیال کہ مسیح آسمانوں پر زندہ ہے مسیح و مہدی کی پیشگوئی کے سمجھنے میں ٹھوکر کا موجب ہوا ہے۔ مسلمانوں نے یہ خیال عیسائیوں سے لیا اور انکی طرح یہ سمجھتے رہے کہ مسیح اسی خاکی جسم کے ساتھ آسمان کی طرف پرواز کر گئے اور اگرچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے کلمات طیبات سے صاف معلوم ہو رہا تھا کہ مہدی اور مسیح ایک ہی ہیں۔ مگر مسلمان عام طور پر اس امر کو نہ سمجھ سکے کیونکہ انکے خیال کے بموجب یہ بات نہایت ہی ناہموار اور غیر ممکن تھی کہ مسیح جو آسمان پر بیٹھا ہے اور مہدی جو زمین سے ظاہر ہوگا دونوں ایک ہی ہو سکتے ہیں۔ اس لیے مسیح کے لیے تو وہ آسمانوں کی طرف دیکھتے رہے اور مہدی کو بنی فاطمہ میں تلاش کرتے رہے۔ کبھی امام حسنؓ کے خاندان کی طرف نظر کرتے اور کبھی امام حسینؓ کی اولاد میں اسکو ڈھونڈتے۔ کبھی عباسیوں کی طرف دیکھتے اور کبھی بنو امیہ کے خاندان میں تلاش کرتے۔ کبھی عام امت میں سے اس کے ظہور کا انتظار کرتے۔ اور کبھی غار سامرہ کی طرف دوڑتے ہوئے جاتے۔ مگر باایں ہمہ مہدی اور مسیح کے ایک ہونیکا ثبوت ایسا صاف تھا کہ ان میں سے ایک گروہ نے باوجود اس اعتقاد کے کہ مسیح آسمان پر ہیں پھر بھی یہ اعتقاد ظاہر کیا کہ مہدی بھی مسیح ہی کا نام ہے۔ مہدی کسی دوسرے شخص کا نام نہیں۔ افسوس شیعوں کے اعتقاد پر کہ مہدی غار سامرہ میں غایب ہو گیا اور اپنے وقت پر غار سے نکلیگا ہنسی کی جاتی ہے مگر سنیوں کا اعتقاد کچھ اس سے کم لغو نہیں کہ مسیح مٹی کے بدن کے ساتھ آسمان پر چڑھ گیا اور انیس سو ۱۹۰۰ سال سے آسمان پر اسی خاکی جسم کے ساتھ بیٹھا ہوا ہے اور آخری دنوں میں فرشتوں کے کندھوں پر ٹیک لگائے ہوئے آسمانوں سے اتریگا۔ اگر لغویت میں دونوں عقیدوں کا موازنہ کیا جاوے تو شیعہ لوگوں کے اعتقاد کی نسبت سنیوں کے اعتقاد کا پلہ بھاری رہیگا۔ مجھے سمجھ نہیں آتا کہ جب اپنے گھر میں ایسے بیہودہ اعتقادات رکھے جاتے ہیں تو شیعوں کے اعتقاد پر کیوں ہنسی کی جاتی ہے۔ کیا انکا عقیدہ شیعوں کے عقیدہ

سے کم لغو ہے۔

اب یہاں یہ سوال پیدا ہو سکتا ہے کہ اگر عیسیٰ بن مریم وفات پا چکے ہیں اور وہ دوبارہ دنیا میں نہیں آئیں گے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اس پیشگوئی کے کیا معنی ہیں جس میں لکھا ہے کہ عیسیٰ بن مریم آخری زمانہ میں نزول فرماویں گے سو واضح ہو کہ اس پیشگوئی میں عیسیٰ بن مریم سے ایک ایسا شخص مراد ہے جو عیسیٰ بن مریم سے روحانی مشابہت رکھتا ہو۔ اور جو شخص الٰہی صحیفوں سے مس رکھتا ہے اُسکو اس سے کوئی انکار نہیں ہو سکتا۔ اس قسم کی ایک مثال پہلے بھی موجود ہے۔ بنی اسرائیل کو وعدہ دیا گیا تھا کہ مسیح کی آمد سے پہلے ایلیا دوبارہ آسمان سے نازل ہوگا اور مسیح ظاہر نہ ہوگا جب تک کہ ایلیا دوبارہ آسمان سے نہ اُترے۔ مسیح آگیا مگر ایلیا آسمان سے نہ اُترا۔ جب حضرت مسیح سے سوال کیا گیا کہ اگر تم اپنے دعوے مسیحیت میں سچے ہو تو ایلیا کہاں ہے جس نے آسمان سے اُترنا تھا۔ تو حضرت مسیح نے جواب دیا کہ جس نے ایلیا کو دیکھنا ہو وہ یوحنا بپتسمہ دینے والے کو دیکھ لے۔ یہی ایلیا ہے چاہو مانو چاہو نہ مانو۔ پس حضرت مسیح کے نزدیک کسی شخص کے دوبارہ آنیسے مراد ایک ایسے آدمی کا ظہور تھا جو اُسکی خو بو پر آئے اور جسکو پہلے سے روحانی مشابہت ہو۔ چونکہ مسلمان اور عیسائی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو سچا رسول اور بنی اسرائیل کے لیے مسیح یقین کرتے ہیں اس لیے ہر دو قوموں کو اس سے چارہ نہیں کہ وہ حضرت مسیح کی توجیہ کو قبول کریں اور جو معنے انہوں نے ایک شخص کے دوبارہ آنے کے کیے اُنکو سچا قرار دیں۔ مگر خود حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے دوبارہ آنیکے متعلق جو پیشگوئی ہے وہ بھی بعینہٖ ایلیا کے دوبارہ آنے کی پیشگوئی کی طرح ہے اس لیے جو معنے ایلیا کے دوبارہ آنیکے کیے گئے انہی معنوں میں آپ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے دوبارہ آنیکی پیشگوئی کو لینا چاہیئے۔ اگر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی توجیہ در بارہ آمد ثانی ایلیا درست ہے تو وہی دوسری صورت میں بھی درست ہونی چاہیئے۔ کیونکہ دونوں صورتیں بالکل ایک ہی طرز اور رنگ کی ہیں۔

اگر ہم یہ اصرار کریں کہ خود عیسیٰ علیہ السلام ہی دوبارہ واپس دنیا میں تشریف لاویں تب ہی پیشگوئی پوری ہوسکتی ہے تو ہمیں پھر یہ بھی ماننا پڑے گا کہ یہودی بھی حق پر تھے اور انکا مطالبہ کہ (ایلیا بذات خود واپس آنا چاہیئے) درست تھا اور انکا انکار جائز تھا۔ مگر اگر یہودیوں کا مطالبہ درست تھا اور وہ حق پر تھے تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام سچے نبی نہیں ٹھہر سکتے کیونکہ ضروری تھا کہ مسیح کے ظہور سے پہلے ایلیا دوبارہ آئے مگر ایلیا نہ آیا۔ اگر ہم حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو سچا نبی سمجھتے ہیں تو جو معنے انہوں نے ایلیا کے دوبارہ آنیکے کیے ہیں انکو قبول کرنا چاہیئے اور اس قسم کی ہر ایک پیشگوئی کے وہی معنے کرنے چاہئیں جو حضرت مسیح نے کیے۔ اگر یہودی حضرت مسیح کا انکار کرکے اور آپ کی توجیہ کو ردّ کرکے ملزم ٹھہرتے ہیں تو آجکل کے عیسائی اور مسلمان اور بھی زیادہ الزام کے نیچے آتے ہیں کیونکہ یہود کے پاس پہلے اس قسم کی کوئی مثال موجود نہ تھی اور ہمارے پاس ہے ہمارا فرض ہے کہ ہم اس نمونہ سے فائدہ اٹھائیں اور پھر وہی غلطی نہ کریں جو یہود نے کی تھی۔

ایک اور امر بھی ہے جسپر غور کرنے سے یہ امر صاف ہو جاتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے آخری زمانہ کے خلیفہ کا نام کیوں عیسیٰ بن مریم رکھا۔ ہمارے نبی صلی اللہ علیہ سلم حضرت موسیٰ علیہ السلام کے مثیل تھے۔ چنانچہ خدا تعالیٰ فرماتا ہے انا ارسلنا الیکم رسولا شاھدًا علیکم کما ارسلنا الی فرعون رسولا (المزمل) یعنی ہم نے تمہاری طرف ایک ایسا ہی رسول بھیجا ہے جیسا کہ ہم نے فرعون کی طرف حضرت موسیٰ علیہ السلام کو بھیجا تھا اور یہ رسول تم پر گواہ ہے۔ جیسا حضرت موسیٰ علیہ السلام شریعت لائے تھے۔ ایسا ہی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ایک شریعت لائے۔ مگر قرآن شریف صرف ان ہردو نبیوں میں ہی مشابہت قائم نہیں کرتا بلکہ ان ہردو کے سلسلوں کو بھی باہم مشابہت دیکر ہردو کے خلفا میں مماثلت قائم کرتا ہے چنانچہ فرماتا ہے۔ وعد اللہ

الذین امنوا منکم و عملوا الصلحت لیستخلفنھم فی الارض کما استخلف الذین من قبلھم (النور) یعنی خدا تعالیٰ اس اُمت کے مومنوں اور عمل صالح کرنیوالوں سے وعدہ کرتا ہے کہ انکو زمین میں اسی طرح خلفاء بنائیگا جسطرح کہ اُن سے پہلے حضرت موسیٰ کی اُمت میں خلفاء بنائے۔ پس خدا تعالیٰ صرف بانیان سلسلہ میں ہی مشابہت قائم نہیں کرتا بلکہ دونوں سلسلوں کو بھی باہم مماثل ٹھہراتا ہے اور وعدہ کرتا ہے کہ جسطرح پہلوں کو خلفاء بنایا گیا اسی طرح اس اُمت میں بھی خلفاء بنائے جائیں گے جب دونوں سلسلے باہم مماثل ٹھہرے اور سلسلہ کے بانی بھی ایک دوسرے کے مثیل ہوئے تو اس سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ محمدی سلسلہ کے آخری خلیفہ کو موسوی سلسلہ کے آخری خلیفہ سے مشابہت ہونی چاہیئے اور دونوں ایک دوسرے کے مثیل ہونے چاہئیں۔ اسی مماثلت کو ظاہر کرنیکے لیے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے آخری زمانہ کے خلیفہ کا نام عیسیٰ بن مریم رکھا۔ مگر یہ یاد رکھنا چاہیئے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے آخری زمانہ کے خلیفہ کو عیسیٰ ابن مریم کہنے پر بس نہیں کی بلکہ صاف طور پر فرمادیا کہ وہ عیسیٰ بن مریم تم میں سے ایک تمھارا امام ہوگا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ پیشگوئی اپنے دل سے بناکر نہیں کہی بلکہ خدا تعالیٰ نے یہ الفاظ آپ کی زبان مبارک پر جاری کیے اور بسا اوقات ایسا ہوتا ہے کہ خدا تعالیٰ ایک شخص کا نام دوسرے شخص کو دیتا ہے اور اس سے غرض صرف روحانی مشابہت کو ظاہر کرنا ہوتا ہے۔ جیسا خدا تعالیٰ نے یوحنا بپتسمہ دینے والے کا نام ایلیا رکھا ایسا ہی اُس نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے آخر زمانہ کے خلیفہ کا نام عیسیٰ بن مریم رکھا۔ کیونکہ جسطرح حضرت عیسیٰ علیہ السلام موسوی خلفاء میں سب سے آخری تھا ایسا ہی مہدی بھی آخر زمانہ کا خلیفہ ہوگا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا علماء اُمتی کانبیاء بنی اسرائیل۔ اس سے بھی پایا جاتا ہے جیسا موسوی سلسلہ کے انبیاء کے آخر میں عیسیٰ ابن مریم آیا تھا ایسا ہی محمدی سلسلہ کے آخر

میں بھی ایک عیسیٰ بن مریم آئے۔

اگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم صرف اتنا ہی فرماتے کہ عیسیٰ بن مریم آئے گا۔ تو اس کے یہ معنے نہیں ہو سکتے تھے کہ وہی عیسیٰ بن مریم آئیگا جو وفات پا چکا ہے بلکہ یہ کہ ایک شخص عیسیٰ بن مریم کے رنگ پر انکا مثیل آئیگا مگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے صرف عیسیٰ بن مریم پر کفایت نہیں کی بلکہ صاف فرما دیا کہ وہ جو عیسیٰ بن مریم کے نام پر آئیگا وہ تم میں سے تمہارا ایک امام ہوگا۔ اور صحیح بخاری و صحیح مسلم جو کتب احادیث میں اول نمبر پر شمار کیجاتی ہیں اسکی تصدیق کرتی ہیں۔ صحیح بخاری میں ہے کیف انتم اذا نزل ابن مریم فیکم و امامکم منکم۔ یعنی تمہارا اُسوقت کیسا حال ہوگا جب تم میں ابن مریم نازل ہوگا اور وہ تم میں سے تمہارا ایک امام ہوگا۔ قریب قریب یہی الفاظ صحیح مسلم میں ہیں اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی پر اکتفا نہیں کیا کہ آنیوالے خلیفہ کا نام ابن مریم رکھا بلکہ صاف الفاظ میں فرما دیا کہ وہ تم میں سے ہی تمہارا ایک امام ہوگا۔ کوئی بیرونی شخص نہیں ہوگا۔ اس طرح ہم دو امور سے فایدہ اُٹھا سکتے ہیں۔ ایک تو ہم اپنے پہلے تجربہ سے سبق حاصل کر سکتے ہیں جو ہمیں ایلیاہ کے دوبارہ آنیکی پیشگوئی سے حاصل ہوا دوسرے ہم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اس بیان سے ہدایت حاصل کر سکتے ہیں کہ آنیوالا عیسیٰ بن مریم تم میں سے تمہارا ایک امام ہوگا۔ مگر میں جیسا اوپر بیان کر آیا ہوں مسلمانوں کو ایک سخت غلطی نے اس پیشگوئی کے سمجھنے سے روکا۔ اُنکا یہ خیال تھا کہ عیسیٰ ابن مریم اسی جسم کے ساتھ زندہ آسمان پر چڑھ گئے تھے اور وہی عیسیٰ ابن مریم دوبارہ دنیا میں آئیں گے اور اس غلطی کا اصل باعث عیسائیوں کا باطل عقیدہ ہے۔ اور چونکہ اُنکا خیال تھا کہ وہی عیسیٰ ابن مریم دوبارہ واپس آئیں گے اس لیئے اُنکو مندرجہ بالا حدیث کے سمجھنے میں بڑی مشکل پیش آئی۔ اور حدیث کے لفظوں کو مروڑ کر ان میں سے

ایک نئے معنے بڑے تکلف کے ساتھ نکالے گئے تا اسکے اس خیال کی تردید نہ ہو کہ وہی عیسیٰ ابن مریم آئینگے جو ہم سے پیشتر تھے بلکہ بنی اسرائیل میں سے تھے۔ حدیث کے سادہ معنوں کو نظر انداز کیا گیا اور کوشش کی گئی کہ حدیث اُن کے مخالف نہ پڑے۔ اس حدیث کے یہ معنے کیے گئے کہ عیسیٰ ابن مریم تم میں نازل ہوگا مگر وہ تمھارا امام نہ ہوگا بلکہ تمھارا امام ایک اور شخص ہوگا جو تم میں سے ہوگا۔ ان نئے معنوں کے وقت انکو یہ خیال نہ آیا کہ مسیح موعود کو حکماً عدلاً بھی کہا گیا ہے اگر وہ آکر ہمارے امام بھی نہ ہونگے تو وہ حکم و عدل کسطرح کہلا سکتے ہیں۔ ان لفظوں کا وہی مفہوم ہے جو امام کا ہے اور یہ لازمی ہے کہ حکم عدل امام ہو۔ علاوہ اس کے مسیح کا اُس دور دراز مقام سے سفر کرنیکا فائدہ ہی کیا ہے اگر وہ زمین پر آکر امام کے درجہ سے بھی محروم کیے جائیں گے۔ اس سے بڑھکر اور کوئی بات لغو نہیں ہو سکتی کہ مسیح آسمان سے نازل ہو مگر یہاں آکر اُسکو امامت کا درجہ بھی نصیب نہ ہو۔ اگر اس نے ہمارا امام نہیں بننا تھا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اُسکی آمد کی پیشگوئی ہی کیوں کی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ خبر دینا کہ آخری زمانہ میں مسیح آئیگا اور وہ حکم عدل ہوگا صاف ظاہر کر رہا ہے کہ جب وہ آئے تو ہم پر اُسکی اتباع لازم ہے اور ہمارا فرض ہے کہ ہم اُسکو قبول کریں اور اس کے ہر ایک حکم کی تعمیل کرنیکے لیے تیار ہوں یعنی اُسکو اپنا امام بنائیں۔ افسوس امامکم منکم کے ایسے معنے کیے جاتے ہیں جن سے مسیح کو امامت کے درجہ سے بھی محروم کیا جاتا ہے۔ وہ مسیح کیسا جو امام بھی نہیں۔ ہمارے علماء اس حدیث کے ایسے معنے کرتے ہیں کہ خود حدیث ہی لغو ٹھہرتی ہے اور مسیح کی آمد کی پیشگوئی ایک بے معنی اور بے فائدہ امر ٹھہرتا ہے۔ اگر مسیح ہمارا امام بھی نہیں بلکہ کوئی اور شخص امام ہے تو مسیح کے آنیکا کیا فائدہ؟ اور اس پیشگوئی کی کیا غرض ہے؟ غرض مسلمانوں کا

یہ غلط عقیدہ جو وہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے متعلق رکھتے ہیں انکو ایک خطرناک غلطی میں ڈالنے کا موجب ہوا ہے۔ اور ان کے لیے بہتر ہے کہ وہ اس بیہودہ عقیدہ سے باز آئیں اور توبہ کریں۔ نہ عیسائی وہ دن دیکھیں گے اور نہ انکے ہم خیال مسلمان وہ دن دیکھیں گے جب مسیح آسمان سے اُترے۔ اگر یہودیوں نے ایلیا کا آنا آسمان سے مشاہدہ کر لیا ہے تو عیسائی بھی اور ہمارے مخالف مسلمان بھی مسیح کا آسمان سے اُترنا دیکھیں گے۔ اگر یہودیوں کی امیدیں پوری نہیں ہوئیں تو عیسائی بھی یاد رکھیں اور ہمارے مخالف مسلمان بھی یاد رکھیں کہ وہ کبھی وہ دن نہ دیکھیں گے جب مسیح آسمان سے فرشتوں کے کندھوں پر ہاتھ دھرے ہوئے اُترے۔

مہدی اور مسیح ایک ہیں

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے متعلق مسلمانوں کے غلط عقائد نے انکو جن جن غلطیوں میں ڈالا ہے انہیں سے ایک یہ بھی ہے کہ مسیح اور مہدی دو الگ الگ شخص سمجھے گئے۔ درحقیقت ایک ہی شخص کے دو لقب تھے مگر غلطی سے انکو دو مختلف اشخاص کے نام سمجھا گیا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مسیح موعود کو مہدی کا لقب دیکر یہ ظاہر کیا کہ وہ اسی اُمت میں سے ہوگا مگر ہمارے علماء کو وہم میں بھی نہیں آسکتا تھا کہ مسیح موعود اس اُمت میں سے ہوگا اس لیے انہوں نے یہ خیال کیا کہ مہدی کسی دوسرے شخص کا نام ہے یعنی مسیح موعود اور ہے اور مہدی اور ہے۔ مندرجہ ذیل دلائل سے صاف طور پر انشاء اللہ ثابت ہو جائیگا کہ مہدی اور مسیح درحقیقت ایک ہی شخص کے دو مختلف نام ہیں۔

دلیل اوّل۔ پہلی دلیل جس سے ثابت ہوتا ہے کہ مسیح اور مہدی ایک ہیں خود لفظ مہدی کے مفہوم میں پائی جاتی ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اسکو بطور لقب کے استعمال کیا ہے اس لفظ کے معنے ہیں ہدایت یافتہ اور احادیث سے ثابت ہوتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس لفظ کو صرف مہدی موعود کے لیے ہی استعمال نہیں کیا بلکہ دیگر اشخاص کے متعلق بھی یہی لفظ استعمال کیا ہے۔ چنانچہ بعض احادیث سے ثابت ہوتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ لفظ اپنے خلفاء کے متعلق عام طور پر استعمال کیا چنانچہ آپنے فرمایا اوصیکم بتقوی اللّٰہ والسمع والطاعۃ و ان امر علیکم عبد حبشی فانہ من یعش منکم بعدی فسیری اختلافاً کثیرا فعلیکم بسنتی وسنۃ الخلفاء الراشدین المھدیین (رواہ احمد بن حنبل وابوداؤد والترمذی وابن ماجہ والحاکم) یعنی مَیں تمکو تقویٰ اور نیک بات کے قبول کرنے اور فرمانبرداری کی وصیت کرتا ہوں خواہ ایک حبشی غلام تمپر امیر بنایا جاوے۔ کیونکہ تم میں سے جو میرے بعد زندہ رہیگا وہ بڑے بڑے اختلاف دیکھے گا۔ اُسوقت تم پر لازم ہے کہ میرے طریق پر چلو اور میرے خلفاء کی سُنت پر چلو جن میں سے ہر ایک رشید ہے اور ہر ایک مہدی ہے۔ اس حدیث سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے خلفاء مہدی ٹھہرتے ہیں۔ پھر جریر کہتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اُسکی چھاتی پر ہاتھ پھیر کر اُسکے حق میں دعا کی اللّٰھم اجعلہ ھادیا مھدیا۔ یعنی اے خدا اس کو ہدایت دینے والا اور مہدی بنا۔ (رواہ ابن شیبہ) ایسا ہی بعض احادیث سے ثابت ہوتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فاتح قسطنطنیہ کا نام مہدی رکھا اور ان احادیث کے رُو سے محمد ثانی فاتح قسطنطنیہ مہدی تھا جس نے قسطنطنیہ کو ۱۴۵۳ء میں فتح کیا۔

ان احادیث سے ثابت ہوتا ہے کہ مہدی کوئی ایسا لفظ نہیں جو کسی خاص شخص کا

تام ہو بلکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ہر ایک خلیفہ مہدی کہلا سکتا ہے۔ اس سے یہ صاف نتیجہ نکلتا ہے کہ چونکہ مسیح موعود سب سے بڑا خلیفہ ہے اس لیے وہ مہدیوں میں سب سے بڑا مہدی ہے خود علمائے اسلام اقرار کرتے ہیں کہ مہدی موعود اور مسیح موعود میں سے مسیح افضل ہے۔ یعنی مسیح موعود مہدی اکبر ہے۔ صدیق حسن خاں حجج الکرامۃ میں لکھتا ہے۔ شوکانی در توضیح گفتہ ...... ولاشك ان عيسىٰ اكمل من المهدى۔ (صفحہ ۳۸۵)۔ اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ جب مہدی اکمل یعنی مسیح موعود موجود ہوگا تو چھوٹے مہدی کی ضرورت ہی کیا ہوگی۔ اس سے بھی عجیب تر یہ بات ہے کہ ہمارے مخالف علما کہتے ہیں کہ مسیح موعود امام نہیں ہوگا بلکہ دوسرا مہدی جو درجہ میں مسیح موعود سے کمتر ہے امام ہوگا۔ یہ عجیب بات ہے کہ چھوٹا مہدی امام ہو اور بڑا مہدی جو مسیح موعود ہے اُسکا تابع ہو۔ جب یہ قبول کیا جاتا ہے کہ مسیح موعود مہدی اکبر ہے یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے خلفاء میں سے سب سے بڑا مہدی مسیح موعود ہے تو پھر طبعی طور پر یہ نتیجہ پیدا ہوتا ہے کہ مہدی موعود سے مراد مسیح موعود ہی ہے جو سب سے بڑا مہدی ہے۔ یعنی جس بڑے مہدی کا وعدہ دیا گیا ہے اُس سے مراد مسیح موعود ہی ہے۔

دوسری دلیل جس سے مہدی اور مسیح کا ایک ہونا ثابت ہوتا ہے یہ ہے کہ دونوں کا ایک ہی زمانہ میں ظاہر ہونا بیان کیا جاتا ہے۔ اسلام اس بات کی اجازت نہیں دیتا کہ ایک ہی وقت میں مسلمانوں کے دو امیر ہوں۔ ایک وقت میں ایک ہی امام وقت ہو سکتا ہے۔ اور میں اوپر دکھا آیا ہوں کہ مسیح موعودؑ کی نسبت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ وہ تم میں سے تمہارا ایک امام ہوگا۔ اس لیے اُس وقت میں سوائے مسیح موعود کے اور کوئی امام نہیں ہو سکتا۔ اس مشکل کو اس طرح حل کرنے کی کوشش کی گئی ہے کہ امامت مہدی کو ملیگی اور مسیح مہدی کا وزیر ہوگا۔ یہ بات صرف غیر معقول ہی نہیں کیونکہ یہ کس طرح مانا جائے کہ چھوٹا امام بنایا جاوے اور بڑا اُسکا تابع۔ بلکہ یہ بات بے بنیاد

بھی ہے۔ کیا صدہا سال کے گذرنے کے بعد مسیح آسمان سے عہدہ وزارت پر ممتاز ہونیکے لیے ہی نازل ہوگا؟ مگر ہم اس توجیہ کو بھی خوشی سے قبول کر لیتے اگر احادیث میں کھلے طور پر یہ نہ لکھا ہوتا کہ مسیح موعود ہم میں سے ہمارا امام ہوگا۔ پھر اس کی نسبت لکھا ہے کہ وہ حَکَم عَدَل ہوگا۔ اور وہ حَکَم عَدَل کس طرح ہو سکتا ہے جب وہ امام ہی نہ ہو بلکہ دوسرے شخص کا تابع ہو۔ پھر ایک اور بات ہے جس سے ہمارے مخالف علماء کی ساری توجیہیں خاک میں ملجاتی ہیں۔ امامکم منکم کی تو وہ توجیہ کرتے ہیں کہ یہ الفاظ مسیح موعود کے متعلق نہیں (حالانکہ اس حدیث میں سوائے مسیح موعود کے اور کسی کا ذکر نہیں) بلکہ ایک اور شخص کے متعلق ہیں جسکا نام مہدی ہے اور جو اس اُمت میں سے ہوگا اور وہی امام ہوگا نہ مسیح۔ مگر مَیں اُن سے پوچھتا ہوں کہ ان الفاظ کی تم زبردستی سے پھیر پھار کر توجیہ کرلو مگر مسیح موعود کی نسبت تو صاف لکھا ہے اماماً عدلاً اور اماماً مقسطاً ان الفاظ کی کیا توجیہ کروگے کیا ان الفاظ کو بھی تم اُلٹ پھیر کر کسی اور آدمی کی طرف لگا دوگے۔ ان الفاظ میں صاف طور پر مسیح موعود کو امام کہا گیا ہے۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ دوسرے الفاظ امامکم منکم کے جو مسیح موعود کی حدیث میں صحیح مسلم و صحیح بخاری میں آئے ہیں وہ بھی اماماً مقسطاً و اماماً عدلاً کی طرح مسیح موعود کی نسبت ہی ہیں۔ پس اس میں کچھ شک نہیں کہ مسیح موعود ہم میں سے ہمارا ایک امام ہوگا اور یہ جو بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ مسیح موعود نماز میں امام نہیں بنے گا بلکہ امت کے ایک شخص کے پیچھے نماز ادا کرے گا اس سے مسیح موعود کے امام وقت ہونے میں کوئی فرق نہیں آتا۔ کیونکہ نماز میں امام ہونا یہ فضیلت ایک ایسے شخص کو بھی اس اُمت میں مل سکتی ہے جو اپنے زمانہ کا امام نہ ہو یہ ایک شرف ہے جو اس اُمت کو دیا گیا ہے۔ اس اُمت کے ہر ایک فرد کو ایک عزت عطا کی گئی ہے اور وہ بغیر امام وقت ہونیکے نماز میں پیش امام ہو سکتا ہے

اس سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ وہ اپنے زمانہ کا امام ہے۔
تیسری دلیل جس سے مسیح اور مہدی کا ایک ہونا ثابت ہوتا ہے یہ ہے کہ مہدی کے متعلق مسلمانوں کا عقیدہ ہے کہ وہ قریشی ہوگا۔ خواہ حسن کی اولاد سے ہو یا حسین کی اولاد سے۔ خواہ بنی فاطمہ سے ہو یا بنی عباس سے۔ غرض عام مسلمانوں کے اعتقاد کے بموجب وہ قریشی ہوگا مگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مسیح موعود کے زمانہ میں قریش سے ملک چھین لیا جاوے گا۔ صدیق حسن خاں حجج الکرامہ صفحہ ۴۲۵ پر لکھتا ہے۔ وسلب شود در زمان او ملک از قریش۔ حدیث میں ہے یسلب الملک من قریش۔ اس سے بھی ثابت ہوتا ہے کہ مسیح موعود کے زمانہ میں کوئی قریشی مہدی نہیں ہوسکتا اور مسیح موعود ہی اپنے زمانہ کا امام اور امیر ہوگا۔ اس مشکل کو حل کرنیکے لیے بھی ایک بیہودہ کوشش کی گئی ہے صدیق حسن خاں اپنی کتاب حجج الکرامہ کے صفحہ ۳۸۲ پر لکھتا ہے۔ ابن حجر گفتہ معنے سلب ملک قریش آنست کہ بعد نزول عیسی ایشاں را اختصاص بچیزے باوجود او بدوں مراجعت وے باقی نماند۔ یعنی مسیح موعود کے زمانہ میں قریش کی امامت کے سلب ہونیکے یہ معنے ہیں کہ مسیح کے نزول کے بعد قریش کو کسی چیز کے ساتھ خصوصیت نہیں رہیگی اور مسیح کی موجودگی میں بغیر اس کے مشورہ اور اتفاق رائے کے کسی امر کا فیصلہ نہیں کرسکیں گے۔ یہ عجیب امامت ہے کہ قریش نام کو تو امام ہوں مگر ہر ایک امر کے فیصلہ کے لیے وہ مسیح موعود کے محتاج ہوں اور انکو کسی امر میں حکم دینے کا کوئی اختیار حاصل نہ ہو۔ حدیث میں صاف لکھا ہے کہ قریش سے امارت چھین لی جائیگی اس میں کسی اور تاویل کی گنجائش نہیں اس سے صاف ثابت ہوتا ہے کہ مسیح موعود کے زمانہ میں کوئی قریش امیر یا امام نہ ہوگا۔ مہدی کی نسبت لکھا ہے کہ اسکی رائے صایب ہوگی اور وہ اپنے حکم میں خطا نہیں کریگا اور وہ ایسا فیصلہ دیگا کہ اگر خود آنحضرت صلی اللہ علیہ سلم زندہ ہوتے

تو وہ بھی وہی فیصلہ دیتے اور ایک فرشتہ مہدی کی رہنمائی کریگا۔ حجج الکرامہ صفحہ ۳۶۵ پر ہے نیست ظلم در حکم او ونہ عیب۔ پھر صفحہ ۳۲۴ پر مہدی موعود کے متعلق لکھا ہے۔ وے حکم نکند مگر بالقائے ملک مسدد کہ او تعالیٰ سوئے او فرستادہ باشد۔ و ذالک ھو الشرع المحمدی لو کان محمد صلعم حیا و رفعت تلک النازلۃ لہ لم یحکم فیھا الا بحکم المھدی۔ یعنی مہدی کیلئے خدا تعالیٰ ایک فرشتہ بھیجیگا اور وہ فرشتہ یہ کے القاء کے بموجب ہر ایک امر میں فیصلہ کریگا اور اُسکا فیصلہ عین شرع محمدی کے مطابق ہوگا چنانچہ اگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم زندہ ہوتے اور وہ معاملہ آپ کی خدمت میں پیش کیا جاتا تو آپ وہی فیصلہ دیتے جو مہدی نے دیا۔ پھر مہدی کی صفت میں ہے یقفو اثری ولا یخطی یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مہدی موعود میرے نقش قدم چلیگا اب وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے نقش قدم پر چلیگا اور اُس کے فیصلہ میں خطا نہیں ہوگی تو اُسکو کسی مشیر کی ضرورت ہی کیا ہوگی۔ اور اگر مسیح موعود نے صرف مشیر بننے کے لیے ہی آنا تھا تو اُس کے آنیکی ہی کیا ضرورت تھی۔ مہدی کو مسیح کے مشورہ کی کوئی ضرورت نہیں اور مسیح کو ضرورت نہیں کہ وہ آسمان سے اُترنے کی تکلیف اُٹھائیں۔ مہدی ہر ایک بات میں صائب رائے رکھیگا اور اُسکو کسی دوسرے انسان کے مشورہ کی ضرورت نہیں۔ اگر اسی لیے مسیح نے آسمان سے آنا تھا تو وہ آنیکی تکلیف نہ اُٹھائیں۔ مہدی موعود کو آسمانی مسیح کی خدمات کی ہرگز کوئی ضرورت نہیں۔ ایسی صورت میں یسلب الملک من قریش کی یہ توجیہ لغو ٹھہرتی ہے کہ سلب ملک کے یہ معنے ہیں کہ مہدی بغیر مشورہ مسیح موعود کے کسی امر میں کوئی فیصلہ نہ کرسکیگا اور اُسکو کسی امر میں خصوصیت اور اختیار نہ رہیگا۔

چوتھی دلیل - میں پہلے ایک حدیث صحیح بخاری سے نقل کر چکا ہوں جس سے

معلوم ہوتا ہے کہ مسیح موعود ہم میں سے ہمارا امام ہوگا۔ اور میں اس بات کا ذکر بھی کر آیا ہوں کہ اماماکم منکم کے ایک نرالے معنے کیے جاتے ہیں اور کہا جاتا ہے کہ ان الفاظ کے یہ معنے ہیں کہ مسیح موعود تمہارا امام نہ ہوگا بلکہ ایک اور شخص تم میں سے تمہارا امام ہوگا۔ اگر ان معنوں کو صحیح تسلیم کر لیا جاوے تو ہمارے مخالف علماء کے سامنے ایک اور دقت پیش آتی ہے جسکا حل کرنا دشوار ہے۔ انکی رائے میں مہدی اور مسیح دو الگ الگ شخص ہیں جن میں سے مہدی امام ہے۔ اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ ان دو میں سے پہلے کون وفات پائیگا۔ اسکا جواب دیا جاتا ہے کہ مہدی پہلے وفات پائیگا اور مسیح اُس کے بعد ۷ یا ۹ سال زندہ رہیگا۔ ملاحظہ ہو حجج الکرامہ صفحہ ۴۲۸۔ اب یہ سوال ہے کہ مہدی کے مرنیکے بعد حضرت عیسیٰ کی زندگی میں خلیفہ کون مقرر ہوگا۔ حضرت عیسیٰ تو بقول ہمارے علماء کے خلیفہ و امام نہیں ہو سکتے کیونکہ وہ کہتے ہیں کہ اماماکم منکم کے یہ معنے ہیں کہ مسیح امام و خلیفہ نہیں ہوگا بلکہ خلیفہ مہدی ہوگا اور مسیح تابع ہوگا۔ پس اس توجیہ کے بموجب مسیح موعود خلیفہ و امام نہیں ہو سکتا۔ ضرور ہے کہ انکی زندگی میں کوئی اور امام ہو۔ اب جب مہدی موعود پہلے وفات پا گئے اور مسیح زندہ رہے تو مسیح کی زندگی میں مہدی کی وفات کے بعد کون خلیفہ ہوگا۔ ہمارے مخالف علماء اس سوال کا جواب دیں۔ مسیح موعود تو امیر و امام نہیں ہو سکتا کیونکہ اماماکم منکم کے معنے یہ کیے جاتے ہیں کہ مسیح امام نہیں ہوگا بلکہ امام کوئی اور شخص ہوگا۔ اب جبتک مہدی زندہ تھے وہ امام رہے۔ جب مہدی وفات پا گئے اور مسیح بعد میں زندہ رہ گئے تو اب خلیفہ کون بنایا جائے۔ اگر مولویصاحبان کی توجیہ اماماکم منکم کی صحیح ہے تو انکو چاہیئے کہ مہدی کی وفات کے بعد مسیح موعود کی زندگی میں کوئی اور شخص امامت کے لیے تلاش کریں۔ اگر وہ نہیں بتلا سکتے کہ مہدی موعود کی وفات کے بعد مسیح موعود کی زندگی میں وہ کون شخص ہوگا جو امام بنایا جائیگا اور جسکی اتباع کا مسیح موعود کو شرف حاصل ہوگا تو انکو چاہیئے کہ

اپنی توجیہ سے باز آئیں اور جو اماماً منکم کے صاف صاف معنے ہیں کہ مسیح موعود تم میں سے تمہارا ایک امام ہوگا ان معنوں کو قبول کریں جیسا کہ اماماً مقسطاً و اماماً ھدلاً سے اس بات کا ثبوت ملتا ہے کہ مسیح ہی امام ہوگا نہ کوئی اور۔

پانچویں دلیل۔ مہدی اور مسیح کا ایک ہونا اس سے بھی ثابت ہوتا ہے کہ بہت سی باتیں ایسی ہیں جو مہدی کے متعلق بیان کی گئی ہیں اور وہی باتیں بعینہٖ مسیح موعود کے بارہ میں بھی بیان کی گئی ہیں جن سے اُنکی وحدت کا پتہ ملتا ہے۔

(۱) دونوں کا زمانہ ظہور ایک ہی بیان کیا جاتا ہے۔

(۲) دونوں کے متعلق لکھا ہے کہ وہ ۴۰ سال دنیا میں کام کریں گے۔ مسیح موعود کے بارے میں لکھا ہے کہ وہ چالیس سال دنیا میں رہے گا یعنی چالیس سال کام کریگا۔ مہدی کے بارہ میں اگرچہ روایات کا اختلاف ہے مگر چالیس سال والی روایت کو ترجیح دیگئی ہے اور عام عقیدہ یہی ہے کہ وہ چالیس سال دنیا میں کام کریگا۔

(۳) دونوں کے متعلق بیان کیا گیا ہے کہ وہ مال لوگوں میں تقسیم کریں گے۔ مہدی کے متعلق ابوداؤد ام سلمہ سے روایت کرتا ہے یقسم المال ویعمل فی الناس بسنۃ نبیھم صلعم یعنی مہدی مال تقسیم کریگا اور لوگوں میں انکے نبی کی سنت پر عمل کریگا۔ ایسا ہی مسیح کی نسبت صحیحین میں ہے کہ یفیض المال حتیٰ لایقبلہ احد۔ یعنی مسیح موعود لوگوں میں مال بہاویگا یہانتک کہ اُسکو کوئی نہ لیگا یعنی بہت کثرت سے مال دیگا۔ پس مال تقسیم کرنے میں بھی دونوں میں وحدت ہے۔ مگر یہ یاد رکھنا چاہیئے کہ یہاں مال سے سونا چاندی مراد نہیں ہے بلکہ علم کی دولت مراد ہے چنانچہ یہ بات حضرت علی رضی اللہ عنہ کے قول سے واضح ہوتی ہے۔ صدیق حسن خان حجج الکرامہ کے صفحہ ۳۹۶ پر لکھتا ہے علی مرتضیٰ گفتہ رحمتِ خدا باد بر بلدہ طالقان کہ آنجا خدارا خزاین است امانہ از زر و سیم بلکہ مردمان اند کہ خدارا شناختہ اند حق معرفت او

وایشان انصار مہدی باشند اخرجہ ابونعیم۔ ممکن ہے کہ طالقان قادیان سے بگڑا ہوا ہو۔ مگر طالقان خواہ کوئی جگہ ہو حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے اس قول سے یہ بات تو واضح ہو جاتی ہے کہ خزائن اور مال سے کیا مراد ہے حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ خزائن سے مراد علم و معرفت الٰہی ہے اور یہ دولت یعنی معرفت الٰہی وعلم کی دولت انصار مہدی کو دی جائے گی۔

(۴) دونوں کے متعلق لکھا ہے کہ وہ خونریزی نہیں کرینگے۔ حضرت مسیح موعود کے متعلق یضع الحرب کی حدیث تو ہر ایک شخص جانتا ہے۔ مہدی کے متعلق صدیق حسن خان لکھتا ہے۔ بیدار نکند مہدی نایم را و نریزد خون را و مقاتلہ کند بر سنت و ترک نہ دہد ہیچ سنت را مگر آنکہ قایم سازد آنرا۔ و نہ ہیچ بدعت را مگر آنکہ بردارد آنرا۔ وقایم شود دین اسلام در آخر زمان بزمانہ او چنانکہ بود در اول زمان بعہد سعادت مہد آنحضرت صلعم۔۔۔۔ ابن حجر ایں علامات را در ذکر مہدی در قول مختصر آوردہ (حجج الکرامہ صفحہ ۳۶۳) یعنی مہدی سونیوالوں کو بھی نہیں جگائیگا اور کوئی خونریزی نہیں کریگا اور سنت قائم کرے گا اور بدعت دُور کریگا اور اسلام اپنی اصلی حالت پر آجائیگا جیسا کہ آنحضرت صلعم کے زمانہ میں تھا۔ اس بیان سے معلوم ہوا کہ جیسا مسیح موعود کے متعلق بیان کیا گیا ہے کہ وہ جنگوں کا خاتمہ کر دے گا ایسا ہی مہدی موعود کے متعلق ہے کہ وہ بڑے امن سے کام کریگا کوئی خونریزی نہیں کرے گا۔ یہانتک کہ سونیوالوں کو بھی بیدار نہیں کرے گا۔ ناظرین مہدی کی یہ علامات سنکر شاید چونک اُٹھیں گے کہ وہ مہدی جس کی نسبت علما بیان کرتے تھے کہ وہ خون کی ندیاں بہا دیگا اُسی مہدی کے متعلق ایسی علامات لکھی ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ کوئی خونریزی نہیں کریگا۔ مگر یہ قصور مُلّا لوگوں کا ہے کہ وہ ایسی علامات کو نظر انداز کر دیتے ہیں اور اپنے ڈھب اور مذاق کی باتوں کو پسند کرتے ہیں اور لوگوں میں شایع کرتے ہیں چونکہ ایسی علامات

اُنکے مذاق کے مطابق نہیں اس سبب سے وہ انکو مخفی رکھتے ہیں۔
(۵) مہدی اور مسیح دونوں کی نسبت لکھا ہے کہ علماء بے بصیرتی سے اُنکی تکفیر کریں گے۔ مسیح موعودؑ کے متعلق سید احمد سرہندی اپنی کتاب مکتوبات میں لکھتے ہیں کہ علماء مسیح موعودؑ کے لطیف نکات اور عمیق معارف کو سمجھ نہیں سکیں گے اور اُسپر کفر کا فتوٰی لگائیں گے۔ ایسا ہی مہدی موعودؑ کے متعلق لکھا ہے کہ علماء اُسکی تکفیر کریں گے۔ صدیق حسن خاں لکھتا ہے۔ چوں مہدی علیہ السلام مقاتلہ بر احیاء سنت و اماتت بدعت فرمائید علماء وقت کہ خوگر تقلید فقہاء و اقتداء مشائخ و آباء خود باشند گویند ایں مرد خانہ بر انداز دین و ملت ما است و بمخالفت برخیزند و بحسب عادت خود حکم بتکفیر و تضلیل وے کنند۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ مہدی موعودؑ کا ظہور علماء کی امیدوں کے مطابق نہیں ہوگا۔ کیونکہ اگر علماء کی ساری امیدیں درباره مہدی پوری ہوتیں اور وہ عین اُن کے خیال کے مطابق ظاہر ہوتا تو کوئی وجہ نہ تھی کہ وہ اُسکی تکفیر کرتے۔
(۶) دونوں کے متعلق لکھا ہے کہ وہ عدل و انصاف قایم کریں گے یعنی جھوٹ کی بیخکنی کریں گے اور راستی کو قایم کریں گے۔ مسیح موعودؑ کے متعلق لکھا ہے اماماً عدلاً وحکماً مقسطا۔ اور مہدی کے متعلق ہے یملأ الارض قسطاً و عدلاً۔ دونوں کے حق میں بالکل ایک ہی قسم کے الفاظ استعمال کیے گئے ہیں دونوں کے حق میں قسط و عدل کے لفظ استعمال کیے گئے ہیں۔
(۷) جیساکہ مہدیؑ کی نسبت ہے کہ وہ اسلام کو سب مذاہب پر غالب کرے گا۔ ایسا ہی مسیح موعودؑ کے متعلق ہے کہ یھلک اللہ فی زمنہ الملل کلھا الا الاسلام یعنی اللہ تعالیٰ مسیح موعودؑ کے زمانہ میں کل مذاہب کو تباہ کردیگا سوائے اسلام کے۔
(۸) مسیح و مہدی کے حلیوں میں بھی تطابق پایا جاتا ہے۔ مسیح موعودؑ کے متعلق ہے آدم کاحسن ما انت رائی من آدم الرجال۔ یعنی وہ گندم گوں ہوگا جیساکہ نہایت ہی خوبصورت گندم گوں لوگ ہوتے ہیں (دیکھو حجج الکرامہ صفحہ ۴۲۴) ایساہی مہدی کے متعلق ہے

آدم ضرب من الرجال یعنی وہ گندم گون ہوگا جیسا کہ اس ملک کے گندم گوں لوگ ہوتے ہیں (نعیم بن حماد)

اسجگہ اس امر کا بیان کر دینا مناسب ہوگا کہ جو علیہ اسرائیلی مسیح کا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان کیا ہے وہ اُس حلیہ سے بالکل مختلف ہی جو آپ نے آنیوالے مسیح کا بیان فرمایا ہے۔ جس سے صاف طور پر معلوم ہوتا ہے کہ آنیوالا مسیح وہی اسرائیلی مسیح نہیں جو ۱۹۰۰ سال ہوئے شام کے ملک میں پیدا ہوا تھا بلکہ ایک دوسرا شخص ہے۔ اور جب یہ دیکھا جاوے کہ آنیوالے مسیح کا علیہ مہدی موعود کے حلیہ سے ملتا ہے تو انسان اس نتیجہ پر پہنچتا ہے کہ آنیوالا مسیح اور مہدی ایک ہی ہیں مسیح موعود کے حلیہ کا اسرائیلی مسیح کے حلیہ سے مختلف ہونا اور مہدی موعود کے حلیہ کے مطابق ہونا اس امر کا یقینی ثبوت ہے کہ آنیوالا مسیح اسرائیلی مسیح نہیں اور یہ کہ مہدی اور مسیح ایک ہی شخص کے دو نام ہیں۔

(۹) مسیح و مہدی دونوں کی نسبت لکھا ہے کہ وہ دو چادروں میں ظاہر ہونگے۔ مہدی کی نسبت لکھا ہی علیہ عباءتان قطوانتان کانہ من رجال بنی اسرائیل (رواہ ابونعیم) یعنی مہدی پر دو روشن چادریں ہوں گی گویا وہ بنی اسرائیل میں سے ایک شخص ہے۔ مسیح موعود کے متعلق لکھا ہے کہ وہ بین مھرودتین یعنی دو زرد چادروں میں آئیگا (رواہ ترمذی) علم تعبیر کے رو سے دو زرد چادروں سے مراد دو بیماریاں ہیں جو ہمیشہ مسیح موعود کے ساتھ رہیں۔

(۱۰) دونوں کی نسبت لکھا ہے کہ وہ زمین سے خزانے نکالیں گے۔ مہدی کی نسبت لکھا ہی کہ وہ زمین کے خزانوں کو نکالیں گے جنہیں ایک خزانہ وہ ہوگا جو کعبہ کے نیچے مدفون ہے۔ ابونعیم مہدی کی نسبت لکھتا ہی کہ یستخرج الکنوز و یفتح مدائن الشرک۔ یعنی مہدی خزانوں کو نکالے گا اور شرک کے قلعوں اور شہروں کو فتح کریگا۔ مسیح موعود کے متعلق صدیق حسن خاں صفحہ ۴۲۴ پر حجج الکرامہ میں لکھتا ہے۔ ظاہر شوند کنوز و خزائن در زمان او۔ میں اوپر حضرت علی رضی اللہ عنہ کا قول نقل کر کے دکھا چکا ہوں کہ ان خزانوں سے مراد سونے اور

چاندی کے خزانے نہیں ہیں بلکہ علم کے خزائن مراد ہیں اور اس کی تائید اس سے بھی ہوتی ہے کہ مہدی کی نسبت لکھا ہے کہ وہ کعبہ کا خزانہ نکالیگا۔ کعبہ کے نیچے بے شک ایک بڑا خزانہ ہے۔ یہی خزانہ تھا جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں میں تقسیم کیا اور دنیا کو علم و حکمت کے خزائن سے مالا مال کر دیا۔ جو خزانہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم لائے تھے وہ کعبہ کا ہی خزانہ تھا۔ کعبہ سے ہی آلہی علوم اور معارف و اسرار کے خزانے دنیا میں تقسیم کیے گئے۔ مگر خدا تعالیٰ کے خزانے بے حد و بے شمار ہیں۔ کوئی انکی حد بندی نہیں کر سکتا۔ مہدی کے لیے بھی لکھا تھا کہ وہ بھی کعبہ کے خزائن کو باہر نکالیگا اور لوگوں کو علم کی دولت سے مالا مال کر دیگا اور حکمت و معرفت کے خزانے دنیا میں تقسیم کریگا۔ جس نے ان خزائن کو دیکھا ہو وہ مہدی موعودؑ کی کتابوں کو دیکھ لے۔

(۱۱) دونوں کی نسبت لکھا ہے کہ وہ خدا سے الہام پائیں گے اور یہ کہ خدا کا فرشتہ آسمان سے مہدی و مسیح پر نازل ہوگا۔ صدیق حسن خاں صفحہ ۴۳۱ پر لکھتا ہے عیسیٰ را بعد نزول وحی آلہی آید۔ اور اس کے ثبوت میں حدیث پیش کرتا ہے اور پھر لکھتا ہے وظاہر است کہ آن وحی بسوئے او جبریل علیہ السلام باشد بلکہ ہمین یقین داریم و دران تردد نمی کنیم چہ جبریل سفیر خدا است درمیان انبیاء علیہ السلام و فرشتہ دیگر برائے این کار معروف نیست ابو حاتم در تفسیر خود آوردہ وکل جبریل بالکتب و بالوحی الی الانبیاء و آنکہ بر السنہ عامہ مشہور شدہ کہ نزول جبریل بسوئے ارض بعد موت رسول خدا صلعم نشود بے اصل محض است۔ و در چند حدیث نزول او بر زمین آمدہ۔ پھر مہدی کے متعلق صفحہ ۳۴۸ پر لکھتا ہے پس وے حکم نکند مگر بالقاء ملک مسدد کہ او تعالیٰ بسوئے او فرستادہ باشد۔

(۱۲) دونوں کے متعلق آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے تاکید فرمائی کہ جاکر انکی زیارت کرو مہدی کے متعلق فرمایا کہ اُس کے پاس جاؤ خواہ برف کے پہاڑوں پر سے تمہیں ہاتھ پاؤں اور گھٹنوں کے بل چلنا پڑے اور مسیح کے متعلق فرمایا کہ جب وہ ظاہر ہو تو جاکر

اُسکو میرا سلام پہنچاؤ۔ غرض جو کچھ مسیح موعودؑ کے متعلق آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا وہی باتیں مہدی کے متعلق فرمائیں چنانچہ مہدی و مسیح کی احادیث کو متواتر المعنی مانا گیا ہے۔ اس سے صاف طور پہ یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ دونوں ایک ہی شخص کے دو لقب ہیں چھٹی دلیل۔ مسیح موعودؑ کی دو حیثیتیں ہیں۔ ایک طرف وہ اسرائیلی مسیح کا مثیل اور اُس سے مشابہت رکھتا ہے اس لیے اُسکا نام عیسیٰ بن مریم رکھا گیا۔ دوسری طرف وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا خلیفہ ہے اس لیے اسکا نام مہدی رکھا گیا۔ اور کہا گیا کہ وہ خُلق میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے مشابہ ہوگا نہ خَلق میں اور کہا گیا کہ المہدی منّی۔ یعنی مہدی مجھ سے ہے یعنی مجھ سے روحانی مشابہت و تعلق رکھتا ہے۔ چونکہ آخری زمانہ کے خلیفہ کے دو کام تھے ایک عیسائیوں کی اصلاح اور دوسرا مسلمانوں کی اصلاح۔ اس لیے پہلے کام کے لحاظ سے اُسکا نام عیسیٰ بن مریم رکھا گیا اور دوسرے کام کے لحاظ سے اسکو مہدی کہا گیا۔ اور احادیث سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ مہدی میں دو مشابہتیں ہونگی۔ صدیق حسن خاں لکھتا ہے۔ عبداللہ بن الحارث گفتہ بیروں آید مہدی و او در عمر چہل سالگی باشد گویا مردے از بنی اسرائیل است اخرجہ نعیم بن حماد پھر مہدی کی نسبت لکھا ہے علیہ عبائیتان قطوانیتان کانہ من رجال بنی اسرائیل (رواہ ابو نعیم) یعنی مہدی پر دو روشن چادریں ہونگی گویا وہ بنی اسرائیل میں سے ایک آدمی ہے۔ پھر صدیق حسن خاں صفحہ ۳۰۲ پر لکھتا ہے۔ رویانی در مسند و ابو نعیم از حذیفہ روایت کردہ اند مرفوعاً کہ مہدی مردے از اولاد من است رنگ او رنگ عربی است و جسم او جسم اسرائیلی۔ ان احادیث سے صاف معلوم ہو رہا ہے کہ مہدی دو شانوں کا جامع ہوگا۔ اُس میں اسرائیلی شان بھی پائی جائیگی اور عربی یا اسماعیلی شان بھی پائی جائیگی۔ اسرائیلی شان کے رو سے اُسکا نام عیسیٰ ہوگا اور اسماعیلی شان کے رو سے اُسکا نام احمدؐ ہوگا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مہدی میں اسرائیلی شان

بیان فرما کر صاف طور پر ظاہر کر دیا کہ وہ اسرائیلی اور اسماعیلی شان کا جامع ہوگا۔ یہ اشارہ اس بات کی طرف ہے کہ اُسکا نام احمد بھی ہوگا اور عیسیٰ بھی ہوگا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ گویا مہدی ایک مرد بنی اسرائیل میں سے ہے اس لحاظ سے اُسکا نام عیسیٰ رکھا گیا اور چونکہ وہ عربی شان بھی رکھتا تھا اس لیے اُسکا نام احمد ہوا۔

ساتویں دلیل۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کیف تھلک امۃ انا اولھا و عیسی بن مریم آخرھا۔ یعنی یہ امت کس طرح ہلاک ہو سکتی ہے جس کے اول میں ہیں ہوں اور آخر میں عیسیٰ بن مریم ہے۔ پھر فرمایا۔ خیر ھٰذہ الامۃ اولھا و آخرھا۔ اولھا فیھم رسول اللہ و آخرھا فیھم عیسی بن مریم و بین ذٰلک فیج اعوج لیسوا منی و لست منھم۔ یعنی اس اُمت میں دو گروہ سب سے بہتر ہیں ایک پہلا گروہ جسمیں میں ہوں اور ایک آخری گروہ جس میں عیسیٰ بن مریم ہے اور ان دونوں گروہوں کے درمیان ایک ٹیڑھی جماعت ہی جو مجھ سے نہیں اور نہ میں اُن سے ہوں۔ (ملاحظہ ہو حجج الکرامہ صفحہ ۴۲۳) ان احادیث میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی اُمت کے لیے دو محافظ ہی بیان فرمائے ہیں۔ اول آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم خود۔ دوسرے مسیح موعودؑ۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی تیسرے محافظ کا نام بیان نہیں فرمایا۔ اگر مسیح موعودؑ کے ساتھ آخر زمانہ میں کسی الگ مہدی نے بھی آنا تھا تو آپ آخری دنوں کیلیے دونوں کا نام لیتے نہ صرف مسیح موعودؑ کا۔ خصوصاً جب یہ دیکھا جائے کہ ان دو میں سے مہدی نے امام اور خلیفہ ہونا تھا اور مسیح موعودؑ نے مہدی کا تابع اور وزیر بننا تھا۔ تعجب ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تابع اور وزیر کا تو نام لیں کہ وہ آخری دنوں میں آپکی اُمت کے لیے بطور دیوار کے ہوگا مگر جس محافظ کا جس نے امام اور امیر المومنین بننا تھا اُسکا نام نہ لیں۔ اگر ایک ہی کا نام لینا تھا تو چاہیئے تھا کہ امام کا نام لیتے نہ تابع اور وزیر کا۔ پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے صرف دو گروہوں کا نام لیا ہے ایک صحابہ کا گروہ۔ دوسرے مسیح موعودؑ کے اصحاب کا گروہ۔

مہدی کے گروہ کا نام نہیں لیا۔ جس سے صاف طور پر معلوم ہوتا ہے کہ مہدی کوئی الگ شخص نہیں اس لیے اسکی جماعت بھی کوئی الگ نہیں وہی شخص مسیح بھی ہے اور مہدی بھی۔ اس لیے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جب اپنی اُمت کے لیے دو محافظوں کا نام لیا تو ایک اپنا ذکر فرمایا اور دوسرے مسیح موعودؑ کا نام لیا۔ اور گروہ بھی دو ہی بیان فرمائے ایک اپنا گروہ دوسرے مسیح موعودؑ کی جماعت۔ (اللھم اجعلنا منھم) ہاں ایک تیسری روایت بھی ہے اور وہ یہ ہے لن تھلک اُمۃ انا فی اولھا والمھدی فی اوسطھا وعیسیٰ فی اٰخرھا۔ یعنی اُمت ہلاک نہیں ہوگی کیونکہ اس کے اوّل میں مَیں ہوں۔ درمیان میں مہدی ہے اور آخر میں عیسیٰ ہے۔ مگر اگر اس حدیث کو صحیح بھی مان لیں پھر بھی اس حدیث سے ہمیں کوئی سروکار نہیں۔ کیونکہ یہ کسی ایسے مہدی کا ذکر کرتی ہے جس نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ اور مسیح موعودؑ کے زمانہ کے درمیان ظاہر ہونا تھا۔ اور ہماری بحث اسکے متعلق ہے کہ آخر زمانہ میں سوائے مسیح موعودؑ کے کوئی الگ مہدی نہیں ہوگا۔ مسیح موعود ہی مہدی معہود ہوگا اور کوئی ایسی حدیث نہیں جسمیں لکھا ہو کہ آخری زمانہ میں اس اُمت کے دو شخص محافظ ہوں گے ایک مسیح موعود اور ایک مہدی معہود۔ اگر درمیانی زمانہ میں کوئی مہدی ہوا تو اسکو ہونے دو وہ ہماری بحث کے نیچے نہیں آسکتا۔ یہ روایت ایک اور وجہ سے بھی قابل توجہ نہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے صرف دو گروہوں کا نام لیا ہے۔ کسی تیسرے گروہ کا نام نہیں لیا جو کسی الگ مہدی کا گروہ ہو۔ اگر وسطی زمانہ میں کسی عظیم الشان مہدی نے آنا تھا تو چاہیئے تھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اُس مہدی کی جماعت کا بھی نام لیتے۔ مگر بجائے اس کے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کسی درمیانی زمانہ کے گروہ کا نام لیں آپ بڑے پُر زور الفاظ میں اس امر کی تردید فرماتے ہیں کہ ان دونوں گروہوں کے درمیان کوئی گروہ ہو جو ان دو گروہوں کے ساتھ ذکر کرنے کے قابل ہو بلکہ فرماتے ہیں کہ ان دونوں گروہوں کے درمیان کے لوگ ٹیڑھے لوگ ہیں جنکو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے کوئی تعلق نہیں اس سے صاف طور پر معلوم ہوتا ہے کہ مہدی موعودؑ نے وسطی زمانہ میں ظاہر

نہیں ہوتا تھا۔ اور اس اُمت میں دو ہی گروہ ہیں جو بہترین اُمت ہیں اور اس اُمت کے دو ہی عظیم الشان محافظ ہیں ایک خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور دوسرے مسیح موعودؑ یہ دو اس اُمت کے لیے بطور دو دیوار کے ہیں۔ دوسری دیوار کا نام مسیح بھی ہو اور مہدی بھی۔ اس میں شک نہیں کہ درمیانی زمانہ میں بھی بڑے بڑے پاک اور بزرگ لوگ گذرے ہیں مگر وہ اُن ستاروں کی طرح ہیں جو شب تاریک میں ظاہر ہوتے ہیں عام لوگ بڑی بڑی غلطیوں میں مبتلا رہے۔

یہ بھی یاد رکھنا چاہیئے کہ غازی مہدی کا عقیدہ انہی لوگوں کی ایجاد ہو جنکو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فیج اعوج یعنی ٹیڑھا گروہ فرمایا۔ بلکہ جو جو غلط اعتقادات اب اسلام کے لیے موجب عار ہو رہے ہیں وہ سب اسی ٹیڑھے زمانہ میں پیدا ہوئے اور مسیح موعودؑ کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی لیے حکماً عدلاً کہا کہ وہ اس ٹیڑھے گروہ کی ٹیڑھی باتوں کو سیدھا کریگا۔ یہ جو لکھا ہے کہ مہدی اور مسیح کو علماء کافر کہیں گے یہ بھی اسی لیے کہ اُس نے آکر انکو انکی غلطیوں پر متنبہ کرنا تھا۔ اور انکے غلط اور فاسد اعتقادات کو ردّ کرنا تھا۔

جس طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے صرف دو گروہ کا ذکر فرمایا اسی طرح خدا تعالیٰ بھی سورۂ جمعہ میں صرف دو جماعتوں کا ہی ذکر فرماتا ہے۔ خدا تعالیٰ فرماتا ہو ھوالذی بعث فی الامیین رسولا منھم یتلوا علیھم اٰیٰتہ ویزکیھم ویعلمھم الکتٰب والحکمۃ وان کانوا من قبل لفی ضلٰل مبین واٰخرین منھم لما یلحقوا بھم وھو العزیز الحکیم ذٰلک فضل اللہ یؤتیہ من یشاء واللہ ذو الفضل العظیم۔ یعنی خدا وہ ہے جس نے مکہ والوں میں انہی میں سے ایک رسول بھیجا جو اُنپر خدا کی آیات پڑھتا ہے انکو پاک کرتا ہو اور اُنکو کتاب و حکمت سکھاتا ہو حالانکہ وہ پہلے کھلی بھول میں تھے اور اُسی خدا نے ایک پیچھے آنیوالی جماعت میں بھی ایک رسول انہی میں سے بھیجا یہ جماعت ابھی صحابہؓ کے ساتھ نہیں ملی مگر ملجائیگی اس سے تعجب نہیں کرنا چاہیئے۔ یہ اللہ تعالیٰ کا فضل ہو جسکو چاہے دے۔ جب صحابہؓ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا کہ وہ پیچھے آنیوالے لوگ کون ہیں تو آپ نے سلمان فارسی کے کندھے پر دست مبارک رکھ کر فرمایا لو کان الایمان معلقا

بالثریا لنالہ رجل من ابناء فارس۔ یعنی ایمان ثریا پر بھی چڑھ جائے تو ایک فارسی الاصل شخص اسکو وہاں سے ہی اتار لائیگا۔ ایک طرف تو آنحضرت صلی اللہ علیہ سلم نے دو گروہ کا ذکر فرمایا جو بہترین امت ہیں دوسری طرف قرآن شریف بھی دو گروہ کا ہی ذکر کرتا ہے جو دوسری امت سے ممتاز ہونگے اور آپس میں گویا ایک ہونگے۔ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ سلم نے جو تفسیر ان آیات کی فرمائی اس سے معلوم ہوتا ہے کہ پیچھے آنیوالی جماعت میں جو رسول بھیجا جائیگا وہ فارسی الاصل ہوگا اور وہ ایسی وقت میں ظاہر ہوگا جب ایمان دنیا سے اٹھ گیا ہوگا اور وہ اسکو دوبارہ دنیا میں قایم کریگا اب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اس قول کا کہ دو گروہ بہترین امت ہیں ایک صحابہؓ کا گروہ دوسرے مسیح موعودؑ کا گروہ قرآن کی آیات سے مقابلہ کرو تو یہ صاف ظاہر ہو جائیگا کہ جس دوسرے گروہ کا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ذکر فرمایا ہے وہ وہی آخرین منہم کا گروہ ہے اور یہ امر ثابت شدہ ہے کہ دوسرا گروہ مسیح موعود کا گروہ ہے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تفسیر سے معلوم ہوتا ہے کہ آخرین منہم کا سردار ایک فارسی الاصل ایک ہی شخص ہے۔ حدیث بھی دو گروہ کا ذکر کرتی ہے ایک صحابہ کا گروہ۔ دوسرے مسیح موعودؑ کا گروہ اور قرآن شریف بھی دو گروہ کا ہی ذکر فرماتا ہے ایک صحابہؓ کا گروہ اور دوسرا آخرین منہم جو رجل فارسی الاصل کا گروہ ہے۔ پس صاف معلوم ہوا کہ آخرین منہم کا گروہ وہی ہے جو مسیح موعودؑ کا گروہ ہے اور رجل فارسی الاصل مسیح موعودؑ ہی ہے۔ مسیح موعودؑ کا گروہ بھی آخر میں آنیوالا تھا اور قرآن شریف بھی انکا آخرین منہم کے لفظ سے ذکر کرتا ہے۔ مسیح موعودؑ نے بھی ایسے وقت میں آنا تھا جب ایمان دنیا سے اٹھ جانا تھا اور رجل فارسی الاصل کی نسبت بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ وہ اسوقت آئیگا جب ایمان ثریا پر چلا جائیگا۔ اس سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ مسیح موعودؑ اور رجل فارسی الاصل ایک ہی ہے۔ جو کام مسیح موعودؑ کا تھا وہی رجل فارسی الاصل کا بیان کیا گیا ہے۔ اور وہی مہدی کا کام بیان کیا گیا ہے اور تینوں کے ظہور کا وقت بھی ایکسا ہی ہے۔ تینوں کی نسبت لکھا ہے کہ وہ دوبارہ ایمان کو دنیا میں قائم کریں گے۔ اس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ یہ تین الگ شخص نہیں بلکہ شخص واحد کے تین مختلف نام ہیں۔ اگر یہ مان لیا جاوے کہ رجل فارسی الاصل کوئی الگ شخص ہے جو ایمان کے نابود ہونے کے بعد پھر اسکو دنیا میں لائیگا تو مسیح موعود

ہم شخص ہوگا تو اس سے پایا جاتا ہے کہ مسیح موعود اور رجل فارسی الاصل

اور مہدی معہود کا آنا بے فایدہ ٹھہرتا ہے کیونکہ جس کام کیلیے مہدی یا مسیح نے آنا تھا وہ کام تو رجل فارسی الاصل نے ہی کر دیا۔ اب مہدی یا مسیح کی کیا ضرورت رہی ؟ ایسا عظیم الشان شخص جو گم شدہ ایمان کو پھر دنیا پر لائیگا سوائے مسیح موعود و مہدی معہود کے اور کوئی شخص نہیں ہو سکتا اور اگر کوئی رجل فارسی الاصل ہے جس نے گم شدہ ایمان کو پھر قایم کرنا تھا تو وہ مسیح موعودؑ ہی ہے۔ مسیح موعودؑ اور رجل فارسی الاصل کس طرح دو الگ شخص ہو سکتے ہیں ؟ دونوں کا وقت ظہور ایک ہی ہے، دونوں کا کام ایک ہی ہے یعنی گم شدہ ایمان کو پھر دنیا میں قایم کرنا دونوں ایک ہی گروہ کے لیڈر ہیں یعنی دونوں دوسرے گروہ کے امام ہیں۔ نہ آنحضرت صلی اللہ علیہ سلم نے کسی تیسرے گروہ کا نام لیا نہ قرآن مجید کسی تیسرے گروہ کا نام لیتا ہے حدیث بھی دو گروہوں کا ہی ذکر کرتی ہے ایک صحابہ رض کا گروہ اور دوسرا مسیح موعود کی جماعت اور قرآن مجید بھی دو گروہ ہی کا ذکر کرتا ہے ایک صحابہ رض کا گروہ اور دوسرے آخرین منہم کا گروہ اور جیسے آنحضرت صلی اللہ علیہ سلم نے دونوں گروہوں کو بہترین اُمت بیان فرمایا اور مسیح موعودؑ کی جماعت کو صحابہ رض کی جماعت کے ساتھ ملایا ایسا ہی قرآن مجید بھی آخرین منہم کو جو رجل فارسی الاصل کا گروہ ہے صحابہ رض کے ساتھ ملاتا ہے۔ اب ہمیں کیا شک رہا کہ آخرین منہم مسیح موعود کی ہی جماعت کا نام ہے اور رجل فارسی الاصل مسیح موعودؑ ہی ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے کلام میں اور قرآن مجید کے بیان میں کس طرح اختلاف ہو سکتا ہے ؟ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تو ایک گروہ کو بہترین اُمت قرار دیں اور صحابہ رض کے ساتھ انکو ملائیں اور قرآن مجید کسی اور گروہ کو بہترین اُمت قرار دے اور انکو صحابہ رض کے ساتھ ملائے۔ اگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بیان اور خدا کے کلام میں اختلاف نہیں تو مسیح موعودؑ کا گروہ آخرین منہم سے بھی مختلف نہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے صاف فرما دیا ہے کہ دو ہی گروہ بہترین اُمت ہیں۔ انکے سوا فیج اعوج ہے۔ اب کس طرح ممکن ہے کہ آخرین منہم ان دو گروہوں میں سے باہر ہو۔ جو باہر ہیں انکو تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فیج اعوج فرمایا۔ پس فیج اعوج میں سے آخرین منہم نہیں ہو سکتے۔ اگر آخرین منہم کوئی گروہ ہے تو مسیح موعودؑ کی ہی جماعت ہے پھر واقعات بھی اسکی تصدیق کرتی ہیں کیونکہ جو شخص مسیح موعود ہو کر آیا اور اپنے نشانات اپنے ساتھ لایا وہ فارسی الاصل ہی تھا۔ اب ہمیں کیا شک رہا کہ آخرین منہم مسیح موعود ہی کا گروہ ہے کوئی اور نہیں۔ فتدبر۔

آٹھویں دلیل - مسیح موعود اور مہدی معہود کے ایک ہونیکی ایک دلیل یہ بھی ہے کہ جن روایات کی بنا پر الگ مہدی کا انتظار کیا جاتا ہے وہ اکثر غیر معتبر ہیں یہانتک کہ بعض نے ان روایات کو قابل اعتبار نہ سمجھ کر خود مہدی کے وجود سے ہی انکار کر دیا اور جو مہدی کا انتظار کرتے ہیں۔ وہ بھی اکثر روایات کے ضعیف اور مجروح ہونیسے انکار نہیں کر سکتے۔ چنانچہ میں اوپر صدیق حسن خاں کا قول نقل کر آیا ہوں جس میں وہ لکھتا ہے کہ ان مختلف روایات سے جو بات یقینی طور پر ثابت ہوتی ہے وہ صرف اتنی ہی ہے کہ مہدی ضرور ظاہر ہوگا تفصیلی امر کوئی یقین کے ساتھ بیان نہیں کیا جا سکتا۔ مہدی ضرور آئیگا کیف کان۔ بلکہ بعض اوقات روایات کے ضعف کو دیکھکر قائلین مہدی اس خیال کی طرف بھی مائل ہو جاتے ہیں کہ ممکن ہے کہ مہدی نہ آوے اور اگر نہ آوے تو چنداں حرج کی بات نہیں کیونکہ جو کام مہدی نے کرنا تھا وہی غرض مسیح کے آنے سے پوری ہو جائیگی۔ چنانچہ حدیث الغاشیہ کا مصنف صفحہ ۳۴۴ پر لکھتا ہے: "ہم نے مانا کہ مہدی نہ آوینگے۔ ہمارا کیا نقصان نہ آویں" پھر آگے چلکر لکھتا ہے "تم مہدی کو رہنے دو۔ نزول عیسیٰ علیہ السلام تو متفق علیہ نصاریٰ و اہل اسلام ہے تم کہیں انہی کو اترنے دو۔" اقتراب الساعہ جو کہ صدیق حسن خاں کے بیٹے کی طرف بظاہر منسوب کی جاتی ہے مگر یقین کیا جاتا ہے کہ وہ دراصل صدیق حسن خاں کی اپنی تصنیف ہے اس کے صفحہ ۱۴۷ و ۱۴۸ پر لکھا ہے "ہم نے مانا مہدی نہ آویں۔ اس میں کچھ تکذیب قول مشہور اہل اسلام کی نہیں ہے۔ ابن مریم تو سب کے نزدیک ضرور ہی آویں گے۔ کہیں خدا انہیں کو لے آوے۔ جو بات ہم مہدی کے آنیسے خیال کرتے ہیں وہ کام ان سے بھی بخوبی نکلیگا۔ مہدی آویں یا نہ آویں۔ اسلام کا کچھ نقصان نہیں۔ انکا (یعنی مسیح موعود کا) آنا ہی ہمیں کفایت ہے۔"

نویں دلیل - میں پہلے ذکر کر آیا ہوں کہ صحیح بخاری و صحیح مسلم نے مسیح موعود کا ذکر تو کیا ہے مگر مہدی کے متعلق خاموشی اختیار کی ہے اور مسیح موعود کے متعلق دونوں نے لکھا ہے اماکم منکم یعنی وہ تم میں سے تمہارا ایک امام ہوگا۔ انکا مہدی کے متعلق کلی خاموشی اختیار کرنا اور مسیح موعود کی نسبت لکھنا کہ وہ تم میں سے تمہارا ایک امام ہوگا اس امر کی ایک دلیل ہے کہ ان ہر دو بزرگوں کے

نزدیک آخری زمانہ کا امام صرف مسیح موعود ہی تھا۔ اس امر کی تائید اس سے بھی ہوتی ہے کہ امام بخاری کا مذہب ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام وفات پا چکے ہیں جیسا کہ صحیح بخاری سے ظاہر ہے۔ امام بخاری ایک طرف تو عیسیٰ بن مریم کی وفات کا ثبوت دیتا ہے۔ دوسری طرف اس امر کی شہادت پیش کرتا ہے کہ آنیوالا مسیح موعود مسلمانوں میں سے ایک مسلمانوں کا امام ہوگا اور پھر ساتھ اس کے مہدی کے متعلق بالکل سکوت اختیار کرتا ہے ان امور پر غور کرنے سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ اُس کے نزدیک مسیح موعود ہی کا آنا ضروری تھا۔ وہ اُس سے الگ کسی دوسرے مہدی کا جو آخر زمان میں ظاہر ہو قائل نہ تھا۔ یہ دونوں کتابیں کتب احادیث میں سب سے اعلیٰ درجہ رکھتی ہیں اور دونوں مہدی کی آمد کا کوئی ذکر نہیں کرتیں مگر مسیح موعودؑ کی پیشگوئی کو درج کرتی ہیں اس سے اس امر کو بہت تقویت ملتی ہے کہ آخری زمانہ میں مسیح موعودؑ کے سوا کوئی اور الگ مہدی نہیں۔

دسویں دلیل۔ مسیح موعود اور مہدی معہود کے ایک ہونیکی ایک قطعی دلیل یہ ہے کہ کسر صلیب و قتل خنزیر جو مسیح موعود کا خاص کام ہے یہی کام مہدی موعود کی طرف بھی منسوب کیا گیا ہے۔ ملاحظہ ہو حجج الکرامہ صفحہ ۳۶۳ و ۳۸۲۔ اور اقتراب الساعۃ صفحہ ۶۴۔ کیا اس سے بڑھ کر مسیح اور مہدی کو ایک ہونیکی کوئی اور دلیل ہوسکتی ہے کسر صلیب و قتل خنزیر مسیح موعود کا امتیازی نشان ہے اور جب یہی کام مہدی کی طرف منسوب کیا گیا تو اس سے بڑھکر اور کیا ثبوت ہوسکتا ہے کہ مسیح اور مہدی ایک ہی ہیں بھیج حسن غان مہدی کے متعلق لکھتا ہے قایم شود دین اسلام در آخر زمان بمہد سعادت مہد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم و مالک تمام دنیا گردد و صلیب را بشکند و خوک را بکشد۔ ابن حجر ایں علامات را در ذکر مہدیؑ قول مختصر آورده وایں دو صفت آخر در علامات عیسیٰ علیہ السلام نیز وارد گشتہ (حجج الکرامہ صفحہ ۳۶۳) مسیح موعود کے متعلق ہے والذی نفسی بیدہ لیوشکن ان ینزل فیکم ابن مریم حکما عدلا یکسر الصلیب و یقتل الخنزیر۔ اب اس سے بڑھکر اور کونسی دلیل دونوں کے ایک ہونیکی ہوسکتی ہے اگر مہدی بھی صلیب ہی توڑیگا اور خنزیر ہی قتل کریگا تو وہ یقیناً یقیناً مسیح ہی ہے کیونکہ کسر صلیب و قتل خنزیر مسیح کا ہی کام ہے۔

گیارھویں دلیل - جو دلائل میں اوپر ذکر کر آیا ہوں وہ قطعی طور پر مہدی اور مسیح کا ایک ہونا ثابت کرتے ہیں عیسیٰ بن مریم مر چکا ہے وہ واپس نہیں آسکتا - اسی امت میں سے مسیح موعود ہونا چاہیئے مہدی اور مسیح کی صفات اور علامات میں اتحاد ہے یہاں تک کہ حلیہ بھی ملتا ہے - اس لیے یہ یقینی طور پر ثابت ہوتا ہے کہ مسیح اور مہدی ایک ہی ہیں - مگر ان دلائل کے علاوہ ایک اور زبردست دلیل یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اپنی شہادت صریح الفاظ میں موجود ہے کہ لا مھدی الا عیسیٰ یعنی مہدی موعود مسیح موعود کے سوا اور کوئی نہیں - ملاحظہ ہو ابن ماجہ و حاکم - اب جب ایک طرف صریح دلائل اس بات کے موجود ہیں کہ مسیح اور مہدی ایک ہی ہیں اور دوسری طرف آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اپنی صریح شہادت موجود ہے کہ لا مھدی الا عیسیٰ - اس کے بعد بھی اگر کوئی نہ مانے کہ مسیح اور مہدی ایک ہی ہیں تو اُسکا ہمارے پاس کوئی علاج نہیں -

ممکن ہے کہ ناظرین تعجب کریں کہ کیا وجہ ہے کہ جب صریح ثبوت اس بات کے موجود تھے کہ مسیح موعود و مہدی معہود ایک ہی ہیں بلکہ خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کھلے کھلے الفاظ میں فرما دیا تھا کہ لا مھدی الا عیسیٰ تو پھر کیا وجہ ہے کہ اکثر لوگ ابتک یہ سمجھتے رہے کہ مہدی الگ ہے اور مسیح الگ - اس کا جواب یہ ہے کہ اس مغالطہ کی وجہ وہی مسلمانوں کا غلط اعتقاد ہے کہ مسیح آسمان پر اسی عنصری جسم کے ساتھ چڑھ گیا تھا اور اب تک اسی جسم کے ساتھ وہاں زندہ موجود ہے - یہ غلط خیال ہمیشہ انکو اس امر کے سمجھنے سے روکتا رہا کہ مسیح اور مہدی ایک ہیں - تاہم بعض کا یہی مذہب رہا ہے کہ مہدی مسیح موعود کا ہی نام ہے - جیسا کہ میں پہلے حجج الکرامہ کے حوالہ سے بیان کر چکا ہوں -

باقی آئندہ انشاء اللہ تعالیٰ

(نامہ نگار)

مندرجہ ذیل کتب موجودہ بک ڈپو کی طرف ہم شائقین کو خاص طور پر توجہ دلاتے ہیں۔

یہ کتابیں بذریعہ وی پی (مفصل فہرست اور قیمتوں کے لیے دیکھو دوسری طرف) مینجر میگزین قادیان سے طلب کرو۔

(۱) صداقت و فلسفۂ اسلام پر۔ براہین احمدیہ۔ جس میں نہایت پُر زور دلایل کے ساتھ صداقت اسلام اور آنحضرت کے منجانب اللہ ہونیکو ثابت کیا گیا ہے۔ مکمل کتاب جس میں حصہ چہارم وہ اصل نسخہ ہے جو حضرت اقدسؑ نے ۱۸۸۴ء میں چھپوایا تھا ہے ۱۰؍ کو ملتی ہے۔ اسلام کا فلسفہ۔ وہ لطیف لیکچر جو پانچ سوالوں کے جواب میں جلسہ اعظم مذاہب میں حضرت اقدسؑ کی طرف سے پڑھا گیا جیبی تقطیع قیمت ۲؍ ۔ رپورٹ جلسہ اعظم مذاہب۔ علاوہ مذکورہ بالا لیکچر کے دیگر مذاہب کے جواب بھی ہیں ۲۷۴ صفحے قیمت ۸؍ ۔ ریویو آف ریلیجنز کی پچھلی جلدیں جن میں علاوہ دیگر مذاہب جیسے عیسائیت آریہ مذہب وغیرہ کی تردید کے بعض مفصل اور مبسوط مضامین صداقت اسلام پر لکھے گئے ہیں جیسے جلد ۱۹۰۳ء میں عصمت انبیاء پر جلد ۱۹۰۴ء میں دعا کی حقیقت اسلام کی حقیقت اور برکات روح القدس ملائکہ وحی الٰہی کی ضرورت۔ جلد ۱۹۰۵ء میں پردہ تعدد ازواج۔ طلاق غلامی پر۔ جلد ۱۹۰۶ء میں سود۔ قانون وراثت اور احادیث کی صداقت پر۔ جلد ۱۹۰۷ء میں قرآن کریم کی حفاظت اور جمع۔ قرآنوں اور ناسخ و منسوخ پر۔ فی جلد ۲؍

(۲) عیسائی مذہب پر۔ سراج الدین عیسائی کے چار سوالوں کا جواب ۲؍ ۔ جنگ مقدس قابل دید کتاب ہے ۶؍ ۔ نور القرآن حصہ اول ۲؍ حصہ دوم ۴؍ ۔ ابطال الوہیت مسیح ۱؍ (۳) آریہ مذہب پر۔ سرمہ چشم آریہ۔ جو آریہ مذہب کے اعتراضوں کے جواب میں اور انکے اصول کی تردید میں ایک لاثانی کتاب ہے ۲۵۰ صفحے قیمت ۱۲؍ ۔ نور الدین۔ ترک اسلام کے ۱۴ سوالوں کا لاجواب جواب ہے جو علامہ حکیم نور الدین صاحب کی تصنیف ہے ۲۵۶ صفحے قیمت ۸؍ آریہ دھرم جس میں نیوگ پر بحث ہے ۴؍ ۔ نسیم دعوت ۲؍ (۴) شیعہ مذہب پر۔ خلافت راشدہ حصہ اول ۱۸۰ صفحے ۸؍ ۔ حصہ دوم ۸۰ صفحے ۴؍ مولوی عبد الکریم صاحب مرحوم کی لطیف تصنیف جس میں شیعہ مذہب کی ایسی تردید کی گئی ہے جسکا جواب کسی شیعہ سے بن نہیں سکا بحث کا اسلوب بالکل نیا ہے۔ خطوط شیعہ کا جواب ۲؍ (۵) سکھ مذہب پر۔ ست بچن ۲۰۰ صفحے قیمت ۱۰؍ اس کتاب میں یہ ثابت کیا گیا ہے کہ باوا نانک صاحب اسلامی طریق کے پیرو تھے سکھ مذہب پر حجت قاطع ہے۔ (۶) سلسلہ احمدیہ کی حقیقت میں۔ عسل مصفّٰی ایک قابل دید کتاب ۸۲۸ صفحوں کی ہے جو بسبب ایک جامع کتاب ہونیکے ہر ایک احمدی کے ہاتھ میں ہونی چاہیے۔ سلسلہ احمدیہ کے متعلق ہر ایک مسئلہ پر اور احادیث تفاسیر وغیرہ کے تمام اقوال پر سیر کن بحث ہے۔ باقی کیلیے دیکھو مفصل فہرست۔ (۷) لغات القرآن۔ ایک نہایت قابل قدر لغات قرآن شریف کی ہے جسمیں بالمقابل کالموں میں معتبر لغات عربی اور اسکا اردو ترجمہ دیئے گئے ہیں قرآن شریف کا ترجمہ سیکھنے کے لیے از بس ضروری ہے حصہ اول ۲۸۴ صفحے قیمت عہ حصہ دوم ۶۰۸ صفحے قیمت ۸؍ (۸) یسرنا القرآن یہ اگرچہ بچوں کا قاعدہ ہے مگر ایک نہایت مفید چیز ہے جس سے بچوں کو قرآن شریف کے پڑھنے میں اعلیٰ درجہ کی سہولت ہو گئی ہے چھ ماہ میں بچہ قرآن شریف پڑھ لیتا ہے تین حصہ ہیں ہے فی حصہ ۱؍ (۹)

مندرجہ ذیل کتابیں دفتر میگزین قادیان ضلع گورداسپور سے بذریعہ قیمت طلب پیکٹ مل سکتی ہیں انکا مطالعہ مذہبی تحقیقات اور تاریخی معلومات اور مخالفین کے اعتراضات کی تردید کیلیے نہایت ضروری ہے مشرح فہرست۔ ۲ کا ٹکٹ بھیجنے پر ارسال خدمت ہوگی

کتاب	قیمت	کتاب	قیمت	کتاب	قیمت	کتاب	قیمت
انوار الله اردو	۸ر	قاعده عربی اردو	ار	تذکرة الشہادتین اردو	۵ر	شہادة القرآن اردو	۴ر
اجرومیہ عربی	۰ر	قرآن شریف مترجم مع تفسیر حسینی	عـه	فارسی	۳ر	صبیان القرآن ؍	۳ر
الذکر یعنی ترجمہ ازدہام الٰہیہ	۴ر	مسک العارف اردو	۱۰ر	تحفۂ قیصرہ اردو	۲ر	کشف الغطاء ؍	۲ر
پارہ الٓمٓ عربی	۲ر	نشان آسمانی ؍	۲ر	تحفۃ الندوہ ؍	۰ر	لغات القرآن حصہ اول	عہر
پنج ارکان اسلام۔ اردو	ار	واقعات صحیحہ ؍	۲ر	تقریریں ؍	۲ر	؍ حصہ دوم	عہ۸ر
تفسیر جلالین عربی	عہ۸ر	یسرنا القرآن حصہ اول	ار	تقریروں کا مجموعہ ؍	۳ر	لیکچر سیالکوٹ اردو	۱۰ر
تفسیر فوز الکبیر عربی فارسی	۲ر	؍ ؍ دوم	ار	سراج الدین عیسائی کے چار سوالوں کا جواب ؍	۲ر	؍ لاہور لکھنو ؍	۴ر
تقریر جلسہ مذاہب جیبی تقطیع اردو	۲ر	؍ ؍ سوم	ار	جنگ مقدس عیسائیوں سے مباحثہ ؍	۶ر	مشکوٰۃ الانوار عربی	۴ر
جام شہادت۔ اردو	۰ر	ہدیۃ ثاقب اردو	۴ر	حمامۃ البشریٰ حصہ اول عربی	۸ر	مواہب الرحمٰن ؍	۴ر
حمائل مترجم فارسی	عہر	البدر سلے عربی	۶ر	حجۃ الاسلام اردو	ار	مبادی الصرف	۱۰ر
رپورٹ جلسہ اعظم مذاہب اردو	۸ر	الحق لدھیانہ اردو	۶ر	خطوط شیعہ کا جواب ؍	۲ر	نسیم دعوت اردو	۳ر
سلسلہ دینیہ۔ اردو	۳ر	؍ دہلی ؍	۸ر	خطبہ الہامیہ عربی مع ترجمہ فارسی اردو	عہر	نور القرآن حصہ اول ؍	۲ر
سلاسل القراءة۔ عربی نمبر۱	۴ر	اعجاز احمدی۔ عربی	۳ر	خلافت راشدہ حصہ اول اردو	۸ر	؍ ؍ دوم ؍	۴ر
؍ ؍ نمبر۲	۸ر	احسن الکلام اردو	—	؍ دوم ؍	۴ر	ہدیہ سعدیہ عربی	۲ر
؍ ؍ نمبر۳	۱۲ر	ابطال الوہیت مسیح ؍	ار	خزینۃ العارف حصہ اول و دوم	۴ر	فضل حق اردو	ار
؍ ؍ نمبر۴	۱۲ر						
آریہ دھرم اردو	۴ر	آیات الرحمٰن ؍	۸ر	؍ ؍ سوم و چہارم	۸ر	سیرۃ المسیح۔ ؍	۸ر
		دعوت الحق ؍	۵ر	اعلام الناس حصہ دوم	۴ر	آسمانی فیصلہ ؍	۲ر
دینیات کا پہلا رسالہ ؍	ار	شرح ترمذی۔ نمبر۱	عہ۸ر	دعوت دہلی اردو	۱۰ر	دافع البلاء ؍	ار
طریق النجات نمبر۱	۸ر	؍ نمبر۲	عہ۸ر	دعوت الندوہ ؍	۱۰ر	غنیۃ الطالب۔ عربی	عہر
؍ نمبر۲	۷ر	احمدی کا من نظم پنجابی	ار	راز حقیقت ؍	ار	شفاء السقام ؍	۵ر
؍ نمبر۳	۸ر	براہین احمدیہ حصہ اول	۵ر	براہین احمدیہ حصہ چہارم*	عـه	ست بچن اردو	۱۰ر
؍ نمبر۴	۱۵ر	؍ ؍ دوم	۴ر	مکمل براہین احمدیہ اردو	۳ر		
عسل مصفّٰی اردو	عہ۸ر	؍ ؍ سوم	۱۰ر	سرمہ چشم آریہ اردو	۱۲	نوٹ۔ ان قیمتوں میں	
صبر جمیل بر قول خلیل۔ ایک دلچسپ نظم مولوی خلیل سہارنپوری کے اعتراضوں کے جواب میں			۰ر	مکتوبات و خطبات محمدیہ ؍	۴ر	محصول ڈاک شامل نہیں	

*: براہین کا حصہ چہارم اصل نسخہ ہے جو حضرت اقدسؑ نے ۱۸۸۴ء میں چھپوایا تھا۔ باقی تین حصے بڑے اہتمام سے دوبارہ چھپوائے گئے ہیں۔

مکمل براہین احمدیہ جس میں جلد چہارم بار اول کی چھپی ہوئی ہے۔ ۳ روپے کو دفتر میگزین مل سکتی ہے۔

تمام خط و کتابت ان کتابوں کے متعلق دفتر میگزین قادیان سے ہونی چاہیئے۔

آؤ لوگو کہ یہیں نور خدا پاؤ گے ٭ لو تمھیں طور تسلی کا بتایا ہم نے

ریویو آف ریلیجنز

یعنے

دنیا کے مذاہب پر نظر

جلد ۷ بابت ماہ اکتوبر ۱۹۰۸ء نمبر ۱۰

فہرست مضامین

[قا]دیان ضلع گورداسپور سے ۲۰ - اکتوبر ۱۹۰۸ء کو صدر انجمن احمدیہ کی اہتمام سے شائع ہوا - چندہ سالانہ عامہ [؟] طلباء سے عہ [؟]

بک ڈپو میں تین ہی کتابیں

تمام خط و کتابت بنام مینیجر میگزین

عمدۃ الاحکام۔ اس کتاب میں صحیح بخاری اور صحیح مسلم کی وہ تمام متفقہ حدیثیں جمع ہیں۔ جو احکامات کے متعلق ہیں۔ عربی عبارت پر اعراب دیئے ہوئے ہیں۔ اور بین السطور اُردو میں ترجمہ کیا ہوا ہے۔ امامنا حضرت خلیفۃ المسیح والمہدی مولٰنا مولوی نورالدین صاحب نے اس کتاب کو بہت پسند کیا ہے۔ ۲۱۰ صفحے کی کتاب ہے۔ قیمت صرف عہ فی جلد ہے۔ یہ کتاب پھر اس قیمت پر نہ مل سکیگی کیونکہ اصل شائع کنندہ ۱۲ آنہ جلد کے حساب سے فروخت کرتا ہے۔

اسلام کی پہلی کتاب۔ سلسلہ عالیہ احمدیہ پر عام طور پر جو اعتراض کیئے جاتے ہیں۔ انکے جواب ماسٹر عبدالرحمٰن صاحب نومسلم نے بڑی خوبی سے دیئے ہیں ۱۳۰ صفحے کی کتاب ہے قیمت صرف ۴؍ فی جلد ہے۔

التبیان۔ حضرت اقدس کے حکم سے حضرت مولوی سید محمد احسن صاحب نے لکھی ہے۔ اس کتاب میں مس شیطان والی حدیث پر بڑی مبسوط بحث کیگئی ہے۔ ۳۸ صفحے کی کتاب ہے قیمت صرف ۱؍ ہے۔

نوٹ۔ بعض احباب کتابیں منگوانے کے وقت انکی قیمت کے ٹکٹ بھیجدیتے ہیں۔ وہ خیال رکھیں کہ ان قیمتوں کے علاوہ محصولڈاک منگنے کیلئے بھی ٹکٹ بھیجا کریں۔ کیونکہ یہ اصل قیمتیں ہیں محصولڈاک انمیں شامل نہیں۔ مینیجر

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ
نَحْمَدُہٗ وَنُصَلِّیْ عَلٰی رَسُوْلِہِ الْکَرِیْم

مہدی آخر زمان

(سلسلہ کے لیئے ملاحظہ ہو ریویو آف ریلیجنز بابت ستمبر ۱۹۰۸ء)

پیشگوئی کا پورا ہونا

مَیں گذشتہ نمبر میں ثابت کرچکا ہوں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے آخر زمانہ میں دو الگ الگ شخصوں کے آنے کی پیشگوئی نہیں کی بلکہ ایک ہی شخص کے آنے کی پیشگوئی کی۔ مگر چونکہ اُس کے دو مختلف کام تھے اس لیئے وہ دو الگ الگ ناموں سے یاد کیا گیا۔ چونکہ اُس کا کام عیسائیوں کی اصلاح بھی تھی اور جیسا عیسیٰ بن مریم موسوی خلفاء میں سب سے آخر تھے اسی طرح وہ بھی محمدی سلسلہ میں آخری خلیفہ تھا اس لحاظ سے اُس کا نام عیسیٰ بن مریم رکھا گیا اور چونکہ اُس نے صرف عیسائیوں کی اصلاح کے لیئے ہی نہیں آنا تھا بلکہ اُمّت محمدیہ کے لیئے بھی اُس نے مجدد ہوکر آنا تھا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا نائب بنکر مسلمانوں کی اصلاح بھی اُس نے کرنی تھی اس لیئے وہ مہدی کہلایا۔

مہدی اور مسیح کو ایک ثابت کرنے کے بعد اب میں حضرت مرزا غلام احمدؐ صاحب قادیانی کے دعویٰ پر غور کرنا چاہتا ہوں جنہوں نے چودھویں صدی کے سر پر آکر مسیح اور مہدی ہونے کا دعویٰ کیا۔ میں اُن سارے دلائل کو یہاں پیش نہیں کر سکتا جن کے ساتھ اُنہوں نے اپنے دعوے کو ثابت کیا ہے۔ اُن کے کُل براہین اور نشانات پر پوری بحث کرنے کے لیئے ایک ضخیم کتاب بھی مشکل سے کافی ہو گی۔ اس لیئے میں اس مضمون میں اُس شہادت سے باہر نہیں جاؤں گا جو مہدی کی احادیث سے اُن کے دعوے مہدویت کے متعلق ملتی ہے۔ اس مضمون میں میری غرض صرف یہی دکھلانا ہے کہ مہدی کی پیشگوئی جو احادیث واخبار میں درج ہے وہ مرزا غلام احمؐد علیہ الف الف صلوٰۃ میں پوری ہو چکی ہے۔ مگر یہ یاد رکھنا چاہیئے کہ جو شہادت مہدی کی احادیث و روایات سے آپ کے دعوے کی تائید میں ملتی ہے اگرچہ وہ آپ کی سچائی ثابت کرنے کے لیئے بالکل کافی ہے مگر وہ اُس مجموعی شہادت کا صرف ایک چھوٹا سا حصّہ ہے جو آپؑ اپنے دعوے مسیحیت و مہدویت کے ثابت کرنے کے لیئے پیش کی جا سکتی ہے۔ احمؐد کی سچائی کے دلائل اس قدر بے شمار اور زبردست ہیں کہ جن دلائل کا اس مضمون میں ذکر کیا جاوے گا وہ اُن دلائل کے مجموعہ کے سامنے گویا کچھ بھی نہیں۔ میرے مضمون کا دائرہ صرف اُن احادیث واخبار تک محدود ہے جو مہدی کے متعلق کتب احادیث و آثار میں پائی جاتی ہیں۔ ان کے علاوہ ایک بڑا ذخیرہ نشانات و حجج نیّرہ کا ہے جو احمؐد قادیانی علیہ الصلوٰۃ والسلام کے دعاوی کو ثابت کرتا ہے مگر میرے مضمون کا دائرہ مجھے اجازت نہیں دیتا کہ میں مہدی کی احادیث سے باہر جاؤں۔ مگر پھر بھی جیسا ناظرین خود دیکھ لینگے جو شہادت، احادیث واخبار متعلقہ مہدی سے ملتی ہے وہ بھی احمؐد قادیانی علیہ الرحمۃ کے

دعوئ مہدویت کو ثابت کرنے کے لیئے کافی سے بھی زیادہ ہے۔ اور اس میں کچھ بھی شک نہیں رہتا کہ مہدی کے آنے کی خبر یقیناً مرزا احمد قادیانی کے وجود باجود میں پوری ہو گئی۔ خدائے تعالیٰ آپ کی تُربت پر رحمت کی بارش برسائے آمین

علامات صغریٰ و زمانہ ظہور مہدی

علامات صغریٰ سے مراد وہ علامتیں ہیں جن کا وجود مہدی موعود کے ظہور کے لیئے ایک پیش خیمہ ہے مہدی کا ظہور علامات کبریٰ میں سے ہے اور علامات صغریٰ کا وجود اس امر کی شہادت ہے کہ اب مہدی کا ظہور قریب آگیا۔ علامات صغریٰ کے متعلق خود مخالفین کی شہادت موجود ہے کہ وہ سب کی سب احمد علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ظہور سے پہلے وجود میں آچکی تھیں۔ چنانچہ حدیث الغاشیہ کا مصنف جو فرقہ وہابیہ اہل حدیث میں سے ہے اپنی کتاب کے صفحہ ۱۹۸ پر سنہ ۱۳۰۱ھ میں لکھتا ہے۔ "علامات صغریٰ تو سب کے سب ظاہر ہو چکے۔ دنیا میں بھرپور ہر جگہ موجود ہیں ایک کی جگہ ہزار گنی ہوتی جاتی ہیں۔ بڑی علامتوں کا سرا نکلنا مہدی کا اُترنا مسیح کا ہے اس کا وقت بھی معلوم نہیں لیکن جو نشانیاں متصل اس زمانہ ظہور و نزول کے ہونیوالی ہیں اُنکا لگا تو لگ چلا۔ اس سے یقین ہوتا ہے کہ یہ دونوں صاحب جلد رونق بخش ہونگے" صدیق حسن خاں اپنی کتاب حجج الکرامہ کے صفحہ ۳۹۵ پر جو سنہ ۱۲۹۱ھ میں شائع ہوئی لکھتا ہے زمانہ فاطمی منتظر قریب الحصول و مرجو القرب است زیرا کہ ہر آئندہ نزدیک دہر فائیت بعید می باشد و وقوع امارات صغریٰ بجمیعہا و تغییر عظیم عالم و اہل عالم وضعف تام اسلام و رفع علم و شیوع جہل و کثرت فسق و فجور و بغض و حسد و حب شدید مال و قصر ہمت در تحصیل اسباب معاش و ذہول کلی از دار آخرۃ

و ایثار کامل دنیا بر آخری امارات جلیہ و علامات بینہ قرب زمان ظہور اوست۔
یعنی مہدی فاطمی کے ظہور کا زمانہ اب قریب ہے تمام امارات صغریٰ ظاہر ہو چکی ہیں اور عالم اور اہل عالم میں ایک تغیر عظیم پیدا ہو گیا ہے اور اسلام بہت ضعیف ہو چکا ہے علم کم ہو گیا۔ اور جہل زیادہ ہو گیا۔ اور فسق و فجور بہت ہو گیا اور بغض اور حسد بڑھ گیا اور محبت مال اور طلب اسباب کا جوش از حد ہے۔ اور یہ مہدی کے قریب ظہور کے لیے کھلی کھلی علامتیں ہیں۔ پھر اسی صفحہ پر لکھتا ہے۔
اما ملاحظہ انقلاب عالم و تقلب احوال بنی آدم کہ دریں زمان آخر ست شاہد عدل ست بر آنکہ پیش ازیں رنگ گیتی باین عنوان نبود شرح ایں ماجرا طوامیر طویلہ و دفاتر ثقیلہ می خواہد .... و آنچہ باقی است ہمیں ظہور مہدی موعود است تا کے اتفاق افتد و کدام وقت از ازمنہ آتیہ مرضی او تعالیٰ باشد۔ یعنی جو زمانہ میں انقلاب پیدا ہو گیا ہے اور لوگوں کا حال بگڑ گیا ہے وہ اس بات کی شہادت دے رہا ہے کہ اس سے پہلے زمانہ کا کبھی یہ رنگ نہیں ہوا۔ اس امر کی تفصیل کے لیے بڑی ضخیم کتابوں کی ضرورت ہے .... بس اب مہدی موعودؑ کا ظہور ہی باقی رہ گیا ہے۔ دیکھیے کس گھڑی واقع ہوتا ہے۔
اقتراب الساعہ کے صفحہ ۲۹۳ پر لکھا ہے۔ "چھوٹی موٹی نشانیاں قیامت کی جو ہونیوالی تھیں وہ سب ہو گئیں بڑی نشانیوں میں ایک تو یہی حکومت نصاریٰ ہے.... دوسری نشانی ظاہر ہونا مہدی موعودؑ کا ہے۔ تیسری نشانی اُترنا عیسیٰ علیہ السلام کا ہے آسمان سے زمین پر سو پہلی نشانی تو اب موجود ہو گئی۔ یہ نشانی یہ کہتی ہے کہ اس کے قریب ہی دوسری تیسری نشانی بھی ظاہر ہونیوالی ہے۔" پھر صفحہ ۱۴۲ پر لکھا ہے "اب مادہ ظہور امام و روح اللہ علیہما السلام کا طیار ہے۔"
ایسی صریح شہادتوں کے بعد ضرورت نہ تھی کہ علامات صغریٰ پر زیادہ بحث

کی جاتی۔ مگر میں ناظرین کی اطلاع کے لئے علامات صغریٰ میں سے چند علامتیں بطور نمونہ ذیل میں درج کرتا ہوں

۱۔ ایک علامت یہ ہے کہ نصاریٰ کی حکومت تمام زمین پر پھیل جاوے گی صدیق حسن خان حجج الکرامہ کے صفحہ ۳۴۴ پر لکھتا ہے واز انجملہ کثرت حکومت نصاریٰ است مسلم از مستور روایت کردہ کہ فرمود رسول خدا برپا شود قیامت و باشند روم بیشتر از ہمہ کس۔ مراد بروم درینجا نصرانیاں اند کہ قریب زمانہ قیامت بسیار شوند و حاکم اکثر روئے زمین گردند۔ و مصداق ایں خبر از مدت یک صد سال بلکہ زیادہ در عالم موجود و مشہود است۔ در رسالہ حشریہ نوشتہ چوں جملہ علامات حاصل شود قوم نصاریٰ غلبہ کنند و بر ملک ہائے بسیار متصرف شوند۔ اس علامت کو اکثر مصنفوں نے ذکر کیا ہے اور جس صفائی سے یہ علامت مہدی کے ظہور سے پہلے واقع ہو گئی تھی اُس سے کوئی انکار نہیں کر سکتا۔ حدیث کے اصل الفاظ یہ ہیں تقوم الساعۃ والروم اکثر الناس۔ قرآن شریف میں ہے من کل حدب ینسلون اور حدیث میں غلبہ کا ذکر کر کے نصاریٰ کی تصریح کی ہے اس سے معلوم ہوا کہ قرآن مجید میں بھی کل حدب میں نصاریٰ کا ذکر ہے حدیث نے اس آیت کی شرح کر دی ہے۔

۲۔ ایک اور علامت علامات صغریٰ میں سے یہ تھی کہ اس اُمت کے لوگ خصوصاً وہ جو علماء کہلاتے ہیں یہودی صفت ہو جائیں گے۔ اس سے کوئی انکار نہیں کر سکتا کہ احمد علیہ التحیۃ والسلام کے ظہور سے پہلے علماء نے کل یہودیانہ صفات کو اپنے اندر جمع کر لیا تھا۔ جو شخص مسیح کے زمانہ کے یہودیوں کا تیرھویں صدی کے علماء کی حالت سے مقابلہ کریگا اُس کو دونوں کی مشابہت میں کوئی شبہ نہیں رہے گا۔ نواب صدیق حسن خاں حجج الکرامہ کے صفحہ ۲۷۱ پر

لکھتا ہے۔ ومنجملہ تغییر مردم است ازانچہ از ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ مرفوعاً آمدہ کہ فرمود آنحضرت صلعم لتتبعن سنن من قبلکم شبراً بشبر و ذراعاً بذراعٍ حتّٰی لوسلکوا جحر ضب لسلکتموہ قلنا یا رسول اللہ الیہود والنصاریٰ قال فمن۔ اخرجہ البخاری ومسلم۔ وترمذی از عبد اللہ بن عمرو بن العاص روایت کردہ کہ فرمود رسول خدا صلعم لیاتین علیٰ اُمّتی ما اتی علی بنی اسرائیل حذو النعل بالنعل حتّٰی ان کان منھم من اتی امہ علانیۃً لیکونن فی اُمّتی من یصنع ذٰلک۔ وامروز مصداق اتم ایں خبر در اسلامیان موجود ومشہود است۔ یعنی علامات صغریٰ ہیں سے ایک لوگوں کی حالت کا بگڑ جانا ہے۔ صحیح بخاری وصحیح مسلم میں ہے کہ تم اپنے سے پہلے لوگوں کے عادات کی پوری پیروی شروع کردوگے یہانتک کہ اگر انہیں سے کوئی سوسمار کی سوراخ میں داخل ہوا تو تم بھی ایسا ہی کروگے دریافت کیا گیا کہ وہ تو یہودی اور نصاریٰ ہیں۔ آپنے جواب دیا اگر یہود ونصاریٰ ہیں تو پھر کیا ہوا۔ یعنی تم بھی اُنہی کے عین مشابہ ہوجاؤگے۔ ترمذی میں ہے کہ میری اُمّت پر ایک زمانہ میں وہی حالت وارد ہوگی جو بنی اسرائیل پر وارد ہوئی تھی اور دونوں ایسے مشابہ ہوجائیں گے جیسے ایک جوتی دوسری جوتی کے مشابہ ہوتی ہے۔ یہانتک کہ اگر اُن میں کسی نے محرمات کے ساتھ جماع کیا تو وہی فعل تم بھی کروگے۔ اس کے بعد صدیق حسن لکھتا ہے امروز مصداق اتم ایں خبر در اسلامیاں موجود ومشہود است۔ یعنی ان احادیث کا پورا مصداق آجکل کے مسلمانوں میں پایا جاتا ہے۔ پھر ایک اور حدیث میں ہے۔ سیاتی علی الناس زمان مایبقی من القرآن الا رسمہ ولا من الاسلام الا اسمہ مساجدھم عامرۃ وھی خراب من الھدیٰ۔ نفقہاء ذٰلک الزمان شر فقھاء تحت

ظل السماء منهم خرجت الفتنة و الیهم تعود اخرجه البیهقی وابن عدی۔
یعنی لوگوں پر ایسا زمانہ آئے گا کہ قرآن میں سے سوائے نقش کے اور کچھ باقی نہ رہے گا اور اسلام کا صرف نام ہی رہ جائیگا۔ مسجدیں آباد ہونگی مگر ہدایت سے ویران ہونگی اور اُس زمانہ کے علماء بدترین خلائق ہوں گے۔ اُن میں سے ایک فتنہ نکلے گا جو پھر اُنہی کی طرف لوٹے گا۔ صدیق حسن اس حدیث کو صفحہ ۲۶۹ پر نقل کرکے لکھتا ہے۔ گویم مصداق تام این حدیث زمانہ ماست یعنی اس حدیث کا پورا مصداق ہمارا زمانہ ہے۔ صدیق حسن خاں اس امر کو تسلیم کرتا ہے کہ اُس کے زمانہ کے علماء بدترین خلائق تھے اور یہودیوں کے تمام صفات ان لوگوں میں جمع ہو گئے تھے۔ یہی علماء تھے جنہوں نے مہدی موعود کے ظہور پر مخالفت کا بیڑا اُٹھایا اور لوگوں کو روکنا چاہا کہ اُسکو قبول نہ کریں لیکن اُنکو ناکامی کا مُنہ دیکھنا پڑا اور بجائے اس کے کہ وہ خدا کے مرسل اور اُسکے سلسلہ کو نابود کریں خود موردِ غضبِ الٰہی ہوئے۔ اسی کی طرف حدیث میں اشارہ ہے کہ اُنہی میں سے فتنہ نکلے گا اور پھر اُنہی کی طرف لوٹ کر جائے گا۔

۳۔ ایک علامت یہ تھی کہ مہدی موعود کے ظہور سے پہلے قرآن شریف اُٹھ جائیگا اور اسلام ضعیف ہو جائے گا۔ حدیث میں ہے ما یبقیٰ من القرآن الا رسمہ ولا من الاسلام الا اسمہ اور میں اوپر صدیق حسن خاں کی شہادت نقل کر چکا ہوں کہ اس حدیث کا مضمون اُس کے زمانہ میں کامل طور پر پورا ہو چکا تھا۔

مذکورہ بالا علامات کے علاوہ اور بہت سی علامتیں ہیں جو پوری ہو چکی ہیں۔ مثلاً

۴۔ تجارت کا پھیلنا یہانتک کہ تاجر زمین کے ایک کونے سے دوسرے کونے تک

اپنا تجارت کا مال لے جائیگا۔

۵۔ قلم کا غلبہ ہوگا یعنی تحریریں بڑھ جائیں گی۔

اسی پیشگوئی کے مطابق خدائے تعالیٰ نے مہدی موعود کو قلم عطا کیا اور اُس کا قلم سب قلموں پر غالب رہا۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ مہدی نے تلوار لے کر نہیں آنا تھا کیونکہ اُس کا زمانہ قلم کا تھا نہ تلوار کا۔ لوگوں نے اسلام پر قلم سے ہی حملے کیئے اور قلم کا جواب قلم ہی ہونا چاہیئے تھا نہ تلوار۔ سو خدائے تعالیٰ نے ایسا ہی کیا۔

۶۔ شراب خواری کی کثرت۔

۷۔ زناکاری کا کھلم کھلا ارتکاب۔

۸۔ ناجائز ولادت والے بچوں کی کثرت۔

۹۔ خلاف وضع فطرت جرائم کا ارتکاب۔

۱۰۔ جھوٹی گواہی کی کثرت۔

۱۱۔ لوگوں کا دنیا میں محو ہو جانا اور روپیہ کا جمع کرنا۔

۱۲۔ کثرت ارتداد۔

۱۳۔ مختلف مذہبی خیالات کا پیدا ہو جانا۔ یہانتک کہ بیٹے کا مذہب باپ سے الگ ہونا اور بھائی کا بھائی سے الگ ہونا۔

۱۴۔ اسلام میں مختلف فرقوں کا پیدا ہو جانا۔

۱۵۔ ایسی عورتوں کا کثرت سے ہونا جو بظاہر لباس پہنے ہوئے ہوں مگر دراصل برہنہ ہوں۔

اس قسم کی بہت سی علامتیں لکھی ہیں جو سب کی سب مہدی کی آمد سے پہلے پوری ہو چکی تھیں۔

صدیق حسن خاں حجج الکرامہ صفحہ ۳۶۵ پر لکھتا ہے۔ زمانہ من انشاء اللہ تعالےٰ
ہمعنان زمانہ اوست اگرچہ تعیین وقت صحیح نشدہ یعنی مہدی کا زمانہ انشاء اللہ میرے
زمانہ کے ساتھ ہم عنان یعنی بالکل ملا ہوا ہوگا اگرچہ ٹھیک وقت مقرر نہیں کیا جا سکتا
پھر یہ تمنا ظاہر کرتا ہے کہ کاش مہدی میری زندگی ہی میں ظاہر ہوں۔ اور پھر اپنی
اولاد کو وصیت کرتا ہے کہ اگر بتقدیر الٰہی از ادراک ایں سعادت عظمیٰ و موہبت
کبریٰ محروم مانم و عمر مستعارم وفا نکند ایشاں ہرگز از خود بتقصیرے در ابلاغ ایں
سلام برکت انجام میمنت التیام راضی نشوند و خویش را از دریافت ایں نعمت
بے بدل و نصرۃ مہدی و عیسیٰ علیہما السلام بجان و مال معذور و مقصور و مجبور ندانند
یعنی اگر میں تقدیر الٰہی سے اس نعمت سے محروم رہ جاؤں اور میری عمر وفا نہ کرے
تو میری اولاد کو چاہیئے کہ وہ میرا اسلام مہدی و مسیح علیہما السلام کو پہنچائیں اور انکی
نصرت سے کچھ دریغ نہ کریں۔ اس تمنا اور وصیت سے ظاہر ہے کہ صدیق حسن خاں کو
مہدی موعود کے عنقریب ظاہر ہونے کا کس قدر یقین تھا۔ صدیق حسن خاں ابھی
زندہ تھا کہ حضرت مہدی موعود علیہ السلام نے اپنی پہلی کتاب براہین احمدیہ تصنیف
فرمائی اور اس کا ایک نسخہ صدیق حسن خاں کو بھی بھیجا مگر ابھی آپنے اپنا دعویٰ مہدویت
شائع نہیں کیا تھا کہ صدیق حسن خاں اس جہاں سے رخصت ہوا۔

اس قسم کی تمنا اور وصیت کرنیوالا صرف صدیق حسن خاں ہی نہ تھا۔ بلکہ کل
اسلامی دنیا کی آنکھ اسی طرف لگی ہوئی تھی اور ہر ایک مسلمان کو مہدی کے قریب
زمانہ میں ظاہر ہونے کا انتظار لگا ہوا تھا اور لوگ دعائیں کرتے تھے کہ خدا کرے
کہ مہدی موعود انہی کی زندگی میں ظاہر ہو تا وہ اس کی زیارت سے مشرف ہو کر اس
دنیا سے کوچ کریں بعض اولیاء اللہ اور علماء عظام مہدی کے ظہور کی تاریخیں بھی
بیان کرتے تھے اور ان تاریخوں کے متعلق ایک عجیب بات یہ ہے کہ کوئی شخص

تاریخ بیان کرنے میں چودھویں صدی سے آگے نہیں بڑھا۔ یعنی آخری تاریخ جو مہدی کے ظہور کے لئے مقرر کی گئی تھی وہ چودھویں صدی کا آغاز تھا۔ حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی نے خدا سے الہام پاکر مہدیؑ کے ظہور کی تاریخ چراغِ دین بیان کی یعنی ۱۲۶۸ھ۔ یہ تاریخ حضرت مہدی موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی تاریخ بلوغ سے ملتی ہے۔ (ملاحظہ ہو حجج الکرامہ صفحہ ۳۹۴) اسی طرح حضرت نعمت اللہ ولی نے ایک پیشگوئی فارسی نظم میں شائع کی جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ مہدی موعود چودھویں صدی کے سر پر ظاہر ہوگا۔ یہ بزرگ چھٹی صدی ہجری میں دہلی کے قریب رہتے تھے آپ کی نظم پہلی دفعہ ۱۸۶۸ء میں "اربعین فی احوال المہدیین" میں چھپی جبکہ ابھی حضرت مہدی موعودؑ نے دعویٰ مہدویت شائع نہیں کیا تھا۔ اس نظم میں سے چند شعر بطور نمونہ ذیل میں لکھے جاتے ہیں

از نجوم ایں سخن نمے گویم	بلکہ از کردگارمے بینم
غین و رے سال چوں گذشت از سال ۱۲۰۰	بوالعجب کاروبارمے بینم
گرد درآئینہ ضمیر جہاں	گرد و زنگ و غبارمے بینم
ظلمتِ ظلم ظالمانِ دیار	بے حد و بے شمارمے بینم
جنگ و آشوب و فتنہ و بیداد	درمیان و کنارمے بینم
سکّہ نو زنند بر رخِ زر	درہمش کم عیارمے بینم
بعض اشجارِ بوستانِ جہاں	بے بہار و ثمارمے بینم
غم مخور زانکہ من دریں تشویش	خرمیِ وصلِ یارمے بینم
چوں زمستان بیچن بگذشت	شمسِ خوشش بہارمے بینم
دورِ او چوں شود تمام بکام	پسرش یادگارمے بینم
بندگانِ جناب حضرتِ او	سر بسر تاجدارمے بینم

گلشن شرع را ہمے بویم گلِ دین را ببار مے بینم
تا چہل سال اے برادر من دَور آں شہسوار مے بینم
یدِ بیضا کہ با او تابندہ باز با ذو الفقار مے بینم
صورت و سیرتش چو پیغمبر علم و حلمش شعار مے بینم
زینتِ شرع و رونقِ اسلام محکم و استوار مے بینم
اح م د دال مے خوانم نام آں نامدار مے بینم
مہدیِ وقت و عیسیِ دَوراں ہر دو را شہسوار مے بینم

یہ حضرت نعمت اللہ ولی علیہ الرحمۃ کی پیشگوئی میں سے صرف چند اشعار ہیں جو بطور نمونہ درج کیے گئے ہیں۔ اس میں شک نہیں کہ یہ الفاظ ایک ملہم کی زبان سے نکلے ہوئے ہیں اور کسی مفتری کا قول نہیں ہیں کیونکہ جو باتیں ان میں درج ہیں وہ عین وقت پر پوری ہوگئیں۔ اس نظم میں جو پیشگوئی لڑکے کے متعلق ہے وہ خود حضرت مہدی موعود کے الہامات کے مطابق ہے کیونکہ آپ کو خدائے تعالیٰ نے خبر دی کہ آپ کی اولاد میں سے خدائے تعالیٰ ایک شخص کو کھڑا کریگا جو آپ کا قائم مقام ہوگا اور جس کے ذریعہ دین اسلام کو بڑی ترقی ہوگی حضرت نعمت اللہ ولی کی پیشگوئی سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ مہدی موعود جو مسیح بھی ہوگا تیرھویں صدی کے خاتمہ پر ظاہر ہوگا۔ کیونکہ اس میں لکھا ہے کہ جب ہجرت سے ۱۲۰۰ سال گذر جائیں گے تو اس کے بعد یعنی تیرھویں صدی میں بدی اور تاریکی پھیل جائے گی گویا تیرھویں صدی ایک تاریکی اور گناہ کی صدی ہوگی جس میں بدی کا زور شور سے دَورہ رہے گا مگر بدی کے دنوں کے بعد مہدی کے ظہور کا وقت آئے گا جیسا جاڑے کے بعد بہار آتی ہے۔ پس معلوم ہوا کہ تیرھوی صدی تاریکی کی صدی تھی اور تیرھویں صدی کے خاتمہ اور چودھویں

صدی کے آغاز پر مہدی نے ظاہر ہونا تھا چنانچہ ایسا ہی ہوا۔

نعمت اللہ ولی اور شاہ ولی اللہ علیہما الرحمۃ صرف یہی دو بزرگ نہیں ہیں جنہوں نے مہدی کے ظاہر ہونے کا وقت بیان فرمایا جس سے معلوم ہوتا ہے کہ مہدی تیرھویں صدی کے آخری حصہ میں ظاہر ہوگا بلکہ اور بھی بزرگوں نے خدا سے الہام پاکر اسی قسم کی پیشگوئیاں کیں قریباً پچاس سال کا عرصہ ہوا کہ خدا کے ایک مقدس آدمی گلاب شاہ نامی نے جو لدھیانہ کے قریب ایک گاؤں میں رہتا تھا اور جس نے پیش از وقت کئی واقعات کی خبر دیکر اس علاقہ میں شہرت حاصل کرلی تھی صاف طور پر خبر دی کہ عیسیٰ بن مریمؑ وفات پا چکے ہیں اور وہ واپس اس دنیا میں نہیں آئیں گے اور آخری زمانہ کا موعودؑ پیدا ہو چکا ہے قادیان میں رہتا ہے اور اُس کا نام غلام احمدؑ ہے۔ اُس نے یہ باتیں ایک بزرگ کریم بخش نامی کے پاس بیان کیں اور اُس کو کہا کہ تُو دیکھے گا کہ مولوی اُس کے ساتھ کسقدر مخالفت کریں گے۔ جب حضرت مسیح و مہدی معہودؑ ۱۸۹۱ء میں لدھیانہ تشریف لے گئے تو کریم بخش نے اس شہادت کو ایک عام مجمع میں حلفاً بیان کیا اور کہا کہ لدھیانہ کے پاس بھی ایک قادیان ہے مَیں سمجھتا تھا کہ بزرگ مرحوم اس قادیان کا ذکر کرتے تھے جو لدھیانہ کے پاس ہے مجھے معلوم نہیں تھا کہ ضلع گورداسپور میں بھی کوئی گاؤں قادیان نام کا ہے۔ اُس نے حلفاً اور روتے ہوئے اس شہادت کو ایک عام جلسہ میں بیان کیا مولوی لوگوں نے اُسکو روکا اور اُس کو بہت دُکھ دیا مگر اُس نے کہا کہ مَیں اس شہادت کو چھپا نہیں سکتا۔ یہ شہادت میرے پاس ایک امانت تھی اور میرا فرض تھا کہ مَیں اس امانت کو ادا کرتا۔ جدھر جاتا تھا وہ رو رو کر اس شہادت کو ادا کرتا تھا اور اُس کے جاننے والوں نے حلفیہ شہادت دی کہ یہ صالح

اور متقی شخص ہے اور عمر بھر میں انہوں نے اُسکو جھوٹ بولتے ہوئے کبھی نہیں سنا۔ ان کے سوا اور بھی بہت سے بزرگوں نے مہدی کے زمانہ ظہور کی خبر دی مگر میں بوجہ خوف طوالت ان سب شہادات کو یہاں درج نہیں کرسکتا۔

پس نہ صرف احادیث اور روایات سے ہی اس امر کا پتہ لگتا تھا کہ مہدی موعود کا زمانہ ظہور تیرھویں صدی کا خاتمہ ہے بلکہ بہت سے ملہموں اور اہل کشف نے بھی خبر دی کہ مہدی موعود چودھویں صدی کے سر پر ظاہر ہونے والا ہے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا الآیات بعد المأتین یعنی علامات قیامت دو سو برس کے بعد ظاہر ہونی شروع ہو جائیں گی۔ اس حدیث کے عام طور پر یہ معنے کیئے جاتے ہیں کہ جب ایک ہزار سال کے بعد دو سو سال گذر جائیں گے تو اُس وقت علامات کا ظہور شروع ہوگا یعنی دو سو سال ایک ہزار کے بعد شمار کرنے چاہیئے۔ صدیق حسن خاں حجج الکرامہ کے صفحہ ۳۹۴ پر لکھتا ہے۔ در تحفۂ اثنا عشریہ گفتہ اہل سُنّت ہرگز دعویٰ مہدویت او را پیش از ہزار سال بلکہ زیادہ قبول نخواہند داشت زیرا کہ نزد ایشاں از مسلمات است کہ ظہور الآیات بعد المأتین یکہزار و دوصد از ہجرت مے باشد کہ بگذرد بعد ازاں علاماتِ قیامت شروع شود یعنی تحفہ اثنا عشریہ میں لکھا ہے کہ سُنّی مہدی کے دعوے کو ایک ہزار ہجری تک بلکہ اُس کے بعد بھی کچھ عرصہ تک قبول نہیں کرینگے کیونکہ اُن کے نزدیک یہ مسلم امر ہے کہ وہ دو سو سال جن کے بعد آیات نے ظاہر ہونا ہے وہ ایک ہزار سال کے بعد گننے چاہیئے یعنی اُنکے نزدیک ۱۲۰۰ھ ہجری کے بعد آیات کا ظہور شروع ہوگا۔ اس سے معلوم ہوا کہ مہدی موعود ۱۲۰۰ھ سے

پہلے ظاہر نہیں ہو سکتے تھے اور یہ کہ جو علامات مہدی موعودؑ کی آمد کے لئے بطور مقدمہ کے تھیں اُنکا ظہور ۱۲۰۰ھ کے بعد شروع ہونا تھا۔ صدیق حسن خاں حجج الکرامہ صفحہ ۳۹۴ پر لکھتا ہے۔ وبعض از مشائخ واہل علم گفتہ اند کہ خروج او بعد از دوازدہ صد سال از ہجرت شود ورنہ از سیزدہ صد تجاوز نکند۔ یعنی بعض اہل کشف اور علماء عظام نے لکھا ہے کہ مہدی موعودؑ کا ظہور ۱۲۰۰ھ کے بعد واقع ہوگا اور کسی صورت میں ۱۳۰۰ھ سے تجاوز نہیں کریگا۔ پھر صفحہ ۳۹۵ پر لکھتا ہے۔ چوں ایں قرن کہ در شمار جمل از سنین ہجرت وے صلعم سیزدہم است نود سال گذشتہ و مہدی در عالم ظاہر نشدہ بخاطرے رسد کہ شاید بر سر صد چہاردہم ظہور وے اتفاق اُفتد۔ یعنی موجودہ صدی میں سے جو کہ ہجرت کی تیرھویں صدی ہے ۹۰ سال گذر چکے ہیں لیکن مہدی ابھی تک ظاہر نہیں ہوا اور خیال گذرتا ہے کہ شاید مہدی موعود چودھویں صدی کے سر پر ظاہر ہو۔ تم کلامہ

چونکہ مہدی موعودؑ اُمّت محمّدیہ کے لیئے ایک مجدّد تھا اس لیئے یہ عام اعتقاد تھا کہ مہدی صدی کے سر پر ظاہر ہوگا کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مجددین کے ظہور کے لیئے صدی کا سر ہی مقرر فرمایا ہے۔ اس لیئے مہدی موعودؑ ۱۳۰۰ھ یا اس کے قریب قریب سے پہلے ظاہر نہیں ہو سکتے تھے ۱۲۰۰ھ کے بعد آیات کا ظہور شروع ہونا تھا۔ اور ایک صدی میں ان آیات کی تکمیل ہو کر دوسری صدی یعنی ۱۳۰۰ ہجری کے سر پر مہدی کو ظاہر ہونا چاہیئے تھا۔ تیرھویں صدی آیات کی تکمیل کے لیئے تھی اور جب تک تیرھویں صدی اپنے خاتمہ کے قریب نہ پہنچتی مہدی ظاہر نہیں ہو سکتا تھا کیونکہ اُس کے لیئے ضروری تھا کہ وہ ایک صدی کے خاتمہ اور دوسری صدی کے آغاز میں ظاہر ہو۔ اس لیئے تیرھویں صدی کے خاتمہ سے پہلے پہل مہدی ظاہر نہیں ہو سکتا تھا۔ تیرھویں صدی علامات

صغریٰ کی تکمیل کے لئے تھی کیونکہ جیسا کہ اہل سنت کا مذہب ہے الآیات بعد المائتین کے یہی معنے ہیں کہ علامات ۱۲۰۰ہجری کے بعد ظاہر ہونے شروع ہو جائیں گے اور تیرھویں صدی کے خاتمہ پر زمانہ اس امر کے لئے تیار ہو چکا تھا کہ مہدی موعودؑ ظاہر ہو۔ اس لئے جب تیرھویں صدی خاتمہ پر پہنچ رہی تھی تو سب کی آنکھیں مہدی موعودؑ کی طرف لگ گئی تھیں۔ ہر ایک منبر سے عوام الناس کو یہ خوشخبری سنائی جاتی تھی کہ مہدی عنقریب ظاہر ہونے والا ہے اور ہر ایک دل مہدی موعودؑ کے دیکھنے کے لئے اپنے اندر ایک جوش پاتا تھا۔ پس مہدی موعودؑ اپنے وقت پر ظاہر ہوا۔ جب تیرھویں صدی میں علامات صغریٰ کی تکمیل ہو رہی تھی تو اسی صدی کے نصف میں مہدی موعود پیدا ہوئے۔ اور صدی کے آخری نصف میں آپ سن بلوغ کو پہنچے اور جب صدی خاتمہ پر آ رہی تھی تو مہدی موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام ظاہر ہوئے۔ اور چودھویں صدی کے پہلے ربع میں وہ سارے وعدے پورے ہوئے جو مہدی موعودؑ کے متعلق دیئے گئے تھے۔

جائے ظہور مہدی

اس امر کے ثابت کرنے کے بعد کہ مہدی موعودؑ عین اپنے وقت پر ظاہر ہوئے میں اب مہدی کے مولد و جائے ظہور کے سوال کی طرف ناظرین کی توجہ کو پھیرنا چاہتا ہوں میں اس مضمون کے پہلے حصہ میں دکھا آیا ہوں کہ روایات میں سخت اختلاف ہے کہ مہدیؑ کہاں ظاہر ہوگا۔ مہدیؑ کے ظہور کے لئے مختلف مقامات بیان کیے گئے ہیں احمد علیہ الصلوٰۃ والسلام ایک مشرقی ملک میں ایک گاؤں میں پیدا ہوئے جس کا نام قادیان ہے۔ اب ہمیں یہ دیکھنا چاہیئے کہ آیا احادیث میں اس امر کے متعلق کوئی شہادت موجود ہے یا نہیں۔ مگر پیشتر اس کے کہ میں اس شہادت کو پیش کروں یہ دیکھنا ضروری ہے کہ جو مختلف مقامات

مھدی کے ظہور کے لیئے بیان کیئے گئے ہیں اُن میں سے وہ کون مقام ہی جہاں
یہ عام طور یقین کیا جاتا تھا کہ مھدی ظاہر ہوگا۔ اور کس مقام کو دوسرے مقام
پر ترجیح دیجاتی تھی۔۔ میرے خیال میں اس کے متعلق صدیق حسن کا بیان
کافی ہوگا جو مَیں ذیل میں درج کرتا ہوں۔ حجج الکرامہ صفحہ ۳۵۸ پر پہلے وہ اُن
مختلف مقامات کا ذکر کرتا ہے جہاں مھدی موعودؑ کا ظاہر ہونا بیان کیا گیا ہی
اور اخیر میں لکھتا ہے۔ گویم ابوداؤد از ام سلمہ درحدیث طویل آوردہ کہ
فرمود آنحضرت صلعم یکون اختلاف عند موت خلیفۃ فیخرج رجل
من اھل المدینۃ ھاربا الی مکۃ الحدیث۔ مراد بایں رجل مھدی است
وحدیث دال است برآنکہ برآمدن او ہم از مدینہ باشد چنانکہ تولدش اینجا بود
پس مصیر بسوئے مضمون ایں حدیث واجب است وباقی اقوال ساقط و
ظہورش بالاتفاق در مکّہ مکرمہ باشد۔ یعنی مَیں کہتا ہوں کہ ابوداؤد ام سلمہ
سے ایک لمبی حدیث بیان کرتا ہے اور اُس حدیث میں آنحضرت صلی اللہ
علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ ایک خلیفہ کی وفات پر اختلاف ہوگا۔ اُسوقت ایک
رجل یعنی شخص مدینہ سے نکلکر مکّہ کی طرف بھاگ کر جائیگا۔ رجل سے مراد
مھدی ہے اور اس حدیث سے ثابت ہوتا ہے کہ مھدی مدینہ ہی میں پیدا ہوگا
اور مدینہ ہی سے نکلیگا۔ پس ہم پر واجب ہے کہ ہم اس حدیث پر انحصار کریں
اور اس حدیث سے باقی سارے اقوال ساقط ہوجاتے ہیں اور یہ مسلمانوں کا
متفق علیہ عقیدہ ہے (جیساکہ اس حدیث سے ظاہر ہوتا ہے) کہ مھدی مکہ
میں ظاہر ہوگا۔ تم کلامہ۔

اِس حدیث کو اگر درست بھی مان لیا جاوے تو اس سے ہرگز یہ ثابت
نہیں ہوتا کہ مھدی مدینہ میں پیدا ہوگا اور مکّہ میں ظاہر ہوگا۔ اس حدیث میں

صرف ایک رجل کا ذکر ہے اور اس کا کوئی قطعی ثبوت ہمارے پاس نہیں کہ یہاں رجل سے مراد مہدی موعود ہی ہے۔ ایک اور لحاظ سے بھی یہ حدیث ہمیں اجازت نہیں دیتی کہ ہم اس کی بنا پر یہ یقین کر لیں کہ مہدی موعودؑ مدینہ منورہ میں پیدا ہو کر مکہ معظمہ میں ظاہر ہوگا۔ پہلے میں اس حدیث کو مفصل نقل کرتا ہوں اور پھر دکھاتا ہوں کہ یہ کسقدر غلطی ہے کہ اس حدیث پر انحصار کیا جاوے اور اسی کی بنا پر یہ یقین کر لیا جاوے کہ مہدی موعودؑ کا مولد مدینہ منورہ ہے اور جائے ظہور مکہ معظمہ ہے۔ اصل الفاظ حدیث کے حسب ذیل ہیں۔ عن ام سلمة زوج النبي صلے الله علیه وسلم قال یکون اختلاف عند موت خلیفة فیخرج رجل من اهل المدینة هاربا الی مكة فیاتیه ناس من مكة فیخرجونه وهو كاره فیبایعونه بین الركن والمقام ویبعث الیه بعث من الشام فیخسف بهم بالبیداء بین مكة والمدینة فاذا رای الناس ذلك اتاه ابدال الشام وعصایب اهل العراق فیبایعونه بین الركن والمقام ثم ینشأ رجل من قریش اخواله كلب فیبعث الیهم بعثاً فیظهرون علیهم وذلك بعث كلب۔ والخیبة لمن لم یشهد غنیمة كلب فیقسم المال ویعمل فی الناس بسنة نبیهم صلے الله علیه وسلم الحدیث۔ یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ایک خلیفہ کی وفات پر اختلاف ہوگا۔ اُسوقت اہل مدینہ میں سے ایک شخص نکلیگا اور بھاگ کر مکہ جائے گا۔ پھر مکہ والے اُس کے پاس آئیں گے اور اُس کی مرضی کے برخلاف اُس کو مکہ سے نکالکر رکن و مقام کے درمیان اُس سے بیعت کریں گے۔ پھر اُسکے برخلاف شام سے ایک لشکر بھیجا جائے گا جو جنگل میں دھس جائے گا یعنی بالکل تباہ ہو جائے گا۔ جب لوگ اس بات کو دیکھیں گے تو شام سے اور عراق سے

پاک لوگ اس کے پاس آکر اس کے ہاتھ پر بیعت کریں گے۔ پھر قریش میں سے ایک شخص پیدا ہوگا جس کے ماموں قبیلہ کلب میں سے ہونگے۔ اور وہ ایک لشکر بھیجیگا مگر وہ لشکر مغلوب ہوجائے گا اور یہ لڑائی کلب کی لڑائی کہلائے گی اور افسوس اسپر جو کلب کی لوٹ پر حاضر نہ ہو۔ وہ شخص غنیمت کے مال کو لوگوں میں تقسیم کریگا۔ اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی سنّت پر چلیگا الخ۔

جو قصہ اس حدیث میں بیان کیا گیا ہے وہ عبداللہ بن زبیر کے قصہ سے بالکل ملتا ہے اس لیے اگر اس حدیث کو صحیح اور درست مانا جائے تو یہ حدیث عبداللہ بن زبیر کے حق میں پوری ہوگئی پس یہ حدیث ایک گذشتہ واقعہ کے متعلق ہے۔ اور اب یہ انتظار کرنا غلطی ہے کہ یہ حدیث کسی آئندہ زمانہ میں پوری ہوگی۔

عبداللہ بن زبیر اُن لوگوں میں سے تھا جنہوں نے معاویہ کی وفات کے بعد یزید کی بیعت سے انکار کیا اور مدینہ سے بھاگ کر مکّہ معظمہ میں آکر پناہ گزین ہوا۔ بعد ازاں اُنکو بعض مسلمانوں نے خلیفہ تسلیم کیا اور مکّہ والوں نے اُنکے ہاتھ پر بیعت کی۔ بنو اُمیہ کا لشکر جو تعداد میں دو ہزار تھا عبداللہ بن زبیر پر حملہ کرنے کے لیئے شام سے روانہ ہوا۔ اس لشکر کا سردار یزید کا بھائی عمر نامی تھا عبداللہ بن زبیر نے ایک فوج جمع کی اور عبداللہ بن صفوان کو فوج کا سردار مقرر کیا۔ عبداللہ بن صفوان نے بنو اُمیہ کی فوج کو شکست فاش دی۔ یزید کا بھائی قید ہوکر قتل کیا گیا۔ اس کے بعد اہل مدینہ نے یزید کے برخلاف بغاوت کی۔ یزید نے مدینہ پر شام سے ایک لشکر بھیجا جس میں دس سے بارہ ہزار تک آدمی تھے اور مسلم بن عقبہ کو اس لشکر کا سردار مقرر کیا۔ مسلم بن عقبہ نے مدینہ کو فتح کیا اور لوٹا اور اُس کے بعد مکّہ کی طرف روانہ ہوا لیکن رستہ میں مرگیا۔ اور اُسکی

جگہ حسین بن نعمان سردار لشکر مقرر ہوا - یہ شام کا لشکر مکہ معظمہ کا محاصرہ کر رہا تھا کہ یزید کے مرنے کی خبر پہنچی اور لشکر محاصرہ چھوڑ کر واپس دمشق کی طرف روانہ ہوا - یزید کے بعد معاویہ بن یزید تخت پر بیٹھا مگر چالیس دن کے بعد وہ بھی مرگیا - اس کے بعد مروان کو خلافت کے لیئے منتخب کیا گیا اس شرط پر کہ وہ یزید کی بیوہ سے جو یمن کے قبیلہ کلب کی ایک عورت تھی شادی کرلے - اور اس عورت کے بیٹے خالد کو اپنا جانشین مقرر کرے - بعض لوگ خصوصاً قبیلہ قیس کے لوگ اس لیئے ناراض تھے کہ معاویہ اور یزید نے یمن کے قبیلہ کلب کی عورتوں سے شادی کی تھی - اس لیئے انہوں نے خالد کو جانشین قبول کرنے سے انکار کیا کیونکہ وہ کلبی عورت کا بیٹا تھا اور عبد اللہ بن زبیر کے طرفدار ہو گئے اور ضحاک بن قیس کے ماتحت جو دمشق کا گورنر تھا بغاوت پر اُٹھ کھڑے ہوئے - مروان نے قبیلہ کلب کی مدد سے قبیلہ قیس کی فوج کو شکست دی اور اپنے بیٹے عبد الملک کو اپنا جانشین مقرر کیا - مروان کی وفات کے بعد عبد الملک شام اور مصر میں خلیفہ تسلیم کیا گیا اور ابن زبیر عرب و عراق کا مالک رہا عبد الملک نے عراق بھی فتح کر لیا اور اب صرف عبد اللہ بن زبیر کے پاس عرب کا ملک ہی باقی رہ گیا - ۷۲ھ ہجری میں عبد الملک نے حجاج بن یوسف کے ماتحت ایک لشکر بھیجا جس نے شہر مکہ کا محاصرہ کر لیا جو عبد اللہ بن زبیر کا دار الخلافہ تھا - یہ محاصرہ کئی مہینوں تک جاری رہا - آخر عبد اللہ بن زبیر کے طرفدار بھوک سے تنگ آکر شہر سے نکل آئے اور اپنے ہتھیار ڈالدیئے - اُسوقت عبد اللہ بن زبیر اپنی ماں اسمار کے پاس گئے جن کی عمر اسوقت ۱۰۰ سال کی تھی ماں نے اُنکو کہا کہ بیٹا تلوار کو ہاتھ میں لے کر لڑتے ہوئے مرجاؤ عبد اللہ بن زبیر نے وہ رات کعبہ میں عبادت میں گذاری - صبح کے وقت کعبہ میں ہی فوج نے آپ پر حملہ

کیا اور عبداللہ بن زبیر اُن سے لڑتے ہوئے ۱۴۔ جمادی الاولی ۷۳ھ کو مر گئے۔

یہ ہے واقعہ عبداللہ بن زبیر کا اور ہمنے اسکو مفصل اس لیئے لکھا ہے تا ناظرین اس قصہ کا حدیث مندرجہ بالا کے مضمون کے ساتھ مقابلہ کرکے دیکھ لیں کہ حدیث کا مضمون کسطرح عبداللہ بن زبیر پر چسپاں ہوتا ہے۔ جیسا حدیث میں ہے ایک خلیفہ (معاویہ) کی وفات پر اختلاف ہوا۔ کئی لوگوں نے اُس کے بیٹے یزید کو خلیفہ تسلیم کرنے سے انکار کیا۔ عبداللہ بن زبیر بھی اُنہی میں شامل تھے۔ وہ مدینہ سے بھاگ کر مکہ معظمہ میں آئے مکہ والوں نے اُنکو خلیفہ تسلیم کرکے انکے ہاتھ پر بیعت کی۔ عبداللہ بن زبیرؓ کے برخلاف شام سے ایک لشکر آیا مگر شکست فاش کھائی جیسا کہ حدیث مذکورہ بالا میں ہے۔ بعض لوگ شبہ کرتے ہیں کہ اس موقعہ پر عبداللہ بن زبیر کے طرفداروں نے اس حدیث کو اپنی طرف سے گھڑا اور یہ کہکر لوگوں کو عبداللہ بن زبیر کے ساتھ ملنے کی ترغیب دی کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا کہ شام اور عراق کے پاک لوگ اُس کے پاس آئیں گے اور افسوس اُن لوگوں پر جو کلب کی لوٹ میں شامل نہ ہوں۔ جیسا اس روایت میں ہے عراق کے لوگوں نے عبداللہ بن زبیر کو خلیفہ تسلیم کیا اور نیز دمشق (ملک شام) کے گورنر ضحاک بن قیس نے بنو اُمیہ سے منحرف ہوکر عبداللہ بن زبیر کی طرفداری اختیار کی۔ پھر جیسا حدیث مذکورہ بالا میں ہے یزید کے ماموں جس نے عبداللہ بن زبیر کے برخلاف لشکر بھیجا تھا قبیلہ کلب میں سے تھے اور ایسا ہی اُس کے بیٹے خالد کے ماموں بھی قبیلہ کلب میں سے تھے کیونکہ معاویہ اور یزید نے قبیلہ کلب کی عورتوں کو بیاہا تھا اور بنو کلب بنو اُمیہ کے طرفدار ہوکر اُنکی لڑائیاں لڑتے تھے اسی واسطے حدیث

مذکورہ بالا میں قبیلہ کلب پر بڑا زور دیا گیا ہے۔ غرض اس حدیث کا جب عبداللہ بن زبیر کے قصہ سے مقابلہ کیا جاوے تو صاف معلوم ہوتا ہے کہ یہ حدیث عبداللہ بن زبیر کے متعلق ہے۔ بعض نے اس مشابہت کو دیکھکر یہ شبہ بھی کیا ہے کہ عبداللہ بن زبیر کے حامیوں نے اس کی تائید کے لیئے اور لوگوں کو ترغیب دینے کے لیئے کہ وہ عبداللہ بن زبیر کے ساتھ شامل ہوں اس حدیث کو وضع کر کے شائع کیا تھا۔ مگر ہمیں اس بحث میں پڑنے کی کوئی ضرورت نہیں میری غرض صرف یہ ثابت کرنا ہے کہ یہ حدیث ایک گذشتہ واقعہ کے متعلق ہے جو عبداللہ بن زبیر سے تعلق رکھتا ہے اور اُسکی بنا پر یہ کہنا کہ مہدی موعودؑ مدینہ میں پیدا ہو کر مکہ میں ظاہر ہوگا ایک صریح غلطی ہے۔ نہ صرف یہ بات ہے کہ اس حدیث میں مہدی کا نام نہیں بلکہ یہ حدیث صاف طور پر عبداللہ بن زبیر پر چسپاں ہوتی ہے۔ اور اسکو مہدی موعودؑ پر لگانا سخت غلطی ہے۔ اور میں صدیق حسن خاں کا حوالہ دیکر دکھا آیا ہوں کہ زیادہ تر اسی حدیث پر انحصار کر کے یہ کہا جاتا ہے کہ مہدی موعودؑ مدینہ میں پیدا ہو کر مکہ میں ظاہر ہوگا۔ معلوم ہوتا ہے کہ چونکہ مدینہ منورہ و مکہ معظمہ سب سے زیادہ مقدس مقام ہیں اس لیئے مسلمانوں کی طبیعتیں انکی طرف جھک گئیں اور جب روایات میں انہوں نے ان مقامات کے متعلق ذرہ بھی ذکر پایا تو فوراً اُن روایات سے تمسک کیا اور جیسا اُن کی طبیعتیں پہلے اسی طرف مائل تھیں اُنھوں نے جلدی سے یہ یقین کر لیا کہ مہدی موعودؑ مدینہ منورہ اور مکہ معظمہ میں ظاہر ہوگا اور دوسری روایات کو نظر انداز کر دیا۔ ورنہ انکے ہاتھ میں اس بات کے یقین کرنیکا کوئی قطعی ثبوت نہیں تھا کہ مہدی موعودؑ مکہ و مدینہ میں ظاہر ہوگا۔ ان دونوں مقاموں کی قدسیت نے انکے اس اعتقاد کو پختہ کیا۔ برخلاف اس کے اگر احادیث پر غور

کیا جائے تو یقینی طور پر ثابت ہوتا ہے کہ مہدی موعودؑ کا مقام ظہور مشرق تھا۔
چنانچہ میں اُن دلائل کو جن سے مشرق مہدیؑ کے ظہور کا مقام ثابت ہوتا ہے۔
ذیل میں درج کرتا ہوں۔

اوّل۔ ابونعیم و ابن عساکر عبداللہ بن عمر سے روایت کرتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یخرج رجل من ولد حسن بن علی من قبل المشرق لو استقبل به الجبال یهدها و یتخذ فیها طرقا یعنی حسن بن علی کی نسل سے ایک شخص مشرق کی طرف سے نکلیگا جو اسقدر عالی ہمت ہوگا کہ اگر پہاڑ بھی اُس کے سامنے آجائیں تو اُن کو گرا کر انہیں سے راستہ بنالیگا۔ اس حدیث کے متعلق یقین کیا جاتا ہے کہ یہ مہدی موعودؑ کے متعلق ہے اور اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ مہدیؑ مشرق میں ظاہر ہوگا۔ اس حدیث پر یہ اعتراض ہوسکتا ہے کہ چونکہ یہ حدیث مہدی موعودؑ کو حسن بن علی رضی اللہ عنہما کی اولاد سے قرار دیتی ہے اسلیئے اس کے متعلق گمان ہوسکتا ہے کہ یہ کسی ہوا خواہ خاندان حسنؓ کی دست برد اپنے اندر رکھتی ہو اس لیئے یہ اعتبار کے لائق نہیں اور اس سے کوئی استدلال نہیں ہوسکتا۔ اس اعتراض کا جواب یہ ہے کہ اگر اس حدیث کو موضوع بھی مان لیا جائے پھر بھی ہم اس حدیث کو بطور شہادت کے پیش کرسکتے ہیں کہ مہدیؑ مشرق میں ظاہر ہوگا۔ موضوع احادیث سے بھی بہت کچھ فائدہ اُٹھایا جاسکتا ہے۔ اس بات کے سمجھنے کے لیئے یہ دیکھنا چاہیئے کہ اگر احادیث وضع کی گئی تھیں تو کس غرض کے لیئے وضع کی گئی تھیں اور اگر احادیث میں دست برد کی گئی تھی تو کس غرض کے لیئے ایسا کیا گیا۔ اگر طرفداران خاندان حسنؓ یا حسینؓ یا عباسؓ وغیرہم نے کوئی حدیث وضع کی تھی یا کسی حدیث میں کمی بیشی کی تھی۔ تو اس لیئے کی تھی کہ مہدیؑ کو اپنی

طرف منسوب کریں اور لوگوں کو یہ یقین دلائیں کہ مہدی موعودؑ ہمارے خاندان میں سے ہوگا۔ اس لیئے اگرچہ مہدیؑ کو کسی خاص خاندان کی طرف منسوب کیا جاتا تھا مگر عام طور پر مہدی کی طرف وہی صفات منسوب کیئے جاتے تھے جو حقیقی مہدی کے اوصاف تھے۔ یعنی جہانتک ممکن ہوتا تھا اپنے فرضی مہدی کو حقیقی مہدی کا لباس پہنایا جاتا تھا۔ اگرچہ اُس کی طرف ایسے امور بھی منسوب کیئے جاتے ہوں جو اُنکی اغراض کے لیئے مفید ہوں مگر عام طور پر سچے مہدی کے متعلق جو جو باتیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان فرمائی تھیں وہ بھی اس کی طرف منسوب کی جاتی تھیں۔ اسطرح ہم ان روایات کے اس حصّہ کو چھوڑ سکتے ہیں جسمیں مہدی کسی خاص خاندان کی طرف منسوب کیا گیا ہے مگر اس کے یہ معنے نہیں کہ جو کچھ ان روایات میں مہدی کی نسبت بیان کیا گیا ہے وہ سراسر جھوٹ اور بے بنیاد ہے۔ چنانچہ جن احادیث میں مہدی کو مختلف خاندانوں کی طرف منسوب کیا گیا ہے اُنمیں بہت سی ایسی باتیں بھی ہیں جو مشترک ہیں۔ اور یہ مشترک حصّہ صحیح سمجھا جا سکتا ہے مثلاً اگرچہ احادیث میں مہدی موعود کی نسب کے متعلق اختلاف ہے مگر سب احادیث اس بات پر متفق ہیں کہ مہدی زمین کو عدل و انصاف سے بھر دیگا بعد اسکے کہ وہ ظلم وجود سے بھر چکی ہوگی پس یہ بالکل قرین قیاس ہے کہ احادیث کا یہ حصّہ صحیح ہو۔ اسی طرح حدیث زیر بحث میں ہم اُس حصّہ کو رد کر سکتے ہیں جس میں لکھا ہے کہ مہدی حسن کی اولاد سے ہوگا مگر ہمیں کوئی چیز اس بات سے روک نہیں سکتی کہ ہم حدیث کے دوسرے حصّہ سے فائدہ اُٹھائیں جسمیں لکھا ہے کہ مہدی مشرق میں ظاہر ہوگا۔ کیونکہ کوئی وجہ بظاہر معلوم نہیں ہوتی کہ یہ حصّہ بھی جعلی ہو۔ حسن کی اولاد کہنے میں تو بعض کا فائدہ تھا مگر مہدی کے مشرق سے ظاہر ہونے میں کسی فریق کا فائدہ نہیں تھا۔ اس لیئے یہ حصّہ کسی خودغرضی

کی طرف منسوب نہیں ہوسکتا۔ اگر اس حدیث کو بالکل موضوع بھی مان لیا جاوے یا یہ سمجھا جاوے کہ اس میں کمی بیشی کی گئی ہے مگر اس حدیث سے یہ ضرور ثابت ہوتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ فرمایا تھا کہ مہدی مشرق میں ظاہر ہوگا۔ اسی وجہ سے حدیث کے بیان کرنیوالے یا حدیث کے بنانیوالے نے یہ کہا کہ مہدی مشرق میں ظاہر ہوگا۔ ورنہ مشرق کے ذکر کرنے میں راوی کی کوئی ذاتی غرض معلوم نہیں ہوتی۔ ابتدائے اسلام میں مشرق میں ابھی کفر تھا اور اگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے خود مشرق کا پتہ نہ دیا ہوتا تو راوی کو یہ کبھی نہ سوجھتا کہ مہدی کے ظہور کے لیئے مشرق کا ملک تجویز کرے۔ اس حدیث میں بے شک مہدی کا نام صریح طور پر نہیں آیا مگر اس حدیث کی نسبت یقین کیا جاتا ہے کہ مہدی ہی کے متعلق ہے کیونکہ مہدی ہی کی نسبت یہ دعویٰ کیا جاتا ہے کہ وہ حسن کی اولاد میں سے ہوگا۔

دوم۔ مہدی موعودؑ کے مشرق سے ظاہر ہونیکے متعلق صرف ایک ہی حدیث نہیں بلکہ اور احادیث بھی ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ مہدی موعودؑ مشرق میں ظاہر ہوگا اور ان احادیث میں مہدی کا نام بالصراحت مذکور ہے اور اُن میں کسی خاص فرقہ یا خاندان کی طرفداری بھی نہیں پائی جاتی۔ ابن ماجہ میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یخرج ناس من المشرق یوطئون للمہدی یعنی سلطانہ یعنی مشرق سے آدمی نکلیں گے جو مہدی کی تائید کریں گے اور اُس کے سلطان کو زمین میں قائم کرینگے۔ اس حدیث سے پایا جاتا ہے کہ مہدی کے معین و مددگار مشرقی لوگ ہونگے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ مہدی مشرق میں ظاہر ہوگا اور مشرقی لوگ اُس کی اعانت کا شرف حاصل کرینگے اور انکو مہدی کے معاونین بننے کا فخر حاصل ہوگا۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔

سوم۔ صدیق حسن خاں حجج الکرامہ کے صفحہ ۳۸۲ پر لکھتا ہے۔ وشادماں شوند

بوے عامہ مسلمانان بیشتر از خواص ایشان بیعت کنند اورا عارفان خدا از اہل حقائق بشہود وکشف وتعریف الٰہی ۔ اورا رجال الٰہیون باشند کہ اقامت کنند دعوت اورا ونصرت دہند وایشان وزرا او باشند کہ حمل اثقال مملکت نمایند واعانت کنند بر چیزے کہ انداختہ است خدا در گلوئے او وایں نہ نفر باشند بر اقدام رجال از صحابہ صدقوا ما عاھدوا اللہ علیہ ہمہ اعاجم باشند نیست در ایشاں عربی مگر کلام نکنند مگر در عربی ۔ یعنی عام لوگ اور غربا خواص اور اُمرا کی نسبت اُسکو (یعنی مہدی موعود کو) زیادہ خوشی سے قبول کریں گے۔ عارف لوگ خوابوں اور الہامات کی رہنمائی سے اُس کی بیعت کریں گے ۔ اُسکے ساتھ مقدس لوگ ہونگے جو اُس کی تائید اور نصرت کرینگے اور یہ لوگ بمنزلہ اُس کے وزرا اور مشیروں کے ہونگے اور جو کام مہدی کے سپرد ہوگا اُس کام میں وہ اُس کا ہاتھ بٹائیں گے ۔ یہ مشیر تعداد میں ۹ ہونگے جو صحابہؓ کے نقش قدم پر چلیں گے اور جو عہد وہ خدائے تعالیٰ سے کریں گے (یعنی بیعت کا عہد) اُسکو پورا کرینگے۔ یہ سب عجمی لوگ ہونگے ۔ اُنمیں سے ایک بھی عربی نہیں ہوگا مگر وہ عربی میں کلام کرینگے ۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ مہدی موعودؑ کے بڑے بڑے معاون اور مددگار جو بمنزلہ اُس کے وزرا کے ہوں گے سب کے سب عجمی ہونگے جو عربی جانتے ہونگے اور اُس میں کلام کرسکیں گے ۔ اس سے صاف پتہ لگتا ہے کہ مہدی موعودؑ عرب میں ظاہر نہیں ہوگا ۔ یہ بات کسطرح ماننے میں آسکتی ہے کہ مہدیؑ عرب میں ظاہر ہو اور اُس کے اہل وطن میں سے ایک شخص بھی اُس کے وزرا وخواص المعاونین میں شامل نہ ہو اور اُس کے سارے بڑے بڑے مددگار عجمی ہی ہوں اور اُسکی روحانی مملکت کے سنبھالنے والے سب غیر عرب ہوں ۔ جب اسکو دوسری حدیث کے ساتھ ملا کر دیکھا جاوے جس میں لکھا ہے کہ مشرقی لوگ مہدیؑ موعودؑ کی

مدد کریں گے توصاف معلوم ہوتا ہے کہ ان عجمی معاونین سے مراد مشرقی لوگ ہی ہیں۔
پھر انکے ساتھ تیسری حدیث ملاؤ جس میں لکھا ہے کہ مہدی مشرق میں ظاہر ہوگا
اور جسکو میں اوپر درج کر آیا ہوں تو صاف طور پر ثابت ہوتا ہے کہ مہدی موعود کا
مقام ظہور مشرق ہی ہے وہ روایت جس میں لکھا ہے کہ مہدی کے بڑے بڑے
معاونین سب عجمی ہونگے لفظ بلفظ حضرت احمد قادیانی علیہ الرحمۃ پر چسپاں ہوتی
ہے اور جو جو باتیں اس میں بیان کی گئیں وہ سب کی سب آپکے حق میں بیّن طور پر
پوری ہوئیں۔ اس کو پڑھو اور دیکھو کہ یہ آپ پر کیسی صفائی سے صادق آتی ہے۔
چہارم - ایک اور حدیث جس سے ثابت ہوتا ہے کہ مہدی موعود مشرق میں
ظاہر ہوگا وہ ہے جس میں اُس کا مقام ظہور ایک گاؤں کدعہ نامی بیان کیا گیا ہے۔
کتاب جواہر الاسرار میں جو ۸۴۰ھ ہجری المقدس میں لکھی گئی۔ لکھا ہے۔ در اربعین
آمدہ است کہ خروج مہدی از قریہ کدعہ باشد قال النبی صلے اللہ علیہ وسلم
یخرج المهدی من قریۃ یقال لها کدعه ویصدقه الله تعالے
ویجمع اصحابه من اقصی البلاد علی عدة اهل بدر بثلاث مائة
وثلثة عشرة رجلا ومعه صحیفة مختومة فیها عدد اصحابه
باسمائهم وبلادهم وخلالهم۔ یعنی اربعین میں بیان کیا گیا ہے کہ مہدی
ایک گاؤں کدعہ نامی میں ظاہر ہوگا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ
مہدی کدعہ نامی گاؤں سے نکلیگا۔ خدائے تعالیٰ اُس کی سچائی کی شہادت
دیگا۔ اور اُس کے اصحاب دُور دراز مقامات سے اُس کے پاس آئیں گے۔
اُن کی تعداد اصحاب بدر کی طرح ۳۱۳ ہوگی۔ اُسکے پاس ایک مطبوعہ کتاب
ہوگی جس میں اُس کے اصحاب کے نام بمعہ سکونت وغیرہ درج ہونگے۔ اس حدیث
میں مہدی کا مقام ظہور صاف طور پر بتا دیا گیا ہے۔ اگر کوئی شخص یہ اعتراض کرے

کہ کدعہ قادیان نہیں ہو سکتا کیونکہ یہ دونوں نام بالکل مطابق نہیں تو یہ ایک
بیہودہ اعتراض ہے۔ قادیان ایک عجمی نام ہے اور اہل عرب کی یہ عادت ہے
کہ وہ عجمی ناموں کو اصلی رنگ میں ادا نہیں کرتے بلکہ انہیں کچھ تغیر تبدل ضرور
کر لیتے ہیں لنڈن کو کوئی عرب لنڈن نہیں کہیگا بلکہ لُندرا کہیگا اسی طرح انگلینڈ کو
انجلترا کرکے بولیگا اور یہ عادت اہل عرب کے علاوہ اور ممالک کے لوگوں میں بھی
پائی جاتی ہے اور یہ کہنا لغو ہے کہ جسکو اہل ہند قادیان کرکے پکارتے ہیں وہ
ایک عرب کے باشندہ کی زبان پر کدعہ نہیں ہو سکتا اس کے علاوہ ممکن ہے کہ
جس طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس نام کو ادا کیا ہو راویوں کی زبان پر جاکر
اس لفظ میں کچھ تھوڑا بہت تغیر ہو گیا ہو۔ پھر بھی قادیان اور کدعہ کے بولنے
میں اس قدر مشابہت پائی جاتی ہے کہ ہم بغیر خوف تردید کے یہ دعویٰ کر سکتے
ہیں کہ کدعہ سے مراد قادیان ہی ہے۔ مہدی موعودؑ قادیان میں ظاہر ہوا اور
حدیث میں ہے کہ وہ کدعہ میں ظاہر ہوگا۔ اب ایک انصاف پسند آدمی کو اس بات
کے قبول کرنے میں ذرا تامل نہ ہوگا کہ کدعہ سے مراد قادیان ہی تھی نیز یہ بھی یاد رکھنا
چاہیئے کہ قادیان کا اصلی نام اسلام پور قاضی ماجھی تھا جس میں سے آخر قاضی رہ گیا
اب عوام الناس اسکو کادی کرکے پکارتے ہیں اور سرکاری کاغذوں میں کادیاں
یا قادیاں کرکے لکھا جاتا ہے۔ اور کادی کا لفظ جو عام طور پر قادیان کے رہنے والے اور
اردگرد کے لوگ استعمال کرتے ہیں وہ کدعہ سے بہت ہی ملتا ہے۔ غرض دونوں ناموں میں
مشابہت کافی ہے اور جو ذرا سا فرق بولنے میں پایا جاتا ہے وہ بہت خفیف ہے
اور ضروری تھا کہ اسقدر فرق ہو کیونکہ اوّل تو اہل عرب عجمی ناموں میں عموماً تغیر کر لیا کرتے
ہیں دوسرے راویوں کی زبان پر آکر اور تقریر سے تحریر میں جاکر ممکن ہے کہ اس میں کچھ تغیر ہو گیا
ہو۔ اب مہدی قادیان یا کدعہ میں آیا اور یہ کدعہ بھی مشرق میں ہے۔ اس سے بھی اس امر کی تائید

ٹریکٹ سپریز

چند روز ہوئے میں نے ایک تحریک میگزین کی توسیع اشاعت کے لیئے کی تھی۔ جسپر میں سمجھتا ہوں بہت کم احباب نے توجہ کی ہے۔ خدائے تعالیٰ ان چند احباب کو جزائے خیر دے جنہوں نے اپنے بیش قیمت وقت کو اور خداداد ہمت کو اس طرف لگایا اور میگزین کی اشاعت میں قریب پچاس کے انکی توجہ سے ترقی ہوئی ہاں ان میں خصوصیت سے قابل ذکر میر قاسم علی صاحب کا اسم گرامی ہے جنہوں نے گیارہ خریدار کل کے کل اس سلسلہ سے تعلق بیعت نہ رکھنے والے پیدا کیئے اور قیمتیں بھی پیشگی وصول کر کے بھیجدیں۔ اس وقت میرے سامنے ایک عیسائی مذہبی رسالہ دی ایسٹ اینڈ دی ویسٹ ہے اس میں ایک چھوٹا سا نوٹ ہے جسکا ذکر شاید بعض دلوں کے لیئے فائدہ کا موجب ہو۔ ایک دوسرے اخبار ڈیلی ٹیلیگراف نے ایک نوٹ میں یہ ذکر کیا تھا کہ دی ایسٹ اینڈ دی ویسٹ کے خریدار چار ملین یعنی چالیس لاکھ ہیں جسپر رسالہ مذکور لکھتا ہے کہ صاحب اخبار کو غلطی لگی ہے اور یہ بیان قبل از وقت ہے اور کہ اس رسالہ کی اشاعت ابھی دس لاکھ سے بھی کچھ کم ہے اور پھر لکھتا ہے کہ شاید اخبار نے غلطی سے اس رسالہ کا نام بجائے چرچ ابراڈ کے لکھدیا ہے (یہ دوسرا رسالہ بھی اسی سوسائٹی کی طرف سے جاری ہے) جسکی اشاعت پینتیس لاکھ ہے اور جو ماہوار نکلتا ہے۔ ایک ملک میں تو مذہبی رسالوں کی اشاعت کا یہ حال ہے اور ادھر ہم ہیں کہ دس ہزار تک رسالہ کے پہنچنے کے لیئے پانچ سال سے تحریک کر رہے ہیں مگر اسکے بھی بمشکل پانچویں حصہ تک پہنچے ہیں۔ اور ہمارے بعض دوست اسی اشاعت پر ایسے مطمئن ہیں کہ آگے بڑھنے کی

شاید خواہش بھی انکے دلوں میں پیدا نہ ہوتی ہو۔

اسوقت میری غرض اس ذکر سے اور ہے۔ ہمارا رسالہ دو اور تین سو کے درمیان مختلف مقامات پر جاتا ہے۔ اور اس کے بالمقابل ہزاروں رسالے ہیں جن میں سے اکثر لاکھوں کی تعداد میں شائع ہوتے ہیں۔ اور پھر ہزارہا سال کے دلوں میں جمے ہوئے عقائد جو فطرت کا جزو ہو گئے ہیں۔ اب ہمارے احباب غور فرما سکتے ہیں کہ اسقدر طاقتوں کے بالمقابل دو تین سو رسالہ سے کیا کام ہو سکتا ہے بیشک سچائی اپنے ساتھ ایک طاقت رکھتی ہے مگر اس سچائی کا کانوں تک پہنچانا بھی تو ضروری ہے۔ ابتدا میں ایسا ہی ہوتا ہے کہ ہزاروں بلکہ لاکھوں انسانوں میں سے کوئی ایک ایسا جری طالب حق نکلا کرتا ہے جو کسی بات کی پروا نہ کرکے سچائی کو قبول کرے۔ مگر اس رفتار کے ساتھ جس سے ہم اسوقت چل رہے ہیں لاکھوں انسانوں تک پہنچنا ایک امر محال ہو رہا ہے۔ اس ضرورت کو ہمارے ایک مکرم دوست نے جنہوں نے پہلے بھی اشاعت اسلام میں باقی سب دوستوں سے بڑھکر مالی اعانت کا حصہ لیا ہے محسوس کیا (مجھے افسوس ہے کہ وہ اپنے نام کے اظہار کی مجھے اجازت نہیں دیتے اور پہلے بھی اکثر دفعہ انہوں نے اپنا نام مخفی ہی رکھا ہے) اور حضرت صاحبؑ کی وفات کے بعد ہی اس امر کی تحریک کی کہ ریویو میں جو بڑے بڑے اور مسلسل مضامین نکل چکے ہیں انکو ٹریکٹوں یعنی چھوٹے چھوٹے رسالوں کی صورت میں ہزارہا کی تعداد میں شائع کرکے مفت تقسیم کیا جائے۔ مجھے چونکہ اکثر چندوں کی تحریک کرنی پڑتی ہے اور میں اس بارگراں کو خوب محسوس کرتا ہوں جو اس چھوٹی سی احمدی قوم نے اسوقت اٹھایا ہوا ہے (چھوٹی سی قوم میں اس لیئے کہتا ہوں کہ واقعی وہ لوگ جو اعانت سلسلہ میں حصہ لینے والے ہیں انکی تعداد چند ہزار سے زیادہ نہیں ہے)

معرفت چھپکر مفت شائع ہونا اپنے خرچ پر پسند کیا تھا مگر اُسوقت شاید بعض مشکلات آمدہ کی وجہ سے اس کار خیر میں انکو کچھ رکاوٹ پیدا ہوگئی تھی۔

اس تحریک میں میرا خطاب انجمنوں سے نہیں۔ بلکہ ہر ایک دوست سے الگ الگ ہے بالفاظ دیگر میرا یہ منشا نہیں کہ ہر جگہ انجمنیں اس کام کے لیئے چندہ کی فہرستیں کھولیں اگرچہ ایسا کرنے سے انکو روکنا بھی میرے وہم میں نہیں۔ مگر یہ بات مینے اس لیئے لکھی ہے کہ تا کسی دوست پر کوئی بوجھ نہ پڑے انشراح صدر سے جو کچھ کوئی چاہے اور جسقدر توفیق ہو دیدے۔ یہ کام سیکڑوں روپوں کا نہیں ہزاروں کا ہے۔ اسلیئے میں یہ بھی پسند کرتا ہوں کہ جو احباب دل میں خواہش رکھتے ہوں مگر سردست نہ دے سکتے ہوں وہ بشرطیکہ اخیر دسمبر تک یعنی جلسہ سالانہ کے موقعہ تک روپیہ دے سکتے ہوں اپنے ارادہ سے مطلع فرماویں اس تجویز میں صرف انگریزی ٹریکٹوں کا چھپوانا ہی مدنظر نہیں بلکہ کسیقدر اُردو ٹریکٹ بھی اس ملک میں اشاعت کے لیئے چھپوائے جائینگے۔ ٹھیک ٹھیک اندازہ اسبات کا کہ کون کونسے مضامین پر ٹریکٹ چھپوائے جائینگے اور کسقدر تعداد میں۔ اسوقت ہو سکتا ہے جب چندہ کی مقدار کی کچھ تعیین ہو جائے۔ البتہ عام اطلاع کے لیئے اسقدر لکھنا ضروری ہے کہ مندرجہ ذیل مضامین کی اشاعت اسوقت مدنظر ہے۔

۱۔ فلسفۂ اسلام یعنی تقریر جلسہ مذاہب۔ ۲۔ توحید اور تثلیث کا مقابلہ۔ ۳۔ فارقلیط۔ عصمت و شفاعت۔ تناسخ۔ قرآن کریم اور انجیل کی تعلیم اور دعاؤں کا مقابلہ۔ عیسائیت آریہ سماج اور اسلام کی تعلیم کا مقابلہ۔ اسلام کی برکات۔ برکات دعا۔ ضرورت وحی۔ کیا اصول اسلام حقیقی تہذیب کے موافق نہیں۔ پردہ۔ تعدد ازدواج۔ طلاق۔ غلامی۔ سود۔ قرآن کریم کی حفاظت۔ احادیث کی صحت۔ اسلام بجواب سیل صاحب۔ اسلامی اور مسیحی جنگوں کا مقابلہ۔ اسلامی بہشت اور دوزخ۔

میں اُمید کرتا ہوں کہ جو احباب اس میں حصہ لینا چاہتے ہیں اور جسقدر حصہ لینا چاہتے

معرفت چھپکر مفت شائع ہونا اپنے خرچ پر پسند کیا تھا مگر اُسوقت شاید بعض مشکلات آمدہ کی وجہ سے اس کار خیر میں انکو کچھ رکاوٹ پیدا ہو گئی تھی۔

اس تحریک میں میرا خطاب انجمنوں سے نہیں۔ بلکہ ہر ایک دوست سے الگ الگ ہے۔ بالفاظ دیگر میرا یہ منشا نہیں کہ ہر جگہ انجمنیں اس کام کے لیئے چندہ کی فہرستیں کھولیں اگرچہ ایسا کرنے سے انکو روکنا بھی میرے وہم میں نہیں۔ مگر یہ بات میں نے اس لیئے لکھی ہے کہ تا کسی دوست پر کوئی بوجھ نہ پڑے انشراح صدر سے جو کچھ کوئی چاہے اور جسقدر توفیق ہو دیدے۔ یہ کام سیکڑوں روپوں کا نہیں ہزاروں کا ہی۔ اسلیئے میں یہ بھی پسند کرتا ہوں کہ جو احباب دل میں خواہش رکھتے ہوں مگر سر دست نہ دے سکتے ہوں وہ بشرطیکہ آخیر دسمبر تک یعنی جلسہ سالانہ کے موقعہ تک روپیہ دے سکتے ہوں اپنے ارادہ سے مطلع فرماویں اس تجویز میں صرف انگریزی ٹریکٹوں کا چھپوانا ہی مدنظر نہیں بلکہ کسیقدر اُردو ٹریکٹ بھی اس ملک میں اشاعت کے لیئے چھپوائے جائینگے۔ ٹھیک ٹھیک اندازہ اسبات کا کہ کون کونسے مضامین پر ٹریکٹ چھپوائے جائینگے اور کسقدر تعداد میں۔ اسوقت ہو سکتا ہی جبکہ چندہ کی مقدار کی کچھ تعیین ہو جائے۔ البتہ عام اطلاع کے لیئے اسقدر لکھنا ضروری ہے کہ مندرجہ ذیل مضامین کی اشاعت اسوقت مدنظر ہے۔

۱۔ فلسفۂ اسلام یعنی تقریر جلسہ مذاہب۔ ۲ توحید اور تثلیث کا مقابلہ۔ ۳۔ فارقلیطہ۔ عصمت و شفاعت۔ تناسخ۔ قرآن کریم اور انجیل کی تعلیم اور دعاؤں کا مقابلہ۔ عیسائیت آریہ سماج اور اسلام کی تعلیم کا مقابلہ۔ اسلام کی برکات۔ برکات دعا۔ ضرورت وحی۔ کیا اصول اسلام حقیقی تہذیب کے موافق نہیں۔ پردہ۔ تعدد ازواج۔ طلاق۔ غلامی۔ سود۔ قرآن کریم کی حفاظت۔ احادیث کی صحت۔ اسلام بجواب سیل صاحب۔ اسلامی اور مسیحی جنگوں کا مقابلہ۔ اسلامی بہشت اور دوزخ۔

مَیں اُمید کرتا ہوں کہ جو احباب اس میں حصہ لینا چاہتے ہیں اور جسقدر حصہ لینا چاہتے

ریویو

معیار الصادقین:- قاضی محمد ظہور الدین اکمل آف گولیکی کی تصنیف ہے۔ اس کتاب میں جیسا کہ اسکے نام سے ظاہر ہے وہ معیار بیان کیئے گئے ہیں جن سے صادق اور کاذب میں فرق ہو سکتا ہے اور ضمناً آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت مسیح موعود کی صداقت کو ثابت کیا ہے۔ اکثر لوگ جو صادقوں کی شناخت سے محروم رہ جاتے ہیں اسکی وجہ یہی ہوتی ہے کہ وہ ان معیاروں پر کبھی غور نہیں کرتے جو اللہ تعالیٰ نے سچے اور جھوٹے کے درمیان رکھے ہیں۔ احقاق حق اور ابطال باطل کے لیئے ان اصول کا جاننا نہایت ضروری ہے جو معیار الصادقین میں بیان کیئے گئے ہیں۔ امید ہے کہ احمدی جماعت کے لوگ اور عام مسلمان جو سلسلہ حقہ سے واقفیت حاصل کرنا چاہتے ہیں اس کتاب سے بہت فائدہ اٹھائیں گے۔ طرز بیان نہایت معقول اور مدلل اور ساتھ ہی مختصر ہے۔ ۹۶ صفحے قیمت ۲؍ بدر پریس قادیان سے مل سکتی ہے۔

برہمو سماج کی طرف سے تین چھوٹے چھوٹے رسالے ریویو کے لیئے پہنچے ہیں ملک ہند کیلیئے ایک عظیم مسئلہ جسمیں بدلائل یہ ثابت کیا گیا ہے کہ بعض پرجوش ہندو صاحبان جو قدیم ہند کی تہذیب کا مبالغہ کر کے اس طرف جھک گئے ہیں کہ اب اس ملک میں پرانے رسم ورواج اور پرانے زمانے کی تہذیب قائم ہونی چاہیئے غلطی پر ہیں قیمت ۱ر
پرکال تنت - جس میں حیات بعد الموت کے متعلق برہمو سماج کے خیالات کا اظہار ہے قیمت ۱ر
تزئین الاخلاق - ایک انگریزی کتاب کا ترجمہ ہے جسمیں یہ بتایا گیا ہے کہ کس طرح انسان اپنے خیالات پر قابو پاکر اعلیٰ اخلاق حاصل کر سکتا ہے۔ قیمت ۲ر

ضیاء الاسلام مراد آباد میں منجملہ اور مفید مضامین کے ایک مضمون جہاد پر بھی ہے یہ وہی مضمون ہے جو حضرت مرزا صاحب نے رسالہ جہاد میں لکھا تھا۔ مگر فاضل اڈیٹر نے صرف "ایک نامور خادم اسلام" کے الفاظ پر قناعت کر کے اصل نام کو مخفی رکھا ہے۔ ہماری رائے میں ہمارے اڈیٹروں کو اپنے ناظرین کا [illegible] سے اسقدر تعصب [illegible] نہ چاہیئے کہ ایک امر حق کو محض اس وجہ سے مخفی رکھا جاوے۔ مگر یہ بھی غنیمت ہے [illegible] رسالہ میں [illegible] مضمون میں حضرت مرزا صاحب کو سخت ترین دشمن اسلام قرار دیا گیا تھا۔

آؤ لوگو کہ یہیں نورِ خدا پاؤ گے لو تمھیں طور تسلی کا بتایا ہم نے

ریویو آف ریلیجنز

یعنے

دنیا کے مذاہب پر نظر

جلد ۷ بابت ماہ نومبر ۱۹۰۸ء نمبر ۱۱

فہرست مضامین

قادیان ضلع گورداسپور سے ۳۰۔ نومبر ۱۹۰۸ء کو صدر انجمن احمدیہ کے اہتمام سے شائع ہوا۔ چندہ سالانہ عہ طلبا سے عہ

ضروری اطلاع

(۱) **لنگر خانہ** :- سکرٹری صاحب صدر انجمن احمدیہ نے ایک چٹھی لنگر خانہ کے متعلق رسالہ میں شائع کرنیکو لیئے بھیجی تھی جو رسالہ کے پورا ہونیکے بعد پہنچی - اس چٹھی میں وہ تمام احمدی انجمنوں اور احمدی احباب کو لنگر خانہ کی طرف توجہ دلاتے ہیں جس کی آمدنی گذشتہ ماہ میں بہت کم ہو گئی ہے لنگر خانہ کا قیام جس طرح حضرت اقدس کے وقت میں ضروری تھا تاکہ لوگ یہاں رہ کر دین سیکھیں اب بھی اسکی ویسی ہی ضرورت ہے - اور اسکے چندہ کو حضرت صاحب نے جملہ مریدین کیلئے لازمی قرار دیا تھا - یہ چندہ ماہ بماہ پہنچتا رہنا چاہیئے تاکہ اسکے اخراجات میں حرج واقع نہ ہو قحط اور بیماریوں نے بلاشبہ بہتوں کو تنگ دست کر دیا ہے مگر صدقات سے رد بلا ہوتی ہے - اور یہ چندہ بھی صدقات میں داخل ہیں کیونکہ انسے علاوہ مہمانوں کے اور اہل بیت کے محتاجوں کی خبر گیری بھی ہوتی ہے -

(۲) **بدر** :- اخویم مفتی محمد صادق صاحب ایڈیٹر بدر اطلاع دیتے ہیں کہ اخبار بدر کی قیمت آئندہ سال سے بجائے للعہ کے ؏ کر دیگئی ہے تاکہ کم آمدنی والے احباب بھی اسے خرید سکیں - اخبار کے ساتھ تفسیر القرآن جس میں حضرت مولوی صاحب کے نوٹ ہونگے الگ بطور ضمیمہ شائع ہوگی اور دونوں کا چندہ للعہ سالانہ ہوگا چھ ماہ کیلئے نصف قیمت مگر اس سے کم مدت کے لیئے اخبار جاری نہ ہوگا -

(۳) حیدر آباد دکن کے طوفان کی تباہی میں اللہ تعالیٰ نے اس کشتی نوح میں بیٹھنے والوں کو کل کو محفوظ رکھا - فالحمد للہ علیٰ ذالک - مفصل پھر -

---

بسم اللہ الرحمن الرحیم

نحمدہ و نصلی علےٰ رسولہ الکریم

مہدی آخر زمان

پیشگوئی کا پورا ہونا

مقام ظہور مہدی

سلسلہ کے لیئے ملاحظہ ہو ریویو آف ریلیجنز ماہ اکتوبر ۱۹۰۸ء

پنجم۔ ایک روایت میں مہدی کا مقام ظہور قریۂ کریمہ یعنی ایک پاک گاؤں بیان کیا گیا ہے ملاحظہ ہو حدیث الغاشیہ صفحہ ۳۴۹۔ اس روایت سے بھی ثابت ہوتا ہے کہ مہدی کا مقام ظہور مکہ یا مدینہ نہ تھا۔ کیونکہ اگر مہدی نے مکہ یا مدینہ میں ظاہر ہونا تھا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم غیر معین طور پر یہ نہ فرماتے کہ مہدی قریۂ کریمہ یعنی ایک پاک گاؤں میں پیدا ہو گا۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ مہدی کا مقام ظہور مکہ یا مدینہ نہ تھا بلکہ کوئی اور گاؤں تھا جس نے مہدی کا مولد و جائے ظہور ہونیکا شرف حاصل کر کے قریۂ کریمہ کا خطاب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے حاصل کیا۔ یہ روایت اس دوسری حدیث کی تائید کرتی ہے جس میں لکھا ہے

کہ مہدی ایک گاؤں کدعہ نامی میں ظاہر ہوگا۔
علماء ہمیں یہ سنایا کرتے تھے کہ کدعہ یمن میں ایک بستی ہے۔ ممکن ہے کہ ابتدائے اسلام میں اس نام کا کوئی گاؤں ملک یمن میں ہو اور یہ بھی ممکن ہے کہ راویوں نے اُس گاؤں پہ اس نام کو چھپانے کے لیئے اس میں کچھ تغیر و تبدل کر کے اسکو کدعہ کی شکل میں ڈھال دیا ہو مگر خدا نے نہ چاہا کہ اس نام کا کوئی گاؤں ملک یمن میں رہنے دے تا مہدی کے ظہور کے وقت اشتباہ واقعہ نہ ہو اور کوئی یہ نہ کہے کہ کدعہ سے مراد قادیان نہیں ہے بلکہ فلاں گاؤں ہے جو ایک فلاں ملک میں واقع ہے اس لیئے خدائے تعالیٰ نے اگر اس نام کا کوئی گاؤں تھا بھی تو اُس کو صفحہ زمین سے مٹا دیا تا آخر زمانہ کے مولوی اپنی اُنگلیاں اُٹھا اُٹھا کر اس کی طرف اشارہ نہ کریں۔ اب کدعہ نام کا کوئی گاؤں ملک یمن میں نہیں ہے (ملاحظہ ہو حج الکرامہ صفحہ ۳۵۸) اب مولویوں کو چاہیئے کہ دنیا کے کسی گوشہ میں ایک گاؤں کدعہ نامی آباد کریں۔ اگرچہ اُنکے لیئے اس نام کا گاؤں آباد کرنا تو شاید ممکن ہو مگر مہدی کو ایسے آباد کیئے ہوئے گاؤں میں پیدا کرنا تو اُن کے بس میں نہیں ہے۔ اگر قادیان کدعہ نہیں ہے تو وہ کدعہ دنیا میں دکھائیں کہ کہاں ہے۔ اگر کوئی تھا تو خدائے تعالیٰ نے اس کو دنیا کے صفحہ سے اُٹھا دیا ہے اب قادیان ہی کدعہ کہلا سکتا ہے جہاں مہدی پیدا ہوا۔

ششم۔ مذکورہ بالا احادیث کے علاوہ اور بھی دلائل ہیں جن سے مہدی کا مشرق میں ظاہر ہونا ثابت ہوتا ہے۔ یہ امر مسلم ہے کہ مہدی وہی کام کرے گا جو مسیح کریگا۔ اور میں پہلے ثابت کر چکا ہوں کہ مسیح اور مہدی دو الگ شخص نہیں ہیں بلکہ یہ دونوں لفظ ایک ہی شخص کے دو خطاب ہیں۔ مسیح موعود کا ایک

کام قتل دجّال ہے اور مہدی بھی مسیح موعودؑ کا ہی دوسرا نام ہے اس لیئے دوسرے الفاظ میں ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ مہدی موعودؑ دجّال کو قتل کریگا۔ دجّال کے متعلق یہ سب کا اتفاق ہے کہ وہ مشرق میں ظاہر ہوگا۔ صدیق حسن خاں دجّال کا ذکر کرتے ہوئے حجج الکرامہ کے صفحہ ۴۰۸ پر لکھتا ہے۔ اما محل خروجش پس مشرق است جزماً۔ یعنی یہ یقینی اور فیصلہ شدہ بات ہے کہ دجّال کا ظہور مشرق میں ہوگا۔ اس سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ مہدی بھی مشرق ہی میں ظاہر ہونا چاہیئے۔ کیونکہ جہاں بدی ہوگی۔ اُس بدی کا علاج بھی اُسی جگہ ہونا چاہیئے۔ صدیق حسن خاں اسکے متعلق لکھتا ہے مشرق چنانکہ محل فتن است ہمچناں محل صلاح و ایمان نیز ہست۔ یعنی چونکہ مشرق ہی میں فتنے ظاہر ہونگے اس لیئے ضروری ہے کہ مشرق ہی اصلاح کا مقام ہو اور مشرق ہی میں ایمان دوبارہ قائم کیا جاوے (حجج الکرامہ صفحہ ۴۰۸)۔ مکّہ و مدینہ مقام ظہور مہدی نہیں ہو سکتے تھے کیونکہ یہ دونوں امن کی جگہ ہیں اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے قول سے اور قرآن شریف سے ظاہر ہوتا ہے کہ مدینہ منورہ اور مکّہ معظمہ دجّال سے امن میں رہیں گے۔ نہ ہی خراسان اور دوسرے مقامات جن کا روایات میں ذکر آیا ہے مقام ظہور مہدی موعودؑ ہو سکتے تھے کیونکہ یہ سب اسلامی مقامات ہیں اور اسلام کے سوا وہاں کوئی اور مذہب نہیں۔ وہ شر کا مرکز نہیں ہیں اور اس لیئے وہ مہدی کے ظہور کے لیئے موزون مقامات نہیں تھے۔

ہفتم۔ مشرق میں مہدی کے ظاہر ہونے کی ایک اور دلیل یہ ہے کہ مہدی نے بطور حامئ اسلام ظاہر ہونا تھا۔ اور اس کے ذریعہ سے اسلام کو دوسرے مذاہب پر فتح حاصل ہونی تھی۔ اُس نے اسلام کا پہلوان بنکر آنا تھا اور مذاہب باطلہ کے لشکر کو شکست دیکر اسلام کو فاتح بنانا اور اُس کے روشن چہرہ کو چمکانا تھا۔ اب چاروں طرف نظر اُٹھا کر دیکھو کہ وہ کونسا ملک ہے جو مذاہب کا دنگل گاہ ہے وہ کونسی زمین ہے

جہاں مختلف مذاہب کے لشکروں نے ڈیرہ لگایا ہوا ہے۔ اور وہ کونسا دنیا کا حصّہ ہے جو ایک عرصہ سے مذاہب کا کُشتی گاہ بنا ہوا ہے۔ سب طرف نظر اُٹھا کر دیکھو ہند کی سرزمین کے سوا اور کوئی ملک تمھیں نظر نہیں آئے گا جو ایک عرصہ سے مذاہب کے لیئے میدانِ کارزار کا کام دیتا ہو۔ پس بتاؤ اگر مہدی نے آکر اسلام کی طرف سے لڑنا تھا۔ اگر اُس نے اسلام کی حمائت میں آکر براہین کی تلوار چلانی تھی تو اُسکو کس ملک میں آنا چاہیئے تھا۔ جنگ کرنیوالے کو میدان جنگ میں آنا چاہیئے۔ یہ تعجب کی بات ہے کہ اسلام کو ہند میں ایک بہادر پہلوان کی ضرورت ہو جو اُس کی حمائت میں دلائل کی تلوار اُٹھائے اور جو مخالف اُسپر اعتراضوں کے تیر چلا رہے ہیں اور رنگ رنگ کے حملوں سے اُسکو مٹانا چاہتے ہیں اُسکا دفعیہ کرے مگر وہ پہلوان اُسجگہ نہ آئے جہاں اُسکی ضرورت تھی بلکہ ایسی جگہ آئے جہاں اُسکا آنا نہ آنا برابر ہے اور اسلام کو اُس جنگ میں اُس سے کوئی مدد نہ ملے۔ اگر مہدی اسلام کا حامی تھا اور اگر اُس نے حمائت اسلام کے لیئے اور مخالفوں کا سر توڑنے کے لیئے آنا تھا تو اُس کو ہند کی ولائت میں ہی آنا چاہیئے تھا۔ نہ خراسان میں نہ مدینہ میں۔ اور نہ مکہ میں نہ دمشق میں۔

ہشتم۔ ایک اور دلیل جس سے مہدی کا مشرق میں آنا ثابت ہوتا ہے یہ ہے کہ بہت سی ایسی علامتیں ہیں جن کے متعلق آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ وہ مشرق میں ظاہر ہونگی مثلاً آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یطلع من المشرق قبل خروج المھدی نجم لہ ذنب یضیئ۔ یعنی مشرق سے ایک ستارہ نکلیگا جس کی ایک روشن دُم ہو گی۔ پھر مہدی کی علامات میں فرمایا کہ مشرق کی طرف سے **ذُو الِسنّین** ستارہ نمودار ہوگا۔ (ملاحظہ ہو حجج الکرامہ صفحہ ۳۴۴) پھر حسین بن علی سے روایت ہے اذا رأیتم

علامة من السماء نارًا عظیمة من قبل المشرق تطلع لیلا فعندھا فرج الناس وھی اقدام المھدی یعنی جب تم آسمان میں ایک نشان دیکھو یعنی مشرق میں ایک آگ دیکھو تو اُمید کرو کہ خدائے تعالیٰ عنقریب مسلمانوں کی مدد کرنیوالا ہے یعنی مہدی آنیوالا ہے اس آگ کا نمودار ہونا مہدی کی علامات میں شمار کیا جاتا ہے ملاحظہ ہو حجج الکرامہ صفحہ ۳۴۴ و اقتراب الساعہ صفحہ ۶۷۔
اور کئی علاماتِ مہدی ایسی ہیں کہ اگرچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اُن کے ظہور کے لیئے کوئی خاص مقام بیان نہیں فرمایا مگر وہ زیادہ تر مشرق میں ہی نمودار ہوئیں مثلاً طاعون۔ قحط۔ کثرت ارتداد وغیرہ جنکا ذکر انشاء اللہ تعالیٰ آگے چلکر کروں گا۔ بہت سی علامات کے متعلق آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمانا کہ وہ مشرق میں ظاہر ہونگی اور بہت سی اور علامتوں کا مشرق ہی میں زیادہ تر ظاہر ہونا اس بات کی ایک دلیل ہے کہ جس وجود بابرکت کے لیئے ان چیزوں نے علامات کا کام دینا تھا اُس نے مشرق میں ہی ظاہر ہونا تھا تا وہ اُس کے ظہور کی سرزمین میں نمودار ہو کر اُس کی صداقت کی شہادت دیں۔

نہم۔ یسعیا نبی نے بھی آخر زمانہ میں مشرق کی سرزمین میں ایک راستباز اور صادق کے پیدا ہونے کی خبر دی ہے۔ ملاحظہ ہو یسعیا باب ۴۱ آیت ۲۔ یسعیا کی یہ پیشگوئی مہدی موعود پر ہی صادق آسکتی ہے اور اس سے بھی ثابت ہوتا ہے کہ ابتدا سے مہدی کے ظہور کے لیئے مشرق کی زمین ہی مقدر تھی۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔

دھم۔ مہدی کے ظہور کے لیئے مختلف مقامات بیان کیئے گئے تھے۔ اسلیئے یہ ممکن نہیں تھا کہ مہدی ان سب مقامات میں ظاہر ہو۔ وہ صرف ایک ہی مقام میں ظاہر ہو سکتا تھا۔ اُن مقامات میں سے ایک مقام مشرق بھی تھا سو واقعات نے ثابت کر دیا کہ ان مختلف مقاموں میں سے جس مقام میں مہدی کے لیئے ظاہر ہونا مقدر تھا وہ

مشرق ہی تھا۔ اب یہ جھگڑا کرنا بے سود ہے کہ مہدی فلاں مقام میں کیوں ظاہر نہیں ہوا۔ مہدی نامزد وہ مقاموں میں سے صرف ایک ہی مقام میں ظاہر ہو سکتا تھا۔ سو وہ ایک میں ظاہر ہو گیا۔ پھر جس مقام میں وہ ظاہر ہوا ہے وہ ایسا مقام ہے جس کے بارے میں شہادت بھی زبردست ہے اور ایک روایت نہیں بلکہ کئی روایتیں اور کئی دلائل اس کی تائید کرتے ہیں اب انصاف پسند آدمی کے لیئے انکار کی کوئی گنجایش باقی نہیں رہتی۔ واقعات نے ایک مقام کو منتخب کر لیا اور شہادت تو یہ بھی اُسی کی تائید کرتی ہے مہدی نے ایک طرف مشرق میں ظاہر ہو کر اُن احادیث کو پورا کیا جن میں لکھا تھا کہ مہدی مشرق میں ظاہر ہو گا دوسری طرف قادیان میں پیدا ہو کر کدعہ والی حدیث کو پورا کیا پس وہ ایسے مقام میں ظاہر ہوا جسکی صرف ایک حدیث تصدیق نہیں کرتی بلکہ کئی احادیث تصدیق کرتی ہیں۔ اس کے متعلق ہمارا یقین اور بھی بڑھتا ہے جب ہم دیکھتے ہیں کہ جس حدیث کی بنا پر بڑے وثوق سے کہا جاتا تھا کہ مہدی مدینہ میں پیدا ہو گا اور مکہ میں ظاہر ہو گا وہ حدیث مہدی موعود کے متعلق نہیں بلکہ عبداللہ بن زبیر کے متعلق ہے اور خراسان والی روایت عباسی خلفاء کے زمانہ میں پوری ہو چکی ہے۔ ان امور کو دیکھکر ہمارا یقین اور بھی بڑھتا ہے کہ مہدی کے لیئے مقام ظہور مشرق ہی ہونا چاہیئے تھا۔

مہدی کا نسب

مَیں پہلے دکھا آیا ہوں کہ مختلف خاندانوں نے مہدی کی نسبت دعویٰ کیا کہ وہ اُن میں سے ہو گا۔ چونکہ مہدی کی نسب کے متعلق احادیث میں خود پھوٹ پڑی ہوئی ہے اس لیئے ہمیں چنداں ضرورت نہ تھی کہ ہم ان روایات پر کوئی بحث کرتے مگر ایک امر کی وجہ سے میں مناسب سمجھتا ہوں کہ نسب کے سوال پر بھی کچھ بحث کیجاوے اگرچہ روایتوں میں مہدی کے نسب کے بارے میں اتفاق نہیں اور کئی خاندان اس بات

کے مدعی ہیں کہ مہدی ہم میں سے ہوگا۔ لیکن مسلمانوں نے ایک خاندان کے دعویٰ پر زیادہ توجہ کی ہے اور آجکل مسلمانوں کا عام خیال یہ ہے کہ مہدی بنی فاطمہ میں سے پیدا ہوگا پس مناسب معلوم ہوتا ہے کہ مہدی کے فاطمی ہونے کے سوال پر کچھ غور کیا جاوے۔

مَیں اس مضمون کے ایک پہلے حصہ میں مسیح اور مہدی کا ایک ہونا ثابت کر چکا ہوں۔ اس سے مہدی کے نسب کا سوال حل ہو جاتا ہے۔ مسیح ہی مہدی موعود تھا اس لیئے مہدی موعود فاطمی نہیں ہو سکتا تھا۔ کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مسیح کے زمانہ میں قریش سے امامت چھین لی جائے گی (ملاحظہ ہو حجج الکرامہ صفحہ ۴۲۵) اور مسیح موعود کے متعلق فرمایا امامکم منکم یعنی وہ تم میں سے تمہارا ایک امام ہوگا کسی خاص خاندان کا نام بیان نہیں فرمایا۔ اب چونکہ ثابت ہو چکا ہے کہ مسیح اور مہدی ایک ہی ہیں اور مسیح موعود کے متعلق کسی مسلمان کا اعتقاد نہیں ہے کہ وہ فاطمی ہوگا اس لیئے ہم مہدی موعود کے فاطمی ہونے کے عقیدہ کو خیرباد کہہ سکتے ہیں اور ان روایتوں کو بھی اُسی فہرست میں رکھ سکتے ہیں جس میں دوسری روایتیں رکھی جاتی ہیں جن میں لکھا ہے کہ مہدی موعود بنی عباس میں سے یا کسی اور خاندان میں سے ہوگا۔ لیکن میرے خیال میں ضروری نہیں کہ فاطمی مہدی والی روایات کو بالکل رد کر دیا جاوے۔ اور مَیں یہ بالکل ممکن خیال کرتا ہوں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ فرمایا ہو کہ مہدی میرے اہل بیت میں سے ہوگا مگر میری رائے میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے الفاظ کو ٹھیک طور پر سمجھا نہیں گیا۔ ابن ماجہ میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا المھدی منا اھل البیت یصلحہ اللہ بہ فی لیلۃ یعنی مہدی ہم میں سے میرے اہل بیت میں سے ہے خدائے تعالیٰ ایسے وقت میں جب گناہوں کی

تاریکی پھیلی ہوئی ہوگی اُس کے ذریعہ اصلاح اُمّت کرے گا یعنی وہ مجدد ہوگا۔ لیکن یہ یاد رکھنا چاہیئے کہ یہاں منا اھل البیت (ہم میں سے میرے اہل بیت میں سے) کے یہ معنے نہیں کہ مہدی موعود کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے کوئی ظاہری خاندانی رشتہ ہوگا بلکہ اس کے معنے یہ ہیں کہ مہدی موعود روحانی طور پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے رشتہ رکھتا ہوگا۔ اگر کوئی پوچھے کہ اس کا کیا ثبوت ہے کہ منا اھل البیت سے جسمانی اور خون کا تعلق مراد نہیں ہے بلکہ روحانی رشتہ مراد ہے تو اُسکا جواب یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بعینہٖ یہی الفاظ سلمان فارسی کے متعلق استعمال فرمائے تھے اور فرمایا تھا کہ سلمان منا اھل البیت یعنی سلمان ہم میں سے میرے اہل بیت میں سے ہے حالانکہ سب جانتے ہیں کہ سلمان کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے کوئی ظاہری جسمانی رشتہ نہ تھا بلکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ان الفاظ کے استعمال کرنے سے یہ مراد تھی کہ سلمان کو ہم سے روحانی اتحاد ہے۔

جو الفاظ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مذکورہ بالا احادیث میں مہدی کے متعلق استعمال فرمائے وہی الفاظ بغیر کسی فرق کے سلمان فارسی کے حق میں استعمال فرمائے۔ پس کوئی وجہ نہیں ہے کہ ان الفاظ کی بنا پر یہ زور دیا جاوے کہ مہدی موعود ضرور ہی ظاہری طور پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بیٹی فاطمہ رضؓ کی اولاد سے ہونا چاہیئے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی مراد صرف روحانی اتحاد بیان کرنا تھا اس سے زیادہ نہیں۔ ان معنوں کی قرآن مجید بھی تائید کرتا ہے کیونکہ وہ بھی انبیاءؑ کی صورت میں ظاہری رشتہ کو رشتہ قرار نہیں دیتا بلکہ کسی نبی سے رشتہ رکھنے کے لیئے روحانی تعلق معیار ٹھہراتا ہے۔ قرآن شریف کے رُو سے صرف اسی صورت میں کوئی شخص کسی نبی کی اولاد کہلا سکتا ہے جب وہ

صالح ہو اور نبی سے روحانی پیوستگی رکھتا ہو ورنہ خواہ وہ حقیقی بیٹا ہی کیوں نہ ہو خدا کے نزدیک وہ نبی کا بیٹا نہیں کہلا سکتا۔ جب حضرت نوح علیہ السلام نے اپنے بیٹے کے حق میں دعا کرتے ہوئے عرض کی ان ابنی من اھلی یعنی میرا بیٹا میرے اہل بیت میں سے ہے تو خدائے تعالیٰ نے دعا کو نامنظور کر کے فرمایا انه لیس من اھلك انه عمل غیر صالح۔ یعنی وہ تیرا اہل نہیں کہلا سکتا ہے کیونکہ وہ نیکوکار نہیں ہے۔ اس سے صاف طور پر ثابت ہوتا ہے کہ قرآن شریف کے رُو سے اہل سے مراد روحانی رشتہ ہے صرف جسمانی رشتہ سے کوئی شخص کسی نبی کا اہل نہیں کہلا سکتا۔ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ سلم نے بھی لفظ اہل بیت اسی روحانی معنے میں استعمال کیا جب آپ نے مہدی کے متعلق اور سلمان فارسی کے متعلق فرمایا منا اھل البیت۔ یہ بات ایک اور حدیث سے صاف ہو جاتی ہے ابوداؤد میں ہے لو لم یبق من الدنیا الا یوم لطول اللہ ذلك الیوم حتی یبعث فیه رجلاً منی او من اھل بیتی یوا طئ اسمه اسمی و اسم ابیه اسم ابی۔ یعنی اگر دنیا کا ایک دن بھی باقی رہ گیا تو خدائے تعالیٰ اُس دن کو لمبا کر دیگا یہانتک کہ مبعوث کرے اس میں ایک شخص مجھ میں سے یا میرے اہل بیت میں سے اُس کا نام میرے نام کے مطابق ہوگا اور اُس کے باپ کا نام میرے باپ کے نام کے مطابق ہوگا۔ راوی کو شک ہے آیا آنحضرت صلی اللہ علیہ سلم نے منی (مجھ سے) فرمایا یا من اھل بیتی (میرے اہل بیت میں سے) فرمایا۔ اس سے اتنا معلوم ہوتا ہے کہ منی اور من اھل بیتی کے ایک ہی معنے ہیں۔ ابوداؤد اور حکم میں ایک اور حدیث ہے جس میں صرف منی کا لفظ آیا ہے من اھل بیتی کا لفظ نہیں آیا۔ چنانچہ حدیث کے الفاظ حسب ذیل ہیں المھدی منی اجلی الجبھة الحدیث یعنی مہدی مجھ میں سے ہے روشن پیشانی والا وغیرہ۔

اب دیکھنا چاہیئے کہ ان دو حدیثوں میں جو منی (مجھ سے) کا لفظ آیا ہے اسکے کیا معنے ہیں۔ اس مضمون کے ایک گذشتہ حصہ میں میں ایک حدیث نقل کر چکا ہوں جس میں بعینہٖ یہ لفظ آتا ہے اُس سے معلوم ہو جائیگا کہ لفظ منی کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کن معنوں میں استعمال کیا ہے وہ حدیث حسب ذیل ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا خیر ھٰذہ الامۃ اولھا و اٰخرھا۔ اولھا فیھم رسول اللّٰہ صلعم و اٰخرھا فیھم عیسی بن مریم و بین ذٰلک فیج اعوج لیسوا منی ولست منھم۔ یعنی اس امّت کا اوّل و آخر سب سے بہتر ہے اس امّت کا پہلا گروہ اس لئے سب سے بہتر ہے کہ ان میں خدا کا رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) ہے اور اسکا آخری گروہ اس لیئے بہتر ہے کہ اُن میں عیسی بن مریم ہوگا۔ اور ان دونوں گروہوں کے درمیان کے لوگ ایک ٹیڑھا گروہ ہیں وہ مجھ سے نہیں اور نہ میں اُن سے ہوں اس حدیث میں منی (مجھ سے) سے مراد کوئی جسمانی رشتہ نہیں بلکہ روحانی تعلق مراد ہے اگر اس حدیث میں لیسوا منی (وہ مجھ سے نہیں) کے یہ معنے ہیں کہ ان لوگوں کا میرے ساتھ کوئی روحانی تعلق نہیں نہ یہ کہ ان لوگوں کا میرے ساتھ کوئی نسبی اور جسمانی تعلق نہیں ہے تو المھدی منی کے یہ معنے ہونے چاہیئے کہ مہدی کا اور میرا روحانی رشتہ ایسا ہوگا کہ گویا ہم ایک ہی ہیں نہ یہ کہ مہدی میری اولاد میں سے ہوگا جو کچھ میں اوپر لکھ چکا ہوں اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اگر ہم مان لیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مہدی کی نسبت فرمایا کہ وہ مجھ میں سے ہوگا یا میرے اہل بیت میں سے ہوگا یا ان الفاظ کے ہم معنی کوئی اور لفظ استعمال فرمایا تو اس میں کچھ حرج کی بات نہیں کیونکہ ان الفاظ سے روحانی اتحاد مراد ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بعینہٖ یہی الفاظ ایسے اشخاص کے متعلق استعمال فرمائے جہاں کوئی نسب کا

تعلق مراد نہیں تھا بلکہ صرف روحانی تعلق مراد تھا۔

میں یہ بھی ممکن خیال کرتا ہوں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی لڑکی حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کو مخاطب کرکے فرمایا ہو کہ مہدی تجھ میں سے ہوگا کیونکہ احمد قادیانی علیہ الصلوٰۃ و السلام کے سلسلہ نسب میں بعض سیّد زادیاں بھی تھیں۔ اور اسطرح آپ حضرت فاطمۃ الزہرا کے خون سے بھی حصّہ رکھتے تھے۔ نیز آپنے ایک کشف میں حضرت فاطمہؓ اور حسنؓ اور حسینؓ کو دیکھا اور آپ کا سر مبارک حضرت فاطمہؓ کی ران پر تھا اور وہ آپسے اسطرح پیار کرتی تھیں جسطرح ماں اپنے بچے سے پیار کرتی ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ روحانی عالم میں آپ حضرت فاطمہؓ کی اولاد میں شمار کیئے جاتے ہیں۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ان روایتوں میں کچھ حق ہے جن میں لکھا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مہدی مجھ میں سے یا میرے اہل بیت میں سے ہوگا مگر غلطی سے ان الفاظ کو جسمانی رنگ میں سمجھا گیا۔ اگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مہدی کے متعلق کچھ فرمایا تو اس سے مراد صرف روحانی مشابہت تھی۔ اس سے زیادہ کچھ نہیں تھا اور جو کچھ اس سے بڑھکر بیان کیا جاتا ہے وہ مبالغہ ہے حق اتنا ہی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے منّی یا من اھل بیتی کہکر روحانی مشابہت کی طرف اشارہ فرمایا مگر ظاہری الفاظ پر اور جسمانی معنوں پر زیادہ زور دیا گیا ہے اور عباسیوں کی حرافت کی وجہ سے بہت کچھ مبالغہ کیا گیا ہے۔

یہ بات کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی مراد جسمانی رشتہ نہیں تھا اس سے بھی ظاہر ہے کہ بعض احادیث میں مہدی کی نسبت صرف اتنا ہی بیان کیا گیا ہے کہ وہ اُمّت میں سے ہوگا چنانچہ ابوداؤد میں ابوسعید الخدری سے روایت ہے

قال سمعت رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم یقول یخرج رجل من

اُمتی یقول بسنتی الحدیث ابو سعید کہتا ہے کہ مَیں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سُنا کہ میری اُمت میں سے ایک شخص پیدا ہو گا جو میری سُنت کی تعلیم دیگا اور زمین کو عدل و انصاف سے بھر دیگا۔ نیز بزار و طبرانی ابو ہریرہ سے روایت کرتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مہدی اُمت میں پیدا ہو گا۔

احادیث سے اگر مہدی کے خاندان کے متعلق کچھ ثابت ہوتا ہے تو یہ ثابت ہوتا ہے کہ وہ فارسی الاصل ہو گا۔ مَیں گذشتہ پرچہ میں ثابت کر آیا ہوں کہ رجل فارسی الاصل اور مسیح اور مہدی ایک شخص کے مختلف نام ہیں۔ اُن دلائل کے یہاں دُہرانے کی ضرورت نہیں اور احمد قادیانی علیہ الرحمۃ ضرور فارسی الاصل تھے۔ آپکے بزرگ سمرقند سے بابر بادشاہ کے عہد میں ہندوستان میں تشریف لائے تھے۔ الغرض کئی دلائل سے ثابت ہوتا ہے کہ مہدی نے حسنؓ یا حسینؓ کی اولاد سے نہیں ہونا تھا (۱) ملکی حرافت کے زمانہ میں مختلف خاندان ایک دوسرے کے ساتھ ضد کر کے یہ دعویٰ کرتے تھے کہ مہدی ہم میں سے ہو گا۔ (۲) جن احادیث میں ان مختلف خاندانوں کی طرف سے یہ دعویٰ پایا جاتا ہے کہ مہدی ہم میں سے ہو گا وہ سب مجروح ہیں۔ (۳) اگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مہدی مجھ سے یا میرے اہل بیت سے ہو گا تو اس سے مراد صرف روحانی مشابہت تھی ظاہری نسب مراد نہیں تھی۔ (۴) مسیح موعودؑ کے زمانہ میں کوئی قریشی امام نہیں ہو سکتا تھا۔ (۵) مہدی موعودؑ مسیح موعود کا ہی دوسرا نام ہے اور مسیح موعودؑ نے حسن یا حسین کی اولاد میں سے نہیں ہونا تھا بلکہ اُس کی نسبت آنحضرت صلعم نے فرمایا اما مکم منکم یعنی تم میں سے تمھارا ایک امام ہو گا یعنی اس کے متعلق عام طور پر فرمایا کہ وہ اس اُمت میں سے

ہوگا۔ حسنؓ یا حسینؓ کی اولاد سے نہیں فرمایا۔ (۶) مہدی موعودؑ کے متعلق ایسی احادیث بھی ہیں جن میں اُسکا عام طور پر اُمت میں سے پیدا ہونے کا ذکر ہے کسی خاندان کا ذکر نہیں۔ (۷) مہدی موعودؑ بجائے اس کے کہ حسنؓ یا حسینؓ کی اولاد سے ہو فارسی الاصل ہونا چاہیئے تھا

مہدی موعود کا نام

بعض احادیث میں لکھا ہے کہ اُس کا نام آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے نام کے مطابق ہوگا اور اس کے باپ کا نام آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے والد ماجد کے نام پر ہوگا۔ ان احادیث کی بنا پر کہا جاتا ہے کہ مہدی موعودؑ کا نام محمد بن عبداللہ ہوگا۔ مَیں پہلے بیان کرچکا ہوں کہ منکرین مہدی کا قول ہے کہ یہ حدیث اُس زمانہ میں جبکہ بنی فاطمہ تخت گیری کی کوشش کر رہے تھے ایک شخص محمد بن عبداللہ پر چسپاں کرنے کے لیئے بنائی گئی تھی جسکی نسبت زید شہید نے مرتے وقت خلافت کے لیئے سفارش کی تھی۔ لیکن اگر اس قول کو رد بھی کر دیا جائے تو ان احادیث کے یہ معنے نہیں کہ مہدی موعود کو ماں باپ کی طرف سے محمد بن عبداللہ کا نام دیا جاویگا اور لوگوں میں اس کا نام محمد بن عبداللہ مشہور ہوگا۔ مہدی موعودؑ نے دو حیثیتوں میں ظاہر ہونا تھا ایک حیثیت اسکی یہ تھی کہ اُس نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا خلیفہ و نائب ہوکر آنا تھا۔ دوسری حیثیت اُس کی یہ تھی کہ اُسنے اسرائیلی مسیح کے لیئے مثیل ہوکر آنا تھا سو دوسری حیثیت کے لحاظ سے یعنی مثیلیت مسیح کے لحاظ سے پیشگوئی میں اُسکا نام عیسی بن مریم رکھا گیا اور پہلی حیثیت کے لحاظ سے یعنی آنحضرت صلعم کی نیابت کے لحاظ سے یا یوں کہو کہ مہدویت کے لحاظ سے اُس کا نام محمد بن عبداللہ تھا۔ افسوس کی بات ہے کہ آجکل کے مسلمانوں میں پیشگوئیوں کا فہم بھی نہیں رہا۔

حالانکہ اس قسم کی پیشگوئیوں کے سمجھنے کے لیئے ہمارے پاس مثالیں بھی موجود ہیں یوحنا بپتسمہ دینے والے کا نام خدائے تعالیٰ کے کلام میں ایلیا رکھا گیا۔ اسی طرح محمدی مسیح کا نام اس کی دو حیثیتوں کے لحاظ سے عیسیٰ بن مریم و محمد بن عبداللہ رکھا گیا۔ یہ یاد رکھنا چاہیئے کہ پیشگوئیوں میں جو نام دیئے جاتے ہیں وہ صفاتی نام ہوتے ہیں اور یہ خیال کرنا غلطی ہے کہ جب تک موعود اسی نام کے ساتھ لوگوں میں مشہور نہ ہو جو نام پیشگوئی میں اس کو دیا گیا ہے اسکو قبول نہ کرنا چاہیئے۔ دیکھو تم خود مانتے ہو کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اپنے بعد احمدؐ کے آنیکی خبر دی اور تم اس پیشگوئی کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر لگاتے ہو حالانکہ آپ کا نام جو ماں نے آپ کو دیا اور جو لوگوں میں مشہور تھا وہ محمدؐ تھا نہ احمدؐ۔ نبوت سے پہلے کون آپ کو احمدؐ کر کے پکارتا تھا پھر تم احمدؐ کی پیشگوئی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر کیوں لگاتے ہو۔* غرض پیشگوئیوں کے نام صفاتی نام ہوتے ہیں اور یہ خیال کرنا جہالت ہے کہ جب تک موعود اسی نام سے لوگوں میں مشہور نہ ہو جو نام اسکو پیشگوئی میں دیا گیا ہے اسکو سچا نہیں ماننا چاہیئے۔ بائبل کو پڑھو اسکی پیشگوئیوں میں تم ایسے نام کثرت سے پاؤ گے کیا تم میں ایسے مدعی پہلے پیدا نہیں ہو چکے جنکا نام محمد بن عبداللہ تھا مگر پھر تم نے انکو قبول نہ کیا حالانکہ اوالی پیشگوئی تمہارے ہی معنوں میں انکے حق میں پوری ہو چکی تھی مدعی نام سے نہیں پہچانے جاتے بلکہ اپنے نشانوں سے شناخت کیئے جاتے ہیں۔ غرض چونکہ آخری زمانہ کے موعودؑ کی دو حیثیتیں تھیں اس لیئے وہ دو ناموں کے ساتھ دنیا میں آیا۔ مسیحیت کے لحاظ سے وہ عیسیٰ بن مریم تھا اور مہدویت کے لحاظ سے وہ محمد بن عبداللہ تھا اسی روحانی مشابہت کے واسطے مہدی موعود کے حق میں ایک روایت میں لکھا ہے یشبہہ فی الخلق و لا یشبہہ فی الخُلق یعنی مہدی موعودؑ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے اپنی خلق و صفات

* شاہ عبدالقادر اپنی کتاب موضح القرآن میں آیت یأتی من بعدی اسمہ احمد پر مندرجہ ذیل نوٹ لکھتے ہیں "حضرتؐ کا نام دنیا میں محمد رکھا گیا اور فرشتوں میں احمد ہے" ملاحظہ ہو حاشیہ ترجمہ

میں مشابہ ہوگا نہ جسمانی طور پر۔

بعض احادیث میں مہدی موعودؑ کا نام احمد بھی آیا ہے اور اس نام سے بھی یہی ظاہر ہوتا ہے کہ مہدی موعودؑ احمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم سے روحانی یگانگت رکھتا تھا۔

وہ علامات جو احمدؑ کی ذات اور زندگی میں پوری ہوئیں

احمد علیہ الصلوٰۃ والسلام کی سچائی کا ایک اور ثبوت اس بات میں پایا جاتا ہے کہ وہ تمام علامات جو مہدی کے وجود باجود میں اور اس کی زندگی میں پوری ہونی تھیں وہ احمدؑ کی مقدس ذات اور زندگی میں پوری ہوگئیں۔ ان میں سے بعض کو یہاں لکھا جاتا ہے۔

ا۔ عن کعب قال یطلع من المشرق قبل خروج المهدی نجم له ذنب یضئی اخرجه نعیم۔ یعنی مہدی کے ظاہر ہونیسے پہلے مشرق کی طرف سے ایک ستارہ نکلیگا جسکی ایک دُم ہوگی نہایت روشن" حدیثوں میں اس ستارہ کا نام ذوالسنین بھی ہے یہ ستارہ ۱۸۸۲ء میں حضرت مہدی علیہ السلام کی زندگی میں نکلا تھا جبکہ آپنے ابھی مہدویت کا دعوےٰ نہیں کیا تھا اسکی دُم مور کی دُم کی طرح لمبی اور روشن تھی اور طلوع آفتاب سے پہلے وہ آسمان میں مشرق کی طرف دکھائی دیا کرتا تھا۔ ابھی تک یہ نظارہ ان لوگوں کو خوب یاد ہوگا جنہوں نے اسکو دیکھا تھا۔

ب۔ مہدی کی دوسری نشانی مشرق میں آگ کا ظاہر ہونا تھا۔ عن حسین بن علی رضی الله عنهما قال اذا رأیتم علامة من السماء نارا عظیمة من المشرق تطلع لیلا فعندها فرج الناس وهی اقدام المهدی یعنی جب تم آسمان میں ایک نشان دیکھو یعنی مشرق سے ایک بڑی آگ ظاہر ہو پس جان لو کہ لوگوں کے لیئے اب اچھے دن آنیوالے ہیں کیونکہ وہ مہدی کے لیئے ایک پیش خیمہ ہوگی۔ پھر امام محمد بن باقر سے مروی ہے اذا رأیتم النار

من المشرق ثلثة ایام او سبعة ایام فتوقعوا فرج آل محمد ان شاء اللہ

یعنی جب تم مشرق سے آگ دیکھو جو تین یا سات دن تک دکھائی دے تو اُمید کرو کہ مسلمانوں کے بھلے دن آنیوالے ہیں۔

یہ آگ ۱۸۸۳ء میں مشرق میں ظاہر ہوئی جس کی وجہ جزیرہ جاوا کے پہاڑوں کی آتش فشانی تھی جو کہ ۱۸۸۳ء میں واقع ہوئی اس حدیث کی نسبت اقتراب الساعة کا مصنف لکھتا ہے جاوا کی آگ بھی گویا اسی کا نمونہ ہے۔ جو اِس ۱۳۰۱ ہجری میں ظاہر ہوئی" صفحہ ۷۶۔ ۱۸۸۹ء میں حضرت اقدس علیہ السلام نے لوگوں کو بیعت کی دعوت دی۔ اس طرح ان نشانات کے ساتھ ہی مہدی کا ظہور واقع ہوا جس کی خبر حدیثوں میں بتلائی گئی تھی۔

ج۔ ایک تیسری علامت جو اکیلی ہی حضرت اقدس میرزا غلام احمد صاحب کے دعویٔ مہدویت کی سچائی ثابت کرنے کے لئے کافی تھی وہ رمضان میں کسوف خسوف کا ان تاریخوں پر واقع ہونا تھا جن کا ذکر حدیث میں ہے۔

عن محمد بن علی قال ان لمھدینا اٰیتین لم تکونا منذ خلق السمٰوٰت والارض ینکسف القمر لاول لیلة من رمضان و تنکسف الشمس فی النصف منہ۔ یعنی محمد بن علی باقر علیہ السلام نے فرمایا کہ ہمارے مہدی کے لیئے دو نشانیاں ہیں جو پہلے کبھی واقع نہیں ہوئیں یعنی رمضان کے مہینہ میں چاند گرہن کی تاریخوں میں سے پہلی تاریخ پر چاند کو گرہن ہوگا اور اسی مہینہ میں سورج گرہن کے دنوں میں سے درمیانی تاریخ کو سورج کو گرہن ہوگا۔"

یہ پیشگوئی لفظ بلفظ رمضان ۱۳۱۱ ہجری مطابق ۱۸۹۴ء میں پوری ہوئی۔ چاند گرہن تیرھویں رمضان کو واقع ہوا جو کہ چاند گرہن کی راتوں میں سے پہلی رات ہے اور سورج گرہن ۲۸ رمضان کو واقع ہوا جو کہ سورج گرہن کی تاریخوں میں

درمیانی دن ہے۔ اسطرح حضرت اقدسؑ کے دعاوی کے لیئے وہ ثبوت خدا نے دیا
جس کا کوئی انکار نہیں کر سکتا۔ اس واقعہ سے پہلے حضرت اقدسؑ نے اپنے دعووں
کی خوب اشاعت کر دی تھی اور اللہ تعالیٰ نے آپکے دعاوی کی تصدیق کیلیئے
آسمان پر ایک ایسا نشان دکھلایا جس کی تاریخ تیرہ سو برس پہلے مقرر ہو چکی تھی۔ اس
نشان کے پورا ہونے سے نہ صرف حضرت اقدسؑ کے دعاوی کی ہی تصدیق ہوئی
بلکہ اس نبی کامل کی بھی پوری تصدیق ہوتی ہے جس نے ایک واقعہ کی تیرہ سو برس
پہلے خبر دی تھی۔ یہ کسوف اور خسوف دوسرے سال دوبارہ کرہ ارض کے دوسرے
حصوں میں واقع ہوئے اور اسطرح سے وہ پیشگوئی پوری ہوئی جس میں یہ لکھا تھا
کہ یہ کسوف خسوف دوبار رمضان میں مہدی کے زمانہ میں واقع ہوگا (یہ پیشگوئی ملاحظہ
ہو حجج الکرامہ صفحہ ۳۴۴)

بعض نے یہ اعتراض کیا ہے کہ کسوف اور خسوف رمضان کی پہلی رات اور
درمیانی دن کو واقع ہونے چاہیئے تھے۔ معلوم ہوتا ہے کہ معترضین کو اس بات کا
علم نہیں کہ موجودہ حالات کے ماتحت ایسا واقعہ ایک بالکل ناممکن الوقوع امر ہے۔
پیشتر اس کے کہ ایسا واقع ہو جائے نظام دنیا تمام تہ و بالا ہو جائے اور دنیا کا خاتمہ
ہو جائے۔ جبتک یہ چاند اس زمین کے گرد گھومتا رہیگا اور زمین سورج کے گرد
اسطرح سے گردش کرتی رہے گی جسطرح کہ یہ اب کرتی ہے اور کرتی آئی ہے اسوقت سے
جبکہ یہ دَور شروع ہوا سورج اور چاند صرف ان تاریخوں پر واقع ہوتے رہیں گے
جو ان کے لیئے مقرر ہو چکی ہیں اور ان سے باہر ہرگز نہیں۔ اس اعتراض کی لغویت
ایک اور طرح سے ظاہر ہے۔ اگر چاند گرہن نے رمضان کی پہلی تاریخ کو واقع ہونا تھا تو
اس حالت میں دکھائی کب دیتا اور کس کو دیتا۔ نیا چاند تو خود ایک ایسی چیز ہے
جو مشکل سے نظر آیا کرتا ہے۔ پھر کسطرح پہلی رات کا چاند اس حالت میں جبکہ اُسے

گرہن بھی لگا ہو لوگوں کو نظر آسکتا ہے اور کس طرح سے مہدی موعودؑ کے لیئے نشان ٹھہر سکتا ہے؟ علاوہ ازیں اگر نبی کریمؐ کا منشا پہلی رات کے چاند سے تھا تو آپ ہلال کا لفظ استعمال فرماتے نہ کہ قمر جس کا اطلاق عموماً ایسی حالت پر ہوتا ہے جبکہ چاند ہلال کی حالت سے نکل جاتا ہے۔ پیشین گوئی کا خود طرز وقوع اسبات کے لیئے ایک شہادت ہے کہ نبی کریم کا کیا منشا تھا۔ چاند گرہن گرہن کی راتوں میں سے پہلی رات میں واقع ہوا اور سورج گرہن گرہن کی تاریخوں میں سے درمیانی تاریخ میں واقع ہوا۔ یہ بات صاف طور سے ظاہر کر دیتی ہے کہ نبی کریمؐ کا منشا پہلی گرہن کی رات سے تھا نہ کہ رمضان کی پہلی تاریخ سے اسی طرح آپ کا منشا درمیانی گرہن کی تاریخ سے تھا نہ کہ مہینے کے درمیانی دن سے۔ کسوف خسوف کا پہلی اور درمیانی گرہن کی تاریخوں میں واقع ہونا نبی کریمؐ کے الفاظ کی خود تفسیر کرتا ہے۔ چاند گرہن کے لیئے تین راتیں اور سورج گرہن کے لیئے تین دن مقرر ہیں اس لیئے یہ خسوف وکسوف نو مختلف طریقوں میں ہو سکتا تھا۔ کسوف وخسوف کا اس طرح سے واقع ہونا جو کہ نبی کریمؐ کے الفاظ کے عین منشا کے مطابق ہو اور باقی کے آٹھ طریقوں میں واقع نہ ہونا صاف بتلاتا ہے کہ تاریخوں سے مراد گرہن کی تاریخیں ہیں جن کی طرف نبی کریم نے اشارہ کیا تھا۔

گرہن کی راتوں میں سے پہلی رات چاند گرہن اور سورج کا اپنی گرہن کی تاریخوں میں درمیانی دن کو گرہن ہونا اور رمضان کی پہلی رات اور درمیانی دن کو انکا واقع نہ ہونا اور بھی کئی طرح سے ظاہر ہے۔ حافظ مولوی محمد لکھوکی والے (ضلع لاہور) جو کہ پنجاب کے مشہور مصنف گذرے ہیں اپنی ایک پنجابی نظم میں جسکا نام احوال الآخرت ہے لکھتے ہیں۔

تیرھویں چن ستیویں سورج گرہن ہوسی اس سالے
اندر ماہ رمضان دسے لکھیا اک روایت والے

(یعنی مہدی کے زمانے میں چاند گرہن تیرھویں رمضان اور سورج گرہن ستائیسویں رمضان میں واقع ہوگا۔ اسطرح ایک حدیث میں آیا ہے۔"

اگرچہ ان دونوں تاریخوں میں سے ایک تاریخ یعنی سورج گرہن کی تاریخ جس کا ذکر پنجابی مصنف نے کیا ہے اس تاریخ سے نہیں ملتی جس کا ذکر مذکورہ بالا حدیث میں ہے۔ تاہم وہ حدیث جس کی طرف وہ پنجابی مصنف اشارہ کرتا ہے رمضان کی پہلی رات اور پہلے دن کا ذکر نہیں کرتی۔ اسطرح ہم بڑے وثوق سے کہہ سکتے ہیں کہ پہلی رات سے نبی کریم کا منشا گرہن کی پہلی رات سے اور درمیانی دن سے مراد آپکی سورج گرہن کی دوسری تاریخ ہے اور یہ امر کہ اس حدیث میں جس کو مولوی محمد صاحب نے اپنی کتاب میں درج کیا ہے بجائے ۲۸ کے ۲۷ تاریخ کا ذکر ہے اس کا کچھ مضائقہ نہیں ممکن ہے کہ راوی نے سہواً ایسا کہہ دیا ہو۔ اس واقعہ کا درمیانی تاریخ پر واقعہ ہونا صاف بتلاتا ہے کہ اصل تاریخ درمیانی ہے اور ۲۷ رمضان کی تاریخ غلط ہے۔ لیکن روایت کی تھوڑی سی غلطی اسکی وقعت کو ذرا بھی کم نہیں کرتی اور یہ روایت صاف طور پر ثابت کر رہی ہے کہ کسوف خسوف نے پہلی اور پندرہ رمضان کو واقع نہیں ہونا تھا جسپر آجکل کے مُلّا اس قدر زور دیتے ہیں۔ وہ حدیث جسکا ذکر مولوی محمد لکھوکے نے اپنی کتاب میں کیا ہے اسکو ایک اور مولوی نے بھی جس کا نام محمد رمضان ہے اپنی کتاب میں درج کیا ہے چنانچہ وہ اپنی کتاب آخر گت میں لکھتے ہیں۔

کہیں ہیں کہ اُس سال رمضان میں ۔ سورج چاند کے گہن دونوں سنئیں
پہل تیرھویں چاند کا گہن ہو ۔ ستائیسویں گہن سورج کا ہو

اور یہ دونوں مصنف مہدی موعودؑ کے دعوے سے پہلے گذر چکے ہیں۔ اور یہ امر کہ کسوف خسوف کا رمضان میں واقعہ ہونا نبی کریمؐ کی پیشین گوئی کا پورا ہونا

ہے اس کا ثبوت ایک اور ہندوستان کے بزرگ کے ایک فارسی شعر سے ملتا ہے جو زبان زد عوام ہے اور وہ یہ ہے۔

در سن غاشی ہجری دو قران خواہد بود۔ از پئے مہدی و دجال نشان خواہد بود

یعنی "ابجد کے لحاظ سے لفظ غاشی سے جو سن نکلتا ہے اس میں یعنی ۱۳۱۱ھ میں دو قران واقع ہونگے اور یہ مہدی اور دجال کے خروج کا نشان ہونگے" یہ صاف بات ہے کہ وہ بزرگ ان دو گرہنوں کی طرف اشارہ کرتا تھا جو کہ ۱۳۱۱ھ میں ایک ہی مہینہ میں واقع ہوئے۔ اس طرح سے یہ پیشین گوئی بھی سچی نکلی اور یہ اس بات کا ثبوت ہے کہ ۱۳۱۱ھ ماہ رمضان میں دو گرہنوں کا واقع ہونا نبی کریمؐ کی پیشین گوئی کا پورا ہونا ہے اور حضرت مہدی موعود علیہ السلام کیلئے ایک نشان ہے۔

د۔ حضرت مہدی موعودؑ کی زندگی کے بعض واقعات حدیثوں میں پہلے سے بتلائے گئے ہیں۔ مثلاً لکھا ہے ینادی مناد من السماء ان الحق فی آل محمد و ینادی مناد من الارض الا ان الحق فی آل عیسیٰ وانما الاسفل کلمۃ الشیطان والصوت الاعلیٰ کلمۃ اللہ العلیا اخرجہ نعیم یعنی ایک پکارنیوالا آسمان سے پکاریگا کہ اے لوگو خبردار ہو جاؤ کہ حق آل محمد کے ساتھ ہے اور ایک پکارنیوالا زمین سے آواز دیگا کہ تحقیق معلوم ہو تمہیں اے لوگو حق آل عیسیٰ کی طرف ہے۔ (تو یاد رکھو اے مسلمانو اور سننے والو) کہ زمینی آواز تو شیطان کی ہوگی اور آسمانی آواز خدا کے الفاظ ہونگے اور خدا ہی کے الفاظ آخر سچے نکلیں گے" پھر ایک اور حدیث ہے، عن علی رضی اللہ عنہ قال اذا نادی مناد من السماء ان الحق فی آل محمد فعند ذالک یظھر المھدی علی افواہ الناس ویشربون حبہ ولا یکون لھم

ذکر غیرہ - رواہ نعیم - یعنی جب ایک پکارنیوالا آسمان سے آواز دیگا کہ حق آل محمد کے ساتھ ہے تب لوگ حضرت مہدی کا ہی ذکر کرینگے اور اس کی محبت کا دم بھریں گے اور لوگ اسی کا ذکر کریں گے اور کسی چیز کا نہیں " اگر ہم ان دونوں حدیثوں کو ملاکر پڑھیں تو صاف معلوم ہوتا ہے کہ یہ دونوں حدیثیں ایک ہی امر کی طرف اشارہ کرتی ہیں اور دونوں مہدی کے متعلق ہیں اور جس واقعہ کی طرف اشارہ کیا جاتا ہے وہ کوئی عیسائیوں اور مسلمانوں کے درمیان جھگڑا ہے جو کہ حضرت مہدی موعود کے زمانہ میں واقع ہوگا اور اس واقعہ کے متعلق مختلف رائیں ہونگی مگر سچ مسلمانوں ہی کے ہاتھ میں ہوگا وہ جنکو حضرت مرزا غلام احمد صاحب علیہ الصلوٰۃ والسلام کے حالات کا علم ہے وہ فوراً دیکھ لیں گے کہ اس سے مراد وہ مباحثہ ہے جو بمقام امرتسر عیسائیوں اور مسلمانوں کے درمیان واقعہ ہوا جس میں مسلمانوں کے وکیل حضرت میرزا غلام احمد صاحب تھے اور عیسائیوں کی طرف سے ڈپٹی عبداللہ آتھم تھا۔ اس مباحثہ کے بعد حضرت مرزا صاحب نے عبداللہ آتھم کی نسبت ایک پیشین گوئی کا اعلان کیا۔ اس پیشین گوئی میں عبداللہ آتھم کا پندرہ ماہ میں مرجانیکا ذکر تھا۔ بشرطیکہ وہ حق کی طرف رجوع نہ کرے حالت رجوع میں سزا کے ٹل جانیکا وعدہ تھا۔ بسبب لمبی واقفیت کے آتھم کو مرزا صاحب کے پاکباز ہونیکا پورا یقین تھا۔ اس لئے پیشین گوئی کا اس کے دل میں رعب تھا۔ اسی جلسہ میں آتھم پر ایک تغیر واقعہ ہوگیا۔ جبکہ حضرت مرزا صاحب نے اسکو بتلایا کہ سزا اسے موت جسکا ذکر پیشین گوئی میں ہے اسوجہ سے ہے کہ اس نے حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو دجال کہا تھا تو اس نے اسی وقت فوراً اپنے کانوں پر ہاتھ رکھا جو کہ پوری ندامت کی نشانی تھی۔ اس واقعہ کے بعد کی زندگی بھی اس کی پہلی زندگی سے بالکل مختلف

تھی۔ اس نے انجیل کی منادی پھر کبھی نہ کی حالانکہ وہ ایک سرگرم واعظ تھا۔ پیشین گوئی کے اعلان کے بعد اس نے اسلام کے خلاف اور حضرت مسیح کی تائید میں کبھی کوئی کتاب نہ لکھی یہاں تک کہ ایک سطر بھی کبھی نہ تحریر کی حالانکہ اس کے پہلے اس نے کئی کتابیں اسلام کی تردید اور عیسائیت کی حمایت میں لکھی تھیں اور اس بات کے خود عیسائی شاہد ہیں کہ اس نے اپنی بقیہ عمر رونے اور ماتم کرنے میں گذار دی۔ اس کی مثال بعینہ حضرت یونسؑ کی اُمت کی مثال تھی جنہوں نے کہ خدا کے غُصّہ کو اپنے ڈر ظاہر کرنے اور اپنے گناہوں سے پشیمانگی ظاہر کرنے سے ٹال دیا۔ ڈر سے کانپتے ہوئے آدمی پر کبھی خدا کا قہر نازل نہیں ہوتا۔ یہ ایک سُنّت اللہ ہے۔ اور یہ ضروری تھا کہ جیسا حضرت یونسؑ کی اُمّت کے ساتھ واقعہ ہوا تھا ویسا ہی آتھم کے ساتھ معاملہ ہوتا۔ اس سُنّت کو تمام مذاہب نے مانا ہے اور یہی وجہ ہے کہ اس سُنّت اللہ سے فائدہ اُٹھانے کے لئے تمام مذاہب مصیبت کے وقت صدقہ و خیرات کا حکم دیتے ہیں۔ وہ جانتے ہیں اور ان کا ایمان ہے کہ خدا کا غُصّہ سچّی توبہ سے ٹلجاتا ہے کیونکہ خدا بے ترس اور بے رحم نہیں۔ بلکہ وہ بڑا رحیم اور بڑا مہربان ہے۔ المختصر آتھم بسبب خوف کے اور سچّی توبہ کے ظاہر کرنے کے اس سزا سے بچ گیا کیونکہ اُس نے اپنی زندگی میں ایک نمایاں تبدیلی ظاہر کی۔ اور پیشین گوئی میں صاف طور سے بتلایا گیا تھا کہ یہ سزا اسی حالت میں اس پر وارد ہوگی اگر اس کے کرتُوت وہی رہے جو پہلے تھے جب پندرہ ماہ گذر گئے تو عوام نے جن کو سُنّت اللہ کی کوئی خبر نہیں تھی بہت شور کیا حالانکہ نہ صرف قرآن شریف اور بائبل میں اس کا کھلے طور سے ذکر ہے بلکہ یہ ایک متفق علیہ مسئلہ ہے۔ انہوں نے شور ڈالدیا کہ پیشین گوئی جھوٹی نکلی۔ اس پر حضرت مرزا صاحب نے آتھم کو بلایا کہ وہ قسم کھا کر پبلک کے سامنے بیان کر دے

کہ کیا وہ خوف سے کانپتا نہیں رہا اور کیا اس پر پیشین گوئی کا کوئی رعب نہیں پڑا۔ اور کیا اس نے اس شرط سے فائدہ نہیں اٹھایا جس کا کھلے طور سے پیشین گوئی میں ذکر تھا۔ آپ نے انعام بھی دینا چاہا اگر وہ اس بات کو قسم کھا کر بیان کر دے کہ پیشگوئی نے اس میں کوئی تبدیلی پیدا نہیں کی۔ آپ نے فرمایا کہ آتھم خدا کے سامنے گریہ وزاری کرنے کی وجہ سے بچ گیا ہے اور اگر وہ قسم کھا کر بیان کر دے کہ اس نے ایسا نہیں کیا تو وہ ایک سال کے اندر مر جائیگا۔ آتھم اسوقت ایک مشکل میں پھنس گیا ایک طرف تو وہ اپنی قوم سے ڈرا اور اس بات کو ظاہر نہ کیا کہ پیشین گوئی سے ڈر کر وہ ان پندرہ مہینوں میں جو پیشین گوئی کی میعاد تھی زار و زار روتا رہا اور دوسری طرف اس کو اتنی بات کہنے کی بھی جرأت نہ تھی کہ پیشین گوئی نے اس کی زندگی میں کوئی تغیر پیدا نہیں کیا اس وجہ سے وہ بالکل چپ ہی ہو گیا حالانکہ پیشین گوئی کی وجہ سے جو تغیر اس میں واقعہ ہو گیا تھا اسقدر عیاں تھا کہ شک کی گنجایش تک نہ تھی کیونکہ اس نے عیسائیت کی حمائت کرنی بالکل چھوڑ دی تھی۔ اور وہ سرگرم پادری جس نے اپنی تمام زندگی انجیل کی اشاعت اور اسلام کی تردید میں صرف کر دی تھی اس پیشگوئی کے بعد ایک حرف نہ بولا اور ... اس نے عیسائیت کی تائید میں یا اسلام کی مخالفت میں کوئی حرف تک بھی نہ لکھا۔ اسطرح اگرچہ پیشین گوئی نے اس کی ذات پر تو کوئی موت وارد نہ کی مگر اسکی مسیحی سرگرمی کو ضرور سرد کر دیا۔ اب وہ انجیل کا وہ دلدادہ واعظ اور اشاعت کنندہ نہ رہا جیسا کہ وہ پیشین گوئی کے اعلان سے پہلے تھا۔ چونکہ اسکے جوش مسیحیت اور مخالفت اسلام پر ایک موت وارد ہو گئی تھی اور چونکہ وہ اپنا وقت رونے اور چلانے میں گذارتا رہا اس سے خدا کا غضب نازل ہونے سے رُک گیا۔ خدا بڑا رحیم اور مہربان ہے اور اس کا غضب اس شخص پر کبھی نازل نہیں ہوتا جو ڈر سے کانپ

رہا ہو۔ قرآن شریف کی یہی صاف تعلیم ہے اور اسی قسم کی مثالیں بائبل میں بھی پائی جاتی ہیں۔ وہ کونسی بات تھی جس نے قوم یونسؑ سے عذاب کو ٹلوا دیا۔ کیا حضرت یونس علیہ السلام نے نہیں کہا تھا کہ چالیس دن میں عذاب آجائیگا؟ عذاب ٹل گیا کیونکہ لوگ خدائے تعالیٰ کی طرف ..... متوجہ ہو گئے تھے تو کیا ہمیں یہ کہنا چاہیئے کہ معاذ اللہ حضرت یونس علیہ السلام جھوٹے نبی تھے۔ نہیں نہیں وہ خدا کے ایک سچے مرسل تھے لیکن چونکہ خدا رحیم اور مہربان ہے اس لیئے وہ سچی توبہ کرنیوالوں کو نہیں پکڑتا۔ یہ دائمی سُنّت اللہ ہے اور اس سُنّت کا واقع ہونا ضروری تھا وہی سُنّت آتھم کے بارے میں واقع ہوئی مگر حضرت مرزا صاحب اور حضرت یونس علیہ السلام کی پیشگوئیوں میں فرق ہے حضرت یونسؑ کی پیشگوئی میں یہ کوئی شرط نہ تھی کہ توبہ کرنے سے یہ پیشگوئی ٹلجائے گی مگر اس الہام میں جو کہ خدا کی طرف سے اس کے فرستادہ احمدؑ پر نازل ہوا اس میں یہ صاف طور سے مذکور تھا کہ آتھم کے لیئے عذاب سے بچ جانیکا موقعہ ہے اگر وہ خدا کی طرف متوجہ ہو جائے۔ یہ یاد رکھنا چاہیئے کہ وعید کی تمام پیشگوئیوں کے ساتھ یہ شرط لگی ہوئی ہوتی ہے۔ عذاب اس حالت میں بھی ٹلجاتا ہے اگر پیشگوئی کے ساتھ شرط نہ بھی ہو۔ یہ خدائے تعالیٰ کی رحیمانہ صفت کے مطابق ہے اور اگر انذاری پیشگوئی کے ساتھ شرط کھلے طور سے بیان نہ بھی کی جائے تب بھی اسے سمجھ لینا چاہیئے اور یہ ممکن ہے کہ عذاب ٹلجائے۔ لیکن احمد علیہ الصلوٰۃ والسلام کی پیشگوئی میں اس شرط کا بوضاحت ذکر تھا اور خدائے تعالیٰ کے اٹل قانون کی طرف کہ رجوع سے عذاب ٹل جاتا ہے پہلے ہی ہلاک کو متوجہ کیا گیا تھا۔ یہ اٹل قانون الٰہی قرآن مجید میں کھلے الفاظ میں ظاہر کیا گیا ہے۔ چنانچہ خدائے تعالیٰ فرماتا ہے فلولا کانت

قریۃ اٰمنت فنفعھا ایمانھا الا قوم یونس لما اٰمنوا کشفنا عنھم عذاب الخزی فی الحیٰوۃ الدنیا و متعنٰھم الیٰ حین۔ یعنی کیوں ایسا نہیں ہوتا کہ عذاب نازل ہونے سے پہلے بستی والے ایمان لائیں اور انکا ایمان انکو بیئے مفید ہو اور عذاب کو ٹال دے۔ مگر یونسؑ کی قوم نے ایسا کیا اور جب وہ ایمان لائے تو اس زندگی میں ذلت کا عذاب ہم نے انسے ہٹا دیا۔ اور انکو خاص وقت تک مہلت دی۔ انکا ایمان لانا یہی تھا کہ انہوں نے عذاب سے ڈرکر عاجزی اور خاکساری اختیار کرلی اور اپنی پہلی روش کو چھوڑ دیا۔ یونسؑ کی پیشگوئی نے انپر ایک رعب پھیلا دیا اور وہ خدا کی طرف عاجزی کے ساتھ متوجہ ہوئے اس لیئے خدائے تعالیٰ نے اُنسے عذاب ٹال دیا۔ اُسوقت حضرت یونسؑ بہت گھبرائے اور خدائے تعالیٰ سے عرض کی۔ مَیں جانتا تھا کہ تو کریم و رحیم خدا ہے جو غصہ کرنے میں دھیما ہے اور نہایت مہربان ہے اور پچھتا کے آپ کو عذاب دینے سے باز رکھتا ہے۔ اب اے خداوند مَیں تیری منت کرتا ہوں کہ میری جان کو مجھ سے لے لے کیونکہ میرا مرنا میرے جینے سے بہتر ہے (دیکھو یونہ کی کتاب باب ۴) پھر خدائے تعالیٰ فرماتا ہے وما کان اللہ لیعذبھم و انت فیھم وما کان اللہ معذبھم وھم یستغفرون یعنی خدائے تعالیٰ ایسا نہیں کرتا کہ ہلاک کرنیوالا عذاب لوگوں پر بھیجے جبتک اُنمیں خدا کا رسول موجود اور حاضر ہو اور خدائے تعالیٰ ایسا نہیں کرتا کہ وہ لوگوں پر عذاب نازل کرے درحالیکہ وہ خدا سے معافی مانگتے ہوں (پ ۹ ع ۱۸) اس آیت سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ خدائے تعالیٰ کا عذاب ایسے شخص پر کبھی نازل نہیں ہو سکتا جو خدا سے ڈرتا ہو اور اُس کے آگے عاجزی کرتا ہو۔ ایسا ہی اہل مصر خدائے تعالیٰ کے اسی قانون سے فائدہ اُٹھا کر عذاب سے کئی دفعہ بچ گئے جب عذاب دیکھتے تو حضرت موسیٰ علیہ السلام کے پاس آتے اور کہتے یا ایھا الساحر

ادع لنا ربك بما عهد عندك اننا لمهتدون - یعنی اے ساحر - عذاب کے ٹلجانیکے لیئے دعا کر - اگر عذاب ٹل گیا تو ہم تجھے مان لیں گے - اسیقدر رجوع کرنیسے خدائے تعالیٰ اُنسے عذاب کو ٹالدیتا مگر وہ اپنے عہد کو پورا نہ کرتے پھر عذاب آتا پھر رجوع کرتے اور عذاب ٹل جاتا چنانچہ خدائے تعالیٰ فرماتا ہے فلما کشفنا عنهم العذاب اذا هم ینکثون یعنی جب ہم اُن سے عذاب کو دُور کرتے تو وہ پھر اپنے عہد کو توڑ دیتے آخر جب حضرت موسیٰ علیہ السلام نے دیکھا کہ وہ بار بار رجوع کر کے عذاب سے بچ جاتے ہیں اور پھر اپنی کفر کی راہوں کو نہیں چھوڑتے تو آپ کو دعا کرنی پڑی ربنا اطمس علی اموالهم واشدد علی قلوبهم فلا یؤمنوا حتی یروا العذاب الالیم - یعنی اے ہمارے رب تو اِن کے اموال کو مٹادے اور انکے دلوں کو سخت کر دے تا وہ ایمان نہ لاویں یہانتک کہ عذاب کو دیکھ لیں - ان آیات سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ عذاب صرف اسوقت نازل ہوتا ہے جب لوگ بالکل سخت دل اور غافل ہوجاویں اور جب تک اُنکے دل میں کچھ نرمی ہو اور خدا کا خوف اُنکے دل میں ہو وہ عذاب سے ہلاک نہیں کیئے جاتے - افسوس ہے کہ ہمارے علماء کی نسبت اور عیسائیوں کے پادریوں کی نسبت قوم فرعون کے اُس رجل مومن کو بھی اس سنت اللہ کا زیادہ علم تھا جس نے پہلے اپنے ایمان کو چھپائے رکھا اور جب فرعون نے حضرت موسیٰؑ کو قتل کرنا چاہا اور کہا ذرونی اقتل موسیٰ تو وہ بولا اور کہنے لگا وان یک کاذبًا فعلیه کذبه وان یك صادقًا یصبكم بعض الذی یعدكم - یعنی موسیٰؑ کو قتل کرنیکی کیا ضرورت ہے - اگر وہ جھوٹا اور مفتری ہے تو خدائے تعالیٰ اُسکو اُسکے جھوٹ اور افترا کی وجہ سے اُسکو ہلاک کر دے گا کیونکہ وہ مفتری کو مہلت نہیں دیتا اور اگر وہ صادق ہے تو ضرور ہے کہ اُسکی بعض عذاب کی پیشگویاں تمہارے

حق میں پوری ہوں۔ اب سوچنا چاہیئے کہ اُس نے **بعض** کا لفظ کیوں استعمال کیا۔ اُس نے کیوں نہ کہا کہ اسکی سب کی سب عذاب کی پیشگوئیاں تمہارے حق میں پوری ہونگی یہاں بعض کے لفظ میں خدائے تعالیٰ کے اُس قانون کی طرف اشارہ ہے جسکی وجہ سے بعض عذاب کی پیشگویاں رجوع اور عاجزی سے ٹل جاتی ہیں پھر کیا یہ ضروری نہ تھا کہ آتھم اس خدائے تعالےٰ کے غیر متبدل قانون سے فائدہ اُٹھاتا چونکہ آتھم پیشگوئی کے بعد ڈرتا رہا اور اُس نے اپنی زندگی اور روش کو بالکل بدل دیا اس لیئے ہرگز ممکن نہیں تھا کہ ایسی حالت میں خدائے تعالےٰ کا عذاب اُسپر نازل ہوتا خدا کا قانون ٹل نہیں سکتا فلن تجد لسنۃ اللہ تبدیلا ولن تجد لسنۃ اللہ تحویلا۔ آتھم کی پیشگوئی پر اعتراض تب ہو سکتا تھا اگر وہ باوجود اس عاجزی وزاری کے ہلاک کیا جاتا۔ الغرض آتھم کی پیشگوئی عین خدا کے قانون کے مطابق واقع ہوئی مگر عوام الناس نے جو خدا کی سنن سے جاہل تھے ایک بڑا شور مچایا کہ پیشگوئی پوری نہیں ہوئی۔ اُسوقت مہدی موعودؑ نے ایک اشتہار شائع کیا کہ اگرچہ آتھم خدا کے دائمی قانون سے فائدہ اُٹھا کر موت سے بچ گیا ہے مگر اُس نے حق کو چھپا کر اور شہادت حقّہ کے دینے سے انکار کر کے ایک اور گناہ کیا جسکی پاداش میں وہ عنقریب صفحہ دنیا سے اُٹھا لیا جاویگا۔ چنانچہ اس اشتہار کے بعد چند ماہ کے اندر آتھم جو بیرونی دنیا کے لیئے پہلے ہی مر چکا تھا اس عالم سے رخصت ہوا اور جو سزا اُس کی عاجزی اور خوف ظاہر کرنے سے رُک گئی تھی آخر وہ اُس سے نہ بچ سکا کیونکہ اُس نے ایک بڑا جرم کیا کہ حق کو چھپایا اور شہادت دینے سے خاموشی اختیار کی۔

جو حدیث اوپر درج کی گئی ہے وہ اسی آتھم کے قصّہ کے متعلق ہے کیونکہ جیسا اس حدیث میں لکھا ہے آتھم کے متعلق ایک جھگڑا برپا ہوا۔ کہ

کون حق پر ہے آل محمد یعنی احمد علیہ الصلوٰۃ والسلام یا آل عیسیٰ یعنی عیسائی اور پادری لوگ زمینی لوگوں نے جو شیطانی حصہ اپنے اندر رکھتے تھے شور مچایا کہ عیسائی حق پر ہیں اور آسمانی آواز یعنی الہام الٰہی نے شہادت دی کہ احمدؐ حق پر ہے۔ اور اسطرح اس حدیث کا مضمون کھلے طور پر احمد علیہ الرحمۃ کے وقت میں پورا ہوا۔ اور اس پیشگوئی نے پورا ہوکر احمدؐ کی صداقت کو ثابت کیا۔

پھر ایک اور حدیث حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے قال اذ نادی منادٍ من السماء ان الحق فی اٰل محمد فعند ذٰلک یظهر المهدی علی افواه الناس ویشربون حبه ولا یکون لهم ذکر غیره (رواہ نعیم)
یعنی جب یہ جھگڑا پیدا ہوگا کہ کون حق پر ہے اور آسمانی آواز کہے گی کہ عیسائی حق پر نہیں ہیں بلکہ آل محمدؐ حق پر ہے اُسوقت مہدی کا تذکرہ دنیا میں پھیلے گا اور لوگ محبت کے ساتھ اُس کا ذکر کریں گے اور مہدی کے سوا اور کسی بات کا چرچا اُنہیں نہ ہوگا۔ اس حدیث سے ثابت ہوتا ہے کہ یہ جھگڑا مہدی کے زمانہ کے لیئے ایک نشان ہے چنانچہ آتھم کی پیشگوئی کے واقعات نے اس نشان کو پورا کردیا اس حدیث سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ آتھم کے جھگڑے میں عیسائی حق پر نہیں ہونگے بلکہ احمدی حق پر ہونگے۔ اس جھگڑے کی پہلے خبر دی گئی اور یہ بھی بتا دیا گیا کہ اُس جھگڑے میں حق آل محمدؐ کے ساتھ ہوگا۔ پس یہ پیشگوئی شہادت دیتی ہے کہ اس جھگڑے میں احمدؐ سچ پر تھا۔

۷۔ ایسا ہی احمد علیہ الصلوٰۃ والسلام کی زندگی کے ایک اور مشہور واقعہ کی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے خبر دی چنانچہ لکھا ہے اذا کان الصوت فی شهر رمضان فی لیلة جمعة فاسمعوا له واطیعوا وفی اٰخر النهار صوت اللعین ابلیس ینادی الا ان فلانًا قد قتل مظلومًا

یشکل علی الناس و یفتنہم فکم فی الیوم من شاک و تحیر فاذا سمعتم الصوت فی رمضان یعنی الاول فلا تشکو ا انہ صوت جبریل وعلامۃ ذلک انہ ینادی باسم المہدی واسم ابیہ۔ یعنی ماہ رمضان میں ایک آواز آئیگی اُسکو سنو اور اُسکو مانو۔ اور دن کے آخری حصہ میں شیطان آواز دیگا کہ فلاں شخص مظلوم قتل ہوا ہے وہ لوگوں کے لیئے آزمائش کے دن ہونگے۔ کئی لوگ اُسدن شک کرینگے اور کئی حیرت میں پڑجائیں گے پس جب تم رمضان کی آواز یعنی پہلی آواز کو سنو تو یقین کرلو کہ وہ جبریل کی آواز ہی اور اُس کی علامت یہ ہے کہ وہ مہدی اور مہدی کے باپ کے نام پر آواز دیگا۔ یہ پیشگوئی لیکھرام کے قتل کے ساتھ پوری ہوئی جو ۶۔ مارچ ۱۸۹۷ء کو لاہور میں دن کے آخری حصہ میں قتل ہوا اُسوقت آریوں نے شور مچایا کہ لیکھرام مظلوم مارا گیا ہے اور قوم نے شہید کا اُسکو خطاب دیا۔ مگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یہ آواز بر دن کے آخری حصہ میں آئے گی یہ شیطانی آواز ہوگی اور پہلی آواز جو تم نے رمضان میں سنی تھی وہ خدا کے فرشتہ کی آواز ہوگی۔ رمضان میں ہی ایک فرشتہ حضرت احمد علیہ الصلوٰۃ والسلام کے پاس آیا اور اس نے پوچھا کہ لیکھرام کہاں ہے گویا لیکھرام کو قتل کرنا چاہتا ہے۔ یہ آواز مہدی کے نام پر آئی تھی کیونکہ فرشتہ مہدی ہی کے پاس آیا تھا۔ پس آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو لوگ یہ کہیں گے کہ فلاں شخص ظلم سے مارا گیا وہ جھوٹے ہونگے اور انکی آواز درحقیقت شیطانی آواز ہوگی بلکہ اُسکا قتل اُس کلام کے مطابق ہوگا جو خدا کا فرشتہ مہدی کے پاس لائے گا۔ یہ پیشگوئی ایسی صفائی سے پوری ہوئی کہ اس سے کوئی انکار نہیں کرسکتا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی پیشگوئی کے مطابق دن کے آخری حصہ میں ایک آواز اُٹھی کہ فلاں شخص ظلم سے مارا گیا اور وہ مظلوم ہے۔

اُس سے پہلے ماہ رمضان میں فرشتہ مہدی کے پاس آچکا تھا کہ لیکھرام کہاں ہے اور وہ دن بعض لوگوں کے لیئے بڑے ابتلا کا موجب تھا۔ کئی لوگوں کی تلاشیاں لی گئیں۔ کئی آدمیوں کو قتل کے شبہ پر گرفتار کیا گیا۔ مسلمانوں اور ہندوؤں میں عداوت پیدا ہوگئی اور بعض اُنہیں سے دوسروں کے خون کے پیاسے ہوگئے۔ غرض آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی پیشگوئی احمد علیہ الرحمۃ کے زمانہ میں لفظ بلفظ پوری ہوگئی اور اس پیشگوئی کا پورا ہونا اس امر کے لیئے شہادت ہے کہ احمدؑ اپنے دعوے مہدویت میں سچا تھا۔

۹۔ جیسا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے آتھم اور لیکھرام کے واقعہ کی خبر دی ایسا ہی آپ نے مہدی موعودؑ کے عہد کے ایک اور عظیم الشان واقعہ کے متعلق پیشگوئی فرمائی۔ ایک روایت میں ہے۔ اذا قتلت النفس الزکیۃ غضب علیہم من فی السماء ومن فی الارض فاتی الناس المھدی الخ۔ یعنی جب نفس زکیہ یعنی ایک پاک شخص قتل کیا جائیگا تو قتل کرنیوالوں پر غضب الٰہی بھڑکے گا اور لوگ مہدی کے پاس آئیں گے۔ رواہ ابن ابی شیبہ ایک اور روایت میں ہے کہ نفس زکیہ اور اُسکا بھائی دو شخص مہدی کے زمانہ میں قتل کیئے جاویں گے اُسوقت ایک پکارنیوالا آسمان سے پکاریگا ان امیرکم فلان فذلک المھدی یعنی فلاں شخص تمھارا امیر ہے اور وہ امیر مہدی موعودؑ ہوگا۔ رواہ نعیم بن حماد۔ ملاحظہ ہو اقتراب الساعہ صفحہ ۱۰۲ و حجج الکرامہ صفحہ ۳۵۰۔ ان روایتوں سے پایا جاتا ہے کہ مہدی موعودؑ کے زمانہ میں دو پاک نفس ظلم سے قتل کیئے جائیں گے اور اُنکا قتل ہونا مہدی موعودؑ کے لیئے ایک نشان ہوگا جس وجہ سے لوگ مہدی موعودؑ کے پاس آئیں گے اور اسکو قبول کرینگے اور اُنکے قتل سے مہدی کا نام اُس ملک میں شہرت پاجائیگا گویا پکارنیوالا کہیگا کہ تمھارا سچا امیر جو حقیقی معنوں میں تمھارا امیر ہے

وہ فلاں شخص ہے اور وہ شخص مہدی موعودؑ ہوگا۔ یہ پیشگوئی بڑی صفائی سے شہزادہ عبداللطیف اور آپکے شاگرد اور بھائی مولوی عبدالرحمٰن کی شہادت کے ساتھ پوری ہوئی۔ مولوی عبدالرحمٰن کو عبدالرحمٰن امیر کابل نے مہدی موعودؑ کو قبول کرنے اور جہاد اور غازی مہدی کے اعتقاد کو ترک کرنے کی وجہ سے کابل میں قتل کیا اور صاحبزادہ عبداللطیف علیہ الرحمۃ کو اُس کے بیٹے نے جو آجکل امیر کابل ہے اسی اعتقاد کی وجہ سے قتل کیا اور اسطرح ان ہر دو بزرگواروں کا قتل ہونا مہدی کیلیئے ایک نشان ہوا اور بہت سے کابل کے لوگوں نے خصوصاً شہزادہ عبداللطیف کے مریدوں نے جو تعداد میں پچاس ہزار ہونگے۔ احمد علیہ الصلوٰۃ والسلام کو مہدی موعودؑ قبول کیا۔ پس اس پیشگوئی کا پورا ہونا احمد علیہ الصلوٰۃ والسلام کی سچائی کے لیئے ایک اور نشان ہوا۔ اور اس واقعہ کی خود احمد علیہ الصلوٰۃ والسلام نے کئی سال پیشتر خدا سے الہام پاکر براہین احمدیہ میں خبر دی تھی کہ **شاتان تذبحان** یعنی دو بکرے ذبح کیئے جائیں گے چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ اور اسطرح دو پیشگوئیاں پوری ہوئیں۔ ایک وہ پیشگوئی جو نفس زکیہ اور اُسکے بھائی کے متعلق تھی اور دوسری خود مہدی موعودؑ کی پیشگوئی جو براہین احمدیہ میں درج تھی۔

ز۔ ان کے علاوہ کتب احادیث میں مہدی موعودؑ کے زمانہ کے متعلق اور بہت سی نداؤں کا ذکر ہے

ا۔ صدیق حسن خاں لکھتا ہے "وازانجملہ آنکہ ندا کند منادی از آسمان بنام مہدی وبشنود آنرا ہر کہ در مشرق است وہر کہ در مغرب (حجج الکرامۃ صفحہ ۳۴۵ و اقتراب الساعہ صفحہ ۶۷) یعنی مہدی کے علامات میں سے ایک یہ علامت ہے کہ آسمان سے ایک پکارنیوالا مہدی کے نام پر آواز دے گا اور اُس کی آواز کو سب لوگ سُنیں گے وہ جو مشرق میں ہیں اور نیز وہ جو مغرب میں ہیں۔

۲- مہدی کے سر پر ایک فرشتہ ہوگا اور وہ ندا کریگا هٰذا خليفة الله المهدی فاسمعوا و اطيعوه۔ یعنی یہ خدا کا خلیفہ مہدی موعودؑ ہے پس اسکی بات کو سنو اور اُس کی اطاعت کرو۔ (رواہ ابو نعیم و خطیب)

۳- بادل مہدی پر سایہ کریگا اور بادل سے ایک پکارنیوالا کہیگا۔ کہ یہ مہدی خدا کا خلیفہ ہے پس اُسکی اطاعت کرو اور بادل سے ایک ہاتھ نکلیگا اور مہدی کی طرف اشارہ کریگا۔ (رواہ ابو نعیم)

ان نداؤں سے یہ غرض نہیں کہ درحقیقت کوئی آواز آسمان سے آئیگی اور واقعی کوئی ہاتھ آسمان سے ظاہر ہوگا اور سچ مچ ایک فرشتہ مہدی کے سر پر کھڑا نظر آئیگا بلکہ ان نداؤں سے یہ مراد ہے کہ خدائے تعالیٰ مہدی موعودؑ کی سچائی کی شہادت دیگا اور خدا کا آسمانی کلام اسکی تصدیق کریگا اور خدا کے منہ کی باتیں پوری ہوکر اسکی سچائی کو ثابت کرینگی اور یہ ندائیں زمین۔ کے ہر ایک حصہ میں سنائی دینگی یعنی اسوقت ایسے ذرائع موجود ہونگے کہ وہ خدا کا کلام جو مہدی موعودؑ پر نازل ہوگا اُسکو زمین کے ہر ایک گوشہ کے لوگ سُن سکیں گے۔ اور آسمان پر ہاتھ کے نکلنے سے یہ مراد ہے کہ خدا کا ہاتھ مہدی موعودؑ کی تائید کریگا اور اسکی نصرت کریگا اور خدائے تعالیٰ اپنی تائید سے اسکا مہدی موعود ہونا ثابت کریگا۔ اور اللہ تعالیٰ اُس کی مدد کے لیئے اپنی قدرت کا ہاتھ دکھلائے گا۔ آواز جو مہدی کے نام میں آسمان سے ہوگی وہ الہامی آواز ہوگی اور تمام اہل مشرق و مغرب اُس سے اطلاع پائیں گے یعنی مہدی کے الہام کی عام شہرت ہوجائیگی۔ نیز لکھا ہے کہ مہدی موعودؑ کی ایک علامت ندا ہے جو مہدی کے ظہور سے پہلے ہوگی (حجج الکرامۃ صفحہ ۴۴۵) یعنی طبعاً تمام اہل زمین کا بول اُٹھنا کہ ایک عنقریب آنیوالا ہے اسمیں اہل کشف اور منجم بھی داخل ہیں۔ میں پہلے دکھا آیا ہوں کہ مہدی موعودؑ کے ظہور سے پہلے کسطرح لوگ بول اُٹھے تھے کہ مہدی موعودؑ عنقریب آنیوالا ہے۔ خود عیسائی دنیا بول اُٹھی تھی کہ کہ مسیح موعودؑ کا ظہور اب قریب ہے۔ (باقی آئندہ)

پیغام صلح

پیغام صلح حضرت مسیح موعودؑ کا آخری پیغام اپنے اہل وطن کے نام تھا۔ جو آپ کے وصال کے بعد شائع ہوا۔ اس پیغام کا انگریزی ترجمہ جولائی کے انگریزی رسالہ میں شائع ہوا۔ اور پھر دوبارہ اسی کو خواجہ کمال الدین صاحب سکرٹری صدر انجمن احمدیہ قادیان نے چھپوا کر مفت ملک میں شائع کیا اور تین ہزار کاپی انگریزی کے ساتھ دس ہزار کاپی اُردو کی چھپوا کر اسی طرح مفت شائع کی[*] اس پیغام کا منشا کُل مذاہب کو ایک صلح کے اصل پر قائم کر کے ہندوؤں اور مسلمانوں کے باہمی بُغض و عداوت کو کم کرنا اور کینوں اور فسادوں کا رفع کرنا تھا۔ ہندوؤں میں سے وہ فریق جو آریہ سماج میں داخل ہے یا آریہ سماج کی تعلیم کے زیر اثر ہے اس پیغام کو کسی صورت میں پسند نہ کر سکتا تھا کیونکہ انکے نزدیک اللہ تعالیٰ کے تمام نبی نعوذ باللہ محض مفتری تھے پس وہ اس صلح کے اصل کو کہ اللہ تعالیٰ نے مختلف ملکوں میں مختلف زمانوں میں اپنا کلام اپنے برگزیدہ بندوں پر نازل فرمایا جو اسلام کا اصل اصول ہے کسی طرح قبول نہ کر سکتے تھے مگر افسوس کہ ان میں سے بعض نے متانت اور تہذیب سے کام نہ لیکر اسپر سنجیدہ نکتہ چینی کی۔ لیکن یہ گروہ اہل ہنود میں کوئی بڑا گروہ نہیں۔ بہت سے معزز ہندو صاحبان نے نہائت خوشی سے اس پیغام کو سنا اور اسپر خوشی کا اظہار بھی کیا۔ ایسا ہی بڑے بڑے پایہ کے

---

[*] جو صاحب اس رسالہ کو انگریزی یا اُردو میں دیکھنا چاہتے ہوں۔ وہ آدھ آنہ کا ٹکٹ خواجہ کمال الدین صاحب وکیل چیف کورٹ لاہور یا اس رسالہ کے دفتر میں بھیجکر منگوا سکتے ہیں۔ (ایڈیٹر ریویو)

انگریزی اخبارات میں بھی اسپر ریویو نکلے۔ ہم ذیل میں مشہور انگریزی رسالہ ریویو آف ریویوز کے ریمارک جو ایڈیٹر رسالہ نے اس پیغام صلح پر کیے ہیں درج کرتے ہیں اور اسکے بعد ہندوستان کے معزز اخبار ہندو پیٹریٹ مدراس کے ریمارکوں کو ناظرین کے سامنے پیش کرتے ہیں تاکہ وہ معلوم کر سکیں کہ جن لوگوں نے تعصب سے خالی ہوکر اس مبارک پیغام کو پڑھا ہے انکے دلوں پر اسکا کیا اثر ہوا۔ آریہ سماج کے معزز بزرگوں سے اب بھی ہماری التماس ہے کہ وہ غور سے اس مبارک پیغام کو پڑھیں۔

رسالہ ریویو آف ریویوز ستمبر کے پرچے میں لکھتا ہے۔ " پیغام صلح مرزا غلام احمدؐ مرحوم مسیح موعود و مہدیؑ کا ایک لیکچر ہے جو ۲۱ جون کو پانچہزار ہندوؤں اور مسلمانوں کے مجمع میں یونیورسٹی ہال لاہور میں پڑھا گیا۔ مسیح و مہدی مذکور جو اس پیغام کے لکھنے کے تھوڑی دیر بعد ہی فوت ہو گئے ایک سلسلہ کے پیشوا تھے جسکا نام سلسلہ احمدیہ ہے جسکی بنیاد ۱۸ سال سے پڑی ہوئی ہے اور جسکا منشار ہندوؤں اور مسلمانوں میں صلح کرانا ہے۔ یہ سلسلہ گورنمنٹ کے خلاف کسی قسم کے سخت طریقوں کے استعمال کو پسند نہیں کرتا اور ہندوستان کی قومی تحریک کے ساتھ شریک ہوکر کام نہیں کرنا چاہتا۔ ہندوستان کے مختلف حصوں میں اسکے پیروؤں کی تعداد چار لاکھ ہے۔ اور ان لوگوں اور عام مسلمانوں میں امتیاز یہ ہے کہ سلسلہ احمدیہ کے پیرو غیر مسلموں کے خلاف جہاد کو ناجائز سمجھتے ہیں۔ پیغام صلح جو پورے کا پورا ریویو آف ریلیجنز کے جولائی کے پرچہ میں شائع ہوا ہے کئی وجوہ سے ایک قابل قدر تحریر ہے۔ خواہ اسکا کوئی پولیٹکل منشار نہ ہو مگر اس بات کو مدنظر رکھکر کہ سلطان نے آئینی حکومت اور مذہبی مساوات کے طریق کو اختیار کیا ہے یہ پیغام ایک سنہری پل کا کام دے سکتا ہے جبکہ ہوکر

مسلمانان ہند قانون اساسی کے خیمہ میں پہنچ سکتے ہیں۔ پیغام صلح شروع میں ہی تمام ہندوستان کے رہنے والوں کے ایک ہونیکو تسلیم کرتا ہے چنانچہ یہ اسکے لفظ ہیں۔
{اے سامعین ہم سب کیا مسلمان اور کیا ہندو باوجود صدہا اختلافات کے اس خدا پر ایمان لانے میں شریک ہیں جو دنیا کا خالق اور مالک ہے اور ایسا ہی ہم سب انسان کے نام میں بھی شراکت رکھتے ہیں یعنی ہم سب انسان کہلاتے ہیں اور ایسا ہی بباعث ایک ہی ملک کے باشندہ ہونیکے ایک دوسرے کے پڑوسی ہیں}
پیغام صلح میں یہ بھی دعویٰ کیا گیا ہے کہ اسلام کی یہ قابل فخر خصوصیت ہے کہ وہ تمام دوسرے انبیاء کے منجانب اللہ ہونیکو تسلیم کرتا ہے۔ چنانچہ ایک آیت قرآن شریف کی نقل کی گئی ہے جسکا مفہوم یہ ہے کہ ہم (یعنی تمام مسلمان) دنیا کے تمام نبیوں پر ایمان لاتے ہیں اور ان میں ایسی تفریق نہیں ڈالتے کہ چند نبیوں کو قبول کرلیں اور باقی کو رد کردیں۔ پس اکٹھے ہوکر کام کرنیکے لیئے یہ اصل ایک مشترک بنیاد کا کام دیتا ہے خصوصاً قرآن اور وید پر ایمان لانیوالوں کے لیئے اس سے صلح کی ایک نہائت عمدہ راہ کھلتی ہے۔ سارا پیغام صلح بلند آواز سے ہندوؤں اور مسلمانوں کو پکار رہا ہے کہ وہ اپنے اختلافات سے قطع نظر کرکے اپنے دلوں کو ہر قسم کے بغض اور کینے سے پاک کریں اور آشتی اور صلح کے ساتھ ملکر کام کریں۔ پیغام صلح کا خلاصہ مطلب اس کے اس فقرہ میں درج ہے۔
{ایسے نازک وقت میں یہ راقم آپ کو صلح کے لیئے بلاتا ہے جبکہ دونوں کو صلح کی بہت ضرورت ہے دنیا پر طرح طرح کے ابتلا نازل ہو رہے ہیں زلزلے آرہے ہیں قحط پڑرہا ہے اور طاعون نے بھی ابھی پیچھا نہیں چھوڑا اور جو کچھ خدا نے مجھے خبر دی ہے وہ بھی یہی ہے کہ اگر دنیا اپنی بدعملی سے باز نہیں آئے گی۔ اور برے کاموں سے توبہ نہیں کریگی تو دنیا پر سخت بلائیں آئینگی۔ اور ایک بلا ابھی بس نہیں کریگی کہ دوسری بلا ظاہر ہوجائیگی آخر انسان نہائت تنگ ہوجائیں گے کہ یہ کیا ہونیوالا ہے اور بہتیرے

مصیبتوں کے بیچ میں آکر دیوانوں کی طرح ہوجائیں گے۔ سو اے ہموطن بھائیو! قبل اسکے کہ وہ دن آویں ہوشیار ہو جاؤ۔ اور چاہئیے کہ ہندو مسلمان باہم صلح کرلیں اور جس قوم میں کوئی زیادتی ہے جو وہ صلح کی مانع ہو اس زیادتی کو وہ قوم چھوڑ دے ورنہ باہم عداوت کا تمام گناہ اسی قوم کی گردن پر ہوگا۔}

وہ بات جس سے اسکی خواہش کی سچائی ثابت ہوتی ہے کہ تمام نبیوں کو خدا کی طرف سے مانکر مذہبی اتفاق اور اتحاد کی بنیاد رکھی جاوے اس پیغمبر صلح کی یہ نرالی تجویز ہے {اگر اس قسم کی صلح تام کے لیئے ہندو صاحبان اور آریہ صاحبان تیار ہوں کہ وہ ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو خدا کا سچا نبی مان لیں اور آئندہ توہین اور تکذیب چھوڑ دیں تو میں سب سے پہلے اس اقرار نامہ پر دستخط کرنے پر تیار ہوں کہ ہم احمدی سلسلہ کے لوگ ہمیشہ وید کے مصدق ہونگے اور وید اور اس کے رشیوں کا تعظیم اور محبت سے نام لیں گے اور اگر ایسا نہ کریں گے تو ایک بڑی رقم تاوان کی جو تین لاکھ روپیہ سے کم نہیں ہوگی ہندو صاحبان کی خدمت میں ادا کریں گے۔ اور اگر ہندو صاحبان دل سے ہمارے ساتھ صفائی کرنا چاہتے ہیں تو وہ بھی ایسا ہی اقرار لکھ لکھکر اسپر دستخط کر دیں۔}

اخبار ہندو پیٹریٹ مدراس یوں رقمطراز ہے۔ "ہمیں ایک عجیب رسالہ بنام پیغام صلح پہنچا ہے جو مرزا غلام احمد صاحب رئیس قادیان کی تصنیف ہے جنکی وفات مئی گذشتہ میں واقع ہوئی ہے۔ احمدیہ سلسلہ میں اسوقت قریباً چار لاکھ انسان شامل ہیں۔ اور یہ سب مرزا غلام احمد صاحب کو مسیح اور مہدی موعودؑ مانتے ہیں۔ خود اس رسالہ کے متعلق ایک دردانگیز واقعہ ہے یہ انکی زندگی کی آخری دو تین دنوں میں لکھا گیا اور لاہور میں ایک عام جلسہ میں سنایا جانا تھا کہ اسی اثنا میں یہ مشہور و معروف انسان وفات پاگیا۔ اور یہ لیکچر قریباً ایک ماہ بعد یونیورسٹی ہال لاہور میں قریباً پانچہزار آدمیوں کے ایک مجمع میں سنایا گیا جس میں ہندو اور مسلمان سوسائٹی کے

معزز اور بڑے بڑے لوگ شامل تھے۔ اور مسٹر چیٹر جی جج چیف کورٹ صدر جلسہ تھے۔ ہمیں یہ بات معلوم کرکے بہت خوشی ہوئی ہے کہ اس زبردست پیغام صلح کی بارہ ہزار کاپیاں اُردو میں اور تین ہزار کاپیاں انگریزی میں مفت شائع کی جا رہی ہیں۔ اور جو صاحب چاہیں صرف آدھ آنہ کا ٹکٹ سکرٹری صدر انجمن احمدیہ قادیان کو بھیجکر اس دلکش چھوٹے سے رسالہ کی ایک کاپی منگوا سکتے ہیں جس میں بہت سی اچھی اور پسندیدہ باتوں کا نہائت زبردست الفاظ میں صدق دل سے اظہار کیا گیا ہے وہ عظیم الشان طاقت اور اعلیٰ درجہ کی ہمدردی جو قادیان کے بزرگ کے اس آخری پیغام صلح سے ظاہر ہوتی ہے وہ یقیناً ایک خاص امتیاز کے ساتھ اسے ایک عظیم الشان انسان ثابت کرتی ہے پس یہ کوئی تعجب کی بات نہیں کہ چار لاکھ انسان اسے مسیح موعود اور مہدی تسلیم کرتے ہیں فرقہ احمدیہ صرف یہی نہیں کہ دوسرے مذاہب کو بُرا نہ کہتا ہو بلکہ اُنکو تسلیم کرتا ہے انکا ادب کرتا ہے اور یہ تعلیم دیتا ہے کہ اصل میں سارے مذہب ایک ہی ہیں اور ہر ایک چیز اللہ تعالیٰ کی عظمت کو بیان کرتی ہے۔ قادیان کا بزرگ ولی اپنی اس کتاب کو اس زبردست نصیحت سے شروع کرتا ہے کہ تمام انسان خواہ کسی مذہب کے پیرو ہوں دراصل ایک ہی ہیں۔ اور پھر اس امر کی تفصیل کرتا ہے کہ کسطرح قرآن کریم نے ابتدا میں ہی اس بات کو بیان کرکے کہ تمام کامل اور پاک صفات صرف اس خدا کے لیئے ہیں جو تمام جہانوں کا رب ہے ایسے اصول کو رد کیا ہے جو خدائے تعالیٰ کے غیر محدود فضل اور ربوبیت کی حد بندی کرنا چاہتے ہیں۔ یہ کتاب مسلمانوں کے لیئے ایک اپیل ہے کہ وہ اپنے مذہب کی اصل روح کو سمجھیں اور ہر ایک ہندو یا سکھ یا عیسائی یا بدھ مذہب کے پیرو کو اپنا بھائی خیال کریں۔

یہ عظیم الشان بزرگ جسکا مقصد یہ تھا کہ مسلمانوں کو اصل اصول اسلام پر قائم

کرے بیان کرتا ہے کہ ہم نہیں سمجھتے کہ جس صورت میں مسلمانوں کو اللہ تعالیٰ یہ نصیحت کرتا ہے کہ وہ سب انسانوں پر شفقت کریں تو کیوں ہندو اور مسلمان آپس میں صلح نہیں کر سکتے۔ مرزا غلام احمد صاحب بیان کرتے ہیں کہ ہندوؤں کا مذہب بیشک تنگ ہے کیونکہ یہودی عیسائی اور ہندو اس بات پر اعتقاد رکھتے ہیں کہ نجات صرف انہی کے لیئے مخصوص ہے اور دوسرے کسی کا اس میں کوئی حق نہیں۔

پھر وہ لکھتے ہیں۔

{ ہندو اور مسلمان اس ملک میں دو ایسی قومیں ہیں کہ یہ ایک خیال محال ہے کہ کیسوقت مثلاً ہندو جمع ہوکر مسلمانوں کو اس ملک سے باہر نکال دینگے یا مسلمان اکٹھے ہوکر ہندوؤں کو جلاوطن کر دیں گے۔ بلکہ اب تو ہندو مسلمانوں کا باہم چولی دامن کا ساتھ ہو رہا ہے اگر ایک پر کوئی تباہی آوے تو دوسرا بھی اس میں شریک ہو جائیگا۔ اور اگر ایک قوم دوسری قوم کو محض اپنے نفسانی تکبر اور شیخت سے حقیر کرنا چاہے گی تو وہ بھی داغ حقارت سے نہیں بچیگی۔ اور اگر کوئی ان میں سے اپنے پڑوسی کی ہمدردی میں قاصر رہیگا تو اسکا نقصان وہ آپ بھی اٹھائیگا۔ جو شخص تم دونوں قوموں میں سے دوسری قوم کی تباہی کی فکر میں ہے اسکی اس شخص کی مثال ہے کہ جو ایک شاخ پر بیٹھکر اس کو کاٹتا ہے۔ }

صلح اور اتفاق کے اس اعلیٰ اور پاکیزہ خیال کے ساتھ ہی یہ بزرگ انسان فکر ظاہر کرتا ہے کہ اسوقت دونوں قوموں میں عداوت اور بغض ترقی کر رہا ہے۔ اور کہ بعض لوگ اس تباعد کو اور بھی بڑھانے کی کوشش کر رہے ہیں۔ یہ بزرگ انسان طاعون اور زلزلے شریر انسانوں کے لیئے اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک سزا بیان کرتا ہے اور کہتا ہے کہ وہ دن عنقریب آئے گا کہ چاروں طرف سے اس طرح مصائب انسانوں کو آگھیریں گی کہ وہ حیرت زدہ ہوکر پوچھیں گے کہ کیا ہونیوالا ہے۔

مرزا غلام احمد صاحب یہ نصیحت کرتے ہیں کہ ان بلاؤں اور مصیبتوں کے دنوں سے پہلے پہلے ہم اتفاق کریں۔ وہ اپیل کرتے ہیں کہ مسلمانوں اور ہندوؤں کو باہم صلح کر لینی چاہیئے۔ اور اگر ایک فریق ان میں سے دوسرے پر کوئی زیادتی کر رہا ہے تو اسے چاہیئے کہ اس زیادتی کو چھوڑ دے ورنہ ساری عداوت اور کینوں کا جو اس سے بڑھیں گے یہ فریق ذمہ وار ہوگا۔ وہ بڑے افسوس کے ساتھ ان جھگڑوں کو دیکھتے ہیں جو مختلف مذاہب کے پیرووں اور حامیوں میں ہوتے رہتے ہیں جو دوسروں کی تعلیم اور بزرگوں کے متعلق سخت کلامی سے پرہیز نہیں کرتے۔ دوسری قوموں کے مقدس بزرگوں کا بے ادبی سے نام لینا اور انکو گالیاں دینا ایک زہر ہے جو جسم اور روح دونوں کو ہلاک کر دیتی ہے اور اعلیٰ درجہ کی اخلاقی جرأت کے ساتھ جو خصوصیت سے اس بزرگ کی عظمت کا دلوں پر اثر بٹھاتی ہے۔ وہ لکھتا ہے۔

{اس جگہ اس حصہ پیغام صلح کو نقل کیا ہے جس میں مصنف پیغام صلح نے اپنی طرف سے آمادگی ظاہر کی ہے کہ ہم ایسا معاہدہ دینے کو تیار ہیں اور ہندو صاحبان سے چاہا ہے کہ جس طرح ہم انکے نبیوں کو صادق مانتے ہیں وہ بھی ہمارے نبی علیہ السلام کے صدق پر سچے دل سے ایمان لاویں۔ پھر اسکے بعد پیغام صلح کا وہ حصہ نقل کیا گیا ہے جس میں مسلمانوں اور ہندوؤں کا پولیٹیکل امور میں اختلاف دکھا کر یہ بیان کیا گیا ہے کہ اصل دشمنی کی وجہ پولیٹیکل تفرقہ نہیں بلکہ مذہبی تفرقہ ہے} اس کے بعد اخبار مذکور لکھتا ہے۔

"اس طرح پر اصل وجہ فساد کو قائم کر کے یہ عظیم الشان انسان ایک سچے نبی کی طاقت روح اور جوش کے ساتھ اس بات کو بیان کرتا ہے کہ کیوں ایسے مذہبی اختلافات ہمارے اندر نہیں ہونے چاہیئے۔ یہ ایک زبردست تحریر ہے اور

پڑھنے والے کو بہت سی نئی باتیں سکھاتی اور اسے غور اور تدبر کا موقعہ دیتی ہے۔ ہندو اور مسلمان جب اس اپیل کو جو ایک سچے دل سے نکلی ہوئی اور ایک ایسے شخص کی طرف سے ہے جو چار لاکھ آدمیوں کے یقین اور ایمان میں مسیح موعود اور مہدی ہے تو یقیناً انکے دل اس اثر سے خالی نہ رہیں گے جو ایک سچے دل سے نکلی ہوئی بات کا اثر ہوتا ہے۔ مہدی کی اپیل کے یہ الفاظ قابل غور ہیں { پیارو! صلح جیسی کوئی بھی چیز نہیں۔ آؤ ہم اس معاہدہ کے ذریعہ سے ایک ہو جائیں اور ایک قوم بنجائیں آپ دیکھتے ہیں کہ باہمی تکذیب سے کسقدر پھوٹ پڑ گئی ہے آؤ اب یہ بھی آزمالو کہ باہمی تصدیق کی کسقدر برکات ہیں۔ }

ایسی اپیل ایسے عظیم الشان انسان کی طرف سے یوں ہی ضائع نہیں جانی چاہیئے اور ہر ایک محب وطن ہندوستانی کا یہ مدعا ہونا چاہیئے کہ وہ مجوزہ صلح کو عملی رنگ پہنانے کی کوشش کرے۔"

کرشن اوتار:- ایک اور چھوٹا سا رسالہ ہے جو پیغام صلح کے ساتھ اسیقدر تعداد میں خواجہ کمال الدین صاحب نے چھپوا کر مفت شائع کیا ہے۔ یہ چھوٹا سا رسالہ ایک قابل قدر تصنیف ہے جس میں ہندو صاحبان کو اصل حقیقت اوتار کی واضح کر کے سمجھائی گئی ہے اور یہ دکھایا گیا ہے کہ کیوں کلام الٰہی بار بار نازل ہونیکی ضرورت ہوتی ہے۔ احمدی احباب جو ان رسالوں کو مفت شائع کرنیکے لیئے منگوانا چاہیں انہیں صرف اصل لاگت پر جو بہت ہی کم ہے مطلوبہ تعداد بھیجی جاوے گی۔

مندرجہ ذیل کتب موجودہ بک ڈپو کی طرف ہم شائقین کو خاص طور پر توجہ دلاتے ہیں۔

یہ کتابیں بذریعہ وی پی (مفصل فہرست اور قیمتوں کے لیے دیکھو دوسری طرف) مینجر میگزین قادیان سے طلب کرو۔

(۱) صداقت و فلسفہ اسلام پر۔ براہین احمدیہ۔ جس میں نہایت پُر زور دلایل کے ساتھ صداقت اسلام اور آنحضرتؐ کے منجانب اللہ ہونیکو ثابت کیا گیا ہے۔ مکمل کتاب جس میں حصہ چہارم وہ اصل نسخہ ہے جو حضرت اقدسؑ نے ۱۸۸۴ء میں چھپوایا تھا ۵۰ روپیہ کو ملتی ہے۔ اسلام کا فلسفہ۔ وہ لطیف لیکچر جو پانچ سوالوں کے جواب میں جلسہ اعظم مہوتسو میں حضرت اقدسؑ کی طرف سے پڑھا گیا۔ جیبی تقطیع قیمت ۲ ؍ رپورٹ جلسہ اعظم مذاہب۔ علاوہ مذکورہ بالا لیکچر کے دیگر مذاہب کے جواب بھی ہیں ۴۷۲ صفحے قیمت ۸ ؍ ریویو آف ریلیجنز کی پچھلی جلدیں جن میں علاوہ دیگر مذاہب جیسے عیسائیت آریہ مذہب وغیرہ کی تردید کے بعض مفصل اور مبسوط مضامین صداقت اسلام پر لکھے گئے ہیں جیسے جلد ۱۹۰۳ء میں عصمت انبیاء پر جلد ۱۹۰۴ء میں دعا کی حقیقت اسلام کی حقیقت اور برکات روح القدس ملائکہ وحی الٰہی کی ضرورت۔ جلد ۱۹۰۵ء میں پردہ تعدد ازدواج۔ طلاق غلامی پر۔ جلد ۱۹۰۶ء میں سود۔ قانون وراثت اور احادیث کی صداقت پر۔ جلد ۱۹۰۷ء میں قرآن کریم کی حفاظت اور جمع۔ قرأتوں اور ناسخ و منسوخ پر۔ فی جلد عہ

(۲) عیسائی مذہب پر۔ سراج الدین عیسائی کے چار سوالونکا جواب ۲ ؍ جنگ مقدس قابل دید کتاب ہے ۶ ؍ نور القرآن حصہ اول ۲ ؍ حصہ دوم ۴ ؍ ابطال الوہیت مسیح ۱ ؍ (۳) آریہ مذہب پر۔ سرمہ چشم آریہ۔ جو آریہ مذہب کے اعتراضوں کے جواب میں اور انکے اصول کی تردید میں ایک لاثانی کتاب ہے ۲۵۰ صفحے قیمت ۱۲ ؍ نور الدین۔ ترک اسلام کے ۱۴۱ سوالونکا لاجواب جواب ہے جو علامہ حکیم نور الدین صاحب کی تصنیف ہے ۲۵۶ صفحے قیمت ۸ ؍ آریہ دھرم جس میں نیوگ پر بحث ہے ۴ ؍ نسیم دعوت ۳ ؍ (۴) شیعہ مذہب پر۔ خلافت راشدہ حصہ اول ۱۸۰ صفحے ۸ ؍ حصہ دوم ۸۰ صفحے ۴ ؍ مولوی عبد الکریم صاحب مرحوم کی لطیف تصنیف جس میں شیعہ مذہب کی ایسی تردید کیگئی ہے جسکا جواب کسی شیعہ سے بن نہیں سکا بحث کا اسلوب بالکل نیا ہے خطوط شیعہ کا جواب ۲ ؍ (۵) سکھ مذہب پر۔ ست بچن ۲۰۰ صفحے قیمت ۱۰ ؍ اس کتاب میں یہ ثابت کیا گیا ہے کہ باوا نانک صاحب اسلامی طریق کے پیرو تھے سکھ مذہب پر حجت قاطع ہے۔ (۶) سلسلہ احمدیہ کی حقیقت میں عسل مصفّٰے ایک قابل دید کتاب ۸۲۸ صفحوں کی ہے جو بسبب ایک جامع کتاب ہونیکے ہر ایک احمدی کے ہاتھ میں ہونی چاہیئے۔ سلسلہ احمدیہ کے متعلق ہر ایک مسئلہ پر اور احادیث تفاسیر وغیرہ کے تمام اقوال پر سیر کن بحث ہے۔ باقی کیلیے دیکھو مفصل فہرست۔ (۷) لغات القرآن۔ ایک نہایت قابل قدر لغات قرآن شریف کی ہے جسمیں بالمقابل کالموں میں معتبر لغات عربی اور اسکا اردو ترجمہ دیئے گئے ہیں قرآن شریف کا ترجمہ سیکھنے کے لیے از بس ضروری ہے حصہ اول ۴۲۸ صفحے قیمت عہ حصہ دوم ۶۰۸ صفحے قیمت عہ ؍ (۸) یسرنا القرآن یہ اگرچہ بچوں کا قاعدہ ہے مگر ایک نہایت مفید چیز ہے جس سے بچوں کو قرآن شریف کے پڑھنے میں اعلیٰ درجہ کی سہولت ہوگئی ہے چھ ماہ میں بچہ قرآن شریف پڑھ لیتا ہے تین حصہ ہیں ہے فی حصہ ۱ ؍ (۹)

مندرجہ ذیل کتابیں دفتر میگزین قادیان ضلع گورداسپور سے بذریعہ قیمت طلب پیکٹ مل سکتی ہیں انکا مطالعہ مذہبی تحقیقات اور تاریخی معلومات اور مخالفین کے اعتراضات کی تردید کیلئے نہایت ضروری ہے مشرح فہرست۔ ٹکٹ بھیجنے پر ارسال خدمت ہوگی

کتاب	قیمت	کتاب	قیمت	کتاب	قیمت	کتاب	قیمت
انوار الله اردو	۸ر	قاعدہ عربی اردو	ار	تذکرۃ الشہادتین اردو	۵ر	شہادۃ القرآن اردو	۴ر
اجرومیہ عربی	/ر	قرآن شریف مترجم مع تفسیر حسینی	عـ	〃 فارسی	۳ر	صیان القرآن 〃	۳ر
الذکر یعنی ترجمہ اذکار و اسمائے الٰہیہ	۲ر	مسک العارف اردو	۱۰ر	تحفہ قیصریہ اردو	۲ر	کشف الغطاء 〃	۲ر
پارہ الٓمٓ عربی	۲ر	نشان آسمانی 〃	۲ر	تحفۃ الندوہ 〃	/ر	لغات القرآن حصہ اول	عہ
پنج ارکان اسلام اردو	ار	واقعات صحیحہ 〃	۲ر	تقریریں 〃	۲ر	〃 حصہ دوم	عہ
تفسیر جلالین عربی	عہ	یسرنا القرآن حصہ اول	ار	تقریروں کا مجموعہ 〃	۳ر	لیکچر سیالکوٹ اردو	۱ر
تفسیر فوز الکبیر عربی فارسی	۲ر	〃 〃 دوم	ار	سراج الدین عیسائی کے چار سوالوں کا جواب 〃	۲ر	〃 لاہو نہوتسو 〃	۴ر
تقریر جلسہ مذاہب جیبی تقطیع اردو	۲ر	〃 〃 سوم	ار	جنگ مقدس عیسائیوں سے مباحثہ 〃	٦ر	مشکوٰۃ الانوار عربی	۴ر
جام شہادت۔ اردو	/ر	ہدیہ ثاقب اردو	۲ر	حمامۃ البشریٰ حصہ اول عربی	۸ر	مواہب الرحمٰن 〃	۴ر
شمائل مترجم فارسی	عہ	الہدیٰ عربی	٦ر	حجۃ الاسلام اردو	ار	مبادی الصرف	۱ر
رپورٹ جلسہ اعظم مذاہب اردو	۸ر	الحق الدھیانہ اردو	٦ر	خطوط شیعہ کا جواب 〃	۲ر	نسیم دعوت اردو	۳ر
سلسلہ دینیہ۔ اردو	٭	〃 دہلی 〃	۸ر	خطبہ الہامیہ عربی مع ترجمہ فارسی اردو	عہ	نور القرآن حصہ اول 〃	۲ر
سلائل القرأۃ۔ عربی نمبر۱	۴ر	اعجاز احمدی۔ عربی	۳ر	خلافت راشدہ حصہ اول اردو	۸ر	〃 〃 دوم 〃	۴ر
〃 〃 نمبر۲	۸ر	احسن الکلام اردو	—	〃 دوم 〃	۴ر	ہدیہ سعدیہ عربی	۲ر
〃 〃 نمبر۳	۱۳ر	ابطال الوہیت مسیح 〃	ار	خزینۃ المعارف حصہ اول و دوم	۴ر	فضل حق اردو	ار
〃 〃 نمبر۴ / آریہ دھرم اردو	۴ر	آیات الرحمٰن 〃	۸ر	〃 〃 سوم و چہارم	۸ر	سیرۃ المسیح۔ 〃	۸ر
		دعوت الحق 〃	۵ر	اعلام الناس حصہ دوم	۴ر	آسمانی فیصلہ 〃	۲ر
دینیات کا پہلا رسالہ 〃	ار	شرح ترمذی۔ نمبر۱	٭	دعوت دہلی اردو	٦ر	دافع البلاء 〃	ار
طریق النجات نمبر۱	۸ر	〃 نمبر۲	٭	دعوت الندوہ 〃	ار	غنیۃ الطالب۔ عربی	عہ
〃 نمبر۲	۷ر	احمدی کامن نظم پنجابی	ار	راز حقیقت 〃	ار	شفاء السقام 〃	عہ
〃 نمبر۳	۸ر	براہین احمدیہ حصہ اول	ھر	براہین احمدیہ حصہ چہارم*	عـ	ست بچن اردو	۱۰ر
〃 نمبر۴	۱۵ر	〃 〃 دوم	۴ر	تکمیل براہین احمدیہ اردو	۳ر		
عسل مصفّیٰ اردو	٭	〃 〃 سوم	۱۰ر	سرمہ چشم آریہ اردو	۱۲	نوٹ۔ ان قیمتوں میں	
جزمیل بر قول خلیل۔ ایک دلچسپ نظم مولوی خلیل سہارنپوری کے اعتراض کا جواب			ر	مکتوبات و خطبات محمدیہ 〃	۴ر	محصول ڈاک شامل نہیں	

* براہین کا حصہ چہارم اصل نسخہ ہے جو حضرت اقدسؑ نے ۱۸۸۴ء میں چھپوایا تھا۔ باقی تین حصے بڑے اہتمام سے دوبارہ چھپوائے گئے ہیں۔ تکمیل براہین احمدیہ جس میں جلد چہارم بار اول کی چھپی ہوئی ہے۔ ہے، کو دفتر میگزین مل سکتی ہے۔

تمام خط و کتابت ان کتابوں کے متعلق دفتر میگزین قادیان سے ہونی چاہیئے۔

گوشوارہ آمد و خرچ صدر انجمن احمدیہ - قادیان - ضلع گورداسپور - بابت ماہ اکتوبر [illegible]

تعلیم

فیس مدرسہ	فیس بورڈنگ	چندہ مدرسہ	عید فنڈ	متفرق	کرایہ	میزان	بقایا سابقہ	کل	عملہ مدرسہ	سائر خرچ	اسباب	کرایہ	سامان ورزش	متفرق	کل	باقی
۴/	۱۱/	۱۴/	۳/ ۹ پائی	[illegible]	عہ/	۸/ ۹ پائی	۱۲/ ۱ پائی	۵/ ۵ پائی	۱۲/ ۲ پائی	۱/ ۹ پائی	۱/ ۳ پائی	[illegible]	۱۵/	۱۳/ ۹ پائی	۱۲/ ۳ پائی	۹/ ۳ پائی

اشاعت اسلام

اعانت	فروخت رسالہ اردو	فروخت رسالہ انگریزی	ضمیمہ	ٹریکٹ سیریز	متفرق	کرایہ	بک ڈپو	میزان آمد	بقایا سابقہ	کل مع بقایا	عملہ	طبع	سائر	ٹکٹ	اخبار	اسباب	پیشگی	متفرق	کل خرچ	باقی
۸/ ۳ پائی	[illegible]	۲/ ۶ پائی	۸/	[illegible]	۱۲/ ۹ پائی	[illegible]	۵/ ۹ پائی	۹/ ۳ پائی	۲/ ۳ پائی	۱۱/ ۶ پائی	[illegible]	۱۲/ ۳ پائی	۳/ ۳ پائی	[illegible]	۱۲/	۱/	سار	۲/ ۶ پائی	۳/	۸/ ۶ پائی

مقبرہ بہشتی

حصہ آمد	حصہ جائداد	کرایہ	متفرق	چندہ تعمیرات	میزان	بقایا گذشتہ	کل	انتظام مقبرہ بہشتی	باغیچہ مقبرہ بہشتی	مساجد	متفرق	واعظین	اخراجات جائداد	میزان کل خرچ	باقی
۵/ ۲ پائی	[illegible]	۱۴/ ۲ پائی	۷/ ۹ پائی	۶/	۱۱/ ۹ پائی	۹/ ۶ پائی	۵/ ۳ پائی	۸/	[illegible]	۷/ ۹ پائی	۲/ ۳ پائی	۴/ ۳ پائی	۱۱/	۵/ ۳ پائی	

بیت المال

زکوۃ	لنگر	عام اغراض	میزان	بقایا	کل	زکوۃ	لنگر	کل	باقی
۱۰/	۲/	۲/	۱/ ۳ پائی	۱۴/	۱۵/ ۳ پائی	۵/ ۹ پائی	۸/	۱۳/ ۹ پائی	۱/ ۶ پائی

صدقات

مساکین	یتامی	میزان	بقایا	مساکین	یتامی	کل خرچ	باقی
۲/ ۳ پائی	۱۵/ ۶ پائی	۲/ ۳ پائی	۱۱/ ۷ پائی	۲/ ۹ پائی	۳/	۵/ ۹ پائی	۸/ ۱ پائی

آؤ لوگو کہ یہیں نور خدا پاؤ گے ❋ لو تمہیں طور تسلی کا بتایا ہم نے

ریویو آف ریلیجنز

یعنے

دنیا کے مذاہب پر نظر

جلد ۷ | بابت ماہ دسمبر ۱۹۰۸ء | نمبر ۱۲

فہرست مضامین

قادیان ضلع گورداسپور سے ۲۰ - دسمبر ۱۹۰۸ء کو صدر انجمن احمدیہ کے اہتمام سے شائع ہوا - چندہ سالانہ عہ طلبا سے عہ

ضروری اعلان

(کتابوں کی قیمت میں تخفیف)

صدر انجمن احمدیہ کے سالانہ جلسہ کی تقریب پر ۲۵- دسمبر سے ۳۱- دسمبر ۱۹۰۸ء تک بک ڈپو میگزین کی کتابیں نصف قیمت پر فروخت ہونگی۔ تاریخہائی مذکورہ بالا پر جو احباب سلسلہ عالیہ احمدیہ کے متعلق جتنی کتابیں خریدنی چاہیں نصف قیمت پر خرید سکتے ہیں۔ میگزین اُردو کی سابقہ جلدیں بھی اِن دنوں میں نصف قیمت پر یعنی بلا جلد فی جلد عہ/ پر مل سکیں گی۔ یہ رعائت صرف چھ دنوں کے لیئے ہوگی۔ جو احباب چاہیں اس سے فائدہ اُٹھاویں کتابیں صرف نقد قیمت پر دیجاویں گی۔ کتابوں اور میگزین کی جلدوں کی ایک فہرست اس رسالہ کے اخیر موجود ہے وہاں سے دیکھ لی جاوے۔

نوٹ۔ جو کتابیں مدرسہ کے لیئے خریدی جاتی ہیں یا چھپوائی جاتی ہیں وہ نصف قیمت پر نہیں دیجاویں گی۔

قاعدہ یسرنا القرآن:- جو بچوں کے لیئے تیار ہوا ہے۔ چوتھی دفعہ بعد ضروری ترمیم چھپکر تیار ہوگیا ہے۔ عربی کے ہر دو حصے اکٹھے چھاپے گئے ہیں قیمت فی قاعدہ ۱/ ہے۔

(مینجر میگزین سے طلب کرو)

میگزین کی معرفت خط و کتابت ہو۔ (محمد علی)

بسم اللہ الرحمن الرحیم
نحمدہ و نصلی علیٰ رسولہ الکریم

مہدی آخر زمان

پیشگوئی کا پورا ہونا

علامات جو احمد علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ذات اور زندگی میں پوری ہوئیں

(ملاحظہ ہو سلسلہ کیلئے ریویو آف ریلیجنز بابت ماہ نومبر ۱۹۰۸ء)

ح۔ احادیث سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ مہدی موعودؑ ایک پُرامن سلطنت کے عہد میں پیدا ہوگا۔ لکھا ہے کہ اُسکے زمانہ میں اسقدر امن ہوگا کہ بکری اور شیر ایک گھاٹ پر پانی پئیں گے۔ ایک حدیث میں ہے تامن البھائم السباع (رواہ حاکم) یعنی مہدیؑ کے زمانہ میں چارپائے درندوں سے امن میں آجائیں گے۔ یہ بات خدائے تعالیٰ نے سلطنت برطانیہ کے ذریعہ پوری کردی جسکے عہد میں ایسا امن ملک میں پایا جاتا ہے کہ اسکی نظیر ڈھونڈنا مشکل ہے سلطنت برطانیہ کا ہند کی پہلی سلطنتوں کے ساتھ مقابلہ کرو۔ ابھی تھوڑا عرصہ ہوا ہے کہ پنجاب میں سکھ حکومت کرتے تھے اُنکے راج کے ساتھ موجودہ سلطنت کا مقابلہ کرو یا دنیا میں جسقدر حکومتیں آجکل انگریزی نسل کے سوا اور لوگوں کے ہاتھ میں ہیں اُنکے ساتھ انگریزی حکومت کا مقابلہ کرو

پھر تمہیں یقین ہو جائیگا کہ انگریزی سلطنت ایک بے نظیر الٰہی رحمت ہے۔ اور جو امن ہمیں آجکل اس سلطنت کے سایہ میں حاصل ہے وہ پہلے کبھی حاصل نہیں ہوا۔

ط۔ حدیث میں ہے تلقی الارض افلاذ کبدھا (رواہ حاکم) یعنی زمین اپنے اندر کے بوجھ باہر پھینک دیگی۔ چنانچہ اس پیشگوئی کے مطابق اس زمانہ میں دنیا کے مختلف حصوں میں ہزارہا کانیں دریافت ہوئی ہیں۔ کوئلہ۔ سونے۔ لوہے اور دوسری دھاتوں کے پہاڑ زمین میں مدفون تھے جو آجکل نکالے جارہے ہیں۔ کوئلہ ہی دیکھ لو دنیا میں کسقدر خرچ ہوتا ہے دنیا میں جسقدر جہاز۔ ریلیں اور مختلف قسم کی کلیں ہیں وہ اسی کوئلہ پر چلتی ہیں اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مبارک منہ کا پاک کلام حیرت انگیز طور پر پورا ہوا۔

ی۔ ایک علامت مہدی کی یہ ہے کہ اسکے ظہور سے پہلے ارتداد کے فتنے بہت ہونگے یعنی بہت سے لوگ دین اسلام سے خارج ہونگے۔ صدیق حسن خان حجج الکرامہ صفحہ ۳۴۵ پر مندرجہ ذیل روایت درج کرتا ہے۔ اگر نماند از دنیا مگر یکروز البتہ دراز کند خدائے تعالیٰ آں روز تا آنکہ پیدا شود کسی کہ آرزو می کند او را امت ولیکن پیش از وے فتن است بدترین فتن شام کند دراں مرد مومن است وصبح کند کافراست۔ یعنی مہدی کے ظہور سے پہلے بڑے سخت فتنے ہونگے۔ ارتداد اس کثرت سے ہوگا۔ کہ شام کو ایک شخص مسلمان ہوگا اور صبح کے وقت وہ اسلام سے خارج ہو کر کفر اختیار کریگا۔ یہ علامت بجز اس زمانہ کے کبھی ظہور میں نہیں آئی کیونکہ اسی زمانہ میں لاکھوں انسانوں نے اسلام سے مرتد ہو کر عیسائیت کو اختیار کیا۔

ک۔ ازانجملہ ایک علامت یہ ہے کہ ان دنوں میں زلزلے بہت آئینگے ملاحظہ ہو حجج الکرامہ صفحہ ۳۴۵۔ اقتراب الساعہ صفحہ ۶۷۔ حدیث الغاشیہ صفحہ ۳۴۹۔ صدیق حسن خاں لکھتا ہے وازانجملہ کثرت زلازل واختلافات است در اقطار ارض۔ یعنی مہدی کی علامات میں سے ایک علامت یہ ہے کہ دنیا کے مختلف حصوں میں کثرت سے زلزلے آئیں گے اور لوگوں میں باہم بڑا اختلاف ہوگا۔ مجھے اس امر کے بیان کرنیکی ضرورت نہیں کہ یہ علامت بھی ایسی صفائی سے

پوری ہوئی کہ کوئی شخص اس کے پورا ہونے سے انکار نہیں کر سکتا۔ اس سے بڑھ کر یہ امر ہے کہ مہدی معہود نے خود زلازل کے آنیکی قبل از وقت خبر دی۔

ل۔ ایک علامت مہدی کے ظہور کی طاعون کا نکلنا ہے۔ ملاحظہ ہو حدیث الغاشیہ صفحہ ۳۴۹ حدیث الغاشیہ میں لکھا ہے۔ "جعفر صادق سے نکھا ہے مہدی ظاہر نہ ہونگے جبتک کہ لوگوں کو خوف شدید نہ ہو۔ طاعون نہ ہو۔ سخت فتنے۔ زلزلے۔ بلائیں نہ پہنچیں"۔ کیا مجھے بیان کرنیکی ضرورت ہے کہ یہ علامات کیسی صفائی سے پوری ہوئیں۔ اور ابھی تک ان حوادث اور بلاؤں کا سلسلہ جاری ہے۔ حیدر آباد کا طوفان بھی اور آجکل کا بخار بھی انہی بلاؤں کا ایک نمونہ ہے حضرت اقدس علیہ الصلوٰۃ السلام کا الہام کہ صحنوں میں ندیاں چلیں گی کل ہندوستان میں اور خصوصاً حیدر آباد میں کیسی صفائی سے پورا ہوا اور ہزاروں انسان ان ندیوں کی وجہ سے ہلاک ہوئے پھر حضرت اقدس کا الہام کہ طاعون جاتی رہی مگر بخار رہ گیا کیسے بین طور سے پورا ہوا۔ ہر طرف بخار کا زور شور ہے اور دنیا الامان الامان پکار رہی ہے۔

حج الکرامہ کے صفحہ ۴۲۶ پر ہے ویران شود۔۔۔۔ ہند بمرض آبلہ۔ یعنی ہند میں مرض آبلہ یعنی طاعون بڑے زور سے پھیلے گی۔ نیز ملاحظہ ہو اقتراب الساعہ صفحہ ۳۱ و ۵۰۔

م۔ ایک علامت قحط کا پھیلنا تھا۔ ملاحظہ ہو حدیث الغاشیہ صفحہ ۳۴۹۔ یہ علامت بھی ملک ہند میں صفائی سے پوری ہوئی۔

اب میں مخالفین سے پوچھتا ہوں کہ کیا یہ حضرت اقدس احمد علیہ الصلوٰۃ والسلام کے اختیار میں تھا کہ ان سب علامات کو وجود میں لائے جب یہ سب علامتیں ایسی صفائی سے تمہاری آنکھوں کے سامنے پوری ہوئیں تو کیا اب تمہارا فرض نہیں کہ احمد کو مہدی موعود قبول کرو۔ خدائے تعالیٰ سے ڈرو اور اس کی آیات کی تکذیب نہ کرو ورنہ قیامت کے دن کیا جواب دوگے۔

ن۔ ایک علامت حج کا روکا جانا تھا۔ ملاحظہ ہو اقتراب الساعہ صفحہ ۲۸ چنانچہ یہ علامت بھی ہمارے زمانہ میں ملک ہند میں واقع ہو گئی۔ طاعون کے پھیلنے کی وجہ سے حاجیوں پر کئی

رکاوٹیں ڈالی گئیں۔ طاعون زدہ علاقوں سے حاجیوں کو حج کے لیئے جانیکے واسطے آزادی نہیں تھی۔ اور کوئی شخص حج کو نہیں جاسکتا تھا جبتک کہ ایک عرصہ قارنطینہ میں بند نہ رہے۔ یہ اس لیئے کیا گیا تا ملک ہند سے طاعون حاجیوں کے ذریعہ دوسرے ممالک میں نہ پھیل جائے۔

س۔ اقتراب الساعۃ میں صفحہ ۳۹ پر لکھا ہے۔ دنیا کی ویرانی آباد اور آبادی ویران ہو۔ یہ علامت بھی پوری ہوگئی۔ کئی آباد شہر اور گاؤں زلزلوں طاعون اور دوسری بلاؤں نے ویران کردیئے اور جو جگہیں ویران پڑی تھیں انکو آباد کیا گیا۔ نہریں نکالی گئیں۔ اور نئے گاؤں اور نئے شہر آباد کیئے گئے۔

ع۔ آخری زمانہ کی جس میں مہدی موعود نے ظاہر ہونا تھا ایک علامت قلم کا ظاہر ہونا اور غالب ہونا ہے۔ حدیث میں ہے ان بین یدی الساعۃ تسلیم الخاصۃ وفشو التجارۃ حتی تعین المرءۃ زوجھا علی التجارۃ وقطع الارحام وظھور شھادۃ الزور وکتمان شھادۃ الحق وظھور القلم رواہ احمد والحاکم عن ابن مسعود۔ یعنی قیامت کے آنے سے پہلے خاص لوگ عوام الناس کی باتوں کو قبول کرینگے۔ تجارت بہت پھیل جائیگی یہانتک کہ بیوی اپنے خاوند کو تجارت میں مدد دیگی اور قطع رحم ہوگا اور جھوٹی شہادت کی رسم پھیل جائیگی سچی شہادت کو لوگ چھپائیں گے اور قلم ظاہر ہوگا۔ یہ سب علامتیں بڑی صفائی سے پوری ہوگئیں اور جس زور کے ساتھ آجکل قلم یعنی تحریر پھیلی ہے اسکی نظیر پہلے کبھی نہیں دیکھی گئی۔

ف۔ ایک علامت یہ ہے کہ مہدی کو زمانہ کے علماء بوجہ بے بصیرتی اپنی کے کافر اور دجال کہیں گے۔ چنانچہ صدیق حسن خاں حجج الکرامہ کے صفحہ ۳۶۳ پر لکھتا ہے۔ چوں مہدی علیہ السلام مقاتلہ بر احیاء سنت و اماتت بدعت فرماید علماء وقت ..... گویند ایں مرد خانہ برانداز دین وملت ماست و بمخالفت برخیزند و بحسب عادت خود حکم بتکفیر وتضلیل دے کنند۔ یعنی جب مہدی ظاہر ہوگا اور اصل اسلام کو دنیا کے آگے پیش کریگا اور ان سب غلطیوں کو دور کریگا جو لوگوں نے اسلام میں ملا دی ہیں اسوقت اس زمانہ کے علما کہیں گے کہ یہ شخص ہمارے دین کو بگاڑتا ہے اور اسکی مخالفت پر کھڑے

ہو جائیں گے اور اُسپر کفر کا فتویٰ لگائیں گے اور اُسکو ضال اور گمراہ کہیں گے۔

اب علماء خود ہی بتلائیں کہ آیا انہوں نے خود اپنے ہاتھوں سے اس علامت کو پورا کیا ہے یا نہیں مگر خدا تعالےٰ کی تائید کے سامنے اُنکی کچھ پیش نہ گئی اور نہ وہ اپنی ساری کوششوں میں خائب و خاسر رہے اور جس سلسلہ کو وہ مٹانا چاہتے تھے خدائے تعالیٰ کے زبردست ہاتھ نے اس سلسلہ کو زمین میں مستحکم کر دیا اور مخالفین کو مایوسی اور روسیاہی نصیب ہوئی۔

اس علامت سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ مہدی موعود کا ظہور ان علماء کی امیدوں کے مطابق نہیں ہونا چاہئے تھا۔ کیونکہ کوئی وجہ نہیں تھی کہ اگر مہدی عین اُنکی امیدوں کے مطابق ظاہر ہوتا اور اُنکی خواہش کے مطابق تلوار لیکر نکلتا اور کافروں کا مال لوٹ کر علماء کو مالا مال کرتا پھر بھی وہ مہدی موعود کی مخالفت کرتے۔ کسطرح وہ ایسے شخص کو کافر کہہ سکتے تھے جو عین اُنکی امیدوں کے مطابق آیا اور جس کو انہوں نے اُسکی ساری علامتیں دیکھکر مہدی موعود قبول کر لیا۔ پھر اگر وہ تلوار کے ساتھ ظاہر ہوتا اور زمین کے خزانے ملّا لوگوں کو دیتا تو وہ کبھی جرأت نہ کر سکتے کہ اُسکی مخالفت کریں۔ یہ ملّاں جو پیسہ پیسہ کے بدلے دین بیچتے ہیں اور مسجد کی روٹیوں اور مُردوں کے کفنوں پر جان دیتے ہیں کسطرح مہدی موعود کی خوشامد نہ کرتے جو اُنکو کفار کے مال سے مالا مال کرتا۔ خدائے تعالیٰ نے احمد علیہ الصلوٰة والسلام پر ایک فضل کیا کہ اُسکو ایسی سلطنت کے سایہ میں رکھا جس کی تلوار کے سامنے علمائے ہند مارے ڈر کے مہدی پر ہاتھ نہ اُٹھا سکے اور ہمیشہ یہی کہتے رہے کہ چلو مکہ میں یا مدینہ میں یا کابل میں یا استنبول میں۔ اُنکے اس کہنے کا یہی مطلب تھا کہ سلطنت برطانیہ کی تلوار کا خوف ہمیں اپنے شیطانی ارادوں کے پورا کرنے سے مانع ہے۔ اگر سلطنت برطانیہ سے باہر جاؤ تو برٹش تلوار جو آپ تمہاری حفاظت کر رہی ہے ہٹ جائیگی اور ہم اپنے بدارادوں کو پورا کرنیکے قابل ہوں گے۔ بھلا مُلّا لوگوں کو کیوں غصہ نہ آتا جب اُنکی مدت کی امیدیں کہ مہدی کے زمانہ میں ہم کافروں کو خوب لوٹیں گے سب یک لخت احمد علیہ الصلوٰة والسلام کے ظہور سے خاک میں مل گئیں۔

ص - حجج الکرامہ صفحہ ۳۶۴ پر صدیق حسن خاں مندرجہ ذیل حدیث نقل کرتا ہے:
ابو سعید خدری گفت پناہ بیگیرد اُمّت بمہدی چنانکہ پناہ بیگیرد شہد بسوئے یعسوب خود تا آنکہ مردم بر مانند امر اوّل شوند..... و مدد کند او را خدائے تعالیٰ بسہ ہزار فرشتہ کہ روئے و پشت مخالفین او را بزنند اخرجہ نعیم بن حماد - یعنی مہدی موعودؑ کے پاس لوگ اس طرح جمع ہونگے جس طرح شہد کی مکھیاں اپنی رانی کے پاس جمع ہوتی ہیں - یہانتک کہ اسلام اپنی اصلی حالت پر آجائیگا جیسا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد مبارک میں تھا اور خدائے تعالیٰ مہدی کی تین ہزار فرشتوں کے ساتھ مدد کریگا - جو اُسکے مخالفوں کو منہ اور پشت پر مارینگے یعنی انکو رنگ رنگ کے عذابوں سے ہلاک کرینگے - اس حدیث میں لکھا ہے کہ دُور دُور سے لوگ اُسکے پاس اس طرح آکر جمع ہونگے جیسے شہد کی مکھیاں رانی کے پاس آتی ہیں - چنانچہ احمد علیہ الصلوٰۃ والسلام کے پاس اس پیشگوئی کے منشاء کے مطابق دُور دراز مقامات سے لوگ آکر جمع ہوتے اور ہمیشہ آپکے پاس مریدین کا ایک مجمع رہتا اور عجیب بات یہ ہے کہ جب آپ بالکل تنہا تھے اور اس گاؤں کے لوگ بھی آپسے بوجہ آپکی خلوت گزینی کے پورے آشنا نہ تھے اُسوقت خدائے تعالیٰ کا کلام آپ پر نازل ہوا کہ دُور دُور سے لوگ تیرے پاس آئیں گے اور تیرے پاس تحائف لائیں گے اور اس کثرت سے آئیں گے کہ قریب ہے کہ تو تھک جائے مگر تجھے چاہیئے کہ تو اُن سے خندہ پیشانی سے پیش آئیو اور اُن سے تھک نہ جائے - پھر خدا نے فرمایا کہ قریب ہے کہ تو مدد کیا جاوے اور لوگوں میں تیرا نام عزت کے ساتھ شہرت حاصل کرے - یہ سب الہامات براہین احمدیہ میں ایسے وقت میں شائع کیے گئے جب ابھی آپ تنہا تھے اور وہ ایسا وقت تھا کہ کوئی شخص اُس وقت یہ نہیں کہہ سکتا تھا کہ یہ باتیں پوری ہونگی - اور اس کتاب سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ آپ کو اسوقت یہ بھی علم نہیں تھا کہ آپ مسیح موعود و مہدی معہود ہو کر دنیا میں آئے ہیں کیونکہ اسی کتاب میں آپ مسلمانوں کے عام عقیدہ کی پیروی کرکے تحریر فرماتے ہیں کہ وہی اسرائیلی مسیح دوبارہ دنیا میں آئینگے - بعد میں خدائے تعالیٰ کے الہام کے ذریعہ سے آپکو اس عقیدہ کی غلطی

معلوم ہوئی اور یہ علم دیا گیا کہ آپ ہی آخری زمانہ کے مسیح موعود و مہدی معہود ہیں۔
ق - زیادہ معتبر روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ مہدی موعود نے دنیا میں آکر ۴۰ سال تک تجدید اسلام و تردید مذاہب باطلہ کرنی تھی۔ حضرت احمد علیہ الصلوٰۃ والسلام کی تصنیف براہین احمدیہ سے آپکا زمانہ نزول وحی ۴۰ سال ثابت ہوتا ہے کیونکہ ۱۸۶۸ء یا ۱۸۶۹ء تک آپکے اُن عظیم الشان الہامات کا پتہ چلتا ہے جن میں آپ کو آئندہ کی کامیابیوں کے وعدے دیئے گئے تھے چنانچہ براہین احمدیہ صفحہ ۵۲۰ پر آپ تحریر فرماتے ہیں۔ کہ "اس برکت کے بارہ میں ۱۸۶۸ء یا ۱۸۶۹ء میں بھی ایک عجیب الہام اُردو میں ہوا تھا۔۔۔۔ فرمایا تیرا خدا تیرے اس فعل سے راضی ہوا اور وہ تجھے بہت برکت دیگا یہانتک کہ بادشاہ تیرے کپڑوں سے برکت ڈھونڈینگے" اس طرح اس الہام کی تاریخ سے آپکے سن وفات تک جو ۱۹۰۸ء ہے پورے چالیس سال ہوتے ہیں۔ قریباً اس تاریخ سے انہوں نے حمایت اسلام اور تردید مذاہب باطلہ کا بیڑا اُٹھایا ۱۸۶۸ء ۱۸۸۰ء کے درمیان آپنے اسلام کی تائید اور دوسرے مذاہب کی تردید میں کئی زبردست مضمون لکھکر مختلف اخباروں میں شائع کرائے اور اس کے بعد براہین احمدیہ کی عظیم الشان تصنیف شروع کی جو قیامت تک ایک روشن مینار کی طرح دنیا میں یادگار رہیگی۔
۱۴- ایک یہ علامت ہے کہ مہدی کے زمانہ میں باطل مریگا اور حق زندہ ہو جائیگا۔ ملاحظہ ہو حجج الکرامہ صفحہ ۳۵۴ - یہ علامت بھی احمد علیہ الصلوٰۃ والسلام کے حق میں پوری ہوئی۔ آپنے حجج نیرہ سے اور آسمانی نشانوں سے اسلام کو از سرِ نو زندہ کیا اور مخالفین کے اعتراضات کو پاش پاش کر کے دکھایا کہ جس جگہ مخالف نادانی سے یا تعصب سے اعتراض کرتا ہے وہی جگہ حکمت اور اسرار الٰہی سے پُر ہے ایسا ہی مذاہب باطلہ کا باطل ہونا زبردست دلائل اور خارق عادت نشانات سے ثابت کیا۔ جلسہ مہوتسو کے مضمون جیسے زبردست مضامین لکھکر اسلام کو کل مذاہب پر غالب کیا اور آسمانی نشانوں میں مقابلہ کرنے کے لیئے دوسرے مذاہب کے لیڈروں کو بلا کر اسلام کا زندہ مذہب ہونا اور دوسرے مذاہب کا مُردہ اور

روحانی فیض سے بے بہرہ ہونا روز روشن کی طرح ظاہر کر دیا۔ آپ کے ہاتھ پر جو اسلام کی خدمت اور مذاہب باطلہ کی تردید ہوئی اس کا اس سے بڑھکر اور کیا ثبوت ہو سکتا ہے کہ نہائیت ہی متعصب دشمن بھی اس امر کے قائل ہو گئے بلکہ یہ تحریک پیش کی کہ سب مسلمان چندہ فراہم کرکے حضرت مہدی موعودؑ کے مضامین کو دنیا میں شائع کریں تا اسلام دوسرے مذاہب کو فتح کرتا ہوا دنیا کے کونوں میں اپنے خیمے جمائے مگر تعصب سے یہ شرط پیش کی کہ مہدی موعودؑ اپنے دعوے کے متعلق اُن مضامین میں اشارہ تک نہ کریں۔ مگر جاہلوں کو یہ معلوم نہ تھا کہ آپ کا وجود اسلام کے لیئے ایک زندہ نشان اور دوسرے مذاہب کے لیئے ایک آسمانی حربہ تھا پھر کسطرح ممکن تھا کہ آپ اس زندہ نشان کو دنیا کے آگے پیش نہ کرتے اور اس آسمانی حربہ کو نیام میں رکھتے اور جس کام کے لیئے آپ مامور کیئے گئے تھے مخالفین کو خوش کرنے کے لیئے اس کام کو ادا نہ کرتے۔ مگر مخالفین نے یہ تجویز پیش کرکے اس بات کا اقرار کر لیا کہ بے شک آج دنیا میں ایک ہی شخص ہے جسکا زبردست ہاتھ دنیا کے باطل مذاہب کو مغلوب کرکے اسلام کو غالب کر سکتا ہے اور اُس کا پاک اور روشن چہرہ دنیا کو دکھا سکتا ہے وہ کیا بات تھی جسکی وجہ سے اُنکو باوجود شدید مخالفت کے اسلام کی حمائت کے لیئے مہدی موعودؑ کی طرف توجہ کرنی پڑی۔ کیوں انہوں نے دوسرے مسلمانوں میں سے ایک شخص کو اس غرض کے لیئے منتخب نہ کیا۔ یہ باتیں اس امر کا کافی ثبوت ہیں کہ احمدؑ جیسا زبردست ہاتھ اسلام کی حمائت کرنیوالا اور مخالفین کے لشکر کو بھگانیوالا دنیا میں اُنکو نظر نہیں آتا تھا۔ مخالف مسلمانوں کے علاوہ دیگر مذاہب کے پیرووں نے بھی احمدؑ کا حمائت اسلام میں بے نظیر ہونا قبول کر لیا ہے۔

ش۔ ایک یہ علامت ہے کہ فتنوں اور لڑائیوں کے وقت میں مہدی کا ظہور ہو گا ملاحظہ ہو حجج الکرامہ صفحہ ۳۵۴ یہ علامت بھی احمد علیہ الصلوٰۃ و السلام کے ظہور کے ساتھ

پوری ہوگئی۔ اور جسقدر فتن اس زمانہ میں پائے جاتے ہیں انکی نظیر ڈھونڈنا دشوار ہے لڑائیاں اور لڑائیوں کی تیاریاں ان کے علاوہ ہیں۔

ت۔ ایک یہ علامت ہے کہ دو مرتبہ مہدی غائب ہوجائیگا یہانتک کہ بعض کہیں گے کہ مرگیا ہے یعنی ایک عرصہ تک گم رہیگا۔ حجج الکرامۃ صفحہ ۳۶۶۔

یہ دو غیبوبت کے زمانے بھی احمد علیہ الصلوٰۃ والسلام پر آئے۔ پہلا غیبوبت کا زمانہ وہ ابتدائی زمانہ تھا جب کہ آپ گمنام زندگی بسر کرتے تھے اور کوئی نہ جانتا تھا کہ قادیان میں بھی کوئی مہدی ہے۔ یہانتک کہ رفتہ رفتہ آپ کا نام چمکا اور دنیا کے کناروں تک آپ کا نام روشن ہوا۔ دوسرا غیبوبت کا زمانہ آپکی وفات سے شروع ہوا۔ کیونکہ جاہلوں نے خیال کیا کہ آپکی وفات سے اب سلسلہ رفتہ رفتہ نابود ہوجائیگا کیونکہ جس پاک وجود کی وجہ سے اس سلسلہ کو اسقدر فروغ حاصل ہوا تھا وہ اب جاتا رہا ہے۔ مگر وہ نہیں جانتے کہ احمد زندہ ہے اور اُس کی برکات کا سلسلہ ایسا ہی جاری ہے جیسا پہلے تھا اگرچہ آپ اب نظروں سے غائب ہوگئے مگر خدا کے وعدہ کے بموجب خدائے تعالیٰ اب دوبارہ اپنی قدرت کا ہاتھ دکھائیگا اور وہ چاند جو بادلوں کے پیچھے چلا گیا ہے وہ عنقریب اپنا روشن چہرہ دکھائیگا اور اُس کا نام پہلے سے بھی زیادہ چمکے گا اور مخالف سخت مایوسی کے ساتھ دیکھینگے کہ جس کو وہ مرگیا کہتے تھے وہ زندہ ہے۔ غرض یہ آپ کا دوسرا غیبوبت کا زمانہ ہے اور اس کے بعد پھر اور بھی چمک کے ساتھ احمد کا نام روشن ہوگا اور جیسا پہلے ایک گمنامی کے بعد آپنے عزت اور شہرت حاصل کی ایسا ہی دوبارہ ایک دوسری عزت اور شہرت اس غیبوبت کے بعد حاصل کریں گے اور اُنکا مبارک چہرہ جو اب بے بصیرت آنکھوں سے غائب ہوگیا ہے وہ دوبارہ نمودار ہوگا تب آپ کا دوسری غیبوبت کا زمانہ ختم ہوگا۔

ث۔ ایک یہ علامت ہے کہ خواص اور اُمرا کی نسبت غربا اُسکو زیادہ قبول کریں گے اور کئی لوگ خوابوں۔ کشفوں اور الہامات کے ذریعہ مہدی موعودؑ کی بیعت کرینگے اور وہ لوگ جو اس کے

مددگار اور معاون اور اُس کے کام میں شریک ہونگے وہ سب عجمی لوگ ہونگے اور اُس کے معاونین میں سب سے بڑا ایک نیک اور پاک شخص ہوگا جو قرآن مجید کا حافظ اور اُسکا عاشق ہوگا جسکو احادیث میں حافظ معصوم کا خطاب دیا گیا ہے۔ ملاحظہ ہو حجج الکرامہ صفحہ ۳۸۲۔ یہ سب علامتیں صراحت کے ساتھ احمد علیہ الصلوٰۃ والسلام کے حق میں پوری ہوئیں۔ اُمرا اور بڑے بڑے موحّد کہلانیوالے اور دوسرے لوگ جو متکبّر اور مغرور تھے وہ اس نعمت سے محروم رہے اِلاّ ماشاء اللہ اور زیادہ تر غربا اور غریب مزاج علماء اور بعض نیک طینت اُمرا نے آپ کو قبول کیا اور ہزارہا ایسے لوگ ہیں جنہوں نے خواب۔ کشف یا الہام سے ہدایت پاکر آپ کو قبول کیا۔ اور آپکے مددگار بھی عجمی ہی تھے جنکو آپ سے وہ نسبت تھی جو وزراء کو ملوک سے ہوتی ہے اور خدائے تعالیٰ نے احمدؑ کو ایک حافظ معصوم بھی عطا کیا جو اُس کے وزراء میں افضل ترین تھا اور اُس کے امین کارکنوں میں سب سے زیادہ افضل تھا اور جسکو خدائے تعالیٰ نے احمد علیہ الصلوٰۃ والسلام کی وفات کے بعد خلافت کی گدی پر بٹھایا۔ اور جو پہلا شخص ہے جسکو خلیفۃ المسیح کا خطاب خدائے تعالیٰ کی طرف سے عطا ہوا۔

خ۔ ایک حدیث میں ہے یخرج رجل من وراء النھر یقال لہ الحارث علی مقدمتہ رجل یقال لہ منصور اخرجہ ابوداؤد۔ یعنی ملک ماوراء النہر کیطرف سے ایک شخص نکلیگا جو حارث یعنی زمیندار کہلائیگا اور اُسکی جماعت کا ایک سردار ہوگا جسکا نام منصور ہوگا یعنی ایسا شخص کہ خدائے تعالیٰ کی تائید اُس کے شامل حال ہوگی۔ یہ حدیث بھی احمد علیہ الصلوٰۃ والسلام کے حق میں پوری ہوئی کیونکہ آپ بڑے زمیندار تھے اور آپکے بزرگ ماوراء النہر کی طرف سے ہند میں تشریف لائے تھے۔ حافظ معصوم اور رجل منصور دونوں ایک ہی شخص کے خطاب معلوم ہوتے ہیں واللہ اعلم بالصواب۔

ذ - حدیث الغاشیہ کا مصنف لکھتا ہے "جو دَور مہدی کا آویگا وہ دَورِ خلافت نبوت کی چال پر ہوگا" یعنی مہدی موعودؑ کا ظہور منہاج نبوت پر واقع ہوگا۔

(ملاحظہ ہو حدیث الغاشیہ صفحہ ۷۷ -۳) چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ احمد علیہ الصلوٰۃ والسلام کا زمانہ عین منہاج نبوت پر واقع ہوا۔ آپنے وہی تعلیم دی جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے دی جس طرح صحابہؓ نے خدا کی راہ میں جہاد کرکے روحانیت کے منازل کو طے کیا یہی تعلیم احمد علیہ الصلوٰۃ والسلام کی تھی آپ ہمیشہ جماعت کو یہی تعلیم دیتے رہے کہ صحابہؓ کی طرح اپنی ساری کوششوں کو دین کی راہ میں خرچ کرو اور اپنے مال اور قلم سے خدا کی راہ میں جہاد کرو۔ آپ سے پہلے کئی صوفیوں کے سلسلے موجود تھے مگر آپنے ان سب کو ترک کرکے اپنی جماعت کو اُسی راہ پر چلایا جس راہ پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی جماعت کو چلایا۔ اور جس طریق سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہؓ کا تزکیہ کیا وہی طریق آپنے اختیار کیا۔ جیسا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے خارق عادت نشانوں کے ذریعہ اور تائید الٰہی کا نقشہ دکھا کر صحابہؓ کو معرفت الٰہی کے چشمہ سے سیراب کیا ایسا ہی آپنے آسمانی نشانات کا مشاہدہ کرا کر اور خدا کا زبردست ہاتھ اپنی تائید میں دکھا کر اپنی جماعت کو خدا کا چہرہ دکھا دیا۔ اور جس طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہؓ نے خدا کا تازہ تازہ کلام سنکر حلاوت ایمانی کا مزہ چکھا ایسا ہی آپ کی جماعت نے خدا کی تازہ وحی کو سنکر اپنی ایمانوں کو تازہ کیا غرض آپ کا دَور عین دَور نبوت کی چال پر تھا۔ اور جیسا لکھا تھا کہ مہدی موعودؑ کے زمانہ میں وحی نازل ہوگی (حجج الکرامۃ صفحہ ۴۲۴) ایسا ہی احمد علیہ السلام کے عہد میں ہم نے دیکھا۔ اللّٰھم صل علیٰ محمدٍ وعلیٰ آلِ محمدٍ وعلیٰ خلفاءِ محمدٍ وبارک وسلم انک حمید مجید۔

ض۔ ایک یہ علامت ہے کہ بدلوگ ہلاک ہونگے (حدیث الغاشیہ صفحہ ۳۴۶) اس پیشگوئی کے مطابق خدائے تعالیٰ نے دنیا میں گناہ کی کثرت دیکھ کر طرح طرح کے عذاب مثل طاعون زلزلہ۔ طوفان نازل فرمائے اور کئی بدلوگ جنہیں کئی معاندین مہدی تھے ہلاک ہوئے۔

ظ۔ ہمارے پیارے آقا کا حلیہ بھی اس حلیہ سے ملتا ہے جو احادیث میں مہدی موعودؑ کے لئے بیان کیا گیا ہے مہدی موعودؑ کے حلیہ کے متعلق لکھا ہے (ادم ضرب من الرجال (رواہ نعیم بن حماد) یعنی وہ گندم گوں ہوگا جس طرح تم اس ملک کے آدمی دیکھتے ہو ابن عباس گفتہ میانہ قد مشروب بالحمرۃ باشد (حجج الکرامہ صفحہ ۳۶۰) یعنی مہدی موعودؑ میانہ قد کا ہوگا اور اس کا رنگ کسی قدر سرخی مائل یعنی گندم گوں ہوگا۔ ابوداؤد میں لکھا ہے المھدی منی اجلی الجبھۃ اقنی الانف یعنی مہدی مجھ میں سے ہے کشادہ پیشانی والا اونچی ناک والا۔ محمد بن جعفر گفتہ مہدی باریک حاجب و دراز و کمان ابرو است و نیست میان ابروہائے وے اقتران و کلاں جسم است (حجج الکرامہ صفحہ ۳۶۰) پھر مہدی موعودؑ کی نسبت لکھا ہے کہ اسکی زبان میں ثقل ہوگا اور آپکی ریش مبارک گھنی اور بھاری ہوگی سر پہ بال ہونگے کاندھے تک (حدیث الغاشیہ صفحہ ۳۴۶) یہ سب علامتیں احمد علیہ الصلوٰۃ والسلام میں پائی گئیں۔

غ۔ حدیث الغاشیہ کا مصنف لکھتا ہے "(نکلنے کے وقت) آپ کی عمر چالیس برس کی ہوگی یا درمیان تیس چالیس کے .... نکلنے سے وفات تک چالیس برس رہیں گے اس حساب سے ستر اسی برس کی عمر ہوتی ہے"۔ (صفحہ ۳۴۶) کیا مخالفین انکار کر سکتے ہیں کہ یہ علامت بھی احمد علیہ الصلوٰۃ والسلام میں پوری ہوئی۔

غ نمبر ۲۔ اقتراب الساعہ کا مصنف لکھتا ہے "برتاؤ انکا یہ ہوگا کہ عمل کریں گے سنّت رسولِ خدا صلی اللہ علیہ سلم پر۔ نہ کسی سوتے کو جگا دینگے نہ کسی کا خون بہاوینگے۔ سنّت یعنی عمل بالحدیث پر مقابلہ کریں گے۔ کسی سنّت کو بے قائم کئے نہ چھوڑینگے نہ کسی بدعت کو بغیر اسکو اٹھا دینگے آخر زمانہ میں دین کے ساتھ اسی طرح پر قائم ہونگے جس طرح نبی صلی اللہ علیہ وسلم اوّل زمانہ میں قائم ہوئے تھے۔ (صفحہ ۶۳) یہ علامات بھی احمد علیہ الصلوٰۃ والسلام کے وجود با برکت میں پوری ہوئیں۔

اِن علامات کے علاوہ اور بھی بہت سی علامات مہدی موعودؑ کی ہیں جو احمد علیہ الصلوٰۃ والسلام میں پوری ہوئیں۔ مگر جسقدر علامات اوپر بیان ہو چکی ہیں وہ ایک طالب حق کے لیئے کافی ہیں۔ اب ناظرین کی خدمت میں درخواست ہے کہ وہ ٹھہر کر غور فرماویں۔

احمد علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ایسے وقت میں ظہور فرمایا جب سب آنکھیں انتظار میں لگی ہوئی تھیں۔ اور سب لوگ یک زبان ہو کر بول اُٹھے تھے کہ اب مہدیؑ کا ظہور قریب ہے۔ چودھویں صدی کا آغاز مہدی موعودؑ کے ظہور کیلیئے آخری تاریخ مقرر ہو چکی تھی۔ نہ صرف علماء تحریراً و تقریراً اس امر کا اعلان کر رہے تھے کہ مہدیؑ عنقریب ظاہر ہونیوالا ہے بلکہ ملہمین اور مشائخ نے خدا سے اطلاع پا کر یہ ظاہر کیا تھا کہ مہدیؑ عنقریب ظاہر ہونیوالا ہے۔ اور بعض نے نام و مقام و تاریخ بھی بتلا دیئے۔ محققین نے بالاتفاق یہ کہدیا تھا کہ جن علامات نے مہدیؑ کے ظہور سے پہلے ظاہر ہونا تھا وہ سب کی سب پوری ہو چکی ہیں۔ لوگ دعائیں کرتے تھے کہ وہ مہدیؑ کے ظہور تک زندہ رہیں اور اس دنیا سے نہ گذریں جبتک مہدی کی زیارت سے مشرف نہ ہو لیں۔ اور کئی لوگ اپنی اولاد کو یہ وصیت کر گئے کہ جب مہدیؑ ظاہر ہو تو ہمارا اسلام اُنکی خدمت میں پیش کرنا۔

احادیث میں تھا کہ مہدیؑ کدعہ نام بستی میں ظاہر ہوگا اور اس پیشگوئی کے مطابق احمد علیہ الصلوٰۃ والسلام کادی یا قادیاں نام گاؤں میں ظاہر ہوئے۔ پھر پیشگوئی کی مطابق احمد علیہ الصلوٰۃ والسلام ایک مشرقی ملک میں ظاہر ہوئے۔ اور اس سے نہ صرف وہ پیشگوئی پوری ہوئی جو احادیث میں تھی کہ مہدیؑ مشرق میں ظاہر ہوگا بلکہ خدائے تعالیٰ کا وہ کلام بھی پورا ہوا جو اُس نے اپنے نبی یسعیا پر نازل فرمایا وہ ایسی سرزمین میں پیدا ہوا جہاں دنیا کے بڑے بڑے مذاہب کی ایک کشتی لگ رہی تھی اور جہاں اسلام کے پہلوان کو اسلام کی حمایت کے لیئے ظاہر ہونا چاہیئے تھا۔

پھر احمد علیہ الصلوٰۃ والسلام تنہا نہ آیا بلکہ اپنے نشانات اپنے ساتھ لایا۔ جس ملک میں آباد

ظاہر ہوئے اُسی ملک میں ستارہ ذی السنین جسکا احادیث میں وعدہ دیا گیا تھا ظاہر ہوا۔ اور جس آگ کی خبر دی گئی تھی اس نے بھی احمد کے ظہور سے پہلے مشرقی اُفق کو سرخ کیا۔ آسمان پر رمضان کے مبارک مہینہ میں پرانے وعدہ کے مطابق مقررہ تاریخوں پر آفتاب اور ماہتاب نے اپنے کسوف وخسوف سے احمد علیہ الصلوٰۃ والسلام کی صداقت کی شہادت دی۔ زلازل نے زمین کے کئی حصوں کو ہلا دیا اور کئی خوبصورت شہر خاک میں مل گئے۔ اُسی زمین میں جہاں احمد علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ظہور فرمایا ایک سخت طاعون نے ظاہر ہو کر اسکی سچائی کی گواہی دی۔ اور جیسا مخبر صادق صلی اللہ علیہ وسلم نے خبر دی تھی ارتداد کے فتنہ نے اسقدر زور پکڑا کہ اسلام کی تاریخ میں اسکی نظیر نظر نہیں آتی۔ پنجاب کی دارالسلطنت میں دن کے آخری حصہ میں پیشگوئی کے مطابق شیطانی آواز نے پکار کر کہا کہ فلاں شخص ظلم سے مارا گیا مگر اس سے پہلے رمضان کے مہینہ میں ایک آواز ہم سن چکے تھے اور وہ فرشتہ کی آواز تھی اور دوسری آواز شیطانی آواز تھی۔ آل محمد اور آل عیسیٰ کے درمیان جھگڑا ہوا اور پچھلی آواز نے کہا کہ حق آل عیسیٰ کے ساتھ ہے مگر خدا نے آواز دی کہ نہیں حق آل محمد یعنی احمد علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ساتھ ہے۔ میں کہانتک اُن نشانات کو شمار کرتا جاؤں جو احمد علیہ الصلوٰۃ والسلام کی تائید میں ظاہر ہوئے۔ میں اُن میں سے بعض پہلے لکھ چکا ہوں اور وہ احمد علیہ الصلوٰۃ والسلام کی سچائی کو ثابت کرنیکے لیئے کافی سے زیادہ ہیں۔ اب احمد علیہ الصلوٰۃ والسلام کا اُن مدعیان مہدویت کے ساتھ مقابلہ کرو جو آپ سے پہلے ظاہر ہوئے۔ انہوں نے دعویٰ کیا مگر ایک نشان بھی اُنکی تائید میں ظاہر نہ ہوا اور سب کو ذلت اور ناکامی کا مزہ چکھنا پڑا۔ ان گذشتہ مدعیان کی نسبت حدیث الغاشیہ کا مصنف لکھتا ہے "یہ بھی دیکھ یا سُن چکے ہیں کہ جس نے ایسا دعویٰ کیا ہے وہ آخر کو ذلیل ہی ہوا ہے اگر یہ مدعی سچے ہوتے تو کچھ اثر تو اُن امور کا بھی معلوم ہوتا جو وقت ظہور مہدی موعود کے ہونے والے ہیں۔" (صفحہ ۳۴۲)

پہلے مدعیان میں سے بعض نے توبہ کی اور اپنے دعوے سے رجوع کیا۔ بعض قید میں ہلاک ہو گئے بعض کے سر قلم کیئے گئے اور بعض پر دیگر قسم کی بلائیں نازل ہوئیں مگر سب اپنے کام میں خائب و خاسر رہے۔ انکی حالت کے مطالعہ کرنے سے احمد علیہ الصلوٰۃ والسلام کی سچائی اور بھی زیادہ چمکتی ہے۔ آپ کا ظہور۔ آپ کی زندگی اور آپ کا ہر ایک کام بالکل سچے انبیاء کے نمونہ پر تھا۔ جب آپ نے دعویٰ کیا تو سب طرف سے مخالفت کا شور اُٹھا۔ مسلمان ایک نامور جنگجو مہدی کے منتظر تھے اور وہ ایک گمنام غریب آدمی کو مہدی قبول نہیں کر سکتے تھے۔ وہ فاطمی مہدی کے منتظر تھے اور ایک غیر فاطمی کے دعوےٰ مہدویت کو ایک لمحہ کیلیئے بھی سُن نہیں سکتے تھے۔ انکی آنکھیں مکہ معظمہ کی طرف لگی ہوئی تھیں اور انکے وہم وگمان میں بھی نہیں آسکتا تھا کہ مہدی پنجاب کے ایک گمنام گاؤں میں ظاہر ہوگا۔ پھر اسپر طرفہ یہ کہ احمد علیہ الصلوٰۃ والسلام نے صرف مہدی ہونے کا ہی دعویٰ نہ کیا بلکہ اپنے آپ کو مسیح موعود بھی منوانا چاہا حالانکہ مسلمانوں کا یہ پختہ اعتقاد چلا آتا تھا کہ مسیح آسمان پر زندہ ہے اور آخر زمانہ میں زمین پر نازل ہوگا۔ غرض احمد علیہ الصلوٰۃ والسلام کا دعویٰ مسلمانوں کیلیئے بالکل نرالا تھا اور انکی ساری امیدوں کے برخلاف تھا۔ اس لیئے ان دعاوی نے اسلامی دنیا کو چونکا دیا اور چاروں طرف سے مخالفت کا ایک طوفان برپا ہوگیا۔ کفر کے فتوے جاری کیئے گئے اور سب طرف سے گالیوں کی بوچھاڑ شروع ہو گئی۔ اسوقت کوئی شخص یہ نہیں کہہ سکتا کہ احمد علیہ الصلوٰۃ والسلام اپنے ان چونکا دینے والے دعاوی کو جو مسلمانوں کی ساری اُمیدوں کو خاک میں ملاتے تھے مسلمانوں سے منوالیگا۔ اور احمد علیہ الصلوٰۃ والسلام کے صرف دعاوی ہی مسلمانوں کی اُمیدوں کے برخلاف نہیں تھے بلکہ آپ نے اُن سب غلط خیالات کو جو اسلام میں داخل ہو گئے تھے بڑے زور سے رد کیا اس نے مُلاں لوگوں کے جوش کو اور بھی بھڑکایا۔ مگر آپ نے حق کیجیان میں کسی کی پروا نہ کی اور کسی کی مخالفت سے نہ ڈرے جب یہ دیکھا جاوے کہ ایک طرف

آپ تنہا تھے دوسری طرف آپکے دعاوی بالکل مسلمانوں کی امیدوں کو خاک میں ملا دینے والے تھے اور پھر اُس مخالفت کے طوفان کو دیکھا جاوے جو چاروں طرف سے آپکے برخلاف برپا ہوگیا اور پھر دیکھا جاوے کہ بجائے اس کے کہ آپ علماء کی خوشامد کرکے انکو اپنے ساتھ ملانیکی کوشش کریں آپنے اُن کے سارے غلط عقائد کی بڑے زور سے تردید کی تو ایسی صورت میں اگر آپ خدا کی طرف سے نہ ہوتے بلکہ اپنے دعاوی میں (معاذ اللہ) جھوٹے ہوتے تو ضرور تھا کہ پہلے مدعیان کی طرح آپ بھی ناکام رہتے بلکہ آپ کو اُن سے بھی زیادہ ناکامی دیکھنی پڑتی۔ کیونکہ اول تو انہوں نے صرف مہدویت کا دعویٰ کیا اور آپنے مہدویت کے ساتھ مسیحیت کا بھی دعویٰ کیا۔ انہوں نے تلوار اُٹھائی۔ اور مسلمانوں کے عام عقیدہ کے مطابق مہدی کا بڑا کام یہی تھا مگر آپنے خونی مہدی اور تلوار کے جہاد کے عقائد کو جھوٹا قرار دیا۔ اور پھر جو کفر کے فتوے مشرق سے لیکر مغرب تک آپکے برخلاف جاری کیے گئے وہ پہلے کسی مدعی مہدویت کے برخلاف جاری نہیں ہوئے تھے اور جو مخالفت کا عالمگیر طوفان آپکے برخلاف برپا ہوا وہ پہلے کسی مدعی کے برخلاف برپا نہیں ہوا تھا۔ اس صورت میں اگر آپ خدا کی طرف سے نہ ہوتے تو آپ کو ایسی ناکامی دیکھنی پڑتی جو پہلے کسی نے نہ دیکھی ہوتی۔ پھر آپنے حق گوئی اور باطل کی تردید کے ساتھ صرف عام مسلمانوں کو ہی اپنا دشمن نہ بنایا۔ بلکہ دیگر قوموں کو بھی اپنا جانی دشمن بنالیا۔ عیسائیوں کے خدا کو انسان بنا دیا۔ اور کشمیر میں اُس کی قبر کا بھی پتہ دیدیا۔ اور جو ناجائز عقائد مسلمانوں میں ایسے تھے جن سے عیسائی خوش ہوتے تھے اور جنسے اُنکے مذہب کو تقویت ملتی تھی اُن سب عقائد کی بیخکنی کردی سکھوں کے گرو کو مسلمان ثابت کرکے دکھادیا اور باوا نانک صاحب کے چولہ سے پردہ اُٹھا کر اصل حقیقت ظاہر کردی اور فیروز پور کے ضلع میں پوتھی کے ساتھ قرآن مجید پڑا ہوا دکھادیا آریوں کے مسافر لیکھرام نے آپکی پیشگوئی کے مذبح پر اپنی جان کو قربان کردیا۔ اور

پنڈت دیانند کی کتاب میں سے نیوگ کا مسئلہ نکال کر انکو خجالت میں ڈبو دیا۔ اسکا نتیجہ ہوا کہ نہ صرف مسلمان بلکہ ساری دنیا آپ کی دشمن ہو گئی۔ یہ دلیری یہ بہادری کیا جھوٹے میں ہو سکتی تھی کیا ایک مفتری جسکے ہاتھ میں سوائے جھوٹ کے کچھ نہیں ہونا چاہیئے تھا اسطرح ساری دنیا کو ڈانٹ سکتا تھا۔ ہرگز نہیں۔ اگرچہ دنیا میں وہ اکیلا آیا تھا مگر اصل میں وہ اکیلا نہیں تھا۔ خدا کا زبردست ہاتھ اسکے ساتھ تھا۔ بیشک مسلمانوں کے خیال کے موجب وہ فوجوں کے ساتھ نہیں آیا تھا مگر اسکے ساتھ خدا کے فرشتوں کے لشکر تھے جو اسکے مددگار تھے اور جو لوگوں کو اسکی طرف کھینچتے تھے اور مخالفوں کی کمر کو توڑتے تھے اس کے ساتھ تیر و تفنگ نہیں تھے مگر زبردست دلائل اور آسمانی نشانوں کا حربہ اسکے ہاتھ میں تھا اسی لیئے اس نے سب مخالفوں کو سرنگوں کیا۔ وہ دنیا میں اکیلا آیا مگر جب رخصت ہوا تو چار لاکھ جان نثار اسکے ساتھ تھا۔ اور ان چار لاکھ مسلمانوں کے علاوہ اسنے ہزارہا آدمیوں کے دلوں کو غلط خیالات سے پاک کیا۔ یہانتک کہ اول مخالفین محمد حسین بٹالوی کو بھی اپنے خونی مہدی اور سیفی جہاد کے عقیدہ سے برملا تائب ہونا پڑا ہاں اسنے کسی قلعے کو فتح نہیں کیا مگر اسنے دلوں کو فتح کیا۔ اور دلوں کو فتح کرنا الا مفتری نہیں ہو سکتا تھا۔ خدا تعالیٰ احمد علیہ الصلوٰۃ والسلام پر ہزار ہزار رحمتیں اور برکات اور سلام اور صلوٰۃ نازل فرمائے اور اس کا چہرہ روشن فرمائے کیونکہ اس نے اسلام کے چہرہ کو روشن کیا اور اسکو طیب زندگی عطا فرمائی کیونکہ اسنے مسیح کی جھوٹی زندگی اور جھوٹی خدائی کا خاتمہ کر دیا اور خونی مہدی اور خونی جہاد کے عقائد کی ہمیشہ کے لیئے بیخکنی کر دی۔ و آخر دعوٰنا ان الحمد للہ رب العٰلمین۔

اٹھارہ سو سال کے خدا کو انسان بنانیکی تجویز

عیسائی مذہب کی یہ بڑی خوبی بیان کی گئی ہے کہ وہ ہمیشہ کے لیئے کسی ایک اصل کا پابند نہیں بلکہ تغیرات زمانہ کے ساتھ اپنے بنیادی اصول کو بدلتا رہتا ہے۔ چنانچہ اگر آج سے اٹھارہ یا انیس سو سال پہلے ایک چنگے بھلے انسان کو خدا بنا لیا تھا تو آج اسی خدا کو انسان

بنانیکی تجویز سوچی جاتی ہے۔ اور کفارہ اور تثلیث جیسے دو شہتیر عیسائی مذہب کے ٹوٹ کر بھی مذہب وہی رہتا ہے بسے چوں وضوے محکم بی بی تمیز ہ سے نیا ید اختلال از ہیچ چیز۔ کی مثال خواہ کیسی ہی ہو مگر عیسائی مذہب پر صادق آتی ہے۔ اور اسپر یہ عیسائی مذہب کا فخر اور فضیلت سمجھی جاتی ہے۔ لیکن جہاں ایک طرف تعلیم یافتہ اور ترقی یافتہ یورپین مسیح کی خدائی کو ایک توہم پرستی کا اعتقاد سمجھتے ہیں پادریصاحبان ابھی تک بعض لوگونکی جہالت سے فائدہ اُٹھاکر مسیح کی خدائی کا راگ الاپ رہے ہیں۔ ایسے لوگوں کے لیئے مندرجہ ذیل واقعہ جو کانٹمپریری ریویو ماہ اگست سے لیا گیا ہے فائدہ سے خالی نہ ہوگا۔ راقم مضمون مذکورہ اپنے مضمون میں ان حالات کو بیان کرتا ہے جنکی وجہ سے اسکا اعتقاد رومن کیتھولک مذہب پر جاتا رہا۔ وہ بیان کرتا ہے کہ رینن اور سٹراس کی کتابوں کو پڑھکر میرے دل میں وہ خیالات پیدا ہوئے جنہوں نے برسوں کے جمے ہوئے عقائد کی نسبت مجھے تذبذب میں ڈال دیا۔ اسلیئے میں اپنے شکوک کو رفع کرنیکے لیئے ایک فاضل کیتھولک عالم کے پاس گیا جسے میں علاوہ ایک اعلیٰ درجہ کا ذہین آدمی جاننے کے ایک باخدا عیسائی اور روحانی تسلّی کا سرچشمہ سمجھتا تھا۔ راقم مضمون بیان کرتا ہے کہ جب میں نے اپنے اندرونی وسوسوں کا اظہار اس فاضل کے سامنے کیا اس امید پر کہ وہ کوئی ایسی روشنی ڈالیگا جس سے شکوک کی تاریکی رفع ہو جائے تو مجھے جو جواب ملا وہ یہ تھا۔

"ہاں! آپ کا ایمان مسیح کی خدائی پر جاتا رہا ہے! بیشک ایک نوجوان آدمی کو یہ ایک بہت بڑی بات معلوم ہوتی ہے۔ اسکی ہمت کو مردہ کر دیتی ہے اور اسکی نظر خیال کے سامنے ایک خلا پیدا کر دیتی ہے لیکن اگر روحانی حالت مضبوط ہو تو یہ اثر صرف ایک وقت کیلیئے ہوتا ہے۔ بہت تھوڑے وقت کے لیئے۔ ہم میں سے اکثر اس آزمائش میں سے ہو گذرے ہیں اور ہماری حالت وہی ہے جو ہے۔ آپ کو اس بات کو زیادہ وقعت نہیں دینی چاہیئے۔ غور کیا جائے تو یہی معلوم ہوتا ہے کہ یہ عقیدہ ہمارے مذہب کی اصل لب نہیں۔ جیسا کہ عیسائی اناجیل کے لکھے جانیسے پہلے موجود تھے ایسا ہی اسوقت بھی عیسائی موجود تھے جب خدائی کا عقیدہ

ابھی بنایا نہیں گیا تھا یا عقائد میں داخل نہیں کیا گیا تھا۔ یہ عقیدہ دوسرے عقائد کی طرح آہستہ آہستہ بنا ہے بلکہ خود نئے عہدنامے میں دونوں قسم کے خیالات موجود معلوم ہوتے ہیں ایک وہ جنسے معلوم ہوتا ہے کہ یسوع نے مسیح ہونیکا دعویٰ نہیں کیا۔ اور دوسرے وہ جنسے معلوم ہوتا ہے کہ اسنے ایسا دعویٰ کیا تھا بہرحال یہودیوں نے انہیں اپنا مسیح تسلیم نہیں کیا۔ کیونکہ انکی مسیحیت کے خلاف اور وجوہ انکے درمیان ایک یہ بھی وجہ تھی کہ وہ ایک ذلت کی موت مارے گئے اور کوئی قوم پسند نہیں کرتی کہ اسکا سردار غلاموں کی طرح صلیب دیا جائے۔ اس کا عیسائیوں نے یہ جواب دیا کہ ہاں یہ سچ ہے کہ وہ مرگیا لیکن وہ پھر طاقت اور شان و شوکت کے ساتھ واپس آئیگا اور تمام دنیا اسے دیکھے گی۔ یہ اعلان خود یسوع کی طرف سے تھا کیونکہ اسنے کہا تھا کہ وہ نسل ابھی نہیں گذریگی کہ وہ واپس آجائیگا۔ اب غور کرو کہ اسوقت سے کتنی نسلیں گذر چکی ہیں اور یہ امید اب تک باقی ہے۔

"اگر آپ انجیلوں کو غور سے پڑھیں تو آپ خود دیکھ لیں گے کہ یسوع نے خدا ہونیکا دعویٰ کبھی نہیں کیا۔ بلکہ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اگر کوئی شخص ایسا خیال کرتا تو وہ حیرت سے اسکی تردید کرتا خداوند کی دعا خود ایسے خیال کی تردید کرتی ہے۔ اسکے ایک ایک لفظ کو دیکھو کہ یہ ایک متقی انسان کی عاجزانہ عرض ہے جو خود خدا سے قریب ہونے اور اپنے رفقا کو قریب کرنیکی تڑپ اپنے دل میں رکھتا ہے۔ خود یسوع کے شاگرد جو اسکو ہر طرح سے بڑا بنانے اور مبالغہ کرنیکے لیئے تیار تھے انہوں نے بھی کبھی ایسا خیال نہیں کیا کہ یسوع کے دل میں خدائی کا خیال تھا۔ انکو خوب یاد تھا کہ اسنے انکو اسبات سے بھی منع کر دیا تھا کہ وہ اسے نیک کہیں کیونکہ یہ خدا کی صفت تھی۔ اور یسوع کی موت کے دیر بعد پولوس جسنے اسے فرشتوں سے افضل قرار دیا اسکے مرتبہ کو خدا سے کم سمجھتا تھا۔ یہ عقیدے کچھ واقعات اور کچھ قصوں کی بنا پر۔ اور کچھ علم اور کچھ امید کی بنا پر آہستہ آہستہ بنگئے ہیں۔

"نئے عہدنامے کے معجزات جنپر ہم جہالت سے پہلے مذہب کی منجانب اللہ ہونیکی

بنیاد رکھتے ہیں اس زمانہ میں کسی اعتبار کے قابل نہیں۔ اور بجائے اس کے کہ وہ کسی دوسرے امر کو ثابت کریں خود محتاج ثبوت ہیں۔ میرے نزدیک تو ان سب معجزات میں سے سب سے بڑا مگر ساتھ ہی سب سے زیادہ نظروں سے چھپا ہوا معجزہ وہ خدا بنانیکی ترکیب ہے جس سے ناصرہ کا رہنے والا یسوع نہائت مقدس تثلیث کا دوسرا اقنوم اور ابدی خدا بن گیا۔

"میرے نوجوان دوست! خواہ یہ باتیں تمکو اسوقت ناگوار معلوم ہوں مگر یہ عمدہ سے عمدہ باتیں ہیں جو میں تمہیں بتا سکتا ہوں اور یہ میرے دل کے اندرونی خیالات ہیں جو تمپر اسوقت ظاہر کر رہا ہوں۔ تم اس بات کو سمجھ جاؤ گے اگر آج نہیں تو ایک مہینہ میں یا ایک سال میں یا دس سال میں کہ جو شخص صدق دل سے مذہبی صداقت کی تلاش آج انیسویں صدی میں کرتا ہے اسکو لازماً یہ باتیں بطور نتائج مسلمہ کے ماننی پڑیں گی خدا انسان بنجائیگا مگر نہ اسطرح جسم اختیار کرنیسے جیسا پہلے لوگوں نے خیال کر لیا۔ ہاں جسطرح کلیسیا نے ابتدائی زمانہ میں ایک انسان کو خدا بنا دیا تھا۔ اسی طرح سے ہم انیسویں صدی کے لوگ خوشی سے اس خدا کو انسان بنا دینگے۔ اور اگلی صدی ان باتوں کو پورا ہوتا دیکھ لے گی"۔

مضمون نویس بیان کرتا ہے کہ "یہ خلاف امید وعظ ایک ایسے روحانی آدمی سے جو ہمارے تمام عقائد کے لیئے پیغام موت تھا اور اگرچہ میں دل ہی دل میں اس فاضل کو کوستا بھی تھا کہ یہ کیسے دغا باز لوگ ہیں کہ جو ایک گڈریے کے لباس میں بھیڑوں کی چوری کا کام کر رہے ہیں مگر ساتھ ہی اسکی معقول باتوں کا میرے پاس کوئی جواب نہ تھا اور یہ باتیں میرے دل کو کھا گئی تھیں"۔

اور کون جانتا ہے کہ ان کلیسیا کے مقدس بزرگوں میں کتنے لوگ ہیں جو دل سے اعتقاد اسی بات پر رکھتے ہیں جو آج سے تیرہ سو سال پہلے قرآن کریم نے کہی تھی۔ ما المسیح ابن مریم الا رسول۔ اور برائے نام عیسائی عقائد کے حامی ہیں۔ اور اخلاقی جرأت سے کام نہ لے کر اپنے اصل خیالات کے اظہار سے رکے ہوئے ہیں۔

اسلام کی ترقی

اسلام کی تاریخ پر غور کی نگاہ ڈالنے سے اسلام کی روحانی کشش اور قوت کا ایک عجیب اثر نظر آتا ہے۔ دنیا کے بڑے مذاہب میں سے اسلام سب سے پیچھے میدان میں آیا۔ مگر جو جو نمایاں کامیابیاں اسلام نے حاصل کیں دوسرے کسی مذہب نے اسیقدر عرصہ میں اسقدر ترقی حاصل نہیں کی۔ بدھ مذہب اسلام سے ایک ہزار سال پہلے اور عیسائی مذہب چھ سو سال پہلے کا ہے مگر نہ گوتم بدھ نے اور نہ ہی حضرت مسیح نے اپنی زندگی میں وہ کامیابی حاصل کی جو اسلام نے اپنے مقدس بانی حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں حاصل کی۔ یہی حال بعد کے زمانہ میں رہا ہے چنانچہ تیرہ سو سال میں جسقدر ترقی اور کامیابی اسلام کو حاصل ہوئی اسقدر ترقی اسیقدر عرصہ میں عیسائی مذہب کو بھی نصیب نہ ہوئی تھی۔ یہ خیال کہ اسلام کی یہ ترقی محض پولیٹکل اقتدار یا زور تلوار کی وجہ سے ہوئی۔ جہالت اور تاریخ اسلام سے ناواقفیت پر مبنی ہے سب سے زیادہ پادری صاحبان اس بات پر زور دیا کرتے ہیں مگر انکو خود ہی اس بات کا اعتراف کرنا پڑتا ہے کہ آج باوجود ملکی اقتدار اور تلوار کے اسلام سے جاتے رہنے کے اسلام ان قطعات زمین میں جہاں اسکے مشنری کام کر رہے ہیں ایسی ترقی کر رہا ہے جو عیسائیت کو باوجود مشنریوں کی فوجوں اور بے شمار روپے کے صرف کے حاصل نہیں۔ چنانچہ مندرجہ ذیل نوٹ سے جو اخبار ٹربنہ سیکر نیو یارک سے لیا گیا ہے اس بات کی تائید ہوتی ہے۔ اخبار مذکور لکھتا ہے۔

"دوسرے مذاہب کی نسبت ہم عیسائی مذہب کی ترقی کی بابت بہت کچھ سنتے رہتے ہیں مگر ہمیں اس میں شبہ ہے کہ مشرق میں عیسائی مذہب بدھ مذہب کی ترقی کا مقابلہ کر سکتا ہے اور یہ بات تو مسلم ہے کہ ان ممالک میں جو اسلام کے زیر اثر ہیں عیسائی مذہب اسلام سے بہت پیچھے ہے۔ چنانچہ ہم پڑھتے ہیں کہ جرمن کے مشنریوں نے جو کچھ دیر سے افریقہ میں اسلام

اور عیسائیت کی طاقت کے مقابلہ کا مطالعہ کر رہے ہیں اسلامی سلسلہ اشاعت میں ایک روز بروز بڑھتی ہوئی طاقت کو محسوس کیا ہے۔ اور وہ پیشگوئی کرتے ہیں کہ جب اس تاریک براعظم کے اندرون کے حالات معلوم ہونگے تو ایک ایسی حالت ہماری آنکھوں کے سامنے آئیگی جو عیسائی دلوں کو حیران کرویگی"

اسکے بعد اخبار مذکور ڈاکٹر وارڈ کی کتاب "مغربی افریقہ میں اسلامی خطرہ" اور ایک اور مصنف کے چند ریمارک نقل کر کے لکھتا ہے۔

"ان واقعات کی تائید ایک تیسرے ذریعہ سے ہوتی ہے یعنی لیپرگ کا پادری فلیڈیہ مفصل ذکر کرتا ہے کہ کسطرح مسلمان تو ہیں جو افریقہ میں تجارت کرتی ہیں اپنی تجارت کے ساتھ ساتھ مذہب کو پھیلا رہے ہیں اور ہزارہا آدمیوں کو اسلامی جھنڈے کے تلے لا رہی ہیں ..... اس مذہب کے لوگوں کے سلسلہ واعظین کی برابری اور کوئی اہل مذہب نہیں کر سکتے پادری فلیڈ مایوسانہ رنگ میں کہتا ہے کہ افریقہ کے مرکز میں مسلمان واعظ نہایت مؤثر کام کر رہے ہیں اور جب ان اضلاع کی حالت بہتر معلوم ہو گی تو معاملات کی حالت کو معلوم کر کے عیسائی سخت حیران اور غمزدہ ہونگے"

لارڈ کرومر کے الزامات اسلام اور مسلمانوں کے خلاف

مصر سے واپسی پر لارڈ کرومر نے ایک کتاب بنام "ماڈرن ایجپٹ" شائع کی ہے جس میں مصر کے معاملات پر بحث کی ہے۔ اس کتاب کا ایک باب لارڈ موصوف نے اسلام اور مسلمانوں پر نکتہ چینی اور عیسائیوں اور عیسائی مذہب کی خوبیاں بیان کرنیکے لیے مخصوص کیا ہے۔ اور یہ خیال ظاہر کیا ہے کہ مذہب اسلام کے اندر بعض ایسے نقص موجود ہیں کہ مسلمان لوگ کبھی ترقی کر ہی نہیں سکتے۔ اس خیال کی تردید میں بعض مسلمانوں اور بعض

یورپین صاحبان نے بھی جواب لکھے ہیں مگر جہانتک مینے ان جوابات کو دیکھا ہے انہیں لارڈ کرومر کے ان الزامات کی جو انہوں نے مذہب اسلام اور مسلمان قوموں پر لگائے ہیں مفصل تردید نہیں کی گئی۔ مینے اس کتاب کو پڑھا ہے اور میرا ارادہ ہے کہ ان تمام بیجا الزامات پر جو اسلام پر عائد کیئے گئے ہیں اور عیسائی مذہب کی بیجا تعریف پر ایک مفصل مضمون لکھا جاوے مگر چونکہ یہ سلسلہ اگر ابھی شروع کر دیا جاتا تو اس سال میں ختم نہ ہوسکتا اس لیئے یہ مناسب سمجھا گیا کہ اس مضمون پر آئندہ سال میں متواتر نمبروں میں بحث کی جاوے۔ یہ ایک عجیب بات ہے کہ لارڈ کرومر کی کتاب کی اشاعت کے چند ماہ کے اندر اندر ایسے واقعات پیدا ہوگئے ہیں جو لارڈ موصوف کے خیالات کی تردید کے لیئے بجائے خود کافی ہیں۔ لارڈ کرومر کا یہ دعوی تھا جسے انہوں نے بڑے زور سے اپنی کتاب میں بیان کیا ہے کہ مسلمان قومیں کبھی ترقی کر ہی نہیں سکتیں اور نہ ہی مسلمان رہ کر زمانہ کے مطابق اپنی رفتار کو بنا سکتی ہیں۔ مگر ٹرکی میں جو واقعات گذشتہ تین چار ماہ کے اندر پیدا ہوئے ہیں انہوں نے اس خیال کے بطلان کو اظہر من الشمس کر دیا ہے۔ ایک مسلمان قوم نے جس پر بڑے بڑے دور اندیش مدبر ان یورپ نے یہ فتوی لگایا تھا کہ وہ پنجۂ موت سے رہائی نہیں پا سکتی یکمرتبہ ایک ایسا کام کر کے دکھایا ہے جس نے تمام دنیا کو حیرت میں ڈالدیا ہے۔ اور خود انہی یورپین مدبروں نے کھلے الفاظ میں تسلیم کیا ہے کہ اس حیرت انگیز طریق میں ترقی کی طرف قدم اٹھانیکی نظیر دنیا کی تاریخ میں اور کوئی نہیں ملتی۔

اس بات پر جسقدر اظہار افسوس کیا جائے کم ہے کہ لارڈ کرومر جیسا شخص جس نے صدی کی چوتھائی حصہ سے زیادہ مسلمانوں پر حکومت کی ہے ابھی تک اسلام کے خلاف ایسا بغض اپنے دل میں رکھتا ہے کہ وہ اسلام کو ترقی کا مخالف بتاتا ہے حالانکہ اہل اسلام کی گذشتہ تاریخ اُنکے اس بیان کو روز روشن کی طرح جھٹلا رہی ہے۔ لارڈ کرومر تو ایک فاضل انسان ہے حالانکہ وہ لوگ بھی جنکو تاریخ اسلام سے معمولی سی واقفیت بھی ہو اس بات

کا انکار نہیں کر سکتے کہ عین اس زمانہ میں جب یورپ پر ایک سخت جہالت کی تاریکی چھائی ہوئی تھی مسلمان قومیں اس زمانہ کے لحاظ سے تہذیب اور ترقی کے معراج پر پہنچی ہوئی تھیں اور ہسپانیہ کے مسلمانوں کی تہذیب کی مشعل سے ہی یورپ کی قومیں اپنے اپنے چراغوں کو روشن کرتی تھیں۔ بڑے بڑے یوروپین مورخوں اور مصنفوں نے مسلمانوں کے اس احسان کو جو انہوں نے دنیا پر اور بالخصوص یورپ پر کیا تسلیم کیا ہے مگر لارڈ کرومر کے نزدیک اسلام اور مسلمان نہ صرف اسوقت ہی ہر ایک نیک صفت سے عاری ہیں بلکہ ہمیشہ سے وہ ایک گری ہوئی اور تاریکی کی حالت میں رہے ہیں اور انکا مستقبل بھی تاریک ہی تاریک ہے اور کوئی روشنی کی شعاع انکو تاریکی سے باہر نکالنے والی نہیں۔ یہ فتویٰ اسلام اور مسلمانوں پر لارڈ کرومر نے کھلے الفاظ میں دیا ہے چنانچہ وہ لکھتے ہیں "کسی عملی مدبر کو اس خیال کو دل میں جگہ نہ دینی چاہیئے کہ وہ (یعنی اسلامی مصلح) ایک ایسی قوم کو دوبارہ زندہ کر سکتے ہیں جو اگرچہ اسوقت قطعی طور پر مر نہیں چکی اور شاید صدیوں تک اسی حالت میں لٹکتی چلی جائے مگر جو ملکی اور تمدنی طور پر بلا شبہ حالت نزع میں ہے اور جسکے تدریجی تنزل کو اس زمانہ کی کوئی مسکن دوائی روک نہیں سکتی خواہ کیسی قابلیت سے اسکا استعمال کرایا جائے"۔ خدا کی شان ہے کہ لارڈ کرومر کے ان الفاظ پر جو پادریانہ تعصب کے رنگ میں رنگے ہوئے ہیں ابھی ایک سال بھی گذرنے نہ پایا تھا کہ انکا خلاف واقعہ ہونا بلا کسی لفظی تردید کے دنیا پر کھل گیا۔ اور تمام دانشمند مدبروں کو یہ واقعات دیکھکر انکے خلاف کہنا پڑا۔ چنانچہ ذیل میں ہم دو سب سے بڑے انگریز مدبروں کے الفاظ کا ترجمہ دیتے ہیں کہ تا پڑھنے والے لارڈ کرومر کے متعصبانہ خیالات سے انکا مقابلہ کر سکیں۔ مشرقی سوال پر رائے ظاہر کرتے ہوئے سلطنت برطانیہ کے وزیر اعظم مسٹر ایسکوئتھ نے اپنی تقریر میں کہا۔

"ترکی میں ہم نے اس بات کا مشاہدہ کیا ہے جو صفحات تاریخ میں نہایت حیرت انگیز تبدیلیوں

میں سے ہے ہم پورے طور پر ان مشکلات کی عظمت کو تسلیم کرتے ہیں جنکا مقابلہ وہاں کرنا پڑا۔ ہم اس فراست۔ قوت فیصلہ۔ دور اندیشی اور احتیاط کی تعریف کرتے ہیں جن کے ساتھ ان مشکلات کا مقابلہ کرکے انہیں مغلوب کیا گیا۔ ہم اعتراف کرتے ہیں کہ ٹرکی کیحالت میں یہ بڑی خوشی کا باعث ہے کہ وہ تشدد اور کینہ وری بالکل دیکھنے میں نہیں آئی جو ایسے عظیم الشان اور اصولی انقلابات کا لازمی جزو ہوتے ہیں اور ہم تعریف کرتے ہیں اس دانائی۔ صبر اور فراخدلی کی جو ابتک نئی حکومت کو ممتاز کرنیوالی ہیں"

اب ہم دریافت کرتے ہیں کہ اس اصلاح کو جو لارڈ کرومر کے نزدیک بالکل غیر ممکن تھی عمل میں لانیوالے کون لوگ ہیں۔ یقیناً وہ عیسائی نہیں بلکہ مسلمان ہیں اور لارڈ کرومر تو شاید انکو یورپین کہنے میں بھی تامل کرتے ہونگے کیونکہ انکے ہمخیال ان لوگوں کو یوروپ کے خوبصورت جسم پر ایک پھوڑا قرار دیتے رہے ہیں اور کھلے الفاظ میں اس بات کا وعظ کرتے رہے ہیں کہ جبتک ترک بوریا بدنا باندھکر یوروپ سے نکل جاویں گے تب تک یوروپ آرام کی نیند نہیں سو سکتا۔ سو انہی لوگوں نے جو آجتک محل اعتراض اور نکتہ چینی کے تختہ مشق بنے رہے ہیں آخر وہ کام کرکے دکھایا جسکی نظیر بتانے سے مدبران یوروپ بھی قاصر ہیں۔ اسی طرح پر سر ایڈورڈ گرے وزیر خارجی برطانیہ کلاں نوجوان ترکوں کی تعریف کرتے ہوئے کہتے ہیں۔

"کینے۔ جھگڑے اور ظلم سب یکمرتبہ دور ہو گئے ہیں اور انکی جگہ اب حکومت ہے انصاف کی امن کی اور خیر خواہی اور نیک نیتی کی جو امن کے سب سے عمدہ کفیل ہیں بلکہ ہر ایک عہدنامہ یا آئینی حکومت یا دوسری کسی چیز سے بہتر کفیل ہیں۔ جہانتک میں دیکھتا ہوں ساری تاریخ میں کوئی اور ایسا فوری اور ایسا مفید انقلاب نظر نہیں آتا۔ اور اگر یہ تبدیلی واقع نہ ہو گئی ہوتی تو کوئی شخص کبھی باور نہیں کر سکتا تھا کہ ایسا بھی ہو سکتا ہے۔ اور ان لوگوں کی جو اس اصلاح کے کرنیوالے ہیں نیک نیتی اور راست بازی سے

ان تمام لوگوں پر جنکو ان امور سے واسطہ پڑا ہے ایک عجیب اثر پیدا کیا ہے۔ یہ صحیح معنوں میں حب الوطنی ہے ایسی حب الوطنی جو امن سے پُر اور ہر ایک قسم کے اعتدا سے خالی ہے۔ اور جنکی سچی خواہش سوائے اسکے کہ وہ اپنے ملک کا بھلا چاہتے ہوں اور کچھ نہیں اور دوسروں کے خلاف وہ کسی قسم کا منصوبہ نہیں رکھتے"

اسی اصلاح پر جو ٹرکی کی حکومت میں عملدرآمد میں آئی ہے لکھتے ہوئے لنڈن کا ایک مشہور پرچہ لکھتا ہے کہ "عیسائی مذہب کے حامی اور پادری لوگ آئندہ جسقدر چاہیں اسلامی تہذیب کے ناقابل ترقی ہونیکے متعلق باتیں بناتے رہیں مگر پبلک انسے بہتر جانتی ہے اور انکے دھوکے میں نہیں آئیگی" اغلب تو یہ ہے کہ اگر یہ واقعات لارڈ کرومر کی کتاب کی اشاعت سے پہلے پیش آگئے ہوتے تو وہ بھی اپنے خیالات کی بہت کچھ اصلاح کر لیتے۔

مگر بلقان کی حالت بعض اور امور پر بھی روشنی ڈالتی ہے۔ جیسا کہ لارڈ کرومر نے بھی اپنی کتاب کے آخری باب میں اس مقولہ کی صداقت کو تسلیم کرکے اپنی کتاب کو اس سے زینت دی ہے۔ "قومی بڑائی کی اصل صفات اخلاقی ہیں نہ مادی" اب اگر اخلاقی صفات میں ٹرکی کا مقابلہ گرد و نواح کی عیسائی طاقتوں کے ساتھ کیا جائے تو وہ اس ترکی قوم سے بھی جسکے ساتھ انگریزی اصطلاح میں "ناقابل ذکر" کا لفظ عام طور پر مروج ہو گیا ہے بہت گری ہوئی حالت میں ثابت ہوتی ہیں عین اسوقت جب ٹرکی کے مصلح سچے دل سے اپنے ملک کے انتظام کی اصلاحوں میں لگے ہوئے تھے اور ترقی کے لیئے قدم بڑھا رہے تھے اور وہ اصلاح انکے نصب العین تھی جسکے لیئے خود یورپ مدت سے شور ڈال رہا تھا۔ تین عیسائی قوموں نے تمام اخلاقی ذمہ واریوں کو بالائے طاق رکھکر صرف ٹرکی کا کچھ ملک دبانیکے لیئے اپنے تمام معاہدوں کو توڑا اور جو کچھ پرائیویٹ طور پر وہ ٹرکی سے اقرار کر چکے تھے اسکی بھی پروا نہ کی۔ اور نہ صرف عہد شکنی ہی کی بلکہ

ٹرکی کی اصلاحات کو ضعف پہنچانیکے لیئے ایسا کیا اور ایک عام یوروپین جنگ پر قوموں کو آمادہ کرنے میں کوئی کسر باقی نہ رکھی۔ عہد شکنی خصوصاً ایسے بڑے معاملات میں جسکا اثر قوموں اور ملکوں پر پڑتا ہو۔ اور جسکی وجہ سے لاکھوں جانیں تلف اور بہت سا ملک ویران ہو سکتا ہو نہایت گرے ہوئے قومی اخلاق کا ثبوت ہے۔ آسٹریا بلغاریہ اور یونان کی عہد شکنی اور بالخصوص اول الذکر اس قابل ہے کہ اسپر ایک مضمون لکھ کر لارڈ کرومر کی کتاب کے ساتھ بطور ضمیمہ لگایا جاوے تاکہ کتاب کو پڑھنے والا جو مسلمانوں کے خلاف چھوٹے چھوٹے الزامی قصے جو لارڈ کرومر نے اپنی کتاب کے چونتیسویں باب میں بیان کیئے ہیں پڑھتا پڑھتا تھک گیا ہو اس نئے مضمون کو جو اپنی اہمیت میں ان تمام قصوں سے بہت بڑھکر ہے دلچسپی اور شوق سے پڑھکر فائدہ اٹھائے۔ لارڈ موصوف نے ایک جگہ اپنی کتاب میں جہاں مصر میں رہنے والے عیسائیوں کا ذکر ہے اس غلطی کا بھی تذکرہ کیا ہے جسکا ارتکاب اکثر لوگ کرتے ہیں اور جسکا ارتکاب لارڈ کرومر نے خود مسلمانوں کے تذکرہ میں کیا ہے کہ بعض وقت ایک قوم کے چند افراد کے چال چلن کی بنا پر کل کی کل قوم پر الزام لگا دیا جاتا ہے جو نہیں ہونا چاہیئے مگر لارڈ کرومر نے نہ صرف چند ناقابل التفات قصوں کی بنا پر تمام مسلمانوں کو ہی قابل الزام ٹھہرایا ہے بلکہ خود مذہب اسلام کو انکا ذمہ وار قرار دیا ہے۔ پس اگر کوئی شخص آسٹریا وغیرہ کی عہد شکنی سے یہ نتیجہ نکالے کہ عیسائی مذہب ہی عہد شکنی سکھاتا ہے تو لارڈ کرومر اسکی تردید نہیں کرسکتے۔ مگر ہم ان واقعات سے یہ نتیجہ نہیں نکالتے لیکن لارڈ کرومر سے یہ سوال ضرور کرینگے کہ آیا یہ عہد شکنی عیسائی مذہب کی تعلیم کا نتیجہ ہے یا نہیں اور آیا ایک قوم جو اپنی اخلاقی ذمہ واریوں کو کسی مطلب کے حصول کے لیئے اس طرح بالائے طاق رکھدے ہی فی الواقع بڑائی کی دعویدار ہو سکتی ہے؟ یا کہ معاہدوں کی پابندی مہذب قوموں کی اخلاقی کورڈ سے نکالدی گئی ہے بشرطیکہ وہ جنگی طاقت اسقدر رکھتی ہوں کہ معاہدہ شکنی سے اپنی کسی غرض کو حاصل کرسکیں؟

جلسہ سالانہ صدر انجمن احمدیہ قادیان

صدر انجمن احمدیہ قادیان کا سالانہ جلسہ ۲۶-۲۷-۲۸- دسمبر کو ہوگا۔ کارروائی ۲۶- دسمبر کو بعد از نماز ظہر یعنی ½ ۲ بجے حضرت خلیفۃ المسیح کے وعظ سے شروع ہوگی۔ اور ۲۸- دسمبر کی شام کو ختم ہوگی۔ ۲۹- دسمبر کو تشحیذ الاذہان کا جلسہ ہوگا۔ جلسہ کے متعلق سلسلہ کے اخباروں میں اور خصوصاً الحکم میں بہت سی تحریک ہو چکی ہے۔ مَیں احباب کی سہولت کے لیئے مختصر طور پہ امور متعلقہ کا ذکر کرتا ہوں۔

اوّل۔ سکرٹری صاحب صدر انجمن نے تمام احمدی جماعتوں اور احمدی احباب کو بذریعہ چٹھی مطبوعہ توجہ دلائی ہے کہ وہ جہاں تک ممکن ہو اس جلسہ میں جو حضرت امام علیہ السلام کے وصال کے بعد پہلا سالانہ جلسہ صدر انجمن احمدیہ کا ہی شامل ہو کر اسے کامیاب بنانیکی کوشش کریں۔ دوم۔ ریل کے کرایہ میں تخفیف کے لیئے اس سے پہلے بھی کئی بار کوشش کی گئی تھی مگر یہ پہلا موقعہ ہے کہ حکام نارتھ ویسٹرن ریلوے نے صدر انجمن احمدیہ کے سالانہ اجلاس کے لیئے تخفیف منظور کی ہے۔ اس غرض کے لیئے سرٹیفکٹ سکرٹری صدر انجمن کے دفتر میں موجود ہیں جو کنسشن سرٹیفکٹ کہلاتے ہیں۔ ہر ایک آدمی جو جلسہ سالانہ میں شامل ہونا چاہتا ہو اسے چاہیئے کہ سکرٹری صاحب سے سرٹیفکٹ طلب کرے .... یہ ایک سرٹیفکٹ صرف ایک آدمی کے لیئے کافی ہوگا۔ جہاں انجمنیں ہوں سکرٹری انجمن آنیوالے صاحبان کا اندازہ کر کے اسکے مطابق سرٹیفکٹ منگوالے۔ اس سرٹیفکٹ میں اس شخص کا جو اس سے فائدہ اُٹھانا چاہتا ہو پورا نام پیشہ اور پتہ درج ہونا ضروری ہے۔ اس کے لیے سرٹیفکٹ میں چار خانے خالی ہیں ان میں سے بائیں طرف کے تین خانے پُر کر لینے چاہیئیں۔ اور چوتھا خانہ جو دائیں طرف کا آخری خانہ ہے اور جس پر + نشان ہے خالی چھوڑنا چاہیئے۔

حسب نقشہ ذیل			
Class & No. of ticket issued	Address.	Occupation.	Name in full.
یہ خانہ خالی رہنے دو	یہاں پورا پتہ درج کرو	یہاں پیشہ درج کرو	یہاں پورا نام درج کرو

یہ یاد رکھنا چاہیئے کہ نام وغیرہ صاف لکھا ہوا ہو اور لکھکر کاٹنا نہیں چاہیئے بلکہ غلطی ہو جائے تو نیا سرٹیفکٹ منگوا کر خانہ پُری کی جاوے۔ یہ سرٹیفکٹ جہاں ٹکٹ ملتے ہوں پیش کرنے پر اُس سٹیشن سے بٹالہ تک کا آنے جانے کا ٹکٹ صرف ایک طرف کا کرایہ دینے پر مل جائیگا۔ اس ٹکٹ میں سے آدھا ٹکٹ بٹالہ سٹیشن پر ٹکٹ کلکٹر کاٹ لیگا اور باقی آدھا واپس ملجائیگا۔ اور واپس جانیکے لیئے یہی ٹکٹ کام آئیگا۔ نیا ٹکٹ لینے کی ضرورت نہ ہوگی۔ یہ رعائت تیسرے درجہ اور درمیانہ درجہ کے لیئے ہوگی۔ جس تاریخ کو ٹکٹ لیا جائیگا اس سے پندرہ دن کے اندر اندر ٹکٹ لینے والا جب چاہے واپس جاسکتا ہے مثلاً اگر ۲۵۔ دسمبر کو ٹکٹ لیا ہو تو ۸۔ جنوری تک اُس سٹیشن پر پہنچ جانا ضروری ہوگا۔

دیہات میں جہاں سرٹیفکٹ منگوائے جائیں اور وہاں انگریزی جاننے والا کوئی نہ ہو تو چاہیئے کہ اپنا پورا نام پیشہ اور پتہ سرٹیفکٹ کی درخواست کے ساتھ لکھ بھیجیں تاکہ اسی جگہ سے خانہ پُری کرکے سرٹیفکٹ مکمل بھیجدیا جاوے اور اُس سٹیشن کا پتہ بھی دیں جہاں سے سوار ہونا ہو۔ **سوم**۔ چونکہ ایام جلسہ میں یکوں کی زیادہ مانگ کی وجہ سے یکوں والے کرایہ بڑھا دیتے ہیں اور موسم سرما کی وجہ سے بستر وغیرہ ساتھ ہوتے ہیں جو پیدل آنیسے مانع ہوتے ہیں اسلیئے اسجگہ کی منتظم کمیٹی نے آنیوالے احباب کی سہولت کیلیئے یہ انتظام کیا ہے کہ جو احباب پیدل آنا چاہیں یا آسکیں انکے اسباب کو اسی دن قادیان پہنچانیکی ذمہ وار یہ منتظم کمیٹی ہوگی اس کی صورت یہ ہوگی کہ بٹالہ سٹیشن پر ایک جماعت ہر گاڑی کے آنیکے وقت موجود ہوگی جتنے احمدی احباب اس گاڑی سے اتریں وہ اپنا اسباب اس جماعت کے سپرد کردیں اسکا انتظام ڈاکٹر محمد اسمٰعیل خاں صاحب کے ہاتھ میں ہوگا۔ اپنا

اپنا اسباب اس جماعت کے سپرد کرکے احباب پیدل چلے آویں اور انکا اسباب اسی دن شام سے پہلے پہلے قادیان پہنچ جاویگا۔ مگر یہ انتظام یاد رکھنا چاہیئے کہ صرف تین دن کے لیئے ہوگا یعنی ۲۵ - و ۲۶ و ۲۷ - دسمبر- ان تین دنوں میں تینوں گاڑیوں پر ڈاکٹر صاحب موصوف اور دیگر احباب موجود ہونگے - پس تمام احباب کو اول تو یہی کوشش کرنی چاہیئے کہ ۲۶ - دسمبر کو یہاں پہنچ جاویں کیونکہ ۲۶ کو بعد از دوپہر کارروائی شروع ہوجائیگی لیکن بہرحال ۲۷ سے بعد پہنچنے میں نہ صرف اجلاس میں ہی ایسے احباب حصہ نہ لے سکیں گے بلکہ علاوہ بریں تکلیف بھی اُٹھائیں گے - اسی طرح سے یہاں سے روانگی کے لیئے ۲۹ دسمبر اور ۳۰ دسمبر دو دن قادیان سے بٹالہ اسباب پہنچانیکا کام بھی یہی منتظم کمیٹی کریگی ۔ آنیوالے احباب کے لیئے یہ ضروری ہوگا کہ اپنے بستر پر یا اور کوئی اسباب ہو تو اسپر مضبوط کاغذ کی ایک چٹ لکھکر ساتھ لگالیویں تاکہ یہاں قادیان میں شناخت میں آرام ہو اور کوئی اسباب ضائع نہ ہو - جو احباب خود اپنے اسباب پر چٹ لگاکر نہ لاویں انہیں چاہیئے کہ بٹالہ میں اپنے سامنے اپنے اسباب پر چٹ لگوالیں تاکہ بعد میں کوئی دقت نہ ہو - ایسا ہی جو جماعتیں پہلے ہی اکٹھی ہوکر چلیں انہیں چاہیئے کہ ایک مکمل فہرست مع نام و پتہ اپنے احباب کی تیار کرکے ساتھ لاویں یا ریل میں تیار کر رکھیں اور یہ فہرست بٹالہ سٹیشن پر ڈاکٹر صاحب کے حوالہ کردیں **چہارم** - ہر قسم کے انتظام کیلیئے ازبس ضروری ہے کہ خواہ چلنے سے چار پانچ دن پہلے ہی ہو مگر جہاں جہاں سے کوئی احباب چلنے والے ہیں وہ اپنی اپنی تعداد کی اطلاع دفتر سکرٹری میں ضرور دیویں - تاکہ اسکے مطابق ہر ایک جماعت کے لیئے علیحدہ علیحدہ مکان کا انتظام کرلیا جاوے اور بعد میں تکلیف نہ ہو - بلکہ بڑی بڑی جماعتیں اس بات کی اطلاع بھی دیں کہ وہ کس دن اور کس گاڑی میں بٹالہ سٹیشن پر پہنچیں گی تاکہ وہاں اسباب لے جانیکا انتظام آنیوالے احباب کی تعداد کے مطابق اور حسب ضرورت کیا جاوے - اور اسجگہ یعنی قادیان میں کھانیکا

انتظام اسکے مطابق پہلے سے کر لیا جاوے۔ **پنجم**۔ اگرچہ یہاں کے منتظم ہر طرح سے احباب کے آرام اور آسائش کے لیئے جہانتک ایسے مجمعوں میں اور پھر ایسے گاؤں میں ممکن ہے کوشش کرتے ہیں اور کرینگے مگر اتنے بڑے کاموں میں پھر خصوصاً جہاں کام کرنیوالوں کی تعداد کم ہو کچھ نہ کچھ تکلیفیں پیش آجایا کرتی ہیں۔ یہ کوشش کیجاویگی کہ جہاں تک ممکن ہو ہر قسم کی شکایات کو رفع کیا جاوے۔ مگر پھر بھی یہ قبل از وقت عرض کر دینا ضروری ہے کہ جو احباب تشریف لاویں وہ خود بھی منتظمین کو مدد دینا اپنا فرض سمجھیں۔ **ششم**۔ کانفرنس انجمنہائے احمدیہ ۲۶ دسمبر کی شام کو ہے اسمیں نہ صرف بجٹ ہی پیش ہوگا بلکہ مدرسہ عربی کے قیام کا اہم سوال بھی پیش ہوگا۔ اسلیئے کانفرنس میں شامل ہونیوالے احباب ضرور ہے کہ ۲۶ دسمبر کو دوپہر یا زیادہ سے زیادہ شام تک یہاں پہنچ جاویں۔ علاوہ امور متذکرہ بالا کے غالباً کچھ اور ضروری سوالات بھی کانفرنس کے سامنے پیش ہونگے تاکہ اہم کاموں میں تمام احباب کا مشورہ ہوجائے۔ **ہفتم**۔ تمام احباب اپنے اپنے بستر ساتھ لادیں بستروں کا انتظام ان ایام میں اسجگہ نہ ہوسکیگا۔ **ہشتم**۔ چونکہ آنیوالے احباب کی تعداد اللہ تعالیٰ کے فضل سے امید کیجاتی ہے کہ پہلے کی نسبت بہت زیادہ ہوگی اسلیئے مجلس معتمدین کو بہت سارو پیہ عارضی رہائش کی جگہ اور دیگر انتظام متعلقہ اور مہمانوں کی دعوت پر خرچ کرنا پڑے گا اسکے لیئے مجلس مذکور نے یہ فیصلہ کیا ہے کہ ہر ایک آنیوالا دوست کم از کم ایک روپیہ ان اخراجات کے لیئے چندہ ادا کرے۔ جہاں سے جماعتیں آویں وہ خود اس رقم کو اپنے ساتھ کے احباب سے اکٹھا کرکے آتے ہی دفتر محاسب میں جو مسجد مبارک کے نیچے ہے دیدیں اور باقی احباب اپنے اپنے طور پر اسجگہ یہ روپیہ دیدیں۔ اخراجات جلسہ کا اندازہ دو ہزار روپیہ کیا گیا ہے اور یہ سارا روپیہ اسطرح وصول نہیں ہوسکتا اس لیئے علاوہ اس ایک روپیہ فی کس کے اگر کل احباب وہ رقم جو کرایہ ریل میں تخفیف ہوئی

سے اخراجات جلسہ کے لیئے دیدیں۔ جیساکہ سال گذشتہ میں میر حامد شاہ صاحب نے تحریک کی تھی تو اس سے بھی بہت مدد پہنچ سکتی ہے اور یہ اطلاع غالباً سکریٹری صاحب صدر انجمن احمدیہ مختلف انجمنوں کو پہلے دے چکے ہیں کہ وہ اپنے اپنے ضروریات مقامی کے روپیہ میں سے کچھ رقم اخراجات جلسہ سالانہ کے لیئے بہت جلد بھیجدیں۔

نہم پچیس روپے والی تحریک جو مدت سے اخبار الحکم میں جارہی ہے اسکی طرف اللہ تعالیٰ کا احسان ہے کہ بہت سے احباب نے توجہ کی ہے اور مجلس معتمدین نے اس میں یہ سہولت بھی رکھی ہے کہ اگر ایک شخص اپنی گرہ سے یا اپنے احباب سے اکٹھے کر کے پچیس روپے نہیں دے سکتا تو وہ عہ ، ۵ عہ ، عہ بلکہ ۵ ، دیکر بھی اس تحریک میں شامل ہو سکتا ہے مگر یہ صورت صرف ان احباب کے لیئے ہے جو بڑی رقم ادا یا اکٹھا کرنیکی استطاعت نہ رکھتے ہوں۔ ورنہ یوں تو جبتک پچیس پچیس والے احباب بھی ایک ہزار کی تعداد میں نہ ہوں اصل تجویز کا جو مدعا تھا وہ حاصل نہیں ہو سکتا۔

مَیں سلسلہ کے تمام پر جوش اور باہمت احباب کی خدمت میں یہ اپیل کرتا ہوں کہ وہ اسوقت ان لوگوں کی سی قربانیوں کا نمونہ دکھاویں جنکے نقش قدم پر چلنے کا انکو دعویٰ ہے انہوں نے اپنے جان اور مال قربان کر دیئے یہاں تک کہ اپنا کچھ بھی نہ رکھا۔ اللہ تعالیٰ اس بات کی گواہی دیتا ہے۔ ان اللہ اشتری من المؤمنین انفسھم واموالھم بان لھم الجنۃ۔ درحقیقت کسی بعد میں آنیوالی قوم کو اس پاک قوم سے جنہوں نے اپنا سب کچھ خدا کی راہ میں دیدیا تھا کیا نسبت ہوسکتی ہے۔ مگر انکے کام ہمارے لیئے اسوہ حسنہ ہیں۔ اسوقت اکثر وہ ہے جو قربانی اللہ تعالیٰ چاہتا ہے وہ صرف مال کی قربانی ہے۔ پس کیا تم اسقدر بھی نہیں کر سکتے۔ اور اگر یہ قربانی کرنیکا مادہ ہم میں نہیں تو پھر یقیناً جان لینا چاہیئے کہ وہ قوم جسکے لیئے جاعل الذین اتبعوک فوق الذین کفروا کا وعدہ ہے وہ یہ قوم نہیں بلکہ کوئی اور قوم ہوگی۔ ہماری قوم ایک چھوٹی سی قوم ہے پس جبتک ایک ایک آدمی ہم میں سے ہزاروں آدمیوں کا سا کام کر کے نہ دکھاویگا دوسروں پر غالب آنیکی امید رکھنا ایک خیال باطل ہے۔ دنیا کی نظر میں تم ابتک کچھ نہیں ہو لیکن اپنے کاموں سے تم دنیا کو منوا سکتے ہو کہ تم ایک بڑی قوم ہو۔

قرآن کریم کا جدید ترجمہ فتح الحمید

قرآن کریم کا ایک نیا ترجمہ بنام "فتح الحمید" مولوی فتح محمد خاں صاحب جالندھری نے حال میں کیا ہے اور اسکا ایک نسخہ ریویو کیلئے میرے پاس بھیجا ہے۔ ریویو کرنا بجائے خود ایک بڑا نازک اور ذمہ داری کا کام ہے پھر قرآن کریم کے ترجمہ پر ریویو کرنا اور بھی مشکل ہے کیونکہ ریویو کرنیوالے کی ذمہ واری بدرجہا بڑھ جاتی ہے اور خصوصیت سے میرے لیئے یہ مشکل ہے کہ اسی ترجمہ پر دو ریویو سلسلہ احمدیہ کے دونوں اخباروں میں نکل چکے ہیں جن میں سے ایک میں یعنی الحکم میں اس ترجمہ کی بہت تعریف کیگئی ہے اور دوسرے یعنی بدر میں (شائد حد سے زیادہ) اسکی مذمت کی گئی ہے۔ اور یہ کوئی عجیب بات نہیں دو مختلف پہلوؤں سے ایک ہی چیز کو دیکھنے سے ایسا ہو سکتا ہے۔ لیکن اب سلسلہ کے ایک تیسرے ریویو کرنیوالے کیلیئے مشکلات ضرور ہیں۔ جو کچھ میں ذیل میں لکھتا ہوں وہ اسی طرح میری ذاتی رائے ہے جس طرح الحکم میں شیخ یعقوب علی صاحب کی اور بدر میں قاضی ظہور الدین صاحب اکمل کی۔ شیخ صاحب موصوف کی نظر ریویو کرتے وقت فتح الحمید کی خوبیوں پر تھی اور قاضی صاحب کی اسکے نقصوں پر۔ میرے خیال میں قرآن کریم کی کوئی خدمت ہو ہر طرح قابل مشکوری ہے۔ پس سب سے اول میری یہ دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ مولوی صاحب موصوف کو جزائے خیر دے کہ انہوں نے اسلام کی اور اللہ تعالیٰ کے پاک کلام کی خدمت کی۔ میرا ارادہ تھا کہ سارے ترجمہ کو پڑھکر اسپر ریویو لکھتا مگر اسی اثنا میں جو واقعات پیش آئے انہوں نے مجھے فرصت نہ دی۔ مینے متفرق مقامات سے اس ترجمہ کو دیکھا ہے۔ اور میرے نزدیک ترجمہ کی ایک بڑی بھاری خوبی اس میں موجود ہے جسکے مقابل اس میں جو کچھ بھی نقص ہوں (اور کسی انسان کا کلام نقصوں سے خالی نہیں ہو سکتا) میں انکے ذکر کو محض نکتہ چینی خیال کرتا ہوں۔ ترجمہ کے مشکلات سے وہ لوگ خوب آگاہ ہو سکتے ہیں جنہیں ایک زبان سے دوسری زبان میں ترجمہ فی الواقع کرنا پڑا ہے۔ اور چونکہ مجھے بھی اکثر ایسا اتفاق ہوتا رہا ہے گو وہ اُردو سے انگریزی یا انگریزی سے اُردو میں سہی۔ مگر میں ترجمہ کنندہ کی مشکلات کا اندازہ کر سکتا ہوں اور پھر اللہ تعالیٰ کے کلام کا ترجمہ کرنیوالے کی مشکلات تو بہت بڑھ جاتے ہیں۔ ترجمہ کے لیے صرف یہی شرط نہیں کہ ہر ایک لفظ کا ترجمہ آجائے بلکہ جس زبان میں ترجمہ کیا گیا ہے اس زبان میں وہ خیال بامحاورہ اور سلیس اور اگر ممکن ہو تو فصیح و بلیغ

عبارت میں ادا ہونا چاہیئے اور یہ کام رعائت الفاظ سے ہو۔ ورنہ صرف ہر ایک لفظ کے نیچے اسکے معنے دیدینے کافی نہیں۔ کیونکہ اس سے اکثر مطالب خبط ہوجاتا ہے۔ مولوی فتح محمد خاں صاحب کا ترجمہ سلیس اور بامحاورہ ہے۔ عبارت شستہ ہے۔ طرز ادا میں متانت پائی جاتی ہے۔ اور ترجمہ کو بامحاورہ بنانے میں جو بڑا نقص مولوی نذیر احمد صاحب والے ترجمہ میں داخل ہوگیا تھا یعنی لمبی لمبی عبارتیں اپنی طرف سے بڑھادی گئی تھیں وہ نقص قطعاً اس ترجمہ میں نہیں۔ اور باایں ہمہ جہانتک میں نے دیکھا ہے جہانتک ممکن تھا رعائت الفاظ کو ترک نہیں کیا گیا نقص اور غلطی سے نہ میں اس ترجمہ کو خالی قرار دیتا ہوں نہ ہی کسی اور کو جو اب تک ہوچکا ہو اور نہ ہی میری رائے میں یہ ممکن ہے کہ کوئی ایسا ترجمہ ہو جسکے متعلق ساری دنیا اتفاق کرلے کہ وہ مطالب قرآنی کے ادا کرنے میں کامل طور پر صحیح ہے۔ بہرحال میں نے جہانتک اسوقت اس ترجمہ کو پڑھا ہے دوسرے ترجموں پر اسے ترجیح دیتا ہوں۔ اس میں ایک یہ بھی خوبی ہے کہ ہر آیت کا ترجمہ الگ ہے اور آیتوں پر اس غرض کے لیئے نمبر دیدیئے گئے ہیں۔ اس سے نہایت آسانی سے پتہ لگ سکتا ہے کہ کس لفظ کا کیا ترجمہ کیا گیا ہے۔ اور عبارت اسطرح پیچیدہ بھی نہیں ہوتی جسطرح مولوی نذیر احمد خاں صاحب کے ترجمہ میں بعض جگہ ہوگئی ہے۔ یہ اعتراض کہ اسپر نوٹ بہت کم دیئے گئے ہیں شائد ہر شخص کے نزدیک اعتراض نہیں کیونکہ بہت سے لوگ ایسے ترجمہ کے خواہاں ہیں جس میں رائے کو کم دخل ہو۔ ایسے اعتراض کہ اللہ کا ترجمہ خدا۔ رب کا ترجمہ پروردگار۔ اہدنا کا ترجمہ ہمکو دکھا کیوں کیئے گئے ہیں اگر صحیح ہیں تو تمام ترجموں پر عائد ہوتے ہیں شاہ ولی اللہ۔ شاہ رفیع الدین اور شاہ عبد القادر کے ترجموں کو میں نے ان مقامات سے جہاں قاضی صاحب نے اعتراض کیئے ہیں دیکھا ہے وہ بھی اُنسے بری نہیں۔ یہی حال مغضوب کے ترجمہ میں غصہ کے لفظ کا ہے۔ اور یہی یخادعون اللہ کے ترجمہ کا ء انذرتہم ام لم تنذرھم اور سورہ یوسف کے مقامات ولقد ھمت بہ وھم بھا۔ جعل السقایۃ فی رحل اخیہ وغیرہ دوسرے مقامات جنپر قاضی صاحب نے اعتراض کیا ہے وہ پُرانے مروج ترجمے ہیں اور سے انسے کوئی ترجمہ بھی خالی نہیں۔ اس سے یہ نتیجہ نہیں نکلتا کہ احمدی قرآن کریم کے تمام ترجموں کو پڑھنا چھوڑدیں؟ ہدیہ اس ترجمہ کا تین روپے ہے قلم جلی ہے۔ مصنف سے جنکا پتہ کوٹ اچھے شہر جالندھر ہے درخواست کرنے پر مل سکتا ہے۔

کچھ اپنی نسبت

اس ورق کے ساتھ ریویو کی عمر اور میری ایڈیٹری کا ساتواں سال ختم ہوتا ہے۔ اور گو ہر ایک انسان کو اپنی زندگی میں کچھ غم اور کچھ خوشی کے واقعات پیش آتے رہتے ہیں مگر میں نے اس رسالہ کو ایسے ذاتی حالات کے اندراج سے برتر خیال کر کے اس میں اپنے متعلق کبھی کچھ لکھنا پسند نہیں کیا۔ اور اب بھی یہ چند سطریں کسیقدر تامل سے ہی لکھتا ہوں مگر میں یہ سمجھتا ہوں کہ اسقدر عرصہ میں ایک ایڈیٹر اور اسکے ناظرین کے درمیان کچھ تعلقات ایسے پیدا ہو جاتے ہیں کہ وہ اسکے رنج و راحت میں شریک ہوں خصوصاً جہاں ایک دینی اخوت کا رابطہ ان تعلقات کو پہلے سے مستحکم کیئے ہوئے ہو۔ ٹھیک اس دن جب نومبر کا رسالہ یہاں دفتر سے نکل رہا تھا یعنی ۲۰ نومبر کو جمعہ کے دن بوقت چار بجے صبح میری اہلیہ کا انتقال بمقام لاہور میرے مکرم اور مخدوم شیخ رحمت اللہ صاحب کے مکان پر جہاں میں انکے علاج کے لیئے ٹھہرا ہوا تھا ہو گیا۔ انا للہ و انا الیہ راجعون۔ مرحومہ (فاطمہ بیگم) ۱۷۔ مارچ ۱۸۸۶ء کو اسی ضلع میں بمقام شکر گڈھ پیدا ہوئی۔ اور ۴۔ اپریل ۱۹۰۱ء کو بمقام گورداسپور میرے ساتھ بیاہی گئی۔ ۲۰ نومبر ۱۹۰۸ء کو تین ماہ کی تپ شدید کی بیماری کے بعد اور بائیس سال آٹھ ماہ کی عمر میں بمقام لاہور اپنے خدا سے جا ملی اور ۲۱ نومبر کو قادیان میں مقبرہ بہشتی میں دفن ہوئی۔ سات سال اور سات ماہ کی بیاہی ہوئی زندگی میں انکے دو بچے پیدا ہوتے ہی انکے لیئے فرط بن گئے اور ایک لڑکی رقیہ بیگم جو ۲۶ نومبر ۱۹۰۶ء کو پیدا ہوئی وہ انکی یادگار میرے پاس رہ گئی ہے۔ میرے لیئے یہ امر خصوصیت سے موجب خوشی تھا کہ یہ رشتہ میرے سید و آقا حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے خود ہی کیا تھا۔ اور آپ نے ہی مجھے اپنے بچوں کی طرح بیاہا تھا آپکی دعا کا نتیجہ تھا کہ مرحومہ میری ایسی غمگسار تھی کہ خود مجھے بھی حیرت ہوتی تھی۔ دوسری خوشی مجھے یہ تھی کہ جب یہ رشتہ ہوا تو اسوقت میں نے گورداسپور میں وکالت کے شروع کرنیکے لیئے سارا سامان کر لیا تھا۔ اور ای اے سی کے مقابلہ کے امتحان کے لیئے میرا نام منظور ہو چکا تھا۔ اور جب نکاح ہوا تو اسوقت میں قادیان میں دنیا کی طرف سے خالی ہاتھ ہو کر بیٹھا ہوا تھا مگر باایں نہ صرف اُسوقت مرحومہ کے والد منشی نبی بخش صاحب نے اس بات پر کوئی اعتراض نہیں کیا بلکہ اس سے بھی بڑھکر یہ کہ خود مرحومہ نے کبھی اس بات کی طرف اشارہ بھی نہیں کیا اور نہ ہی کبھی یہ چاہا کہ میں یہاں سے الگ ہو کر انکے لیئے دنیا کا بہت سامال پیدا کرنیکی کوشش کروں۔ اسطرح پر انہوں نے میری اس ہجرت میں میری مدد کی اور عسر و یسر میں میری شریک حال رہ کر میری زندگی کو بہت سے ابتلاؤں سے محفوظ رکھا۔ عورتوں کو عموماً دنیا کے مال سے محبت زیادہ ہوتی ہے

مگر انہوں نے اپنے خاوند کی خاطر اپنی تمام پہلی امیدوں پر پانی پھیر دینے کو مشکل نہ سمجھا۔ یہ کوئی آسان بات نہیں اور مجھے ایسے واقعات کا علم ہے کہ جہاں بعض عورتیں دنیا کے زر و مال کو مقدم کر کے اپنے خاوندوں کی بعض نیک ارادوں میں روک واقع ہو گئی ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ کا کلام بھی اسکی گواہی دیتا ہے ان من ازواجکم و اولادکم عدوا لکم۔ پس میں جسقدر اس بات پر اللہ تعالیٰ کا شکریہ ادا کروں کم ہے کہ اُس نے مجھے ایک ایسی زوجہ عطا فرمائی جو دین کے کام میں میری عدو نہیں بلکہ مددگار اور ناصر بنی۔ پس میں نے اگر کوئی خدمت دین کی ہے اور اسکا علم اللہ تعالیٰ کو ہی ہے کیونکہ وہ نیتوں سے آگاہ ہے تو میں سمجھتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک مرحومہ بھی اس خدمت میں شامل ہے۔ اور اسی لیئے میں نے انکی وفات کا ذکر ان صفحات میں کیا ہے۔ مرحومہ کو غربا اور مساکین کی مدد کا جوش بھی خاص طور پر دل میں تھا یہاں تک کہ وہ مجھ سے چھپکر بھی غربا کی مدد کرتی تھیں۔ وصیت کے اعلان پر وہ پہلے وصیت کرنیوالوں میں تھیں اور اپنے مال کی ایک تہائی کی وصیت

ایام بیماری میں حضرت خلیفۃ المسیحؓ نے جسقدر ہمدردی کی اسکا اظہار کرنے سے میری قلم قاصر ہے اور ایسا ہی مکرمی مخدومی جناب خلیفہ رشید الدین صاحب نے علاج میں جسطرح سے کوشش کی اور محض خدا کے لیئے۔ اسکی نظیر دنیاداری کے تعلقات میں کم ملتی ہے۔ اور پھر لاہور میں میرے معزز احباب جناب شیخ رحمت اللہ صاحب و خواجہ کمال الدین صاحب و ڈاکٹر سید محمد حسین شاہ صاحب و ڈاکٹر مرزا یعقوب بیگ صاحب و اخویم بابو غلام محمد صاحب و مکرمی حکیم محمد حسین صاحب قریشی نے جو کچھ ہمدردی کا عملی ثبوت دیا وہ میرے وہم و گمان سے بڑھکر تھا اور میں حیران تھا کہ مجھے اپنی بدقسمتی سے کبھی ان لوگوں کے ساتھ کوئی نیکی کرنیکا موقعہ نہیں ملا ہاں یہ للّٰہی جوش محبت جو ان بزرگوں اور بھائیوں کو میرے ساتھ ہے فاصبحتم بنعمتہ اخوانا کا عملی ثبوت ہے۔ اللہ تعالیٰ عزیزوں کی موت سے اپنے بندوں کو آزماتا ہے جیسا کہ آیت ولنبلونکم بشیئ من الخوف والجوع ونقص من الاموال والانفس والثمرات میں فرماتا ہے۔ سو میں خواہ اس امتحان میں بوجہ اس تعلق کے جو مجھے مرحومہ سے تھا کیسا ہی کمزور ثابت ہوا مگر یقیناً وہ لوگ جو اللہ تعالیٰ کیلیئے مجھ سے محبت رکھتے ہیں وہ اس امتحان میں پورے نکلے اللہ تعالیٰ ان سب کو جزائی خیر دے۔ ہاں سب برابر نہیں ہوتے اگر کسی نے میرا محسن ہونے کے باوجود بجائے اظہار غم و ہمدردی کے کسی گذشتہ رنج کا اظہار اس وفات کے وقت کیا تو یہ شاید میرے لیئے سبق تھا کہ دنیا کے

اخیر پر میں اوّل محب خالص صادق کا شکریہ ادا کرتا ہوں جنہوں نے اپنے معزز اخبار میں ذکر فرما کر میرے احباب کو اس واقعہ کی اطلاع دیکر انہیں مرحومہ کیلیئے دعائے مغفرت کا موقعہ دیا اور پھر ان تمام احباب کا جنہیں میں فرداً فرداً خط لکھ نہیں سکتا اور جنہوں نے ہمدردی کا اظہار خط لکھکر کیا۔ اگرچہ دنیا میں عرفی طور پر بھی تعزیت اور ہمدردی ہوتی ہے مگر بہت سے خط پڑھکر میرے دل کو ایک خاص خوشی پہنچی کیونکہ خواہ مضمون واحد ہو مگر رنگ ہر ایک کا الگ ہوتا ہے اور میں نے ان خطوط سے واقعی فائدہ اٹھایا ہے۔

مندرجہ ذیل کتب موجودہ بک ڈپو کی طرف ہم شائقین کو خاص توجہ دلاتے ہیں

یہ کتابیں بذریعہ وی پی (مفصل فہرست اور قیمتوں کیلئے دیکھو دوسری طرف) منیجر میگزین قادیان سے طلب کرو۔

(۱) صداقت و فلسفۂ اسلام پر براہین احمدیہ جس میں نہایت پُرزور دلایل کے ساتھ صداقت اسلام اور آنحضرتؐ کے منجانب اللہ ہونیکو ثابت کیا گیا ہے۔ مکمل کتاب جس میں حصہ چہارم وہ اصل نسخہ ہے جو حضرت اقدسؑ نے ۱۸۸۴ء میں چھپوایا تھا سستے ریٹ کو ملتی ہے۔ اسلام کا فلسفہ وہ لطیف لیکچر جو پانچ سوالوں کے جواب میں جلسہ اعظم مذاہب میں حضرت اقدسؑ کی طرف سے پڑھا گیا۔ چھوٹی تقطیع قیمت ۲ر رپورٹ جلسہ اعظم مذاہب۔ علاوہ مذکورہ بالا لیکچر کے دیگر مذاہب کے جواب بھی ہیں ۲۲۴ صفحے قیمت ۸ر۔ ریویو آف ریلیجنز کی پچھلی جلدیں جن میں علاوہ دیگر مذاہب جیسے عیسائیت آریہ مذہب وغیرہ کی تردید کے بعض مفصل اور مبسوط مضامین صداقت اسلام پر لکھے گئے ہیں جیسے جلد ۳ ۱۹۰۴ء میں عصمت انبیاء پر جلد ۴ ۱۹۰۵ء میں دعا کی حقیقت اسلام کی حقیقت اور برکات روح القدس ملائکہ۔ وحی الٰہی کی ضرورت۔ جلد ۵ ۱۹۰۶ء میں۔ پردہ۔ تعدد ازواج۔ طلاق۔ غلامی پر۔ جلد ۶ ۱۹۰۷ء میں۔ سود۔ قانون وراثت اور احادیث کی صداقت پر۔ جلد ۷ ۱۹۰۸ء میں۔ قرآن کریم کی حفاظت اور جمع۔ قرأتوں اور ناسخ و منسوخ پر۔ فی جلد عہ۔ (۲) عیسائی مذہب پر۔ سراج الدین عیسائی کے چار سوالوں کا جواب ۲ر جنگ مقدس قابل دید کتاب ہے ۶ر۔ نور القرآن حصہ اول ۴ر حصہ دوم ۴ر ابطال الوہیت مسیح

(۳) آریہ مذہب پر۔ سرمہ چشم آریہ۔ جو آریہ مذہب کے اعتراضوں کے جواب میں اور انکے اصول کی تردید میں ایک لاثانی کتاب ہے ۲۵۰ صفحے قیمت ۱۲ر نور الدین ترک اسلام کے ۱۴۰ سوالوں کا لاجواب جواب ہے جو علامہ حکیم نور الدین صاحب کی تصنیف ہے ۲۵۶ صفحے قیمت ۸ر۔ آریہ دھرم جس میں نیوگ پر بحث ہے ۴ر نسیم دعوت ۳ر (۴) شیعہ مذہب پر۔ خلافت راشدہ حصہ اول ۱۸۰ صفحے ۸ر حصہ دوم ۸۰ صفحے ۴ر مولوی عبد الکریم صاحب مرحوم کی لطیف تصنیف جس میں شیعہ مذہب کی ایسی تردید کیگئی ہے جسکا جواب کسی شیعہ سے بن نہیں سکا بحث کا اسلوب بالکل نیا ہے۔ خطوط شیعہ کا جواب ۲ر

(۵) سکھ مذہب پر۔ ست بچن ۲۰۰ صفحے قیمت ۱۰ر اس کتاب میں یہ ثابت کیا گیا ہے کہ باوا نانک صاحب اسلامی طریق کے پیرو تھے سکھ مذہب پر حجت قاطع ہے۔ (۶) سلسلہ احمدیہ کی حقیقت میں عسل مصفیٰ ایک قابل دید کتاب ۸۲۸ صفحوں کی ہے جو بسبب ایک جامع کتاب ہونیکے ہر ایک احمدی کے ہاتھ میں ہونی چاہیئے سلسلہ احمدیہ کے متعلق ہر ایک مسئلہ پر اور احادیث تفاسیر وغیرہ کے تمام اقوال پر سیر کن بحث ہے باقی کیلئے دیکھو مفصل فہرست۔ (۷) لغات القرآن ایک نہایت قابل قدر لغات قرآن شریف کی ہے جسمیں بالمقابل کالموں میں معتبر لغات عربی اور اسکا اردو ترجمہ دیئے گئے ہیں قرآن شریف کا ترجمہ سیکھنے کیلئے از بس ضروری ہے حصہ اول ۴۳۸ صفحے قیمت عہ حصہ دوم ۶۰۸ صفحے قیمت عہ (۸) یسرنا القرآن یہ اگرچہ بچوں کا قاعدہ ہے مگر ایک نہایت مفید چیز ہے جس سے بچوں کو قرآن شریف کے پڑھنے میں اعلیٰ درجہ کی سہولت ہوگی ہے چھ ماہ میں بچہ قرآن شریف پڑھ لیتا ہے تین حصہ میں ہے فی حصہ ۱ر (۹) مکتوبات و خطبات محمدیہ آنحضرت۔

مندرجہ ذیل کتابیں دفتر میگزین قادیان ضلع گورداسپور سے بذریعہ قیمت طلب پیکٹ مل سکتی ہیں انکا مطالعہ مذہبی تحقیقات اور تاریخی معلومات اور مخالفین کے اعتراضات کی تردید کیلئے نہایت ضروری ہے مفصل فہرست مرکا ٹکٹ بھیجنے پر ارسال خدمت ہوگی۔

کتاب	قیمت	کتاب	قیمت	کتاب	قیمت	کتاب	قیمت
انوار اللہ اردو	۸ر	قاعدہ عربی اردو	ار	تذکرۃ الشہادتین اردو	۵ر	شہادۃ القرآن اردو	۴ر
اجرومیہ عربی	۱۰ر	قرآن شریف مترجم مع تفسیر حسینی	عـہ	تحفہ قیصریہ فارسی	۳ر	صیان القرآن ″	۳ر
الذکر یعنی ترجمہ نماز و اسمائے الٰہیہ	۲ر	مسک العارف اردو	۱۰ر	تحفہ قیصرہ اردو	۲ر	کشف الغطاء ″	۲ر
پارہ الم عربی	۲ر	نشان آسمانی ″	۲ر	تحفۃ الندوہ ″	۱۰ر	لغات القرآن حصہ اول	عہ
پنج ارکان اسلام۔ اردو	ار	واقعات صحیحہ ″	۲ر	تقریریں ″	۲ر	″ دوم	عہ ۸ر
تفسیر جلالین عربی	عہ ۸ر	یسرنا القرآن حصہ اول	ار	تقریروں کا مجموعہ ″	۴ر	لیکچر سیالکوٹ اردو	۱۰ر
تفسیر فوز الکبیر عربی فارسی	۲ر	″ ″ دوم	ار	سراج الدین عیسائی کے چار سوالوں کا جواب ″	۲ر	″ لاہور مہوتسو ″	۴ر
تقریر جلسہ احباب جیبی تقطیع اردو	۲ر	″ ″ سوم	ار	جنگ مقدس عیسائیوں سے مباحثہ ″	۶ر	مشکوٰۃ الانوار عربی	۴ر
جام شہادت ″	۱۰ر	ہدیہ ثاقب اردو	۳ر	حمامۃ البشریٰ حصہ اول عربی	۸ر	مواہب الرحمٰن ″	۴ر
حمائل مترجم۔ فارسی	عہ	الہدیٰ عربی	۶ر	حجۃ الاسلام اردو	ار	مبادی الصرف	۱۰ر
رپورٹ جلسہ اعظم مذاہب اردو	۸ر	الحق لدھیانہ اردو	۶ر	خطوط شیعہ کا جواب ″	۲ر	نسیم دعوت اردو	۳ر
سلسلہ دینیہ۔ اردو	شہ	″ دہلی ″	۸ر	خطبہ الہامیہ عربی مع ترجمہ فارسی اردو	عہ	نور القرآن حصہ اول ″	۲ر
سلاسل القراۃ۔ عربی نمبر۱	۴ر	اعجاز احمدی۔ عربی	۳ر	خلافت راشدہ حصہ اول اردو	۸ر	″ دوم ″	۴ر
″ نمبر۲	۸ر	احسن الکلام اردو	۔ر	″ ″ دوم ″	۴ر	ہدیہ سعدیہ عربی	۲ر
″ ″ نمبر۳	۱۲ر	ابطال الوہیت مسیح ″	ار	خزینۃ المعارف حصہ اول و دوم	۴ر	فضل حق اردو	ار
″ ″ نمبر۴	۱۲ر	آیات الرحمٰن ″	۸ر	″ سوم و چہارم	۸ر	سیرۃ المسیح ″	۸ر
آریہ دھرم اردو	۴ر	دعوت الحق ″	۵ر	اعلام الناس حصہ دوم	۴ر	آسمانی فیصلہ ″	۲ر
دینیات کا پہلا رسالہ ″	ا۔	شرح ترمذی۔ نمبر۱	عہ ۸ر	دعوت دہلی اردو	۱۰ر	دافع البلاء ″	ار
طریق النجات نمبر۱	۸ر	″ نمبر۲	عہ ۸ر	دعوت الندوہ ″	۱۰ر	غنیۃ الطالب عربی	عہ
″ نمبر۲	۷ر	احمدی کا سن نظم پنجابی	ار	راز حقیقت ″	ار	شفاء السقام ″	عہ
″ نمبر۳	۸ر	براہین احمدیہ حصہ اول	۵ر	براہین احمدیہ حصہ چہارم*	عـ	ست بچن اردو	۱۰ر
″ نمبر۴	۱۵ر	″ ″ دوم	۴ر	مکمل براہین احمدیہ اردو	[illegible]		
عسل مصفیٰ اردو	عہ ۸ر	″ ″ سوم	۱۰ر	سرمہ چشم آریہ ″	۱۲ر	نوٹ۔ ان قیمتوں میں	
صبر جمیل بر قول جمیل۔ ایک دلچسپ نظم مولوی خلیل سہارنپوری کے اعتراضوں کے جواب ہیں۔			ر	مکتوبات و خطبات محمدیہ۔	۴ر	محصول ڈاک شامل نہیں	

* براہین احمدیہ کا چہارم حصہ اصل نسخہ ہے جو حضرت اقدس نے ۱۸۸۴ء میں چھپوایا تھا۔ باقی تین حصے بڑے اہتمام سے دوبارہ چھپوائے گئے ہیں
مکمل براہین احمدیہ جس میں جلد چہارم بار اول کی چھپی ہوئی ہے ۔۔ روپے کو دفتر میگزین سے مل سکتی ہے۔

تمام خط و کتابت ان کتابوں کے متعلق دفتر میگزین قادیان سے ہونی چاہیئے۔